حسب ضابطہ رجسٹری شدہ ہے

جلد سوم

تہذیب الاخلاق

عالی جناب نواب اعظم یار جنگ مولوی محمد چراغ علی خاں صاحب

مرحوم و مغفور

فنانشل سیکرٹری ریاست حیدرآباد دکن

تمام مضامین از ابتدائے سنہ ۱۲۸۷ھ لغایت سنہ ۱۲۹۳ھ مندرجہ تہذیب الاخلاق مع دیباچہ

مرتبہ

ملک فضل الدین ملک چنن الدین ملک تاج الدین ککے زئی تاجران کتب قومی

منزل نقشبندیہ

کوچہ ککے زئیاں بازار کشمیری

لاہور

نولکشور پریس لاہور میں منیجر کے اہتمام سے

چھپی

طبع ثانی

قیمت فی جلد

ایک روپیہ آٹھ آنے

تصنیفات آنریبل ڈاکٹر سر سیّد احمد خان علیہ الرحمۃ والغفران

تفسیر القرآن جلد اوّل

اس جلد میں سورۂ فاتحہ اور سورۂ بقر کی تفسیر ہے۔ اس میں ذیل کے مضامین نہایت محققانہ طریقہ سے لکھے گئے ہیں دعا اور اس کے مقبول ہونے کی حقیقت، حروف مقطعات کی تحقیق، مسئلہ جبر اختیار، وحی والہام کی حقیقت، اعجاز القرآن، جنت و دوزخ کی حقیقت، ملائکہ کی حقیقت، شیطان، قصہ آدم، قصہ موسےٰ، معجزہ دلیل نبوت ہے یا نہیں، جبرائیل و میکائیل کی حقیقت ناسخ و منسوخ کی بحث، سمت قبلہ کی حقیقت، مذہبی احکام کی قسمیں، قصاص پر بحث، مسئلہ وصیت، روزوں پر بحث، جہاد کی حقیقت، حج کی حقیقت، مسئلہ ربا کی تحقیق + قیمت ... ... عہ

تفسیر القرآن جلد دوم

اس جلد میں سورۂ آل عمران سورۂ نسأ، سورۂ مائدہ کی تفسیر ہے۔ اور اس میں ذیل کے مضامین پر بحث کی گئی ہے آیات محکمات و متشابہات پر بحث، کفار کی دوستی کا مسئلہ، حضرت مریم کی نسبت بعض بحثیں، حضرت عیسےٰ کے بن باپ پیدا ہونے اور صلیب دیے جانے اور زندہ ہو کر آسمان پر جانے کی تحقیق، بدر کی لڑائی میں فرشتوں کے آنے کی حقیقت بدر اور احد کی لڑائی میں نیند کے نازل ہونے کی تحقیق، سوختنی قربانی پر بحث، ہابیل اور قابیل کی قربانی، چور کے ہاتھ کاٹنے کے مسئلہ کی تحقیق، غیر مسلم کا کس شریعت سے فیصلہ کیا جائے حضرت عیسےٰ کے معجزات پر تفصیلی اور محققانہ بحث + قیمت عہ

تفسیر القرآن جلد سوم

اس جلد میں سورۂ انعام اور سورۂ اعراف کی تفسیر ہے اور اس میں ذیل کے مضامین نہایت تحقیق سے لکھے ہیں۔ آنحضرت کے پاس معجز ہونے یا نہ ہونے پر بحث معجزہ کی حقیقت، انبیا پر ایمان لانے یا نہ لانے کی اصلی سبب، ملائکہ حفظہ و کراماً کاتبین کی تحقیق، لفظ کن فیکون کی تحقیق، نفخ صور کی حقیقت حضرت ابراہیم نے ستاروں کو کیونکر رب کہا، نبوت امر فطری ہے، جنات کے وجود اور ان میں انبیا کے پیدا ہونے پر بحث، میزان اور وزن اعمال کی تحقیق، روح اور معاد یعنی قیامت پر مفصل اور محققانہ بحث، چھ دن میں دنیا کے پیدا ہونے کی تحقیق، استوا علے العرش کے معنوں کی تحقیق، قوم عاد کے حالات کی تحقیق، آفات ارضی و سماوی کو انسان کے گناہوں سے منسوب کرنے کا سبب، قوم ثمود کے حالات کی تحقیق، قصہ حضرت شعیب، قصہ حضرت موسےٰ سحر اور معجزہ پر بحث، حضرت موسےٰ کے حالات اور معجزات پر تفصیلی اور محققانہ بحث، توریت و انجیل میں آنحضرت کی نسبت بشارات کے ہونے پر بحث

قیمت) عہ

تفسیر القرآن جلد چہارم

اس جلد میں سورۂ انفال، سورۂ توبہ، سورۂ یونس کی تفسیر ہے۔ اسمیں آنحضرت کے ایک ایک غزوہ اور سریہ پر مفصل بحث کی گئی ہے اور یہ بات نہایت طریقہ سے ثابت کی گئی ہے کہ یہ غزوات اور سریے خونریزی اور قتل و غارت کے لئے نہیں تھے جیسا کہ مخالفان مذہب اسلام کہتے ہیں بلکہ بطور مدافعت کے تھے

قیمت) عہ

تفسیر القرآن جلد پنجم

اس جلد میں سورۂ ہود، سورۂ یوسف، سورۂ رعد، سورۂ ابراہیم، سورۂ حجر، سورۂ نحل کی تفسیر ہے۔ اس میں ذیل کی بحثیں نہایت تحقیق سے لکھی گئی ہیں طوفان نوح پر بحث، قصہ حضرت ابراہیم، قصہ حضرت لوط، خواب کی حقیقت، اور حضرت یوسف اور بادشاہ مصر اور دو قیدیوں کی خوابوں کی تحقیق حضرت یوسف اور زلیخا کے درمیان جو واقعات گذرے ان کی تحقیق، حضرت یعقوب کے نابینا اور بینا ہونے پر بحث، آسمانی برجوں کی حقیقت، آسمان کو شیاطین سے محفوظ رکھنے پر بحث، شیاطین سے کیا مراد ہے، رجم شیاطین اور شہاب ثاقب کی تفسیر، جنوں کے آگ سے پیدا ہونے پر بحث، پہاڑوں کے زمین کے تھامنے پر بحث

قیمت ؏ ... **تفسیر القرآن جلد ششم** اس جلد میں سورۂ بنی اسرائیل کی تفسیر ہے۔ اسمیں معراج کے قصے پر نہایت تفصیل اور استیعاب سے بحث کی گئی ہے + قیمت ... ... عہ

دیباچہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تہذیب الاخلاق کی اشاعت کی ضرورت

جن لوگوں نے خواجہ نصیر الدین طوسی کی کتاب اخلاق ناصری پڑھی ہے وہ اس بات کو خوب جانتے ہیں کہ تہذیب الاخلاق کیا کتاب ہے اور حکمائے کرام وعلمائے عظام کی مجلس میں وہ کس عزت اور عظمت کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہے۔ لیکن جن لوگوں کو اخلاق ناصری کے دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا ہم اُن کو بتائے دیتے ہیں۔ کہ آج سے قریباً نو سو برس پیشتر ترکستان کے شہر رَے میں جو ایک حکیم فاضل اور اُستاد کامل ابو علی مسکویہ خازن رازی گزرا ہے یہ اُس کی تصنیف ہے۔ اس کتاب نے مضامین کی عمدگی۔ بیان کی خوبی۔ زبان کی اسلوبی کی وجہ سے ایسا حُسن قبول حاصل کیا تھا کہ خواجہ نصیر جیسے شخص نے جو اپنے زمانہ کا ایک نامور عالم اور مشہور فاضل تھا۔ جب قہستان[1] کے حاکم امیر ناصر الدین عبد الرحیم کی پاس خاطر کتاب اخلاق ناصری مرتب کی تو فن اخلاق کے متعلق صرف اسی کتاب کے ترجمہ پر اکتفا کیا۔ اور کسی جدید کتاب کے تصنیف کرنیکی ضرورت نہ سمجھی +

جس زمانہ میں یہ کتاب تصنیف ہوئی اسلامی سلطنت کا آفتاب ترقی کے نصف النہار پر چمک رہا تھا۔ گھر گھر علم وفضل کا چرچا تھا۔ رعایا اُس کو ترقی مدارج کا ذریعہ سمجھتی تھی۔ حکام اپنی سلطنت کی زیب وزینت کا باعث تصور کرتے تھے۔ اَور تو اَور۔ صرف ابو علی سینا اور ابو ریحان بیرونی اس حکیم کے ہمعصروں میں دو ایسے باکمال ہو گزرے ہیں جن کا نام ایشیا اور افریقہ کی

[1] خراسان میں ایک علاقہ کا نام ہے۔ یہ لفظ کوہستان کا معرب ہے +

اسلامی قوموں میں عموماً اور یورپ کے تہذیب یافتہ ملکوں میں خصوصاً نہایت عزت اور توقیر کے ساتھ لیا جاتا ہے - یہ وہ زمانہ تھا کہ فاتح اور مفتوح قوم کی زبان - تمدن - معاشرت - علوم و فنون - حرفت وصنعت میں کسی قسم کی مغائرت نہ تھی - اس واسطے حکیم مذکور نے اس امر کو کافی سمجھا کہ وہ اپنی کتاب میں صرف نفس ناطقہ کی صفات سے بحث کرے اور اُس کے فضائل اور رذائل کے بیان سے اُس کو مکمل کرے - لیکن اگر ابو علی ہمارے زمانہ میں ہوتا اور دیکھتا کہ فاتح اور مفتوح قوم کی زبان میں اختلاف - دونوں قوموں کے تمدن اور معاشرت کا طریق جُدا - ایک قوم کے علوم وفنون دوسری قوم کے علوم وفنون کے مقابلہ میں مثل تقویم پارینہ - حرفت اور صنعت کا یہ حال کہ تکلفات کی چیزیں تو بجائے خود رہیں - چاقو - قینچی بلکہ سُوئی دھاگہ تک جو ہمارے روزمرہ کے استعمال کی چیزیں ہیں ہم اُس میں غیر قوموں کے محتاج - تو کیا ان حالات پر یہ ممکن تھا - کہ علاوہ مضامین مذکورہ بالا کے ایسے مضامین درج نہ کرتا جو قوم کو تاریکی جہالت کے تنگ گڑھے سے نکلنے اور ترقی کے نورانی میدان میں قدم رکھنے کا ذریعہ ہوتے +

خدا کا شکر ہے کہ جب ایسی کتاب کی ضرورت پیش آئی تو اُس نے اپنے فضل وکرم سے ہمارے زمانہ کے مناسب حال ایک اَور ابو علی کو پیدا کر دیا جو رسائی عقل اور صفائی ذہن کے باعث قوم کی ضروریات سے - زمانہ کی رفتار سے - ترقی کے موانعات اور اُس کے اصلاح کی تجاویز سے ایسا ہی آگاہ ہے جو ایک مصلح قوم اور بہی خواہ ملک کو ہونا چاہیئے - وہ کون ؟

آنریبل ڈاکٹر سر سید احمد خاں بہادر کے - سی - ایس - آئی - ایل ایل ڈی - اس مرد خدا نے جب سے دنیاوی زندگانی میں قدم رکھا اور قوم کی موجودہ حالت کو دیکھکر معلوم کیا کہ یہی قوم ہے کہ ایک زمانہ میں علم وفضل - حرفت وصنعت - تجارت وحکمرانی میں ترقی کے اعلےٰ درجہ پر پہنچی ہوئی تھی - یا اَب وہی قوم ہے کہ ترقیات کو اُس سے ایسی مغائرت ہے جو ایمان کو کفر سے - یا نور کو ظلمت سے - یا آبادی کو ویرانہ سے - تو اِن حالات سے اُس کا جی بھر آیا - اور ہمہ تن اُس کی حل مشکلات میں مصروف ہوگیا - اور جو کچھ ہو سکتا تھا برسوں اُس پر سوچا کیا - دل اور دماغ سے - قلم اور زبان سے - مال اور جان سے جو مدد مل سکتی تھی وہ ساری اُس پر صرف کر دی - اور آخر کو ایک سوسائٹی قائم کی - اخبار جاری کیا - علمی کتابوں کے ترجمے کرا کر شائع کئے - مگر جب تھوڑے عرصہ کے تجربہ سے اُس کو معلوم ہوگیا - کہ یہ تدبیریں موجودہ حالات کے لحاظ سے غیر تسلی بخش اور ناکافی ہیں تو فاتح قوم کے عروج اور اقبال مندی کا زندہ نمونہ دیکھنے کے واسطے لنڈن تک کا سفر اختیار کیا - اُس کے حالات کو نظر عبرت سے دیکھا - اُس کی ترقی کے اسباب کو جانچا - پھر اِن سب اسباب کا موازنہ اپنی قوم کے حالات سے کیا -

اور اس تمام تر سفر کا نتیجہ یہ نکالا۔ کہ "جو قوم دوسری قوم کے ماتحت رہکر ترقی کرنا چاہے عزت اور آرام سے زندگی بسر کرنے کی خواہشمند ہو۔ غیر قوموں کے سامنے اولوالعزمی کا پھریرا بلند کرنا اُس کے مدنظر ہو۔ اُس کو لازم ہے کہ فاتح قوم کی زبان اور اُن علوم کو سیکھے جو دنیا میں مفید اور بکار آمد ہوں۔ اور ایک قومی دارالعلوم قائم کرے جو اس ضرورت کے انصرام کا کفیل ہو" +

اَب اِس بزرگوار نے ہندوستان میں واپس آکر چاہا کہ جو تجارت عظیمہ اس لمبے چوڑے چوڑے سفر میں حاصل کئے ہیں قوم کو اُن سے آگاہ کرے۔ مگر قوم کو دیکھا کہ قومی سلطنت کا سایہ اُٹھ جانے سے۔ علوم و فنون کی تحصیل چھوڑ بیٹھنے سے اُس پر ادبار چھاگیا ہے۔ خواب غفلت میں پڑی اینڈ رہی ہے۔ نہ سرسری پکار سے اُس کی آنکھ کھلتی ہے۔ اور نہ معمولی جھنجوڑ سے کروٹ بدلتی ہے۔ تب ایک شیریں کلام۔ بلند آواز۔ اَن تھک طبیعت کو اُس پر متعین کیا۔ اس کی سیریلی آواز میں وہ غضب کی طاقت تھی۔ کہ جس دل میں گئی جادو کی طرح اثر کر گئی جس گھر میں پہنچی مقناطیس کا کام کر دکھایا۔ سوتوں کو جگا دیا۔ مستوں کو ہوشیار کر دیا۔ مردہ تنوں میں رُوح پھُونک دی۔ زندہ دلوں کو روح القدس کا اثر عطا کیا۔ وہ شیریں کلام کون تھا؟ **مقدّس تہذیب الاخلاق** جس کی اشاعت کا انتظام درپیش ہے +

آہا!! یہ وہی تہذیب الاخلاق ہے :-

جس نے مسلمانوں کی حُسن معاشرت کا بیڑا اُٹھایا +

جس نے اسلامیوں کے اصلاحِ تمدّن کا بارِ گراں اپنے ذمّہ لیا +

جس نے پاک مذہب سے رسم و رواج کے اوہام باطلہ کو دور کر دیا +

جس نے دنیا کو بتا دیا۔ کہ سچّا اسلام ہر قسم کی دینی و دنیاوی ترقیات کرنے کو بہمہ وجوہ آمادہ ہے +

جس نے غیر مذہب والوں پر ثابت کر دیا۔ کہ اسلام ہی وہ مذہب ہے جو انسانی فطرت کے مطابق ہے +

جس نے عام و خاص پر ظاہر کر دیا۔ کہ مصلحان بنی آدم میں سے جس کی شریعت دنیا کی زندگی کے ساتھ وابستہ ہے۔ وہ نبی عرب **محمد** صلعم کی ذات بابرکات ہے +

ہاں کتاب تو ایسی ہی ہے مگر اب کہاں۔ کچھ تو پہلے ہی گنتی کے نسخے چھپا کرتے تھے اور اَب بیس برس کی مدت نے اُس کو اَور ناپید کر دیا۔ اگر کہیں اتفاقیہ بکتی ہوئی مل بھی جائے

تو پھر عام کو اُس کی خریداری اور نفیس طبائع کو اس کی گرانباری۔ متعذر۔ غریب آدمی ۱۸ؔ کہاں سے لائے۔ اور امیر آدمی اُس کی سات جلدوں کی ورق گردانی کا کس طرح متحمل ہو۔ پس سہولت اس کی مقتضی ہوئی ہے۔ کہ کل اولڈ اڈیشن (عہد عتیق) چار حصّوں میں شائع کیا جائے۔ اور ہر حصّہ کی قیمت دو ۲ؔ روپے قرار پاوے۔ ترتیب مضامین کے لحاظ سے تفصیل حصص یوں ہے:-

پہلے حِصّہ میں نواب محسن الملک محسن الدولہ مولوی سید مہدی علی خاں صاحب بہادر منیر نواز جنگ کے مضامین۔ قیمت دو روپیہ (۲ؔ) +

دوسرے حِصّہ میں عالی جناب آنریبل ڈاکٹر سر سید احمد خاں صاحب بہادر کے۔ سی ایس۔ آئی کے کُل مضامین۔ قیمت تین۳ روپے (۳ؔ) +

تیسرے حِصّہ میں نواب اعظم یار جنگ مولوی محمد چراغ علی خاں صاحب بہادر مرحوم کے مضامین۔ قیمت (عہ) +

چوتھے حِصّہ میں نواب انتصار جنگ مولوی مشتاق حسین۔ مولوی الطاف حسین حالی۔ شمس العلماء مولوی ذکاء اللہ۔ مولوی مہدی حسن۔ سید محمود وغیرہ صاحبان کے مضامین۔ قیمت (عہ) +

خادمِ قوم

خاکسار ملک فضل الدین ککے زئی۔ نقشبندیہ منزل

تاجر کتب قومی و مالک اخبار اشاعت

کوچہ ککے زئیاں و بازار کشمیری

لاہور

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اِحسانِ عام

فبما رحمۃٍ من اللہ لِنت لھم ولو کنت فظاً غلیظ القلب لانفضوا من حولک

۱- اپنے ہمجنسوں سے شفقت اور نرمی برتنی تمامی بنی نوع سے خیراندیشی کرنی - اُن کا بھلا چاہنا بلکہ اپنی منفعت پر غیر کی منفعت کو مقدم رکھنا - اپنے دشمنوں - مخالفوں اور بدخواہوں سے احسان و مروت اور عموماً دوستی کرنا بلکہ اپنے مخالفوں کی خطاؤں سے درگذر کرنا - اپنے دشمنوں کی بدخواہیوں کو معاف کرنا اُن کی عداوت اور رنج دہی پر صبر کرنا اور بُرائی کے عوض ہمیشہ بھلائی کرنا - یہ عمدہ اور افضل محاسن اخلاق ہیں جو ہمارے اسلام اور قرآن نے ہم کو سکھلائے ہیں - ہرچند کہ حکمائے سابقین کئی زمانوں کے تجربہ اور عرصۂ دراز کی فکر و غور سے ایسے محاسن اخلاق کے قریب قریب پہنچے تھے - اور نہ کوئی ایک ہی حکیم تھا جس نے یہ سب عمدہ مکارم اخلاق کی باتیں سکھلائی ہوں بلکہ مختلف اور متعدد حکیموں اور فیلسوفوں نے بہت کچھ سرد و گرم زمانہ دیکھکر اُن میں سے بعض بعض باتیں محاسن اخلاق کی بیان کیں - اِلّا چونکہ انسانی خیالات تھے - جن کا ٹھیک ٹھیک ہر ملک و مزاج کی مختلف طبیعتوں کے اندازہ کے موافق ہونا اُن حکیموں کی عقل کی دوراندیشی سے باہر تھا اور خیالات انسانی افراط و تفریط سے بھی خالی نہ تھے - لہذا اُن پر وثوق کلی اور اعتماد قطعی بغیر وحی کے انکشاف کے ممکن نہ تھا - چنانچہ وہ وحی الٰہی جس کا انکشاف تمام عالم پر قرآن کے ذریعہ سے ہوا اس وحی کامل نے ان سب اخلاق حسنہ کو تمام و کمال ہر ایک زمانہ اور ملک کے مناسب حال اور اندازہ کے موافق ہم لوگوں پر ظاہر و منکشف کیا +

۲- اس بارہ میں جو احکام ہم کو قرآن شریف کے ذریعہ سے ملے ہیں وہ ایسی وضع اور صورت میں نہیں ہیں - کہ کسی خاص سورت یا رکوع میں بہ حیثیت مجموعی جمع کر کے رکھا ہو جو کہ تصنع اور تکلف سے خالی نہ ہوتا اور جس سے کہ ایک طرح کے دکھلاوے کی ترکیب اور ظاہری

بندش پائی جاتی بلکہ تمام مصحف میں اِن پاک احکام اور عمدہ اخلاق کو ہر ایک قسم کے ذکر میں ایسی سچی مصلحت سے متفرق بیان کیا ہے کہ پڑھنے اور سُننے والوں کو ہر وقت اور ہر مضمون کے ساتھ اُن نیکیوں اور اخلاق کی تنبیہ اور یاددہانی ہوتی رہی اور اس وحی کے جس مقام کو بلا قصد اور بلا تعیین پڑھا جاوے وہیں پر اُن میں سے کوئی نہ کوئی نصیحت ضرور پائی جاوے +

۳- ہم کو قرآن مجید یہ بات سکھلاتا ہے کہ ہم کو لازم ہے کہ بدی کے عوض میں نیکی کریں اور خدا کا یہ حکم محکم ہے کہ ہم اپنے دشمنوں سے برائی کے عوض میں بھلائی کریں +

(۱) ویدرؤن بالحسنة السیئة اولئك لهم عقبی الدار (رعد-۲۰) +

جو لوگ بُرائی کے عوض میں بھلائی کرتے ہیں اُنہی لوگوں کے لئے دار آخرت ہے +

(۲) اولئك یؤتون اجرهم مرتین بما صبروا- ویدرؤن بالحسنة السیئة (قصص-۵۴) +

اُن لوگوں کو دوہرا اجر ملیگا اس لئے کہ اُنھوں نے صبر کیا اور بھلائی کرتے ہیں بُرائی کے بدلے +

(۳) اِدفع بالتي هي احسن (مومنون-۹۸) +

بُری بات کا جواب وہ کہہ جو کہ بہتر ہے +

یہ صاف سی بات ہے کہ قرآن مجید نے ہم کو محض حکماً یہ بات سکھلادی یا ہم اُس کو بلا تصدیق محض ایمان کی راہ سے تسلیم کرلیں- نہیں بلکہ ایسی نیکی کرنے کی بدیہی دلیل اور صریح نتیجہ بھی بتلادیا +

ولا تستوی الحسنة ولا السیئة ادفع بالتی هی احسن فاذا الذی بینك وبینه عداوة كانه ولی حمیمٌ وما یلقٰها الا الذین صبروا وما یلقّٰها الا ذو حظ عظیم (حم سجدہ ۵) +

برابر نہیں نیکی اور نہ بدی جواب میں تو کہہ اس سے بہتر پھر تو دیکھے کہ جس میں تجھ میں دشمنی تھی جیسے دوست دار ناتے والا اور یہ بات ملتی ہے اُنہیں کو جو صبر کرتے ہیں اور یہ بات ملتی ہے اُس کو جس کی بڑی قسمت ہے +

(۴) پھر قرآن ہم کو یہ بھی سکھلاتا ہے کہ بدلہ لینا گو معروف یا مقتضائے عدالت ہو اور ایسا کرنا سہل بھی ہے مگر اس کے کریمانہ اخلاق کا یہی حکم ہے کہ مخالفوں کی خطاؤں اور برائیوں کو معاف کردو اور عموماً درگذر کرو +

وجزاء سیئة سیئةٌ مثلها فمن عفی واصلح فاجره علی الله (شوریٰ-۳۸) +

برائی کا بدلہ بُرائی ویسی ہے پھر جو کوئی معاف کرے اور سنوارے تو اُس کا ثواب ہے اللہ کے ذمہ +

وان عاقبتم فعاقبوا بمثل ما عوقبتم بہ ولئن صبرتم لھو خیر للصابرین (نحل) +

اگر بدلہ لو تو بدلہ دو اُسی قدر جتنی تم کو تکلیف پہنچے اور اگر صبر کرو تو یہ بہتر ہے صبر کرنیوالوں کے لئے +

ولمن صبر وغفر ان ذلک من عزم الامور (شوریٰ) +

اور البتہ جس نے صبر کیا اور معاف کیا بیشک یہ ہمت کے کام ہیں +

فاعفوا واصفحوا حتی یاتی اللہ بامرہٖ (بقر) +

سو معاف کرو اور درگذر کرو جب تک بھیجے اللہ اپنا حکم +

فاعف عنھم واصفح ان اللہ یحب المحسنین (مائدہ) +

سو معاف کر اور درگزر کر اُن سے اللہ بیشک دوست رکھتا ہے نیکی والوں کو +

فاعف عنھم وقل سلام (زخرف) +

سو تو درگذر کر اُن کی طرف سے اور کہہ سلام +

ان آیاتِ محکمات میں قرآن نے کئی طرح پر ہم کو نصیحت کی کہ بُرائی کرنیوالوں کو معاف کرو بدلہ نہ لو بلکہ صبر کرو بخشدو درگذر کرو اور مخالفوں سے نیکی کرو اُن پر احسان رکھو +

(۵) اور اس سے زیادہ اَور بھی صاف صاف کہدیا ہے +

یاایھا الذین آمنوا ان من ازواجکم واولادکم عدوا لکم فاحذروھم وان تعفوا وتصفحوا وتغفروا فان اللہ غفور رحیم (تغابن) +

اے ایمان والو بعضی تمہاری جوروئیں اور اولاد دشمن ہیں تمہاری سو اُن سے بچتے رہو اور اگر معاف کرو اور درگذر کرو اور بخشو تو اللہ ہے بخشنے والا مہربان +

دیکھئے اس میں دشمنوں کے حق میں بھلائی اور احسان کے واسطے کیسی تاکید سے الفاظ فرمائے ہیں - معاف کرنا - درگذر کرنا - بخش دینا - اور اُس پر بھی اخیر میں اشارہ کیا ہے کہ خدا غفور ورحیم ہے پس تم بھی اپنے دشمنوں سے ایسی خصلت بخشش اور رحم کی اختیار کرو +

(۶) - قرآن نے ہم کو یہ بات بھی اچھی طرح سے واضح کردی کہ ہماری یہ خصلت کہ ہم اپنے دشمنوں سے مہربانی کریں اُنکی بُرائیوں سے درگذر کریں کیوں پسندیدہ ہے اور ہم کیوں ایسی عاتیں اور عنایتیں اپنے مخالفوں سے کریں - چنانچہ لکھا ہے +

ولیعفوا و لیصفحوا الا تحبون ان یغفر اللہ لکم[ا] - (نور-۲۲) +

اور چاہئے کہ معاف کریں اور درگذر کریں کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ معاف کرے تم کو +

اس میں صاف سمجھا دیا کہ چونکہ تم اپنے گنہگاروں - خطا کاروں - دشمنوں اور مخالفوں سے ایسا شیوہ عفو و غفران کا اختیار کروگے تو خدا بھی تمہاری خطاؤں سے درگذر کریگا +

اس فقرہ میں "الا تحبون ان یغفر اللہ لکم" بڑی حکمت بھری ہے - اگر ہم چاہتے ہیں کہ خدا ہماری خطاؤں کو معاف کرے تو لازم ہے کہ ہم بھی اپنے خطا کاروں کی تقصیریں معاف کریں اگر ہم توقع رکھتے ہیں کہ خدا ہم کو بخش دے تو ضرور ہے کہ ہم بھی اوروں کی خطائیں بخش دیں - آیت ہم کو صاف یہ سکھلاتی ہے کہ ہم ہمیشہ خدا سے یہ دُعا کریں کہ جیسے ہم اپنے تصیرواروں کو معاف کرتے ہیں ویسے ہی خدا بھی ہماری تقصیریں معاف کرے +

(۷) ہم کی معاشرت میں (خواہ ہمارے اہل معاشرت مسلمان ہوں یا غیر مسلمان - دوست ہوں یا مخالف) عدل اور احسان برتنا اور انصاف مدنظر رکھنا ایک حکم محکم اور امر لازم ہے +

ان اللہ یامر بالعدل والاحسان (نحل) +

اللہ حکم کرتا ہے انصاف کرنے کو اور بھلائی کرنے کو +

وتعاونوا علی البر والتقوی ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان (مائدہ) +

آپس میں مدد کرو نیک کام پر اور پرہیزگاری پر اور نہ مدد کرو گناہ پر اور زیادتی پر +

پھر اس سے بھی واضح کرکے صاف سمجھا دیا کہ کسی قوم کی عداوت تم کو عدل کرنے سے نہ باز رکھے اور کسی جماعت کی دشمنی تم کو انصاف کرنے سے نہ روکے - تم سب اپنے دوستوں سے اور دشمنوں سے عدل اور احسان اور انصاف برابر قایم رکھو +

یا ایہا الذین امنوا کونوا قوامین للہ شہداء بالقسط ولا یجرمنکم شنان

[ا] العفو والصفح من المسیئ حسن مندوب فربما وجب ذالک - ولو لم یجب علیہ الا ہذہ الآیۃ لکفی - الا تری الی قولہ الا تحبون ان یغفر اللہ لکم فعلق الغفران بالعفو والصفح - وعنہ علیہ السلام من لم یقبل عذر المتنصل کاذبا کان او صادقا لم یرد علی حوضی یوم القیمۃ - وعنہ علیہ السلام افضل اخلاق المسلمین العفو والصفح وعنہ ایضا ینادی مناد یوم القیامۃ الا من کان لہ علی اللہ اجر فلیقم الا اہل العفو ثم تلا فمن عفی و اصلح فاجرہ علی اللہ - وعنہ علیہ السلام ایضا لا یکون العبد فی افضل حتی یصل من قطعہ ویعفو من ظلمہ ویعطی من حرمہ - تفسیر کبیر +

قوم علیٰ ان لا تعدلوا اعدلوا هو اقرب للتقویٰ (مائدہ ۲) +
اے ایمان والو کھڑے ہو جایا کرو اللہ کے لئے گواہی دینے کو انصاف کی اور ایک قوم
کی دشمنی کے باعث عدل نہ چھوڑو عدل کرو یہی بات لگتی ہے تقوے سے +
(۸) بعضے نکتہ چین ظاہر بین مخالفان اسلام نے ان ظاہر اور روشن احکام سے تغافل کر کے
ایسا گمان کر لیا کہ گویا قرآن ایسے احکام عفو عام بخشش تام اور محاسن اخلاق سے خالی ہے اور نہ
اسی قدر پر اُنہوں نے اکتفا بلکہ اور بھی ترقی کر کے یہ سمجھے کہ قرآن میں بعض احکام ان نیکیوں کے
برخلاف ہیں۔ کبرت کلمۃ تخرج من افواھھم ان یقولون الا کذبا +
تمام محاسن اخلاق کے پیشوا اور سب نیکیوں کے نمونے ہمارے پیغمبر خدا ہیں۔ ولکم فی
رسول اللہ اسوۃ حسنۃ اور ہم کو ان کے افعال کا کیا اچھا نمونہ ملا ہے کہ وہ اپنے سب دوستوں اور
دشمنوں سے کمال نرمی شفقت اور رحمت سے پیش آتے ہیں اور یہ صرف دعویٰ ہی نہیں ہے
بلکہ اُسکی دلیل بھی بدیہی موجود ہے کہ اگر پیغمبر خدا کے اخلاق ایسے نہ ہوتے تو یہ جتنے لوگ اُنکے ساتھ
جمع ہوئے تھے اور مخالفین تھے اُن سے ٹوٹ کر آملے تھے اُن میں سے ایک بھی نہ آتا کسی بدمزاج
خشونت کرنیوالے کے پاس کوئی نہیں آتا بلکہ یہ شفقت اور اخلاق نرم دلی اور لینت ہے جو سب کو
اپنا ہو یا بیگانہ کھینچ لاتی ہے۔ دیکھو وہ آیت قرآن جو ہمارے مضمون کی زیبندہ عنوان ہے اُس پر
پھر نظر کرو اور پڑھو کہ خدا پیغمبر سے فرماتا ہے +
فبما رحمۃ من اللہ لنت لھم ولو کنت فظاً غلیظ القلب لانفضوا من حولک
فاعف عنھم واستغفر لھم +
یہ کچھ خدا ہی کی مہر سے ہے کہ تو اُن کو نرم دل ملا اور اگر تو سخت اور سنگدل ہوتا تو وہ تیرے
پاس سے بھاگ جاتے سو تو اُن کو معاف کر اور اُن کے لئے دعائے مغفرت کر +
پس ہم کو قرآن کے احکام اور پیغمبر کے نمونہ سے بھی واجب ولازم ہے کہ ہم اپنے دشمنوں اور
مخالفوں سے بھی بہ نرمی ومحبت پیش آویں ان سے بھی نیکی اور بھلائی کریں اور باہم برادرانہ برتاؤ
کریں تاکہ بدگمانوں کی غلط فہمی ہمارے قول اور فعل سے دور ہو جاوے +
(۹) مگر اس میں شک نہیں کہ فرق مراتب ضرور ہے گو ہم کو عام محبت کا حکم ملا ہے مگر یہ
مراد نہیں کہ جو اخلاص اور محبت خاص اہل ایمان سے کی جاتی ہے اور جس کا مرتبہ عام محبت سے
زیادہ ہے ویسی ہی محبت اور اخلاق غیر ایمان والوں سے بھی برتے جاویں۔ چنانچہ جو شدت
کفار کی سرزنش اور تنبیہ میں اُن کے عصیان نافرمانی فساد اور ناخدا ترسی کی وجہ سے (مگر وہ بھی
نرمی اور سلامتی کے ساتھ) اُن سے برتی جاتی ہے اور جو محبت ایمانی اور خاص دوستی جس کے

ایمان کی حیثیت سے مومنین مستحق ہیں (علاوہ اُس عام دوستی کے جو مقتضائے فطرت الٰہی ہر ایک انسان کو کرنی چاہئے) ان دونوں باتوں کی تفاوت پر اِس آیت میں اشارہ ہؤا ہے +

محمد رسول اللہ والذین معہ اشدآء علی الکفار رحماء بینھم +

محمد رسول اللہ کا جو اُسکے ساتھ ہیں زور آور ہیں کافروں پر اور نرم دل ہیں آپس میں +

پس یہی فرق اور امتیاز ہے جواب مندرجہ بالا اور اُسکے ہم مضمون آیتوں میں بیان ہؤا ہے اور اسی فرق اور امتیاز کے اعتبار پر قواعد جنگ وقتال کے متعلق مقاتلین مخالفین کی نسبت یہ حکم ہؤا کہ جو لوگ مسلمانوں سے دین کی بابت لڑتے ہیں اور مسلمانوں کو اذیتیں اور تکلیفیں پہنچاتے ہیں اُن سے ایسی حالت میں دوستی نہ کی جاوے کیونکہ حالت جنگ اور قتال میں نامناسب ہے کہ مسلمانوں کے گروہ کے آدمی مخالفین اور مقاتلین سے محبت کرکے اپنے ضعف اور شکست کا باعث ہوں مگر صاف صاف کہدیا کہ جو دشمن اور مخالف تم سے دین کی بابت قتال نہیں کرتے اُن سے نیکی اور انصاف کرنے کو خدا منع نہیں کرتا بلکہ حکم دیتا ہے مخالفین سے نیکی اور انصاف کرو کیونکہ خدا نیکی کرنے والوں اور انصاف کرنیوالوں کو دوست رکھتا ہے۔ صرف اُنہیں لوگوں سے ایسی حالت میں دوستی منع کی گئی ہے جو کہ دین کی بابت مسلمانوں سے لڑتے تھے اور جنہوں نے مسلمانوں کو گھر سے نکالا اور اس پر ایک دوسرے کی مدد کی +

لاینھاکم اللہ عن الّذین لم یقاتلوکم فی الدّین ولم یخرجوکم من دیارکم ان تبرّوھم وتقسطوا الیھم ان اللہ یحب المقسطین - انما ینھاکم اللہ عن الّذین قاتلوکم فی الدّین واخرجوکم من دیارکم وظاھروا علیٰ اخراجکم ان تولوھم ومن یتولھم منکم فاولٰئک ھم الظّالمون (ممتحنہ)

اللہ تم کو منع نہیں کرتا اُن سے جو لڑے نہیں تم سے دین پر اور نکالا نہیں تم کو تمہارے گھروں سے کہ اُن سے کرو بھلائی اور انصاف کا سلوک اللہ چاہتا ہے انصاف والوں کو اللہ صرف منع کرتا ہے تم کو اُن سے جو لڑے تم سے دین پر اور نکالا تم کو تمہارے گھروں سے اور مدد کی تمہارے نکالنے پر کہ اُن سے کرو دوستی اور جو کوئی اُن سے دوستی کرے تو وہ لوگ ہیں گنہگار +

پس جنگ وقتال کی حالت کا ایک خاص قاعدہ ہماری معاشرت کا دستور العمل نہیں ہے بلکہ ہماری حسن معاشرت کا حکم عام یہی ہے +

"لاینھاکم اللہ عن الذین لم یقاتلوکم فی الدّین ولم یخرجوکم من دیارکم ان تبرّوھم وتقسطوا الیھم انّ اللہ یحب المقسطین" +

(۱۰) یہ بات کہ منافقوں اور کافروں سے اُن کی شرارت اور فساد کی وجہ سے اُن کی سرزنش اور تنبیہ اور غلظت فی القول کرنے میں وہ رعایت عام دوستی اور صلح وآشتی کی ہونی چاہئے اور یہ سرزنش نرمی وسلامتی کے ساتھ کرنی چاہئے۔ اس کے ثبوت میں قرآن کے یہ احکام ہیں :-

۱- فاصفح عنہم وقل سلام +

سو درگذر اُن سے اور کہہ سلام ہے +

۲- اذا خاطبہم الجاہلون قالوا سلاما- (فرقان) +

اور جب بات کرنے لگیں ان سے بے سمجھ لوگ تو کہیں صاحب سلامت +

۳- اُدع الی سبیل ربك بالحکمۃ والموعظۃ الحسنۃ وجادلہم بالتی ھی احسن (نحل) +

بُلا اپنے رب کی راہ پر پکی بات سمجھا کر اور نصیحت کر کے بھلی طرح اور بحث کر اس طرح جو احسن ہو +

۴- ولا تجادلوا اھل الکتاب الا بالتی ھی احسن +

نہ جھگڑو تم اہل کتاب سے مگر اس طرح سے جو سب سے بہتر ہو +

۵- فاعرض عنہم وعظہم وقل لہم فی انفسہم قولا بلیغا- (نساء) +

اور اُن سے درگزر اور اُن کو نصیحت کر اور اُن کے حق میں پکی بات کہہ + -

ان آیتوں کے حکم سے ہم کو لازم ہے کہ جب ہم اہل معاصی اور کفار سے سرزنش کریں اور اُن کے فساد اور ناخدا ترسی پر ملامت کریں تو اُس کو نیک طریقہ سے نرمی کے ساتھ بکمال اخلاق سمجھا دیں +

(۱۱) اس مقام پر ہم کو مسئلہ اکراہ کا بیان بھی ضرور ہے کہ آیات قرآن مجید میں تو مخالفوں سے ایسی نیکیاں اور نیک سلوک کرنے کا حکم ہے اور فہمایش اور سرزنش میں بھی اخلاق کی رعایت پر ضرور ہے تو ایسی صورت میں مسلمان ہونے پر مجبور کرنا کیونکر جائز ہو سکتا ہے۔ مگر ہمارے پاس ایک ذخیرہ عدم اکراہ کے احکام کا موجود ہے جس سے یہ شُبہ ہو ہی نہیں سکتا کہ مذہب کے باب میں زبردستی کا حکم ہؤا ہو یا کبھی جبر کیا گیا ہو +

۱- فذکر انما انت مذکر لست علیہم بمصیطر (غاشیہ) +

پس تو سمجھا تیرا کام سمجھانا ہے تو اُن پر کروڑا نہیں +

۲- قل اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول فان تولوا فانما علیہ ما حمل وعلیکم ما حملتم وان تطیعوہ تھتدوا وما علی الرسول الا البلاغ المبین (نور) +

تو کہہ حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول کا پھر اگر تم منہ پھیرو گے تو اُس کا ذمہ ہے جو اُس پر رکھا اور تمہارا ذمہ ہے جو تم پر رکھا اگر اس کا کہا مانو تو راہ پاؤ اور پیغام والے کا ذمہ نہیں مگر پہنچا دینا +

۳- فان تولوا فانما علیك البلاغ +

پھر اگر وہ پھر جاویں تو تیرا ذمہ صرف پہنچا دینا ہے +

۴- من یطع الرسول فقد اطاع اللہ ومن تولی فما ارسلناك علیہم حفیظا (نساء) +

جس نے حکم مانا رسول کا اُس نے حکم مانا اللہ کا اور جو اُلٹا پھرا تو ہم نے تجھ کو نہیں بھیجا اُن پر نگہبان +

۵ - اتبع ما اوحي اليك من ربك لا اله الا هو واعرض عن المشركين (انعام) +
تابعداری کر تو خدا کے بھیجے ہوئے حکم کی جس کا کوئی شریک نہیں ہے اور مت التفات کر مشرکوں کی طرف +

۶ - افانت تكره الناس حتى يكونوا مومنين (يونس) +
اَب کیا زور کریگا تو لوگوں پر کہ ہو جاویں با ایمان +

۷ - وما انت عليهم بجبار فذكر بالقرآن من يخاف وعيد (ق) +
اور تو نہیں اُن پر زور کرنیوالا سو تو ڈرا قرآن سے اُس کو جو ڈرا میرے وعید سے +

۸ - اطيعوا الله واطيعوا الرسول فان توليتم فانما على رسولنا البلاغ المبين (تغابن) +
کہا مانو اللہ کا اور رسول کا پس اگر وہ پھر جاویں تو ہمارے رسُول کا ذمہ صرف پیغام پہنچا دینا ہے +

۹ - ان هذه تذكرة فمن شاء اتخذ الى ربه سبيلاً (دهر) +
یہ ایک نصیحت ہے پس جو کوئی چاہے اپنے رب کی راہ اختیار کرے +

۱۰ - لكم دينكم ولي دين (كافرون) +
تمہیں تمہارا دین اور مجھے میرا دین +

۱۱ - لا اكراه في الدين +
دین میں کچھ زبردستی نہیں - (بقر) +

۱۲ - یہ سب آیات محکمات ہیں جو مکہ اور مدینہ میں ظاہر ہوئیں یعنی اُس زمانہ کے لئے ہیں جب اسلام میں ضعف تھا اور اُس وقت کی بھی ہیں جب اسلام کو تمکنت اور شوکت حاصل ہوئی - مگر چونکہ کسی حالت میں جبر و اکراہ جائز نہیں رکھا گیا اس لئے وہی ایک بات ہر جگہ صاف صاف بیان کی گئی اور ایسا ہی برتا بھی گیا چنانچہ عین جدال و قتال کی حالت میں بھی باوجود طرفین کی مخالفت کے جو مشرک طلبگار امن ہو کر جماعت اسلام کی طرف چلا آتا تو اُس کو صرف قرآن کے پاک احکام اور نصائح سُنا دینے کا حکم تھا اور جب وہ سُن چکے تو اُس کو وہیں پہنچا دیں جہاں اُس کے امن کی جگہ ہے - حالانکہ یہ موقع اکراہ و جبر کا تھا مگر ایسی بات تو کبھی قرآن میں روا نہیں رکھی گئی +

وان احد من المشركين استجارك فاجره حتى يسمع كلام الله ثم ابلغه مامنه ذلك بانهم قوم لا يعلمون (براة - ۵) +

اگر کوئی مشرک تجھ سے پناہ مانگے تو اُس کو پناہ دے جب تک وہ سُن لے کلام اللہ کا پھر پہنچاوے اُس کو جہاں وہ نڈر ہو۔ یہ اس واسطے کہ وہ لوگ جانتے نہیں +

یہ آخری فقرہ صاف دلالت کرتا ہے کہ اُن لوگوں کو اسلام کے محاسن اور قرآن کے مکارم اخلاق کی خبر نہیں اس لئے وہ جانتے نہیں ہیں کہ اسلام کیا چیز ہے پس اُن کو مسلمان کرنیکا یہی ذریعہ ہے کہ اُن کو قرآن سُنایا جاوے اور اُسکی افضل تعلیم اور عمدہ نصائح سُننے والے کے دل میں اثر کریں +

۱۳- یہاں ذکر مقاتلات اسلامی کا آگیا اور ہم کو اُسکے ضمن میں یہ لکھنا مناسب معلوم ہوگا ۔ مقاتلات اسلامی کی منشا صرف مدافعت تھی اور یہی غرض تھی کہ مشرکین کے ظلم و عدوان سے ضعفاءِ مسلمین کو نجات ملے اور اُن کو بے روک ٹوک خدا کی عبادت کا موقع ملے اور مخالفوں کی زیادتی اور موذی کفار کا ظلم و ستم دور کیا جاوے اور اُن کی لڑائی بند ہو جاوے ۔ یہ غرض نہیں ہے کہ وہ جبراً مسلمان ہو جاویں +

لولا دفع اللّٰہِ النّاس بعضُھم ببعضٍ لھدّمت صوامع وبیع وصلوٰۃ ومساجدُ (حج) +

اگر نہ ہٹایا کرتا اللہ لوگوں کو ایک کو ایک سے تو ڈھائے جاتے سب تکیے اور مدرسے اور عبادتخانے اور مسجدیں +

مالکم لاتقاتلون فی سبیل اللہ والمستضعفین من الرّجال والنّساء والولدٰن الذین یقولون ربنا اخرجنا من ھذہٖ القریۃ الظالم اھلُھا (نساء) +

کیا وجہ کہ تم خدا کی راہ میں نہ لڑو حالانکہ کمزور مرد اور عورتیں اور بچّے کہتے ہیں کہ یا رب ہم کو اس شہر سے جس کے لوگ ظالم ہیں نکال لے +

عسی ان یکفّ باس الذّین کفروا ۔ (نساء) +

قریب ہے کہ اللہ بند کرے لڑائی کافروں کی +

اس بات کے کہنے کی ضرورت نہیں کہ مدافعت کی لڑائی میں ابتدا مخالفوں کی طرف سے ہونی چاہئے کیونکہ انہیں کے ظلم و عدوان پر بناچاری مدافعت کی ضرورت پڑی اور یہی بات قرآن میں بھی منصوص ہے +

ھم بدءُوکم اوّل مرّۃ ۔ اور مسلمانوں کو حکم ہوا تھا کہ تم ہرگز ابتدا نہ کرو ولاتعتدوا (بقر) +

۱۴- مخالفوں سے تو علی العموم قرآن میں ایسی نیکیاں اور احسان کرنیکا حکم دیا گیا ہے اور عین حالت جنگ و جدال کی وہ شفقت اور کریمانہ برتاؤ ہے جو سورۂ براءۃ کی پانچویں آیت سے نقل کیا گیا کہ جو مشرک مسلمانوں کی پناہ میں آوے اُس کو قرآن کے احکام و نصایح سنا کر یہاں تک اُس سے رعایت کی جاوے کہ جہاں اُس کی امن کا مقام ہو وہاں اُسے بخیر و عافیت پہنچا دیا جاوے

اب لڑائی کے بعد مغلوب اور مقید و مخالفوں کے واسطے عام حکم دے دیا کہ یا نہیں احسان رکھکر مفت چھوڑ دو یا فدیہ لیکر چھوڑ دو +

حتیٰ اذا اثخنتموھم فشدّوا الوثاق فامّا منّاً بعد و امّا فداء حتیٰ تضع الحرب اوزارھا ذلك ولو یشاء اللہ لانتصر منھم ولکن لیبلو بعضکم ببعضٍ (محمد) +

پھر جب خوب قتال کر چکو تو قید کر لو اور بعد اسکے یا احسان رکھکر چھوڑ دو یا فدیہ لیکر چھوڑ دو۔ جب تک کہ لڑائی بند ہو جاوے پھر خدا چاہے تو بدلا لے اُن سے مگر وہ تم کو جانچتا ہے +

غرض کہ مقید کر لینے کے بعد کا معاملہ منحصر ہے احسان رکھکر چھوڑ دینے میں یا فدیہ لیکر چھوڑ دینے میں۔ اس کے سوا اور کوئی صورت نہیں نہ اُن کو غلام بنا کر رکھنا نہ اُن کو قتل کرنا۔ چنانچہ ضمیرہ آیت اسی نکتہ پر اشارہ کرتا ہے کہ اگر خدا چاہے تو اُن قیدیوں سے بدلہ لیوے یعنی اُنہیں قتل کر دیئے جانیکا حکم دیوے مگر ترک مکافات پر ہر جگہ ترغیب دی گئی ہے اس لئے وہ تم کو اسی معاملہ میں آزماتا ہے کہ کون احسان رکھکر چھوڑتا ہے اور کون فدیہ لیکر چھوڑتا ہے +

بعض علمانے اس آیت میں یہ دور اندیشی کی ہے قیدیوں کو اگر چھوڑ دیں تو وہ پھر جا کر وہی مفسد پردازی اور مسلمانوں کی اذیت شروع کرینگے اس لئے اُنہیں قتل ہی کیا جاوے مگر یہ رائے تو صاف اس حکم کے خلاف ہے۔ اور اس اندیشہ سے یہ تدبیر بھی مناسب نہیں ہے بلکہ اس کا علاج تو پہلے ہی قرآن میں فرما دیا ہے۔ وان تعودوا نعد (انفال) یعنی اگر تم پھر وہی ظلم و زیادتی شروع کرو گے تو ہم پھر اپنا بچاؤ کرنے کو تمہاری زیادتی دفع کریں گے اور تمہیں روکیں گے) +

غرض کہ قرآن کا اخلاق تمام اور احسان عمیم ہر ایک شخص سے عفو اور بخشش اور درگذر کرنیکا ہے اور خصوصاً مخالفوں کو معاف کرنا علی الخصوص حالت جنگ میں بھی رعایت اور بعد جنگ بھی کمال عنایت اسلام کا طریقہ پسندیدہ ہے۔ اور ایسی الہامیہ تعلیم اور انسان کی ہر حالت اور حاجت کی مقدار اور اندازہ کے موافق اس تفصیل سے اسی شریعت کاملہ میں ہیں اور بس +

اِسلام کی دُنیوی برکتیں

FOR OBVIOUS EFFECTS WHICH ISLAM HAS PRODUCED UPON THE WELFARE OF MANKIND.

ہم اس مقام پر اسلام کی دنیوی برکتیں بیان کرتے ہیں اور دکھلاتے ہیں کہ قرآن نے انسان کی اصلاح معاش کی باتیں کیونکر سکھلائیں اور یہ کہ ہم کو اپنے ہمجنسوں سے کس طرح سلوک کرنا چاہیئے اور باہم کے معاملات میں کس طرح برتاؤ عمل میں لانا چاہیئے اور حسن معاشرت کی ترقی کیونکر اسلام کی

وجہ سے ظہور میں آئی اور بنی نوع کی بہبودی اور سلامتی اور کافۂ انام کی جان و مال کی حفاظت کی کیا وصیتیں فرمائیں اور بادشاہ سے لیکر فقیر تک کیسے سب کو آزاد قرار دیا اور جملہ بنی آدم کے امن وامان سے رہنے اور خدا کی برکتوں سے فائدہ مند ہونے کی کیا کیا سبیل ہوئی۔ اس مضمون کو ہم پہلے حفاظت اطفال سے شروع کرتے ہیں +

۲۔ دختر کشی کی بد رسم تو قدیم زمانہ سے تقریباً تمام جہان میں پھیلی ہوئی تھی یونان اور روم کبیر میں جہاں بڑے بڑے حکیم اور اہل ناموس گذرے ہیں یہ رسم Abolished Infanticide. پسندیدہ اور معروف تھی۔ مگر ملک عرب میں خصوصاً اور اَور ملکوں میں عموماً قرآن نے ہی لڑکیوں کی جان بچائی اور تمام جہان میں جہاں تک اسلام کی دسترس ہوئی اُسی نے اُن بے رحم والدین کو جو لڑکی کو مار ڈالتے تھے خدا کے غضب اور قیامت کے عذاب سے ڈرایا۔ اسلام ہی کی تعلیم کے اثر سے دُختر کشی کی رسم اسلامی ملکوں سے مٹ گئی۔ اسی کی پُر تاثیر اور خوف خدا دلانے والی تقریر سے قتل موؤدہ کی بیخ کنی ہوئی۔ اور جہاں اب اسلام پھیلتا جاتا ہے وہاں یہ رسم نسیاً منسیاً ہوتی جاتی ہے۔ شروع ہی سے قرآن نے اس مہلک رسم کے دفعیہ کا وعظ کہا +

"اذا الموؤدۃ سئلت بای ذنب قتلت" ۱ (تکویر) +

۳۔ عرب میں جہالت اور حمیت کے غلبہ سے لڑکیوں کا رکھنا ایک سخت ذلت اور اہانت تھی وہ کمبخت اُن لڑکیوں کو یا تو ہوتے ہی مار ڈالتے تھے یا پال پوس کے جیتا گاڑ دیتے تھے +

"اذا بشر احدھم بالانثی ظل وجھہ مسودا وھو کظیم یتوارٰی من القوم من سوء ما بشر بہ ایمسکہ علی ھون ام یدسہ فی التراب" ۲ (نحل) +

علامہ رازی تفسیر کبیر میں فرماتے ہیں واعلم انھم کانوا مختلفین فی قتل البنات فمنھم من یحفر حفرۃ ویدفنھا فیھا الی ان یموت۔ ومنھم من یرمیھا من شاھق جبل ومنھم من تغرقھا۔ ومنھم من یذبحھا۔ وھم کانوا یفعلون ذلک تارۃ للغیرۃ والحمیۃ وتارۃ خوفا من الفقر والفاقۃ ولزوم النفقۃ +

۴۔ یہ تو ایک خاص صورت لڑکیوں کے قتل کی تھی الا عموماً قتل اولاد بھی قدیم زمانہ سے ہوتا چلا آیا۔ افلاطون اور ارسطو یہ دونوں نامی حکیم قتل اولاد کے حامی تھے! ارسطو کا قول ہے کہ لنگڑے لڑکوں کا پرورش پا جانا قانوناً روکنا چاہئے اور جب کثرت بنی آدم کو کم کرنا منظور ہو تو جنین میں جان

---

۱ اور جب بیٹی جیتی گاڑی کو پوچھے کس گناہ پر ماری گئی +

۲ اور جب خوشخبری ملے ایسے کسی کو بیٹی کی سارے دن رہے منہ اُس کا سیاہ اور جی میں گھٹ رہا چھپتا پھرے لوگوں سے مارے بُرائی اس خوشخبری کے جو سُنی اور اُس کو رہنے دے ذلت قبول کر کر یا اُس کو داب دے مٹی میں +

پڑنے سے پیشتر اسقاط حمل کرانا چاہیئے۔ ملک اسپادٹا (یونان) میں یہ قانون تھا کہ جب کسی کے یہاں لڑکا پیدا ہوتا تو وہ شخص اُس کو قوم کے وجوہ و اعیان کے پاس لیجاتا وہ لوگ اُس کو ملاحظہ کر کے دیکھتے کہ وہ تام الخلقت اور تندرست ہے تو اُسے حکم دیتے کہ اُس کی پرورش کرے اور اگر اُس میں کوئی نقص دیکھتے تو کوہ طیجیتوس کے قعر میں گرا دیتے تھے۔ اہل روما میں بھی ایسا ہی دستور تھا کہ بچے کی پرورش اس کے باپ کی رائے پر موقوف تھی۔ قوم لورش میں بھی ایساہی دستور تھا کہ اگر بچے کا باپ چاہے تو اُسے پرورش کرے ورنہ اگر اُس میں ضعف و نقص پاوے تو جنگلی جانوروں کو کھلادے۔ وحشی قوموں میں بھی یہ ہنوز ایک رسم عام ہے۔ ایک سیاح نے بیان کیا کہ ملک دانوالیود کے بعض اضلاع میں تو قتل اولاد کی تعداد کل باشندوں کی ایک نصف سے بڑھکر دو ثلث تک پہنچتی ہے۔ چین اور ہند میں اس کا عام رواج تھا اور ہنوز باقی ہے۔ قرآن نے اس رسم قبیح کی اصل و بنیاد پر گرفت کی اور فرمایا۔ "لا تقتلوا اولادکم خشیۃ اِملاق نحن نرزقھم وایاکم ان قتلھم کان خِطأً کبیراً۔" (اسری) - ۲۳ +

اولاد کی جان کو ایک اَور آفت یہ تھی کہ بے رحم ماباپ اپنے عزیز ننھے بچوں کو بتوں کی نذر چڑھاتے اور قربان کرتے تھے۔ علاوہ اَور ملکوں کے (مثل انگلستان و ہندوستان وغیرہ) جہاں انسانی قربانی عمل میں آتی تھی عرب میں بھی ایسے حادثات پائے جاتے ہیں۔ پروکوپیوس (مورخ ۶ھ ع) کہتا ہے کہ المنذر شقیق بادشاہ حرانی۔ (جس کو یونانی لہجہ میں المندروس ہوسیکی کہتے ہیں) بادشاہ غسان کی ایک بیٹی کو قید کر کے لات یا عزے کی قربانی چڑھا دیا تھا۔ اور پوکرک (مورخ ۱۸ھ ع) نے اسی بادشاہ کی ایک کیفیت لکھی ہے کہ وہ اپنے دو دوستوں کے قتل کے کفارہ میں ہر سال یوم نحس کو آدمیوں کی قربانی کیا کرتا تھا۔ اسی مورخ اور نیز الواگریوس (ستہ ۶ ع) نے ایک نعمان کا ذکر کیا ہے کہ وہ اپنے ہاتھ سے آدمیوں کو بتوں کی قربانی کیا کرتا تھا اور پورفری نے (ستہ ۳ ع) مقام دیمتہ میں جسے دومۃ الجندل قیاس کیا جاتا ہے۔ ایسی ہی قربانی کا ذکر کیا ہے۔ اور دور کیوں جاؤ۔ عبدالمطلب کا حضرت عبداللہ کو قربانی چڑھائے جانے کی نذر کرنا اسلامی تاریخوں میں پایا جاتا ہے اور غالباً بالکل بے اصل نہیں ہے۔ اس قسم کی نذر یہود سے عرب میں آئی ہوگی اُن میں یہ دستور تھا کہ بعض اولاد کو صرف دینی کام کے لئے مخصوص کر دیتے تھے حضرت مریمؑ بھی اسی قسم سے تھیں۔ "قالت امراۃ عمران رب انی نذرت لک ما فی بطنی محررا" (۳ع ۳) اگر عرب تو اس نذر میں کام ہی تمام کر دیتے تھے۔[۱] اور غالباً اس آیت میں

Human sacrifices superseded ×

---

[۱] اڈورڈ گبن مورخ نے پچاسویں باب میں لکھا ہے (ص ۲۱۳ ستہ ۱۸۶۲ ع) کہ انسان کی جان کسی عام آفت کے دفعیہ کے لئے سب سے عمدہ قربانی ہے۔ فرنیقا اور مصر اور روما اور قرطاجنہ کے مذابح انسانی خون سے آلودہ رہتے تھے اور عربوں میں بھی یہی بے رحم رسم مدت سے جاری تھی اور تیسری صدی میں ہر سال ایک لڑکا قبیلہ دمیاتیہ کا قربان ہوا کرتا تھا۔ الخ

اسی رسم بد پر اشارہ ہے "کذلک زین لکثیر من المشرکین قتل اولادھم شرکائھم لیردوھم ولیلبسوا علیھم دینھم" (انعام - ۱۳۰) +

۶ - جب اس طرح لڑکوں کی جان بچانے کا سامان کر دیا تو اب اسلام نے اُن کے مال کی حفاظت اور یتیموں کی جائداد اور اُن کے متوتبیوں کی خورو بُرد سے محفوظ رکھنے کے لئے یہ احکام صادر کئے اور عموماً اُن سے شفقت اور اکرام کرنے کا حکم دیا +

Orphans protected against injustice.

ا - "کلا بل لا تکرمون الیتیم" (فجر) +

ب - "فاما الیتیم فلا تقھر" (ضحی) +

ج - "واتوالیتامی اموالھم ولا تتبدلوا الخبیث بالطیب ولا تاکلوا اموالھم الی اموالکم انہ کان حوبا کبیرا" (نساء) +

د - "ان الذین یاکلون اموال الیتامی ظلما انما یاکلون فی بطونھم نارا" (نساء) +

ھ - "ولا تقربوا مال الیتیم الا بالتی ھی احسن حتی یبلغ اشدہ" (انعام) +

و - "وابتلوا الیتامی حتی اذا بلغوا النکاح فان انستم منھم رشدا فادفعوا الیھم اموالھم ولا تاکلوھا اسرافا وبدارا ان یکبروا ومن کان غنیا فلیستعفف ومن کان فقیرا فلیاکل بالمعروف" (نساء)

ز - "وما یتلی علیکم فی الکتاب فی یتامی النساء التی لا تؤتونھن ما کتب لھن وترغبون

---

۱ اور اسی طرح بھلی دکھلائی بہتیرے مشرکوں کو اولاد مارنی اُن کے شریکوں نے کہ اُن کو ہلاک کریں - اور اُن کا دین غلط کریں +

۲ ا - پر تم عزت نہیں کرتے یتیم کی +

ب - سو جو یتیم ہو اُس پر قہر نہ کر +

ج - اور دے ڈالو یتیموں کو ان کے مال اور نہ بدلو گندہ ستھرے سے اور نہ کھاؤ ان کے مال اپنے مالوں کے ساتھ یہ ہے بہت بڑا وبال +

د - جو لوگ یتیموں کا مال ناحق کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹ میں آگ کھاتے ہیں +

ھ - اور پاس نہ جاؤ مال یتیم کے مگر جس طرح بہتر ہو جب تک وہ پہنچے اپنی قوت کو +

و - اور سدھاتے رہو یتیموں کو جب تک پہنچیں نکاح کی عمر کو پھر اگر دیکھو اُن میں ہوشیاری تو حوالہ کر دو اُنکے مال اور کھا نہ جاؤ اُن کو اُڑا کر اور گھبرا کر کہ یہ بڑے نہ ہو جاویں اور جو کوئی غنی ہے تو چاہیے بچتا رہے اور جو کوئی محتاج ہے تو کھاوے موافق دستور کے +

ز - اور جو تم کو سناتے ہیں کتاب میں سو حکم ہے یتیم عورتوں کا جن کو تم نہیں دیتے جو ان کا مقرر ہے اور چاہتے ہو کہ نکاح میں لو) اور مغلوب لڑکوں کا اور یہ کہ قائم رہو یتیموں کے حق میں انصاف پر +

ان تنکحوھنّ والمستضعفین من الرّجال والنساء والوالدان وان تقوموا للیتامٰی بالقسط (نساء-۱۹ع)

۷- اس پچھلی آیت سے یہ پایا گیا کہ جو لوگ نابالغ اور یتیم لڑکے اور لڑکیوں کے ولی ہوتے تھے وہ اُن سے اَور اَور طرح سے تو جور و ظلم کرتے ہی تھے مگر ایک صورت خاص اور رواج عام یہ بھی تھا کہ یتیم لڑکیوں سے شاید اُن کی

Guardians interdicted to marry their minors.

نابالغی کے زمانہ میں نکاح بھی کر لیتے تھے اور اُس میں ان یتیموں کی کئی طرح سے حق تلفی ہوتی تھی اور جبکہ اُن سے مقصود صرف اُن کا مال لے لینا ہوتا تھا[۱] تو حقوق زوجیت کی بھی رعایت نہیں کرتے تھے لہذا اُن لوگوں کو جن کی ولایت میں یتیم لڑکیاں تھیں منع کر دیا تھا کہ جن کے ولی ہوں اُن سے نکاح نہ کریں چنانچہ جس مقام سابقہ کا حوالہ اس آیت کے الفاظ "وما یتلیٰ علیکم فی الکتاب" میں ہے
"فان خفتم ان لا تقسطوا فی الیتامٰی فانکحوا ما طاب[۲] لکم من النساء مثنیٰ وثلٰث ورباع فان خفتم الّا تعدلوا فواحدۃً او ما ملکت ایمانکم" (نساء) +

یعنی اگر تم کو اندیشہ ہو کہ یتیم لڑکیوں سے نکاح کر لینے سے ان میں انصاف نہ کرو گے تو نکاح کر لو بالغ عورتوں سے دو دو تین تین چار چار پھر اگر ڈرو کہ برابر نہ رکھو گے تو ایک ہی یا جن کے (یعنی جن یتیموں کے) تمہارے ہاتھ مالک ہو چکے (نکاح سے) +

چونکہ یہ ہر ایک صاحب شریعت و ناموس و اہل قانون کا دستور ہے کہ قانون کے خلاف جو صورتیں ظہور میں آ چکتی ہیں اُن کو اکثر تو بحال و برقرار رکھا جاتا ہے اسی طرح گو اُن کو یتیموں یا نابالغوں سے نکاح کرنا (ان قباحتوں کے ظہور کی وجہ سے جن کا بیان ہوا ہے) منع کیا۔ مگر جو یتیم لڑکیاں ان کی ملک نکاح میں آ چکی تھیں اُن کو ویسے رہنے دیا اور اسی آیت کے آخیر میں علاوہ اور تقیدوں کے پھر بھی ان

---

[۱] (وکان الرجل منھم یضم الیتیمۃ الی نفسہ ومالھا ان کانت جمیلۃ تزوجھا واکل المال وان کانت ذمیمۃ عضلھا عن التزوج حتی تموت فترثھا (مدارک التنزیل) +
صاحب تفسیر معالم التنزیل نے اپنی سند سے روایت کی ہے اخبرنا عبد الواحد الملیحی نا احمد بن عبد اللہ النعیمی نا محمد بن یوسف نا محمد بن اسمٰعیل نا ابو الیمان نا شعیب عن الزھری قال کان عروۃ بن الزبیر یحدث انہ سال عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنھا وان خفتم ان لا تقسطوا فی الیتامٰی فانکحوا ما طاب لکم من النساء قالت ھی الیتیمۃ تکون فی حجر ولیھا فیرغب فی جمالھا ومالھا ویرید ان یتزوجھا بادنی من سنۃ نسائھا فنھوا عن نکاحھن الا ان تقسطوا لھن فی اکمال الصداق وامروا بنکاح من سواھن من النساء الخ +

[۲] وقیل ان خفتم الا تقسطوا فی نکاح الیتامٰی فانکحوا من البالغات یقال طابت الثمرۃ ای ادرکت (مدارک) +

ملک نکاح میں آئی ہوئیں یتیم لڑکیوں کے حق میں انصاف کی وصیت فرمائی - وان تقوموا للیتامیٰ بالقسط +

اب یہاں پر عموماً دو اعتراض وارد ہونگے (۱) یہ کہ ماملکت ایمانکم سے لونڈیاں مراد ہیں (۲) یہ کہ اس تقریب سے جیسے ہم نے معنی لئے ہیں اور معنی الّا ہوا جاتا ہے +

پہلے شبہ کا جواب تو ہم یہ دیتے ہیں کہ جبکہ ملک یمین کا اطلاق نکاح پر بھی ہوتا ہے اور نسائک کے لفظ میں لونڈیاں بھی تو آگئیں اس لئے اب مکرر اس لفظ سے لونڈیاں لینی فضول ہیں - اور یہ تو بے عقلی کی بات ہے کہ حرف ما صرف غیر ذوی العقول کے لئے آتا ہے اور لونڈیاں کچھ انوثیت کی وجہ سے اور کچھ خرید و فروخت ہونیکی وجہ سے بہایم کی قسم میں ہیں کیونکہ اسی جگہ نساء پر بھی ما کا حرف آیا ہے "ما طاب لکم من النساء" اور اسکے علاوہ خدا پر بھی یہی لفظ آیا ہے چنانچہ فرمایا ہے "ولا انتم عابدون ما اعبد" +

اور دوسرے شبہ کا یہ جواب ہے کہ اولاً یہاں پر اَوْ بطریق تخییر بین المعطوفین ہے جیسکہ اَور جگہ بھی قرآن میں اسی صورت سے آیا ہے چنانچہ "ففدیۃ من صیام او صدقۃ او نسک" پس ایسے ہی اُن لوگوں کو جو اپنی ولایت کی یتیم لڑکیوں سے نکاح کر چکے تھے اختیار تھا کہ یا اُن کو رہنے دیتے اور آیندہ کو پرہیز کرتے یا چاہتے تو اُنہیں سے کنارہ کرتے اور ثانیاً اَوْ استثنا کی صورت میں بھی تو آتا ہے چنانچہ بقراۃ ع۳۱ میں "ولا جناح علیکم ان طلقتم النساء مالم تمسوھن او تفرضوا لھن فریضۃ" +

Polygamy curtailed and restricted not on one side but on many sides.

۸- ہر چند کہ کثرت ازدواج قانون قدرت اور نظام الٰہی کے خلاف نہیں ہے اور بعضے ملکوں کی آب وہوا کی تاثیر اور وہاں کے رہنے والوں کی طبیعت کا مقتضا اسکے جواز کا باعث ہے مگر عرب میں یہ اکثار بھی بہت بے موقع اور حد کے درجہ پر تھا - اور چونکہ ازدواج کا معاملہ انسان کی تہذیب معاش اور حسن معاشرت میں بہت کچھ دخل رکھتا ہے لہذا اسلام نے اُس میں بھی اصلاح ضروری تصور کی اور کلام الٰہی میں بڑی حکمت سے "فانکحوا ما طاب لکم من النساء مثنیٰ وثلث وربٰع" میں کثرت ازدواج کے عدد کو بہت کم کرکے گھٹا دیا - اور نیز "فان خفتم الا تعدلوا فواحدۃ" میں عدالت کی ایسی سخت اور مضبوط قید لگادی جو درحقیقت ہر ایک کو کثرت ازدواج پر جرأت نہ کرنے دے گی اور بعد اسکے خود تنزیل میں ایسی عدالت کے قایم نہ رکھ سکنے اور اسکے قایم کرنیکی حرص کرنے پر بھی قاصر رہنے کا عذر دور فرمادیا ہے "ولن تستطیعوا ان تعدلوا بین النساء ولو حرصتم فلا تمیلوا کل المیل فتذروھا کالمعلقۃ" (نساء)

لـ۵ اور تم ہرگز عدالت یعنی برابری نہ رکھ سکو گے عورتوں میں اگرچہ اس کا شوق بھی کرو سو نرے پھر بھی نہ جاؤ کہ ڈال رکھو ایک کو جیسے ادھر میں لٹکتی +

اور آیت "ذلک ادنیٰ ان لا تعولوا" میں اسی ممانعت کثرت ازواج پر حسب تفسیر امام شافعیؒ
اشارہ پایا جاتا ہے Polygamy discouraged. تفسیر بیضاوی میں ہے فرہان لا یکثر عیالکم
ولعل المراد بالعیال الازواج - اسی صورت میں اس آیت کے معنی یہ ہونگے کہ تمہاری بیبیاں بہت
نہ ہوجاویں چنانچہ جس شخص کی عورتیں زیادہ ہوں تو کہتے ہیں اعال الرجل مگر اس محاورہ پر باب اعال
یعیل سے تعیلوا ہونا چاہئے - کہتے ہیں کہ حمیر کی زبان میں ایسا ہی بولتے ہیں یعنی تعولوا بمعنی تعیلوا -
یہی تفسیر امام شافعی نے اختیار کی ہے اور طلحہ بن المطرف نے بھی اس آیت کو تفسیر کے طور پر
تعیلوا بیان کیا ہے اور ایسے ہی طاؤس نے بھی +

تفسیر معالم التنزیل میں ہے "قال الشافعی ان لا یکثر عیالکم وما قاله احد انما یقال اعال
یعیل عالة اذا کثر عیاله - وقال ابو حاتم کان الشافعی رضی الله عنه اعلم بلسان العرب منا فلعله لغة
ویقال هی لغت حمیر - وقرء طلحة بن المطرف ان لا تعیلوا - وهی حجة لقول الشافعی رضوان الله +

اور تفسیر کبیر میں ہے نقل عن الشافعی رضی الله عنه انه قال "ذلک ادنیٰ ان لا تعولوا" معناه
ان لا یکثر عیالکم - ومن المشهور ان طاؤس کان یقرء ذلک ان لا تعیلوا - اور نیز امام فخر الدین رازیؒ نے
اچھی طرح پر رد کیا ہے ان اعتراضوں کو جو بعضے مقلدین نے اس بحث میں امام شافعیؒ پر کئے تھے
(دیکھو تفسیر سورہ نساء آیۃ ۳) +

مسلمانوں ہی میں ایسے لوگ بہت کم ہونگے جو یہ سمجھتے ہونگے کہ اسلام نے کثرت ازدواج میں اپنی اصلاح فرمائی*
ساواری جو ایک فرانسیسی مترجم قرآن ہے سورہ نساء کے ذیل میں لکھتا ہے کہ "جب یہ آیت
"فان خفتم ان لا تعدلوا فواحدة" نازل ہوئی تو عرب کے لوگوں میں اکثر پاس آٹھ آٹھ اور دس دس
عورتیں تھیں اور وہ اُن سے بدسلوکی سے پیش آتے تھے - کثرت ازدواج کا ممالک مشرقی میں ہمیشہ
دستور رہا ہے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اُسے گھٹا کر بہت کم کر دیا" انتہیٰ - اور ہمارے یہاں کی روایتیں
بھی اسی کی موید ہیں - احمدؒ اور ترمذیؒ اور ابن ماجہؒ نے روایت کی ہے - ان غیلان بن سلمة الثقفی
لما اسلم وله عشر نسوة فی الجاهلیة فاسلمن معه فقال النبی صلعم امسک اربعاً وفارق سائرهن
اور شرح السنۃ میں روایت ہے عن نوفل بن معاویة قال اسلمت وتحتی خمسة نسوة فسالت
النبی صلی الله علیه وسلم فقال فارق واحدة وامسک اربعاً [1] +

---

[1] یہ روایتیں مشکوٰۃ میں ہیں - ان کا مطلب یہ ہے - کہ غیلان کے پاس دس عورتیں تھیں تو نبی صلعم نے فرمایا کہ چار رہنے دو
باقی کو جدا کر دو اور نوفل کے پاس پانچ تھیں ان سے بھی ایسا ہی کہا گیا +

* نحمیا اور عزیر نبیوں نے بھی اس قسم کے حکم دیئے چنانچہ جن یہودیوں نے خلاف توریت اجنبی عورتوں سے نکاح
کر لئے تھے وہ چھڑا دیئے (صحیفہ عزرا باب ۱۰ درس ۱۱ و ۱۲ و ۱۹) +

طامس کارلائیل ایک مشہور عالم محقق کا قول اس مقام پر نقل کرنا بے موقع نہ ہوگا وہ لکھتے ہیں اسلام کی میل الی الشہوات کی نسبت بہت کچھ تقریریں اور تحریریں ہوئی ہیں اور یہ اعتراضات انصاف کی حد سے بڑھکر ہیں۔ وہ پروانگیاں جو ہم کو قبیح معلوم ہوتی ہیں اور جن کی اجازت اُنہوں نے دی وہ خاص اُن کی ایجاد نہ تھیں اُنہوں نے ان باتوں کو عرب میں قدیم الایام سے مروج اور غیر معیوب پایا مگر (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) نے جو کچھ کیا وہ یہ کیا کہ اُن کو روک دیا نہ صرف ایک ہی طرف سے بلکہ کئی پہلو سے (لکچر ۲۔ صفحہ ۹۴۔ مطبوعہ ۱۸۷۲ء) +

۹۔ سورۂ نساء کی ۳۔ آیت جو پچھلی دفعہ میں نقل ہوئی اور جس کی بحث ۷ دفعہ میں ہو چکی ہے چار عورتوں تک کے حکم میں بہت صاف ہے۔ اور عورتوں میں آزاد اور غیر آزاد دونوں داخل ہیں۔ (Concubinage discouraged.)

اور ہر ایک شخص جس کو بیہودہ مسائل مخترعہ اور ایام جاہلیت کی رسم کی تقلید اور سبق ظن نہ ہو وہ قرآن کے لفظوں سے تو ایسا ہی سمجھے گا۔ چنانچہ جارج سیل مترجم قرآن (مات ۱۷۳۶ء) نے مقدمہ کتاب اور ذیل سورۂ نساء میں ایسا ہی بیان کیا ہے کہ ازواج اور سراری یعنی بیبیاں اور لونڈیاں یہ دونوں اس قید اربع میں محدود ہیں فقط مگر اب رسم تو یہ پڑی کہ لونڈیوں کے واسطے کوئی تعداد ہی نہیں!! تاہم ہم کو فقہاء اور اہل الرائے کا اس قدر شکر گذار ہونا چاہیے۔ کہ اُنہوں نے آزاد عورت پر لونڈی کو جمع کرنا جائز نہیں کیا۔ امام ابو حنیفہ اسی کے قایل تھے چونکہ اجتہادی بات قرار پائی اس لئے اور علماء شیعہ وسُنی نے کچھ انکار کچھ اقرار کیا[۵۱] مگر آؤ ہم قرآن کو تو دیکھیں اُس میں کیا ہے۔ پانچویں پارہ کے شروع میں لکھا ہے +

"ومن لم یستطع منکم طولا ان ینکح المحصنات المومنات فمن ما ملکت ایمانکم من فتیاتکم المومنات ذلك لمن خشی العنت منکم وان تصبروا خیر لکم[۵۲] +

اس میں فتیات مومنات سے نکاح کی اجازت تو ہے مگر تین شرطوں سے (۱) جبکہ

---

۵۱ ان الآیۃ صریحۃ فی انحصار سبب الاباحۃ فی القسمین المذکورین وھما الزواج وملك الیمین علی سبیل انفصال الحقیقی ای اما ازواج او ملك یمین بحیث لا یجتمعان ولا یرتفعان" +

کنزالدقائق تفسیر آیات الاحکام۔ کتاب النکاح

(ذیل آیت والذین ہم لفروجہم حافظون) +

۵۲ یعنی جس کو مقدور نہ ہو آزاد بیبیوں سے نکاح کرنے کا تو مسلمان لونڈیوں کو ملک نکاح میں لے آوے یہ اسکے واسطے جو کوئی ڈرے تکلیف میں پڑنے سے اور اگر صبر کرو تو بہتر ہے تمہارے حق میں +

آزاد عورت سے نکاح کا مقدور نہ ہو (۲) بے نکاح رہنے میں زنا میں پڑ جانیکا اندیشہ ہو[۵۱] (۳) وہ لونڈیاں مسلمان ہوں +

پہلی شرط تو وہ بات جاتی رہی کہ بیبیاں بھی ہوں اور لونڈیوں کا بھی ریوڑ بھرا جاوے اور تیسری شرط سے وہ بات جاتی رہی کہ لڑائی میں مشرک عورتوں کا گلا پکڑ لائے اور اُن پر تصرف کیا +

پس لونڈیوں سے نکاح کر لینے کا حکم کسی طرح قابل اعتراض نہیں ہو سکتا بلکہ عین حکمت و مصلحت ہی تھا اور معہذا اس کی قباحتیں بہت واضح اور صاف ہیں اسی لئے ضرورت شدید اور ناچاری کا یہ علاج ہی تھا +

امام فخر الدین رازیؒ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں الایۃ دالۃ علی التحریم من نکاح الاماء وانہ لا یجوز اقدام علیہ الا عند الضرورۃ والسبب فیہ وجوہ[۵۲] فلھذہ الوجوہ ما اذن اللہ فی نکاح الامۃ الا علی سبیل الرخصۃ +

مگر پھر بھی کلام الٰہی میں یہی حکم ہے کہ ان تین شرطوں کی رعایت پر اگر لونڈیوں سے نکاح نہ کیا جاوے تو بہتر ہے "وان تصبروا خیر لکم" تفسیر کبیر میں ہے (مسئلہ) المراد ان نکاح الاماء بعد رعایۃ الشرایط الثلثۃ اعنی عدم القدرۃ علی التزوج بالحرۃ وخوف العنت وکون الامۃ مومنۃ الاولی ترکہ لما بینا من المفاسد الحاصلۃ فی ھذا النکاح - اور تفسیر مدارک التنزیل نسفی میں ہے -

---

۵۱ ولم یختلفوا فی ان ذلک راجع الی نکاح الاماء فکانہ قال فمن ما ملکت ایمانکم من فتیاتکم المومنات ذلک لمن خشی العنت منکم وھو الضرر الشدید الشباق - قال فیما رخص فیہ من مخالطہ الھنامی" واللہ یعلم المفسد من المصلح ولو شاء اللہ لاعنتکم ای لیشدد الامر علیکم والزمکم التمیز طعامکم من طعامھم تلحقکم بذلک ضرر شدید - وقال وودوا ما عنتم قد بدت البعضاء من افواھم اے احبوا ان تقعوا فی ضرر الشدید - وللمفسرین فیہ قولان - احدھما ان الشبق والشدید والغلمۃ العظیمۃ ربما یحملہ علی الزنا فیقع فی الحد علی الدنیا والعذاب العظیم فی الاخرۃ فھذا ھو العنت +

والثانی ان الشبق الشدید والغلمۃ عظیمۃ قد یتادی الی اختناق الرحم واما فی حق الرجال فقد یتادی الی اوجاع الورکین والظھر والاکثر علی الوجہ الاول لانہ ھو الالیق ببیان القران + تفسیر کبیر

۵۲ لونڈیوں سے نکاح کی مضرتوں میں پانچ وجہیں امام رازی نے لکھی ہیں جن کو ہم نے متن میں چھوڑ دیا ہے - اُن کا خلاصہ یہ ہے (۱) جو اولاد ہوگی وہ بھی رقیق ہوگی (۲) وہ لونڈی باہر نکلنے پھرنے اور غیروں سے میل جول رکھنے میں ناشایستہ ہو جاویگی (۳) اُس لونڈی کے مالک کا حق اس پر اُسکے شوہر سے زیادہ ہے پس وہ اپنے شوہر سے باخلاص نہیں مل سکتی (۴) اگر اُس کا مالک اُس کو کسی اَور کے ہاتھ بیچ ڈالے تو یا تو نکاح ٹوٹ جاویگا یا مالک جدید کہیں کا سفر کرے تو وہ ساتھ جاویگی بہرحال شوہر کو بڑی مضرت پہنچیگی (۵) اگر اس کا مہر مقرر ہوا ہوگا تو اُسے اختیار نہ ہوگا کہ مہر بخش دے ان وجوہ پر ہنسی بھی آتی ہے اور رونا بھی +

وصبرکم عن نکاح الاماء متعففین خیر لکم لان فیہ ارقاق الولد ولانہا خراجۃ ولاجۃ ممتہنۃ
مبتذلۃ وذلک کلہ نقصان یرجع الی الناکح ومہانتہ والعزۃ من صفات المومنین وفی الحدیث
الحرایر صلاح البیت والاماء ھلاک البیت +

۱۰- یہاں پر یہ اعتراض پیش ہونگے کہ جب لونڈیوں کی اولاد میں ایسی ذلت اور اہانت ہے تو
کیا گمان کیا جاوے اُن بزرگوں کے حق میں مثلاً حضرت اسمٰعیل جو ہاجرہ سے تھے حضرت ابراہیم
بن النبی جو ماریہ قبطیہ سے تھے یا محمد بن حنفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ یا شہربانو رضی اللہ تعالیٰ عنہا مادر ائمہ
اہلبیت تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت ہاجرہ کو لونڈی سمجھنا بے وجہ ہے وہ کسی طرح پر لونڈی نہیں
ہوسکتیں۔ عوام یہود تو ضرور اس امر میں تعصب کرتے ہیں اور مسلمانوں کی روایتیں اس امر خاص میں
اس وجہ سے اعتبار کے قابل نہیں کہ اصل لفظ اصحاب یا ائمہ نے ہاجرہ رضی اللہ عنہا کی نسبت کچھ ہی فرمایا
ہو مگر چونکہ راویوں کی عقل اور دماغ میں ملک یمین سما رہا ہے اور یہود نے بھی ایسا مشہور کر رکھا ہے
پس وہ خواہ مخواہ روایت بالمعنی میں لفظ جاریہ یا ملک یمین ہی کہینگے۔ مگر یاد رہے کہ ربانین یہود کی
روایتیں اس مضمون کی ہیں کہ ہاجرہ فرعون کی بیٹی تھیں اور اُس نے ابراہیم علیہ السلام کی کرامت اور
بزرگی دیکھکر اُن کو انہیں دیا تھا (دیکھو کتاب بریشیت ربّاہ-۱۵) علاوہ ازیں جن عورتوں کی نسبت
کتب عہد عتیق میں لکھا ہے کہ حرم تھیں (جیسے ہاجرہ) تو وہ لفظ فقہ کی اصطلاحی ملک یمین کے ہم معنی
نہیں ہے۔ وہ تو شرعی بیبیاں تھیں جو حقوق زوجیت میں پہلی بی بی کے برابر ہوا کرتی تھیں۔ فرق
اتنا ہی تھا کہ انتظام خانہ داری میں پہلی ہی بی بی کو دخل رہا کرتا تھا۔ اور اگر یہ دوسری بی بی جو حرم کہلائی
پہلے خادمہ تھی تو بعد نکاح بھی بدستور خدمت کرتی رہتی تھی (دیکھو تفسیر ہارین جلد ۳ صفحہ ۴۹ ب ۳) +

اور ماریہ قبطیہ سے ابراہیم بن النبی کا پیدا ہونا ایسا تاریخی واقعہ اور قطعی مثال نہیں ہے جس سے
وہ ذلت اور خرابی لازم آوے جو اولاد ام ولد میں لازم آتی
ہے کیونکہ (۱) ماریہ تین عورتوں کا نام روایتوں میں ہے اور

Maria the coptic was not a concubine-rather an imaginary personage.

یہ تینوں یا دونوں خادم النبی کہلاتی ہیں ابن حجر عسقلانی نے تین نام لکھے ہیں۔ ابن مندہ نے ایک ماریہ
جسکی کنیت ام الرباب ہے اور دوسری ایک اور ماریہ خادم النبی الگ الگ لکھی ہیں اور ان سے روایت
کی ہے مگر ابونعیم نے دونوں کو ایک کر دیا ہے اور ماریہ قبطیہ ہنوز علاحدہ ہیں۔ ایسے اختلافوں سے
ٹھیک نہیں معلوم ہوتا کہ کیا تھا (۲) یہ بھی قطعی نہیں کہ ماریہ کے پیٹ سے ابراہیم بن النبی پیدا ہوئے
ہوں علی ابن الحسین جنید الرازی نے اپنی تاریخ میں ابراہیم کو بطن خدیجہ سے لکھا ہے اور ماریہ
کا ذکر بھی نہیں کیا اور ابن مندہ نے لکھا ہے " واستسری جاریۃ قرظیۃ فولدت لہ ابراھیم" اس سے
معلوم ہوتا ہے کہ ابراہیم کسی قید کی ہوئی لونڈی یہود قریظیہ سے پیدا ہوئے تھے (۳) ماریہ کی بعض

مخصوص رعایتیں از قسم ضرب حجاب وغیرہ جو روایتوں میں ہے اُس سے پایا جاتا ہے کہ ماریہ سے لونڈیوں کی طرح پیش نہیں آیا جاتا تھا بلکہ بیبیوں کی طرح (۴) ایک عیسائی بادشاہ کا ایک نبی کو دو چھوکریاں تحفہ میں بھیجنی محض خلاف قیاس اور تعجب انگیز ہے (۵) ماریہ قبطیہ از قبیل عامہ اما نہیں ہو سکتیں وہ کسی لڑائی میں قید نہیں ہوئیں اور نہ وہ خرید یا فروخت ہوئیں بلکہ مدینہ میں آنے سے پیشتر مسلمان ہو چکی تھیں (دیکھو ابن سعد کی روایت کتاب الاصابہ میں) ان وجوہ پر نظر کرنے سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کچھ بعید نہیں ہے کہ ماریہ ایک خادمہ ہو نگی اور انہیں کی کنیت بھی ام الرباب ہو گی اور اسی کو ابن سعد وغیرہ نے اپنے خیال سے کہدیا کان یطاھا بملک یمین +

زیادہ تعجب کی چند وہ غیر صحیح روایتیں ہیں جن کو اصحاب صحاح نے روایت نہیں کیا مگر اَور لوگوں نے روایت کی ہے کہ نزول سورہ تحریم کا سبب ماریہ قبطیہ کو ایک مرتبہ حرام کر لینا تھا +

That a Chapter of the Korar was revealed in the affair of maria the coptic is utterly wrong.

یہ روایت جیسا کہ ظاہر ہے سخاوت اور اسارت ادب سے خالی نہیں ہے۔ مگر ہم کو نقلاً بھی اُس کی صحت میں کلام ہے (۱) اس وجہ سے کہ عمائد اہل صحاح مثل بخاری و مسلم صاحب الصحیحین نے اس قصہ کی روایت نہیں کی اور اُن کا باوجود ضرورت اور حاجت کے اس قصہ کو طرح دینا اُس کی بے اعتباری کی دلیل ہو سکتا ہے۔ (۲) انہیں اہل صحاح نے اسی سورہ تحریم کی شان نزول میں نہ صرف یہی کیا کہ اس قصہ کو باوجود احتیاج چھوڑ دیا ہو بلکہ اسکے معارضہ میں ایک اَور ہی سبب یعنی تحریم عسل کی روایت کی ہے (۳) تحریم ماریہ کی سب روایتیں اخبار آحاد ہیں۔ (۴) مُعنعن ہیں (۵) بعضی مرسل بھی ہیں (۶) کوئی بھی ان میں سے مرفوع نہیں۔ اور ایسی روایتوں سے گو فقہی احکام کا استنباط ہوا کرے گا قطعیت واقعہ اور تاریخی حالات کے ثبوت میں یہ اخبار بالکل غیر مفید عام ہیں +

اب ہم اس میں تھوڑی سی قدح تفصیلی بھی کرتے ہیں (۱) نسائی نے جو انس سے روایت کی ہے اُس میں ماریہ کا نام نہیں (کانت لہ امة یطاھا فلم یزل بہ حفصة و عایشة حتی حرمھا) پس کچھ مفید نہیں (۲) طبری نے زید بن اسلم تابعی سے روایت کی ہے مگر اس روایت میں قطع نظر اس سے کہ ام ابراہیم کی کنیت میں اختلاف ہے ایک بڑا نقص یہ ہے کہ وہ روایت مرسل ہے اور اسی لئے ضعیف ہے۔ علامہ سیوطی نے تدریب الراوی شرح تقریب النواوی میں لکھا ہے۔ ثم المرسل حدیث ضعیف لا یحتج بہ عند جماھیر المحدثین کما حکاہ منھم مسلم فی صدر صحیحہ وابن عبد البر فی التمہید وحکاہ حاکم عن ابن مسیب ومالک والشافعی وکثیر من الفقہاء واصحاب الاصول والنظر للجہل بحال المحذوف لانہ یحتمل ان یکون غیر صحابی واذا کان کذلک فیحتمل

ان یکون ضعیفلو ان اتفق ان یکون المرسل لا یروی عن ثقة فالتوثیق مع الابہام غیر کافٍ کما سیاتی۔ ولانہ اذا کان المجہول المسمّٰی لا یقبل فالمجہول عیناً و حالاً اولیٰ (۳) طبرانی نے اور ابن مردویہ نے ابوہریرہ سے معنعن روایت کی ہے جس میں تحریم ماریہ کا ذکر ہے مگر وہ خبر معنعن ہے اور وہ ویسی ہی غیر معتبر ہے جیسی مرسل (۴) طبرانی کی ایک اور روایت میں طریق الضحاک عن ابن عباس الخ ہے اور ضحاک کثیر الارسال ہے اور اُس کی روایت ابن عباس سے بلاواسطہ نہیں ہے قال الزین العراقی والضحاک لم یسمع من ابن عباس اور علامہ سیوطی نے اتقان فی علوم القرآن میں لکھا ہے وطریق ضحاک بن مزاحم عن ابن عباس منقطعة فان الضحاک لم یلقه پس روایت منقطعہ غیر صحیح ہے (۵) سعید بن منصور نے ابی مسروق اور حضرت عمرؓ سے جو روایت کی ہے اُس میں ماریہ قبطیہ کا نام نہیں اور وہ روایتیں معنعن ہیں پس ضعیف ٹھہرینگی اور نیز اصل راویوں نے اپنا ماخذ نہیں بیان کیا +

ایک تالیف جدید میں قصہ تحریم ماریہ کے ثبوت میں بڑا اہتمام کیا گیا مگر حاصل کچھ نہیں ہوا۔ صفحہ ۱۳۱ میں لکھتے ہیں۔ صحیح بخاری میں ہے باب "لم تحرم ما احل اللہ لک" عن سعید بن جبیر انه اخبره انه سمع ابن عباس یقول اذا حرم امراته لیس بشیئٍ وقال لکم فی رسول اللہ اسوة حسنة۔ قال الشارح واشار ذلک الی قصة ماریه انتھی۔ مگر اس میں سارا زور وشور مستدل کا شارح کے قول پر ہے مگر وہ شارح کا صرف خیال ہے ممکن ہے کہ تحریم عسل کی طرف اشارہ ہو +

دوسری روایت اُنھوں نے نقل کی روی النسائی عن سعید بن جبیر ان رجلا سال ابن عباس فقال انی جعلت امراتی علی حراما فقال کذبت لیست علیک الحرام ثم تلی یا ایھا النبی لم تحرم ما احل اللہ لک +

مگر اس میں تو قصہ ماریہ کا کہیں سان و گمان بھی نہیں۔ ظاہر ہے کہ ابن عباس نے اسمیں عموم لفظ قرآن سے استدلال کیا۔ یہ کچھ ضرور نہیں کہ سبب بھی خاص وہی ایک ہو۔ علامہ سیوطی لکھتے ہیں اختلف اهل الاصول هل العبرة لعموم اللفظ او بخصوص السبب والاصح عندنا الاوّل وقد نزلت آیات فی اسباب واتفقوا علی تعدیتھا الی غیر اسبابھا الخ +

اب ان روایتوں کے سوا اگر اور کوئی سند اس قصہ باطل کی پیش ہوگی تو اس میں بھی اُنہیں ضوابط اور قواعد سے نظر کی جاوے گی +

اور والدہ محمد بن حنیفہ کی مثال بھی بالکل غلط ہے کیونکہ وہ لونڈی نہ تھیں اور نہ اُن پر حضرت علیؓ نے لونڈی کے طور پر تصرف کیا چنانچہ سید مرتضیٰ علم الہدیٰ نے اپنی تصنیفات میں صاف لکھا ہے "لم یستبحھا بالسبی بل نکحھا و مهرها" +

اور حضرت شہر بانو بھی ملک یمین نہیں تھیں بلکہ وہ مدینہ میں آتے ہی قید سے رہا ہو گئیں تھیں دیکھو مناقب ابن شہر اشوب اور بحار الانوار کی ۱۴ جلد +

(۱۱) عورتوں کے حق میں آزادی بہبودی تہذیب اور عفت لباس میں احترام (سورہ نور) اور اُن سے گفتگو میں ادب (ولا تواعدوهن سرًا الا ان تقولوا قولًا معروفا - ۲ ح) کے احکام جاری کئے اور

Islam elevated and improved the state of female sex.

ایسے احکام ان کی حالت کے موافق اور مناسب صادر کیے جو حکماء سابقین سے نہ ہو سکے تھے اور ایسے ایسے احکام جن کو بجز اُس خالق حقیقی کے جو مرد اور عورت کی فطرت اصلی سے واقف اور اُن کا بنانیوالا ہو اور کوئی آگاہ نہیں ہو سکتا - جو بد رسمیں اور قبیح رواج عورتوں کی نسبت تھے اور جو کچھ اُنکے حق میں ظلم و زیادتی مردوں کی طرف سے ہوا کرتی تھی ان سب باتوں کی اصلاح کی - جاہلیت کی بد رسموں میں سے ایک یہ رسم عام تھی کہ باپ کے مرنیکے بعد بیٹا اُس کی سب بیبیوں کا جبرًا اور کرھًا ہوا کرتا تھا اور اُن سے نکاح بھی کر لیتا تھا مگر ان سب قبیح اور مکروہ دستوروں کو قطعًا موقوف کیا +

"یاایہا الذین امنوا لا یحل لکم ان ترثوا النساء کرھا" اور "ولا تنکحوا ما نکح اباءکم من النساء الا ما قد سلف انہ کان فاحشۃ ومقتا وساء سبیلا" - (نساء) +

ایک مقام پر آنریبل ولیم میور صاحب اپنی سیرت محمدی (جلد ۳ صفحہ ۳۰۲) میں اس کا اعتراف کرتے ہیں کہ ایک امر خاص میں محمد صلعم نے عورتوں کو ایک سخت اور ناگوار قباحت سے چھڑایا وہ یہ تھی کہ بیٹا اپنے باپ کی بیبیوں کا وارث ہوا کرتا تھا +

یہ رسم جیسے کہ قدیم سے ہوتی آئی تھی اُس وقت میں بھی اس کی ایک مثال ہے یعنی زید بن آمر بن نفیل اور حضرت عمر ابن خطاب بن نفیل باہم چچیرے بھائی اور ایک حساب سے چچا بھتیجے تھے یعنی آمر نے اپنے باپ کی بیوہ جیدہ سے نکاح کیا اور اُس سے زید ہوا جو آمر کا بیٹا اور نفیل کی بیوی کا بھی بیٹا ہوا (ایضاً جلد ۲ صفحہ ۵۲) جو جو ایسی صورتیں ہوئیں اور جو اور بھی اُس وقت موجود ہونگی وہ الا ما قد سلف کے حکم میں ہیں بنی اسرائیل بھی ایسا کر بیٹھتے تھے (۲ - صمو ۲/۲۲ ۱۶/۲۲) +

(۱۲) عورت کو قرآن نے جملہ حقوق اور اختیارات میں مرد کے ہم مرتبہ اور تمام قابلیتوں میں مردوں کے مساوی قرار دیا ہے +

"لھن مثل الذی علیھن بالمعروف[۵۱]" (جلد ۲) +

"للرجال نصیب مما اکتسبوا وللنساء نصیب مما اکتسبن[۵۲]" (نساء ہ ع) +

---

۵۱ عورتوں کا بھی حق ہے جیسا اُن پر حق ہے موافق دستور کے (بقرہ ۲۸ ع) +

۵۲ مردوں کو حصہ ہے اپنی کمائی سے اور عورتوں کو حصہ ہے اپنی کمائی سے (ح ۵) +

بجز اس ایک قدرتی فوقیت کے جو صانع مطلق نے مرد کو عورت پر دی ہے +

"الرجال قوامون علی النساء"[1] (ن ۲ ع ۳) +

"وللرجال علیھن درجۃ"[2] (بقر ۲ ع ۲۸) +

عورتوں کے حقوق کے باب میں قدیم رسوم سے قطع نظر کر کے صرف انگلستان کے قانون کو دیکھا جاوے کہ ان لوگوں نے باایں ہمہ اصلاح و تہذیب عورتوں کے حق میں کیسے جور اور حیف کو جائز رکھا ہے اور مردوں کی خودرائی کے تابع کر دیا ہے۔ نکاح کے بعد بہت سے احکام میں عورت کی ذات ہی نہیں قایم رہتی وہ گویا اپنے شوہر میں مستہلک ہو گئی وہ اپنے نام سے کوئی معاہدہ نہیں کر سکتی اور اُس کی ذاتی جائداد جو قبل نکاح سے حاصل کی ہو وہ بھی شوہر کی ملک میں آتی ہے اور اُسے اختیار ہوتا ہے جیسے چاہے اُسے صرف کر دے۔ عورت کو اتنا بھی حق نہیں ہوتا کہ وہ اپنے نام سے یا اپنی ذات خاص کے لئے ضروریات خرید کر لے یا منگوا بھیجے۔ گو مرد پر نان نفقہ عورت کا واجب ہے مگر رسم انگلستان میں اس کی تعمیل کرا پانیکا کوئی صاف ذریعہ نہیں ہے اور نہ عورت کو روٹی کپڑے کی نالش کر سکنے کا حق ہے مگر کچھ ضمنی صورتیں نکالی گئی ہیں۔ اور نیز بہت سے مدارج بدسلوکی اور اذیت کے ایسے ہیں جن کا کچھ چارہ نہیں نہ عورت کی کوئی فریاد سنتا ہے نہ عدالت کچھ کر سکتی ہے گو عورت اپنے شوہر سے مفارقت کر کے عرصہ سے الگ رہے مگر جو کچھ جائداد وہ حاصل کریگی وہ شوہر ہی کی ہوگی اگر عورت پیشتر سے کچھ بندوبست نہ کر لے تو عورت کا وہ مال و اسباب جو اُس نے ایام مفارقت میں حاصل کیا ہے اُسکے شوہر کے قرضخواہ اُسے لے سکتے ہیں۔ مرد کو اپنی کل جائداد کا اختیار حاصل ہے چاہے وہ اپنے حین حیات غیروں کو دے جاوے عورت کو کچھ نہیں مل سکتا۔ جب ایسے دستور جاری ہوں اور مرد تنک مزاج اور موم کی ناک ہو تو عورت کی بڑی حق تلفی ہوتی ہے۔ علاوہ ازیں بعضی باتوں میں عورتوں کی رعایت اور مردوں کی حق تلفی بھی ہے۔ جرائم سنگین میں تو نہیں مگر اور جرموں میں اگر عورت اور مرد دونوں اُسکے مرتکب ہوئے ہوں تو عورت سزایاب نہ ہوگی آسان کی وجہ سے عورت کو یہاں تک بیپروائگی ہے کہ زنا کی سزا سے بھی محفوظ ہے!! اور اگر عورت اپنے شوہر کا کیسا ہی مال متاع لیجاوے تو اکثر صورتوں میں تو دونوں سے ایک بھی سزا نہ پاوے غرض یہ سب افراط و تفریط کے بیموقع قانون ہیں جن کی مہذب قومیں پابند ہیں گو اب اُسکے ابطال کیلئے بہت کچھ زد مارتی ہیں اور اُسکی شناعت اور قباحت رفع کرنے کو حیلے بھی پیدا کئے ہیں مگر وہ امیروں کے لئے۔ اوسط اور ادنے درجہ کی قومیں اُن سے محروم ہیں البتہ اسکاٹ لینڈ کے قانون بعض باتوں میں کچھ معقول ہیں مگر پھر بھی

---

[1] مرد حاکم ہیں عورت پر +

[2] مردوں کو عورتوں پر درجہ ہے +

سے سب احکام الٰہی اور وحی کی اصلاح کے محتاج ہیں +

(۱۳) تمام ممالک ایشیا میں خصوصاً یہودیوں اور یونانیوں میں نکاح ایک قسم کی خرید و فروخت کا معاملہ ہوتا تھا کہ بیاہ کرنے والا لڑکی کے باپ کو ایک رقم معین دیتا تھا (پیدایش ۳۴ و ۱۲ - اصول ۱۸ و ۲۵ - اور ہوسیع نبی نے اپنی بیوی پندرہ روپیہ اور ڈیڑھ حمر جو خریدی تھی ۳/۲) اور اب تک بھی یہ رسم روس ترک اور ملک ہاوران کے عیسائیوں اور بعض اعراب میں ہے مگر قرآن نے نکاح ایک عقد قرار دیا جو طرفین کے اختیار اور رضامندی سے ہوتا ہے اور زر مہر عورت کے باپ کو نہیں ملتا بلکہ خود عورت کا حق ہوتا ہے +

"وآتوا النساء صدقاتهن نحلة" [۱] (نساء ۱ ع) +

"فما استمتعتم به منهن فآتوهن اجورهن فريضة" [۲] (نساء ۴ ع) +

بعض اعتراض کرنے والوں نے لفظ اجر پر اک گونہ تعریض کی ہے گویا اُس کو نامناسب لفظ سمجھے مگر در اصل اُس میں اشارہ ہے اس پر کہ زر مہر عورت کا اجر ہے جس کی وہ مستحق ہے نہ کہ اُس کی قیمت جو اُس کا باپ لیلے +

قرآن نے عورت اور مرد کی باہمی گزران میں کمال عدالت اور محبت کو برابر قایم رکھنا ضرور قرار دیا ہے اور مہر کا تقرر اور نکاح فسخ ہونیکی صورت میں واجب الادا اور ناقابل نقصان ہونیکی وجہ سے عورت کو Social affection and comfor of domestic life. خوش دل مطمئن رہنے اور مرد کو اُس کا نیازمند اور محتاج الیہا ہونے اور ہمیشہ کو ملے رہنے کی تدبیر کردی۔ اتحاد زوجین کی برکت اور مسرت اور اُسکے نتیجہ میں حسن معاشرت کی حالت سے قرآن خوب واقف ہے +

"وخلق لكم من انفسكم ازواجاً لتسكنوا اليها وجعل بينكم مودّةً ورحمة" [۳] (روم ۳ ع)+

اور پھر اسی طمانیت اور محبت نرم دلی کو جو باہم زوجین میں ہونی چاہیئے ایک دائمی اور غیر قابل انتزاع اور لازوال اور غیر لایق انفصام تشبیہ میں بیان فرمایا +

"هن لباس لكم وانتم لباس لهن" [۴] (بقر ۱۸۲) +

اور چونکہ اصلی غرض تجویز نکاح سے اقامۃ تدبیر منزل اور تعاون باہمی انتظام خانہ داری اور

---

[۱] اور دے ڈالو عورتوں کو اُن کے مہر خوشی سے +

[۲] پھر جو تم کام میں لائے اُن عورتوں میں سے اُن کو دو اُن کے حق میں جو مقرر ہوئے +

[۳] بنا دی تم کو تمہاری قسم سے جوڑی کہ چین پکڑو اُن کے پاس اور رکھا تمہارے بیچ پیار اور مہر +

[۴] وہ پوشاک ہیں تمہاری اور تم پوشاک ہو اُن کی +

تحصین فرج ہے اور یہ باتیں بغیر دائمی نکاح اور آپس میں مثل لباس ایک دوسرے کے محتاج رہنے
اور ملے رہنے کے نہیں ہوتیں اس لئے ضرور ہوا کہ فطرت کی راہ سے اُن میں باہم موودت اور
رافۃ خلق کی جاوے اور یہ سب مصلحتیں جو نکاح کے دائمی قائم رکھنے میں خیال میں آسکتی ہیں
ان دو لفظوں میں بیان کر دیں +

"محسنین غیر مسافحین" ۱ (نساء) +

اس جملہ کی پہلی جزو محصنین میں تمام حکمتیں اور بھلائیں جو نکاح سے متصور ہیں داخل ہیں اور
جزو دوم غیر مسافحین میں تمام قباحتیں جو چند روزہ نکاح اور غیر منضبط طریق سے باہم معاشرت کرنے
سے پیدا ہوتی ہیں منع کر دی گئیں۔ درحقیقت یہ فقرہ عجب جامع اور مانع ہے اور اس میں اثبات اور
نفی سے تمام حکمت منزلی کے مصالح اور مفاسد سکھلا دئے ہیں +

۱۵۔ جبکہ اس بیان سے نکاح کی مصلحتیں معلوم ہوئیں تو اسکی مقتضا سے طلاق کی ممانعت
بھی (الا بعض ناگزیر حالتوں میں) ثابت ہوئی کیونکہ برابر نکاح Divorce discouraged.
اور طلاق کی رسوم جاری رکھنے میں صرف عورتوں سے لذت حاصل کرنی ہے حالانکہ اسلام نے نکاح
کی اصل علت محصنین قرار دی نہ کہ مسافحین۔ پھر جبکہ نکاح کی بنا تعاون پر ہے۔ اور مرد و عورت باہم
باعث اطمینان اور ایک دوسرے کے مددگار دینی اور دنیاوی باتوں کے ہوئے (جیسا کہ لباس
کی تشبیہ سے ظاہر ہے) تو پھر جب طلاق کی رسم نکلی تو یہ بات جاتی رہی۔ علاوہ ازیں اس رسم سے
دونوں کے دلوں پر اس عقد اور نظم کی عظمت بھی جاتی رہتی ہے ایک کو دوسرے پر اطمینان اور
اعتماد نہیں رہتا باہم کا اخلاص اور نیاز جاتا رہتا ہے۔ دلوں میں نفاق پیدا ہو جاتا ہے اور طلاق کے
اندیشہ میں خیانت اور اضطراب اور تربیت اولاد میں بالکل بے ترتیبی اور اصلاح منزل میں ابتری
پڑجاتی ہے۔ اور جہاں جہاں قرآن مجید میں نکاح کا ذکر اور زنا سے ممانعت ہے اُنہیں مقامات
میں ان سب قباحتوں پر بھی اشارہ ہے +

شاہ ولی اللہ صاحب حجۃ اللہ البالغہ میں لکھتے ہیں (صفحہ ۳۲۵) +

اعلم ان فی اکثار من الطلاق وجریان الرسم بعدم المبالاۃ بہ مفاسد کثیرۃ وذلک
ان ناساً ینقادون لشہوۃ الفرج ولا یقصدون اقامۃ تدبیر المنزل ولا التعاون فی الارتفاقات
ولا تحصین الفرج۔ وانما مطمح ابصارہم التلذذ بالنساء وذوق لذۃ کل امراۃ فیھیجھم ذلک الی
ان یکثروا الطلاق والنکاح۔ ولا فرق بینھم وبین الزناۃ من جہۃ ما یرجع الی نفوسھم ولا تمیزوا عنھم
باقامۃ النکاح والموافقۃ لسیاسۃ المدینۃ وھو قولہ صلی اللہ علیہ وسلم لعن اللہ الذواقین والذواقات

---

۱ قید میں آنے کو یہ معنی نکلنے کو +

وایضاً ففی جریان الرسم بذلک اھمال لتوطین النفس علی المعونۃ الدائمۃ او شبھۃ الدائمۃ وعسی ان فتح ھذا الباب ان یضیق صدرہ او صدرھا فی شیء من محقرات الامور فینتھی الی الفراق - واین ذلک من احتمال اعباء الصحبۃ والاجماع علی ادامۃ ھذا النظم وایضاً فی اعتیادھم بذلک وعدم مبالاۃ الناس بہ وعدم حرجھم علیہ یفتح باب الوقاحۃ - وان لا یجعل کل منھما ضرر الاخر ضرر نفسہ وان یکون کلواحد الاخر یجھد لنفسہ ان یتم الافتراق وفی ذلک مالا یخفی +

(۱۶) طلاق کی رسم تو یہودیوں میں عام اور بکثرت تھی اور موسوی شریعت میں اُس کو شاید مطلقاً جائز کر دیا تھا - حتیٰ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اُس کا عذر کرنا پڑا (متی ۱۹/۸) حضرت مسیحؑ سے کچھ پیشتر نکاح کے باب میں فقہاء یہود میں دو مذہب ہو گئے تھے شماعی اور اُسکے مقلدوں کی یہ رائے تھی کہ صرف فعل قبیح کے ارتکاب پر یا فاحشہ مبینہ پر طلاق دیجاوے اور ہلل اور اُسکے مقلدین کا یہ مذہب تھا کہ ادنےٰ سی خطا پر بھی عورت کو طلاق دیدینی چاہیئے - ان لوگوں کا یہ قول تھا کہ اگر کسی کو اپنی عورت بُری معلوم ہو تو اُسے نکال ڈالے (استثنیات ۲۴ و ۱) ربّی عقبہ کہتا ہے کہ اگر کوئی مرد کسی عورت کو اپنی عورت سے خوبصورت پاوے تو اپنی عورت کو نکالدے کیونکہ لکھا ہے کہ اگر وہ اُسکی نظر میں اچھی نہ معلوم ہو الخ - قرآن صریح اُسکے خلاف کہتا ہے " فان کرھتموھن فعسیٰ ان تکرھوا شیئاً ویجعل اللہ فیہ خیراً کثیراً[۱] " (نساء ع۳) معلم ہلل کہتا ہے کہ اگر کسی کی عورت اپنے شوہر کا کھانا بہت نمک ڈال کے خراب پکاوے یا اُسے زیادہ بھون دے تو وہ عورت طلاق دیدیجاوے مگر قرآن کہتا ہے " لا تدری لعل اللہ یحدث بعد ذلک امراً[۲] " (طلاق) +

یورپ کے ملکوں میں رومن کیتھلک مذہب کی رُو سے تو جیسا کہ کونسل آف ٹرینٹ ۱۵۶۲ء میں قرار پایا زنا کے بعد بھی طلاق نہیں ہو سکتی - انگلستان وغیرہ ملکوں میں جب سے اصلاح ہوئی ہے تب سے قاعدہ طلاق میں کچھ تبدیل ہوئی نیویارک میں صرف زنا پر طلاق ہوتی ہے اور اور ملکوں میں زنا پر اور نہایت ظلم سے بدسلوکی پر اور قصداً مفارقت اختیار کرنے پر اور عرصہ دراز

---

[۱] پھر اگر وہ تم کو نہ بھاویں تو شاید تم کو نہ بھاوے ایک چیز اور اللہ رکھے اُس میں بہت خوبی +

والمعنی فان کرھتموھن فلا تفارقوھن بکراھۃ الانفس وحدھا ربما کرھت النفس ما ھو اصلح فی الدین واولی الی الخیر واحبت ما ھو بضد ذلک ولکن النظر فی اسباب الصلاح وانما صح قولہ فعسیٰ ان تکرھوا جزاءً للشرط لان المعنی فان کرھتموھن فاصبروا علیھن مع الکراھۃ فلعل لکم فیما تکرھونہ خیراً کثیراً لیس فیما تحبونہ - مدارک التنزیل نسفی +

[۲] اُس کو خبر نہیں شاید نیا نکالے اللہ اُسکے پیچھے کوئی کام +

تک نامعلوم غائب رہنے پر بھی طلاق ہوتی ہے - اور انگلینڈ میں طلاق کا باعث زنا اور ایذا رسانی ہی ہوتا ہے اور اسکاٹ لینڈ میں زنا یا قصداً چھوڑ کر چلے جانے سے طلاق ہو جاتی ہے انگلستان میں قانون وکٹوریا جاری ہونے سے پہلے ایسی عورت کے لئے جسے اُس کے خاوند نے قصداً چھوڑ دیا ہو چارہ جوئی اور دادرسی کی سبیل نہ تھی - اب ایسی صورت میں عدالت سے افتراق ہو جاتا ہے اور اگر مفارقت کے ساتھ زنا بھی ہمردیف ہو تو طلاق بھی ممکن ہے +

(۱۷) قرآن نے مرد کو کبھی اختیار نہیں دیا کہ بلا وجہ شدید اور بغیر پیشتر کی اطلاع کے دفعۃً واحدۃً اور مطلقاً اور فوراً اور بلا کسی شرط کے طلاق دیدے اور معاشرت اور تمدن کی خوبی اور خوشی اور برکت کو اپنی تنک مزاجی یا شکر رنجی سے کھو ڈالے اور برباد کر دے - میں یہاں چند اشارے کلام مجید سے طلاق کی ممانعت پر نقل کرتا ہوں +

Texts of the Koran discouraging divorce.

(۱) "وعاشروھن بالمعروف فان کرھتموھن فعسی ان تکرھوا شیئاً ویجعل اللہ فیہ خیراً کثیراً" (نساء ۳ع) +

یعنی گزران کرو عورتوں کے ساتھ اخلاق سے پھر اگر تم کو وہ بُری معلوم ہوں تو (اس پر صبر کرو اور اُن کو جُدا نہ کرو) شاید تم کو نہ پسند آوے کوئی چیز مگر خدا نے اسی میں اصلاح اور خیر اور برکت رکھی ہو - دیکھو تفسیر مدارک مندرجہ دفعہ سابق +

(۲) "وبعولتھن احق بردھن فی ذالک ان ارادوا اصلاحاً" (بقر ۲۸ع) +

یعنی عدت کے زمانہ میں اُن کے خاوندوں کا حق ہے اُن کا پھیر لینا اگر چاہے صلح کرنی اس میں ترغیب ہے اس پر کہ ملے رہنے میں اصلاح ہے اور الگ ہو جانے میں فساد +

(۳) "لا یحل لکم ان تاخذوا مما اتیتموھن شیئاً" الایۃ (بقر ۲۹ع) +

یعنی تمکو حلال نہیں کہ لے لو کچھ اپنا دیا ہوا عورتوں کو الخ اس کو ملاؤ اُس آیت سے جہاں مہر کو قنطار کے لفظ سے تعبیر کیا ہے یعنی ڈھیروں بلا تعداد پس اس میں بھی مصلحت ہے کہ جب زرِ مہر سے کچھ بھی لے لینا حرام ٹھہرا اور ادھر مہر کی کوئی حد نہیں رکھی تو یہ اسی ممانعت طلاق کا بندوبست ہے +

(۴) "فان طلقھا فلا تحل لہ حتی تنکح زوجاً غیرہ فان طلقھا فلا جناح علیھما ان یتراجعا" +

یعنی اگر کوئی تیسری بار بھی طلاق دیدے تو پھر وہ اس پر حلال نہیں ہو سکتی مگر اس صورت میں کہ وہ عورت کسی اَور سے نکاح کرلے اور پھر شاید وہاں سے ایسی ہی نااتفاقی ہو کر طلاق تک نوبت آوے تب ہو سکتا ہے اس میں ہمیشہ حرام ہو جانیکی دھمکی ایسی ممانعت طلاق کی تدبیر ہے - اور جب ایسی ایسی تحریریں اور تدبیریں منع طلاق کی ہیں تو دوسری جگہ سے طلاق کیوں

ہونے لگی تھی +

(۵)۔ زید نے اپنی بی بی کو طلاق دینا چاہا جناب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے قطعاً منع فرمایا ”وامسك عليك زوجك واتق الله“ (احزاب ۲۲ ع) +

(۶)۔ ”والصلح خير“ (نسا ۱۹ ع) +

یعنی عورت اور مرد میں باہم صلح کرلینی خوب چیز ہے +

(۷)۔ لا تدری لعل الله يحدث بعد ذالك امرا“ (طلاق) +

یعنی کیا معلوم ہے کہ خدا اسکے بعد نیا کام نکالے یعنی اُن میں صلح کی توفیق اور ترک ارادہ طلاق کی سبیل کر دے +

۱۸۔ قرآن میں وہی تین موقع طلاق کے جائز ہو سکنے کے پائے جاتے ہیں اور وہ صورتیں وہی ہیں جو اصلی اور قدرتی عقد کی غرض اور نکاح کے مقصود کے خلاف ہیں اور ایسی صورتوں میں طلاق کو جائز رکھنا عین حکمت اور مصلحت ہے +

Divorce permitted not to gratify the levity, caprice or profligacy of either party but only in the case of unfaithfulness of nuptial vow.

(۱) ایک صورت طلاق کو بے الزام جائز رکھنے کی یہ ہے کہ عقد کے بعد اور خلوت ہونے سے پیشتر طلاق دیدیجادے تو اس میں کوئی گناہ یا قباحت غلطی نہیں ہے کیونکہ یہ نکاح کوئی لغوی نکاح نہیں ہے بلکہ اصطلاحی نکاح ہے یعنی وہ ایک معاملہ ہے قول و قرار کا اور اس سے وہ غرض جو فطرت الٰہی میں خلق ازواج سے ہے حاصل نہیں ہوئی ہے +

”لا جناح عليكم ان طلقتم النساء ما لم تمسوهن“ (بقر ۲۱ ع) +

یعنی اگر عورتوں کو جن سے عقد ہؤا ہو ہاتھ لگانے سے پہلے طلاق دیدو تو کچھ مضائقہ نہیں ہے الخ۔ ایسے ہی احزاب کی ۱م۔ آیہ ۱ع ایسے اصطلاحی نکاح میں بھی عورت کے لئے بڑی رعایت اور احسان کیا ہے یعنی جب ایسی صورت میں مہر مقرر ہؤا ہو تو دستور کے موافق اُس کو خرچ دینا چاہیئے اور اگر مہر مقرر ہو چکا ہو تو نصف مہر دینا چاہیئے اس قدر تو ضروری ہے اِلّا عورت سب چھوڑدے یا مرد سب دیدے تو اور بھی بہتر ہے (دیکھو اُسی آیت کے بعد کی آیتیں) +

(۲) دوسری صورت امکان طلاق کی یہ ہے کہ عورت زنا کرے چونکہ خدا نے نکاح کو تحصین کا ذریعہ بنایا ہے۔ اور ہر جگہ محصنين غير مسافحين ولا متخذی اخدان کے لفظ فرمائے ہیں[۵۱] تو جب اسکے خلاف کوئی فعل ہوگا وہ فطرت الٰہی وضع ربانی اور شرع اسلامی کے خلاف ہوگا[۵۲] و لا

---

۵۱ نسا ۴ ع (مکرر) اور مائدہ ۱ ع +

۵۲ اسکے پہلے کو ھاپر وقف موجود ہے اور یہ جملہ مستانفہ اور جدیدہ ہے +

تعضلو ھن لتذھبوا ببعض ما آتیتموھن الا ان یاتین بفاحشۃ مبینۃ" (نساء ۳ ع) یعنی جائز نہیں کہ تم اپنی بیبیوں کو بند رکھو تاکہ اُن سے کچھ مہر میں چھڑا لو مگر اس حالت میں کہ جب وہ صریح بے حیائی کا کام کریں۔ عن الحسن الفاحشۃ الزنا فان فعلت حل لزوج ان یسالہ الخلع (من امالث) یعنی حسن کہتا ہے کہ فاحشہ سے مراد زنا ہے اور جب عورت زنا کرے تو مرد کو جائز ہے کہ اُس سے خُلع چاہے۔ اور یہی مضمون سورہ طلاق کی پہلی آیت میں بھی ہے" ولا تخرجوھن من بیوتھن ولا یخرجن الا ان یاتین بفاحشۃ مبینۃ" یعنی مت نکالو انکے گھروں سے اور وہ بھی نہ نکلیں مگر جو کریں صریح بے حیائی +

(۳)۔ تیسری صورت امکان امدجواز طلاق کی مگر نہ خواہ مخواہ طلاق کی یہ ہے کہ نشوز اور ایذا اور بدخلقی عداوت نفاق سوء العشرۃ اور فساد منزل کی صورتیں پیش آویں اس کا علاج طلاق ہی نہیں بلکہ اس کی تدارک اس طرح پر چاہئے +

(ا)" واللتی تخافون نشوزھن فعظوھن واھجروھن فی المضاجع واضربوھن فان اطعنکم فلا تبغوا علیھن سبیلاً"۔ (نساء ۲) +

یعنی جن عورتوں کی بدخوئی کا تم کو ڈر ہو تو اُن کو سمجھاؤ اور جدا کرو سونے میں اور اگر اس پر بھی نہ مانیں تو مارو (آہستہ سے تادیباً) پس اگر مان جاویں تو اُن پر الزام نہ تلاش کرو (یعنی طلاق نہ دو) +

(ب)۔ "وان خفتم شقاق بینھما فابعثوا حکما من اھلہ وحکما من اھلھا ان یریدا اصلاحا یوفق اللہ" +

یعنی اگر تم ڈرو کہ وہ دونوں آپس میں ضد رکھتے ہیں تو کھڑا کرو ایک منصف مرد والوں میں سے اور ایک منصف عورت والوں میں سے اگر یہ دونوں (منصف) چاہینگے صلاح تو خدا ملاپ کر دیگا ان میں +

(ج)" وان امراۃ خافت من بعلھا نشوزا او اعراضاً فلا جناح علیھما ان یصلحا بینھما صلحاً والصلح خیر واحضرت الانفس الشح وان تحسنوا وتتقوا فان اللہ کان بما تعملون خبیراً" (نساء ۱۹ ع) +

یعنی اگر کوئی عورت ڈرے اپنے خاوند کے لڑنے سے یا جی پھر جانے سے تو وہ دونوں آپس میں صلح کرلیں اور صلح خوب چیز ہے اور جیوں کے آگے دھری ہے حرص اور اگر تم نیکی کرو (ان عورتوں سے اس طرح پر کہ گو وہ تمہیں ناگوار ہوں مگر تم صبر کئے رہو اور اُن کی صحبت کی رعایت کرو) اور بچو (لڑنے سے اور جی پھر جانے سے) تو خدا کو تمہارے سب کاموں کی خبر ہے +

بعض اہل علم نے لکھا ہے کہ مسیح علیہ السلام نے صرف حرامکاری کی صورت میں طلاق

جائز رکھی ہے مگر جس لفظ کا ترجمہ حرامکاری کیا جاتا ہے وہ نہ صرف زنا ہی کے واسطے ہے بلکہ اس سے نشوز اور بیوفائی اور غدر جو عورت کی طرف سے ہو مراد ہے چنانچہ سڈن اور لٹش نے رسالہ اگزور عبریہ اور اعتقادات عیسویہ میں بہت سی اسناد ربانیاں یہود کے محاورے اور کتب مقدسہ کے حوالوں سے ثابت کیا ہے +

۱۹- جبکہ مرد اور عورت میں جو ایک بڑی مضبوط زنجیر اور پکے عہد سے باندھی گئی اور فطرت الٰہی کے قانون کے محکوم ہیں کوئی وجہ شدید اور باعث قوی نہ بسر ہو سکنے یا غرض اصلی کے نہ حاصل ہو سکنے کا ہو تو نااتفاقی شدید اور بے لطفی ناقابل برداشت کی حالت میں یا زوج کے ترش مزاج یا تلون طبع ہونیکی صورت میں اس عہد موثق اور عہد دائمی کا ایسی آسانی سے دفعتاً اور بغتۃً ٹوٹ جا سکنے کا حکم نہیں دیا بلکہ علاوہ ان تدارک اور تدبیروں کے جن کا بیان پچھلی دفعہ میں مفصل گذرا جب بناچاری و بمجبوری ارادہ طلاق اور قصد مفارقت کی نوبت آجاوے تب بھی ایک مدت دراز مہلت فکر اور غور کرنے کو دی گئی اور اس عرصہ میں بھی کئی ایک تدبیریں صلح کی قایم کردیں +

(۱) "اذا طلقتم النساء فطلقوھن لعدتھن واحصوا العدۃ واتقوا اللہ" (سورۃ الطلاق ۱)[لہ]

عدت کے مقرر ہونے میں ایک خاص اور بڑی مصلحت یہی ہے کہ باہم صلح ہو جاوے۔ اور بعولتھن احق بردھن فی ذالک کا بیان اسی پچھلی دفعہ میں گذرا +

(۲) پھر اس عدت میں عورت کو اپنے گھر سے نہ جانے دینا چاہئے اور نہ وہ عورت خود جاوے اِلّا یہ کہ زنا کی صورت ہو +

لاتخرجوھن من بیوتھن ولا یخرجن الّا ان یاتین بفاحشۃ مبینۃ (طلاق ۱) +

(۳)- پھر جہاں مرد خود رہے وہیں عدت والی عورت کو بھی جگہ دے +

"واسکنوھن من حیث سکنتم من وجدکم ولا تضاروھن لتضیقوا علیھن"۔ (طلاق) +

یہ سب تدبیریں اس مصلحت سے ہیں کہ اُن کے باہم سے رنجش دور ہو اور باہم رغبت کریں اور ہر کوئی ناعاقبت اندیش ذرا سی سوءمزاجی یا اختلاف پر طلاق نہ دے بیٹھے +

(۴) بالآخرہ سورہ طلاق میں یہ بھی ہے کہ عدت پوری ہو جانے کے بعد یہ کچھ ضرور نہیں ہے کہ طلاق ہی دیجاوے اور مفارقت ہی اختیار کیجاوے بلکہ یہ حکم ہے +

"فاذا بلغن اجلھن فامسکوھن بمعروف او فارقوھن بمعروف" +

یعنی جب وہ پہنچیں اپنے وعدہ کو تو یاد رکھو دستور سے یا جانے دو دستور سے +

۲۰- اکثر مخالفوں نے قرآن میں طلاق کے احکام مکرر دیکھکر سمجھا کہ صاحب قرآن کی نظر

[لہ] جب تم طلاق دو عورتوں کو تو طلاق دو اُن کی عدت پر اور گنتے رہو عدت اور ڈرو اللہ سے +

میں یہ ایک ہلکی سی بات ہے اور عدم مبالات کی نظر سے دیکھکر سمجھتے ہیں کہ قرآن نے عموماً طلاق کے جواز سے حسن معاشرت کی خرابی تدبیر منزل کا فساد اور باہم آسایش کی گزران میں بدنظمی اور تربیت اولاد میں ابتری روا رکھی مگر اُن لوگوں نے ان حکموں میں کبھی غور سے نظر نہیں کی کسی فقیہ سے احکام پوچھ لیئے یا احکام قرآنی کو اُس کی رائے پر حمل کر لیا اور ظاہر ہے کہ فقیہ کا منصب حمایت اسلام و دفع مطاعن نہیں ہے اس کو ہر ایک صورت اور ضرورت کے احکام جو احکام قرآنی اور رائے اور قیاس سے نکل سکیں بتادینے سے کام۔ البتہ متکلمین اسلام کا یہ کام ہے +

طلاق کو ایسے ناگزیر اور سخت موقع پر جن کا ہم نے بیان کیا ہے جائز رکھنا انسان کے حق میں بڑی بہبودی اور احسان کا کام ہے ایسے ازدواج سے جن میں دونوں کی زندگی حرام اور عیش تلخ ہو خلصی دلانا عین حکمت ہے۔ جو لوگ طلاق کے باب میں بہت سخت ہیں وہ بھی دو ایک صورت طلاق کی جائز رکھتے ہیں۔ پھر جب کسی ضرورت شدید سے اُس کا جواز ماننا پڑا تو پھر اُسکے احکام قلمبند نہ کرنے بے عقلی ہیں اور نہ اُن احکام کے بیان سے طلاق کی اباحت ایسی بے پروائی آزادی اور مطلق العنانی سے ثابت ہو سکتی ہے۔ اگر ایام جاہلیت کی رسوم ازدواج و طلاق کو دیکھا جاوے تو ثابت ہووے کہ جملہ احکام طلاق ان بد رسموں کی اصلاح اور تہذیب میں صادر ہوئے ہیں جن کی حرکتیں بہایم اور درندوں کی مانند تھیں یا ان شدید التعصب کے وہم باطل کی درستی کے لیئے تھے جو وقوع زنا پر بھی طلاق کو جائز نہ سمجھتے تھے پس ان سب افراط اور تفریط پر نظر کر کے اُس کی قباحتیں روکی گئیں اور برائیاں دفع کی گئیں نہ کہ از سر نو اجازت دی گئی ہو یا ابتداً جاری کیا ہو +

(۲۱) اب ہم پھر اُن احسانات اسلام کا بیان کرتے ہیں جو بنی نوع انسان پر مبذول فرمائے گئے +

Beneficial ordinances in the favor of female sex.

ایام جاہلیت میں طلاق کے حیلہ سے بہت ظلم کیا کرتے تھے مثلاً عورتوں کو حبس میں کر رکھتے تھے یا معطل چھوڑ دیتے تھے تاکہ وہ زر مہر میں سے کچھ چھوڑ دیں یا طلاق کے بعد بھی اُن کو اس غرض سے روک رکھتے تھے کہ کسی اَور سے نکاح نہ کریں تاکہ زوج سابق کی ذلت نہ ہو مگر قرآن نے ان سب باتوں کو منع کیا اور زن مطلقہ سے کچھ واپس لینا کیسا اُلٹا اسے کچھ دینا واجب ٹھہرایا +

(۱) "ولا تمسکوھن ضرارا لتعتدوا ومن یفعل ذالک فقد ظلم نفسہ" یعنی عورتوں کو بند نہ کرو ستانے کے لیئے اور جو کوئی ایسا کرے اُس نے اپنے حق میں بُرا کیا (بقر۔ ۲۹ ع) +

(۲) "فاذا طلقتم النساء فبلغن اجلہن فلا تعضلوھن ان ینکحن ازواجہن اذا تراضوا بینہم بالمعروف" یعنی جب طلاق دی تم نے عورتوں کو اور وہ پہنچ چکیں عدت کو تو اب نہ روکو اُنکو

کہ نکاح کرلیں اپنے خاوندوں سے جب راضی ہو جاویں موافق دستور کے (ایضاً ۳ ع) +

(۳) اس میں اس بات کا بھی اشارہ نکلتا ہے کہ عورت کے میکے کے لوگ اُس کو بعد عدت اپنے شوہر سے پھر ملجانے کو نہ روکیں +

(۴) "وللمطلقات متاع بالمعروف حقا علی المتقین" (بقر۔ ۳ ع) +

(۵)۔ اگر طلاق پانے والی عورت پیٹ سے بھی ہو تو جبتک وہ بچہ نہ جنے اُس کو کھانا کپڑا اپنی حیثیت کے موافق دینا ضرور ہے۔ اور اگر بچے کو دودھ بھی وہی پلاوے تو پھر اُسکی اُجرت جُداگانہ +

(۶) "وان کن اولات حمل فانفقوا علیہن حتی یضعن حملہن فان ارضعن لکم فاتوھن اجورھن" (طلاق) +

یعنی اگر وہ عورتیں پیٹ سے ہوں تو اُن کو نفقہ دو جبتک بچہ ہو اور اگر دودھ پلاویں تمہاری خاطر تو اُن کو دو اُن کے نیگ +

۲۲۔ بیووں کے نکاح اور لونڈی اور غلاموں کے نکاح کا عام حکم عرب کی رسم کے خلاف اور رومن کیتھلک کے علے الرغم جاری کیا چنانچہ فرمایا (Objections refuted).

ہے "وانکحوا الایامیٰ منکم والصالحین من عبادکم واماءکم۔ اِن یکونوا فقراء یغنہم اللّٰہ من فضلہ" [۵۱] (نور ۴ ع) +

اس آیت کا آخری فقرہ کہ اگر وہ لونڈی اور غلام محتاج ہونگے تو خدا اُن کو اپنے فضل سے مالدار کردیگا اس پر دلیل ہے کہ غلام بھی اپنے مال کے مالک ہوتے ہیں اگلے زمانہ میں اور اب بھی غلاموں کی یہ خرابی ہے کہ وہ آپ کسی جائداد کے مالک نہیں تصور کئے جاتے اور اسی وجہ سے غلاموں کے مالک اُن کو ازدواج سے بھی محروم رکھتے تھے +

اہل عرب اپنے باپ کی جوروؤں کے نکاح میں مضائقہ کرتے تھے اس طرح کہ وارث خاندان اپنی سوتیلی ماؤں کو روک رکھتا تھا تاکہ وہ دوسری شادی نہ کریں اور عیسائیوں میں ایک قسم ایسی عورتوں کی تھی جو تمام عمر بے شوہر رہتی تھیں اور ایک فرقہ ایسے مردوں کا تھا جو مذہبی امور کی پابندی سے تمام عمر نکاح نہیں کرتے تھے اور پوپ اور کونسل کے فتوے اس باب میں بہت سی قباحتوں کے باعث ہوئے اور اُن کی بنا نہ صرف پوپ کی بدعات اور رسوم پر تھی بلکہ پولوس مقدس کی رائے کا رجحان بھی باوجود طمطاؤس ۱۵/۱۴ کے اسی طرف تھا دیکھو اول کرنتھیون باب ۷ ورس ۸ و ۲۶ و ۲۷ و ۳۰ و ۴۰ +

---

[۵۱] اور بیاہ دو رانڈوں کو جو تم میں ہوں اور جو نیک ہوں تمہارے غلام اور لونڈیاں اگر وہ ہونگے مفلس اللّٰہ اُن کو غنی کرے گا اپنے فضل سے +

اور جو جو قباحتیں ان بدرسموں کے پیدا ہونے میں اور جو جو قاعدے کلیسیا میں بڑے بڑے عہدے پانے والوں کے تجرد کے لئے مقرر ہوئے اُن کی ایک بڑی تاریخ ہے۔ عیسوی مشائخ میں سے جیروم (سنہ ۴۲۰ء) اور امبروس (سنہ ۳۹۷ء) اور رومانی اُسقفوں میں سے داماسیوس (سنہ ۳۸۴ء) اور سری سیوس (سنہ ۳۹۹ء) اس کے بڑے حامی تھے اور سنہ ۳۰۵ء کی کونسل البریس میں ہر بشپ اور ڈیکن اور پادریوں کو تجرد کا عام حکم ملا اور تولیدو کی کونسل سنہ ۵۸۹ء میں یہ حکم نکلا کہ کلرجی (پادری) کسی عورت سے مشتبہ پایا جاوے تو قاضی اس عورت کو بیچ ڈالے اور اسکی قیمت مسکینوں کے صرف میں لاوے۔ اُسقف جرجیس اکبر تجرد کے مسئلہ کا بڑا حامی تھا اور ایک نقل مشہور ہے کہ جب اُس نے اپنا تالاب صاف کرایا تو اُس میں چھ ہزار بچوں کی کھوپریاں نکلیں۔ یہ نتیجہ اُس قانون کا تھا جس میں اُس نے دینی عہدہ داروں کو مناکحت سے ممانعت کی تھی۔ اس نتیجہ میں جو جو خرابیاں ہوئیں اُن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ پادریوں کے لڑکے جو باوجود اس تجرد کے ہوئے بغیر نہیں رہتے تھے کالعدم قرار دیئے گئے اور بینڈکٹ ۸ نے کونسل پنوپیا سنہ ۱۰۲۲ء میں اُن لڑکوں کو کالعدم قرار دیکے ہمیشہ کی غلامی میں دیدیا۔ اور شہنشاہ ہنری ثانی نے ان احکام کی تعمیل میں سیاست بھی ہمردیف کردی۔ آخر الامر سینکڑوں برس کے بعد ان خرابیوں کی اصلاح شروع ہوئی۔ اور لوتھر گو سب سے اوّل تو نہیں مگر وہ بھی منجملہ منکرین مسئلہ تجرد تھے اور سنہ ۱۵۲۵ء میں کھترین دین پورا سے جو دائمی تجرد کی نذر کر چکے تھے مگر پھر اس سے پھر گئے تھے نکاح کیا۔ قرآن میں اس رہبانیت کی اصلاح ان لوتھر وغیرہ لوگوں سے صدہا سال پیشتر ہو چکی تھی۔ اور جو ٹھیک ٹھیک اس کی منشاء اور کیفیت تھی اس پر اشارہ ہوا ہے +

"ورھبانیۃ ابتدعوھا ما کتبنا علیھم الا ابتغاء رضوان اللہ فما رعوھا حق رعایتھا" (حدید ۲۷) +

یعنی عیسائیوں نے دنیا چھوڑنا نیا نکالا ہم نے ان پر واجب نہیں کیا تھا یہ اُنہوں نے خدا کی رضامندی کے لئے نکالا مگر جیسے نباہنا چاہیے تھا نہ نباہا +

اور لارھبانیۃ فی الاسلام بارہ سو برس سے مشہور ہے +

۲۳۔ اس مقام پر چند اعتراضات متعلق مسائل نکاح و طلاق نقل کر کے اُن کا جواب (Objections refuted) لکھنا بہت ضرور ہے گو میں دیکھتا ہوں کہ مضمون طول ہوا جاتا ہے۔ مگر ان اعتراضوں سے یہ فائدہ ہے کہ عوام ملاؤں کی آنکھیں کھلیں اور جواب سے یہ فائدہ ہے کہ اسلام یا قرآن پر سے بیجا تہمتیں مرفع ہوں اور اُسکے احکام کی خوبیاں ظاہر ہوں اور نیز جو کچھ خالص احکام قرآن اور رسوم باطلہ میں فرق ہے وہ بھی عیاں ہو جاوے +

اعتراض

لونڈیوں کی تعداد کی کوئی حد مقرر نہیں ہے۔ اُن سے ہر کوئی مسلمان بلا لحاظ اپنی چار عورتوں کے اور بغیر کسی رسم ماقبل یا ضمانت مابعد تصرف کر سکتا ہے اور لونڈیاں بنانے کی رسم اس نامحدود اجازت کے لئے ایک ضروری شرط ہے اور کوئی مسلمان اپنے دل سے یا خوشی سے اس کے بند ہونے پر راضی نہ ہوگا ✤

جواب

ہم نے اپنی نویں دفعہ میں بیان کیا ہے کہ قرآن مجید کے لفظ نساء میں آزاد اور غیر آزاد دونوں داخل ہیں پس چارؔ کے عدد سے محدود ہیں۔ اور یہ بھی وہیں بیان ہو چکا ہے کہ لونڈیوں سے نکاح اُس صورت میں تھا جب کہ آزاد سے نکاح کا مقدور نہ ہو پس جبکہ ایک کا وجود دوسرے کی نفی پر موقوف ہے تو دونوں کے جمع کرنے کی کوئی صورت نہیں۔ اور ہم نے بعض فقہا کے قول کی طرف بھی اشارہ کیا ہے اذا کان تحتہ حرۃ لم یحل لہ نکاح الامۃ (ابو حنیفہ امام۔ تفسیر کبیر) پس یہ اعتراض قرآن پر بیجا ہے۔ اور بغیر کسی رسم کے اُن کا تصرف بھی میں تسلیم نہیں کرتا کیونکہ فانکحو ھن باذن اھلھن میں صاف نکاح کا حکم ہے اور پھر دوسرا فقرہ محصنات غیر مسافحات[۱] اور ولا متخذی اخدان اور یہی صورتیں مداومت کی ہیں۔ اور ضمانت کے واسطے مہر کا تعین کنیزکوں سے ویسا ہی ہے۔ جیسا کہ آزاد سے وآتوھن بالمعروف اور دیدو اُن کو اُن کے مہر موافق دستور کے (نساء ۴ ع)۔ اور یہ بات کہ مسلمان کبھی اس رسم ملک یمین کے بند ہونے پر راضی نہ ہونگے اس کا جواب فقہا کے ذمہ ہے ✤

۲۔ اعتراض

یہ اکثر کہا جاتا ہے کہ اسلام نے عورتوں کی حالت میں تہذیب اور اصلاح کی۔ مگر میں سمجھتا ہوں کہ اسلام نے ازدواج کی صورت میں بہ نسبت زمان جاہلیت کے عورت کی حالت زیادہ تر ذلیل اور پست کر دی ہے البتہ ایک امر خاص میں تو یعنی بیٹے کا اپنے باپ کی بیواؤں کا وارث ہونا اس میں تو اسلام نے عورت

جواب

شریعت اسلام کی اصلاحوں کی خوبی اور خصوصاً منزلی تدبیروں کا حسن تب ہی خوب معلوم ہوتا ہے۔ جب جاہلیت کی رسوم اور آداب نکاح اور ملکوں کے بلکہ بلادِ فرنگ کی اب تک کی رسوم ازدواج کو بلا سبق ظن اور تعصب قرآن کے احکام سے مقابلہ کیا جاوے ✤ جو باتیں معترض نے منکوحہ عورتوں کے

[۱] یعنی وہ لونڈیاں قید میں آتیاں نہ مستی نکالیں اور نہ چھپی بازی کرتیاں ✤

کو ایک سخت اور شدید خراب حالت سے چھڑایا ہے اور کوئی آزاد عورت شریعت اسلام کی رُو سے اپنی مرضی کے خلاف نکاح کرنے پر مجبور نہیں ہو سکتی۔ مگر ازدواج کی صورت میں جو حیثیت عورتوں کی اسلام نے قرار دی ہے وہ ایک ایسی کمینی اور ذلیل مخلوق ہے جو اپنے شوہر کی خدمت کے لئے مخلوق کی گئی ہے اور بغیر ایک گھنٹہ کے پیشتر سے خبر دینے کے نکال دیجاتی ہے اور خاوند کو ایسا اختیار مطلقاً فوراً بے غور و تامل طلاق دینے کا دیا ہے مگر عورت کے لئے کوئی رعایت اس قسم کی نہیں رکھی وہ تو اپنی مرضی کے خلاف اور معطل ہمیشہ اپنے خاوند کی لونڈی بنی ہوئی اور معلق رہتی ہے۔ جب کہ درحقیقت طلاق ہو جاوے تو وہ اپنے مہر کا دعویٰ کر سکتی ہے گو اس بات کا علم کہ عورت ایسا دعویٰ کر سکتی ہے دفعتاً مرد کی رائے نہ بدلنے کی ایک ناخوش روک تو ہے مگر لونڈیوں کے حق میں یہ ناقص قید بھی نہیں ہے اور مرد کو صرف طلاق ہی کا اختیار نہیں ہے بلکہ حبس کرنے اور مارنے کا حکم بھی صاف صاف دیا گیا ہے۔ دیکھو سورۂ نساء کی ۳۴۔ آیت" +

حق میں قرآن سے منسوب کی ہیں وہ بے بنیاد ہیں۔ ہم پہلے ثابت کر چکے ہیں کہ قرآن نے ازواج کی پیدایش مردوں کی تسکین اور محبت اور رافت کے واسطے کی ہے[ف۱]۔ اور پھر اُن کو باہم ایک دوسرے کے لباس سے تشبیہ دی ہے[ف۲] اور اس میں اُن کے عزیز اور گرامی اور بالکل محتاج الیہا ہونے پر اشارہ کیا ہے اور اُن سے نیک طریق پر معاشرت کرنے اور صلح قایم رکھنے کی مکرّر وصیت فرمائی ہے[ف۳] اور اُنکے حقوق کو آزادی اور اختیار اور جملہ تصرفات میں مردوں کے مساوی قرار دیا ہے[ف۴] اور جہاں تک نیچر اور عرف نے اجازت دی ہے جیسے عورتوں پر حق ہے ویسا ہی اُن کا بھی حق ہے[ف۵] + اور تعجب ہے کہ معترض نے طلاق کو ایسا سمجھا کہ بغیر ایک گھنٹے کی نوٹس کے بھی مطلقاً اور فوراً موثر ہو جاتی ہے یا کوتہ اندیشی اور غصہ کی حالت میں فوراً نافذ ہو جاتی ہے حالانکہ جو وجوہ اور اسباب نکاح کے قرآن میں لکھے ہیں وہ خود ہی مانع طلاق ہیں اور پھر صورت ناگزیر اور واقع لاعلاج جو باعث فساد منزل اور موجب انفکاک نظم ہو اس میں سے ایک یا دو مرتبہ کی طلاق کو کافی نہیں سمجھا بلکہ ایک بڑی مدت فکر اور تامل کے واسطے مقرر فرمائی اور

ف۱ سورۂ روم ۳ع +

ف۲ سورۂ بقر ۱۸۲ آیت +

ف۳ سورۂ نساء ۵ع +

ف۴ سورۂ بقر ۲۸ع +

ف۵ سورۂ نساء ۳ع +

اُس میں صلح کی ترغیب دی اور پھر عدت اور رجعت اور تیسرے مرتبہ میں اس بات کی تخویف فان طلقها فلا تحل له حتی تنکح زوجا غیرہ سب تدبیریں طلاق کے حفظ اور ضبط کے واسطے ہیں۔ اور مرد کی رائے بدل جانیکا تدارک طلاق نہیں قرار دیا بلکہ جھگڑے اور ناخوشی کے رفع دفع کرنیکی تدبیریں اَور ہیں جو ۱۸ دفعہ کی ۲ ضمن میں بیان ہوئی ہیں +

اور یہ بھی عجب ہے کہ معترض نے اس بات سے انکار کیا کہ گویا طلب طلاق کا عورت کو اختیار نہیں دیا گیا حالانکہ فلا جناح علیهما فیما افتدت به میں صاف مسئلہ خلع کا بیان ہے +

اور جو عورت کے معلق رہنے یا عموماً معروض علیها ہونیمیں لکھتے ہیں وہ بھی خلاف تصریحات قرآنی ہے کیونکہ ہرجگہ حسن معاشرت پر تاکید ہے فعاشروهن بالمعروف (۴ ج ۱۴ ع) اور بالتخصیص اسی مقدمہ میں یہ بھی فرمایا فلا تمیلوا کل المیل فتذروها کالمعلقة۔ اور یہ بھی عجب ہے کہ لونڈیوں کے حق میں ادا مہر کی شرط نہیں حالانکہ واٰتوهن اجورهن بالمعروف (۵ ج ۲ ع) ہر کوئی قرآن میں پڑھ سکتا ہے +

اور نشوز کی حالت میں کمال حکمت اور مصلحت ہے پہلے نصیحت کر دینا اور اگر اس سے اصلاح نہ ہو سکے تو ہجرت کی فی المضاجع اور جب یہ تدبیر بھی فساد منزلی کی اصلاح کو کافی نہ ہو تو بناچاری اور مصلحتاً تادیب بھی مناسب ہے اور یہ سب صورتیں طلاق کی تدبیر سے بہت ہی نرم اور کم ہیں نہ کہ خوردہ گیری کے لایق +

پس ایسا مارنا جس کی تفسیر ضرب غیر مبرح سے کی گئی ہے اور گویا طلاق کا بدل ہے عورتوں کی حالت کو نقصان اور مضرت نہیں پہنچا سکتا اور اَور جگہ قرآن میں عورتوں کو ضرر پہنچانے کی صاف ممانعت ہے۔ چنانچہ۔

ولا تمسکوهن ضرارا لتعتدوا (بقر ۲۹ ع) +

ولا تضاروهن لتضیقوا علیهن (طلاق) +

۳۔ اعتراض

استبدال زوج یعنی ایک عورت کو طلاق دینا اس غرض سے کہ دوسری سے نکاح کریں قرآن میں تسلیم کیا گیا ہے صرف اس شرط سے کہ مہر پورا ادا کیا جاوے پس جبکہ مابہا السرور اس طرح پر مجبور اور مقہور اور مقید اور مہجور

جواب

ان اردتم استبدال زوج کو ایک حکم ابتدائی اور جواز استبدال کی پروانگی سمجھنا خلاف مراد کلام الٰہی ہے کیونکہ آیت کا مقصود یہ ہے کہ طلاق کی حالت میں زر مہر میں سے کچھ بھی لے لینا کسی طرح درست نہیں۔ اور

آدمی فی الفور وقتی غصہ میں یا اضطراراً نکالدی جاوے تو یہ کیونکر کہا جاوے کہ شریعت اسلامی نے عورتوں کے حق میں بہبودی کی۔ مجھے اس کہنے میں کچھ تامل نہیں کہ زمان جاہلیت میں عورت کو زیادہ آزادی بڑی صحت وتندرستی زیادہ عفت سے اختیار حاصل تھا۔

اس طرح سے واپس لینے کو امر ناحق اور صریح گناہ قرار دیا اور نیز اسے خلاف عہد بھی بتلایا پس اس آیت میں گو ضمناً جواز طلاق کو تسلیم کیا مگر مقصود ممانعت طلاق ہے کیونکہ بحسب مہر کامل ادا کرنا اور اس میں سے کچھ بھی نہ لینا ایک حکم محکم قرار دیا اور ادھر مہر کی کوئی حد نہیں رکھی بلکہ قنطار کے لفظ سے اس کی تعداد کا بے شمار ہونا ظاہر کیا تو ایسی صورت میں طلاق کے مقدمے بہت ہی کم نکلینگے گویا کہ طلاق کو ایک بڑی مشکل شرط پر موقوف رکھا تو اس کا مقصود منع طلاق نہ ٹھہرا نہ کہ جواز۔ اور ایک لطف یہ ہے کہ اردتم کا لفظ فرمایا ہے جس سے وقوع طلاق کی تسلیم وتجویز نہیں نکلتی۔ خلاصہ یہ کہ اس آیت سے جواز طلاق (اور وہ بھی ناپسندیدہ) اور قبیح طریقے سے) پیش کرنا ایک ناقص شہادت ہے۔ اور اس آیت کو اس طرح بیان کرنا کہ اس سے طلاق کو ترویج دی ایک بڑی بیباکی ہے کیونکہ اس کا مقصد یہ نہیں کہ تم طلاق دیا کرو بلکہ محل کلام یہ ہے کہ زر مہر میں سے کچھ نہ لیا کرو۔ گو ایسا موقع کسی وقت پیش آویگا جبکہ طلاق ہوگی۔ مگر اس حکم کی منشا دیکھنی چاہیئے کہ طلاق کے جواز کو صرف ضمناً تسلیم کرلیا ہے نہ یہ کہ اس سے اس کو بالاستقبال جائز کیا ہو اور اسی لئے اردتم کا لفظ بھی کہا اور محاورات میں بسا اوقات ایسا بول جاتے ہیں کہ تیوہ میں گفتگو رانی منظور ہوتی ہے تو سبب کا ذکر فرض وتسلیم کی صورت میں ہو جاتا ہے مگر اس سبب کے جائز یا ناجائز ہونے کا ذکر مقصود نہیں ہوتا۔

اور درحقیقت اس آیت میں اس متلون مزاج ناعاقبت اندیش کی چھچھوری حرکت پر جو گھڑی میں گھر بنا دے اور گھڑی میں بگاڑ دے تنبیہ کردی ہے تاکہ وہ بلا سبب اور بغیر ضرورت محض لذت حاصل کرنے کے لئے استبدال زوج چاہتا ہو۔ اس صورت میں یہ حکم اس ارادہ کا قوی مانع ہوگا۔ پس ان سب تقریروں کے خلاصہ میں ہم کہتے ہیں کہ زمان جاہلیت کے آداب میں بلکہ یہود اور رومن کی رسوم میں بھی عورت کی ذات بہت بدتر کمتر ذلیل تر حالت میں اکثر بے اختیار اور قیدی کی طرح بسر کرتی تھی اور حسن معاشرت کے بہت سے فائدے اور زوجیت کے بہت سے حقوق سے محروم رہتی تھی اور انگلستانی رسمیں ابتک اسکے حق میں سخت اور شدید ہیں مگر اسلام کے شارع نے احکام قرآن میں عورتوں کی حالت کو ایام زوجیت اور بیوگی میں اگلے زمانہ کی حالتوں سے کہیں بڑھکر بہتر اور برتر کردیا۔ اور عدالت کے حکم اور عاشروھن بالمعروف کی وصیت تامروا بینکم بالمعروف کے فتوے سے اس سے زیادہ خوشحال اور فارغ البال کردینے

سے اس اصلی غرض کو جس پر محصنین غیر مسافحین میں اشارہ کیا ہے اس قدرتی تسکین اور باہمی اطمینان کو جو ھن لباس لکم سے مراد ہے بڑے کامل طور سے پورا کیا +

۴ - اعتراض

اور لونڈیوں کے حق میں جو مسلمانوں کی غلامی میں ہوں دشوار ہے کہ اُن کی حالت مذلت سے زیادہ جنس انسان کی اور کوئی حالت قیاس میں آسکے ان سے تو کمترین مخلوقات کی حیثیت سے سلوک کیا جاتا ہے۔ قید و بند تو اُن پر ایسی ہے گویا کہ وہ منکوحہ ہیں مگر حقوق زوجیت سے وہ صاف صاف محروم ہیں وہ بالکل اپنے مالکوں کے اختیار میں ہیں صرف ایک صورت مخلصی کی یہ ہے کہ جب وہ امّ ولد ہو جاوے تو بک نہیں سکتی اور مالک کی وفات پر آزاد ہو جاتی ہے سو بھی قرآن شریف میں نہیں ہے ماریہ قبطیہ کی مثال پر قیاس کیا جاتا ہے +

جواب

لونڈی اور غلام کی کامل آزادی اسلام میں ہو چکی ہے اس کا ذکر آگے آتا ہے مگر یہاں پر اسی قدر کافی ہے کہ اُس وقت میں کنیزکوں سے تنجویز کی تجویز ایک شاذ و نادر صورت میں ہے اور وہ بھی مصلحت سے خالی نہ تھی۔ یعنی جس شخص کو نکاح آزاد کا مقدور نہ ہو اور بے نکاح رہنے میں زنا کا اندیشہ ہو مگر باایںہمہ پھر بھی لونڈیوں کے نکاح سے اجتناب ہی بہتر قرار دیا چنانچہ فرمایا۔ کہ۔

"وان تصبروا خیر لکم" +

(دیکھو اس مضمون کی ۹ دفعہ) +

۵ - اعتراض

طلاق کے قاعدوں میں ایک قاعدے کی زحمت بے بولے رہا نہیں جاتا کہ ایک خاوند دو مرتبہ طلاق دیدیکر تو پھیر سکتا ہے مگر تیسری مرتبہ کے بعد پھیر نہیں سکتا اور یہ فعل کیسا ہی ناحق اور مضر ہو اور کیسے ہی غصہ کا نتیجہ ہو اور اس سے کیسا ہی کچھ نہ اُس بے جرم عورت کو۔ نہیں بلکہ اس کے معصوم بچوں کو اثر پہنچتا ہو اور وہ شوہر بھی کیسا ہی کچھ اس ظلم کی اصلاح چاہتا ہو مگر اب وہ منسوخ ہی نہیں ہو سکتی مگر جبکہ طلاق دی ہوئی

جواب

طلاق بائن کی جو اخلاقی اور منزلی اور تمدنی قباحتیں بیان ہوئی ہیں وہ احکام قرآنی پر عاید نہیں ہوتیں۔ قرآن میں پہلے ہی اس کوتہ اندیش تنک مزاج تلون طبع خفیف الحرکت سبکسر مرد کے غیظ و غضب اور جوش و خروش اور عدوان کا علاج کر دیا ہے اور کئی تدبیریں اسکے روک تھام کی مثلاً عدت کا مقرر ہونا اور ظاہر ہے کہ اتنے عرصۂ دراز میں وہ شخص اچھی طرح اپنے ارادہ سے پشیمان ہو کر باز آسکتا ہے اور نیز یہ کہ مدت عدت

عورت ایک سخت شرط پر پھر آسکتی ہے کہ پہلے
اس کا کسی اَور سے نکاح ہو اور یہ بھی اسے طلاق
دیوے (بقرا ۲۳۱) +
مسلمانوں کی حیا و غیرت کا اسی پر قیاس
کرلیا جاوے کہ مطلقہ بائن کے پھر جائز ہونے کے
لئے ایک مستحل یعنی عارضی شوہر گویا اُجرت پر
رکھ لیا جاتا ہے اس کی ایک مثل مشہور ہو گئی ہے
الف عشق و لا مستحل +

تک دونوں ایک ہی جگہ ایک ہی مکان میں رہیں
جو خاص اس غرض سے تھی کہ دونوں میں باہم
صلح ہو جاوے۔ پھر اس عدت کے بعد یہی ضرور
نہیں کہ طلاق ہی دیجاوے بلکہ اختیار ہے کہ
یا رخصت کریں یا رہنے دیں تو کیا اتنے عرصہ
میں اور ان تدبیروں پر بھی تلون مزاج کی دفعۃً
طیش اور غضب سے باز آنیکا موقع نہ ملیگا؛ اور کیا اب
بھی وہ اپنی مجبوری اور بے سببی کا عذر کرسکتا
ہے اور کیا اتنی مدت تک اس کی بدخوئی مستمر رہیگی پس ان تینوں طلاقوں میں (الطلاق مرتان
اے علی التفریق دون الجمع فان طلقہا (اے ثالثۃ) فلا تحل لہ) جو جُدا جُدا اک عرصہ معتدبہ کے بعد
ہوں شریعت نے کوئی عذر اور حیلہ ناگہانی قصد اور فلتہ ناخوشی کا اٹھا نہیں رکھا کہ جس سے اب
جلد بازی اور تیز مزاجی پر ندامت اور افسوس ہو بلکہ اک اختیاری فعل ہے کہ اُس کا الزام اپنی
ہی عقل و تمیز پر ہو سکتا ہے +

اور حلالہ کا حکم بھی اس رسم طلاق کے گھٹانے اور کم کرنے کی نظر سے ہوا ہے اور بیشک
اُس کی رسوائی کسی صاحب غیرت کو ایسے ارادہ پر جرأت نہ کرنے دیگی یعنی کوئی باحمیت نہ طلاق
بائن دیگا نہ حلالہ کی رسوائی اُٹھائیگا۔ اور محلل لہ اور محلل کی شناعت پہلے ہی بیان ہو چکی ہے ابھی
ہم حجۃ اللہ البالغہ میں دیکھتے ہیں لعن رسول اللہ صلعم المحلل والمحلل لہ +

اور یہ تو ایک بڑی غلط فہمی ہے کہ گویا شریعت نے اس بے جرم صاحب عفت کی پردہ دری
اس رسم سے گوارا کی ہو کیونکہ مستحل صرف اس عورت کو اس غرض سے کہ وہ اگلے شوہر کو اس حیلہ
سے حلال ہو جاوے پہلے ہی سے ارادہ کرکے تھوڑی دیر کے لئے نکاح کرے تو وہ ہرگز درست
نہ ہوگا کیونکہ نکاح میں تو مداومت اور تحصین اور عدم سفاح اور تعاون فی العشرت اور باہم کی
تسکین اور اتحاد مراد اور مقصود ہے تو ایسی صورت میں محلل کا نکاح دائمی ہوگا جب تک کہ
کوئی ایسی ہی ناگزیر صورت طلاق کی جن کا بیان آگے ہو چکا ہے پیش نہ آوے۔ پس اس
عورت کا بائن ہونے کے بعد حلال نہ ہونا اُس مرد کے لئے سزا ہے۔ کہ اُس نے عہد الٰہی
اور قانون قدرت کی رعایت نہ کی۔ موسوی شریعت میں بھی مطلقہ اپنے شوہر پر حرام ہو جاتی تھی
مؤبداً (سمار ۲۴) مگر قرآن کی نظر میں اتفاق کو ترجیح ہے افتراق پر +

(۴۲) حیف ہے اگر اس مقام پر جناب پیغمبر صلعم کی خاص ازواج طیبات کے احکام

نہ بیان کئے جاویں گو اس تحریر کی وضع سے یہ بحث خارج ہو +

ہر ایک انسان کی عقل ضرور اس امر کی طلبگار ہوگی کہ مصلح قوم اور ہادی انام نے (جس نے ایسی حکمت اور مصلحت کے احکام جاری کئے اور زمانہ جاہلیت کی رسوم قبیحہ اور عادات ضارہ کو رد و کم کیا) خود ایسا نمونہ کیسا دکھلایا۔ اور بالضرور ہر ایک شخص کا وجدان اس پر گواہی دیگا۔ کہ ناصح ملت اور رہنمائے مذہب خود بھی ایک نمونہ ہونا چاہیئے۔ تمام اخلاق اور حسنات اور خیرات کا تاکہ لوگ اُس سے نفرت نہ کریں اور یہی امر اصل ہے مسئلہ عصمت کی +

جناب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام ازدواج عجیب حکمت کے احکام تھے جن سے ہم اب بھی اس بات پر استدلال کر سکتے ہیں کہ کسی متنبی سے ایسے احکام صادر ہونیکی توقع اور احتمال ہیں کیونکہ یہ احکام بڑی تنگی اور قید نفس اور حرمان شدید کے ہیں۔ اوائل سورہ نساء کی آیت (جس میں عورتوں کی حد مقرر ہے) نازل ہونے سے پیشتر[۵۱] جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت یہ حکم ہوا تھا کہ ازواج موجودہ (جن کا عدد بعد کی مقرر کی ہوئی نصاب سے زیادہ تھا) حلال ہیں (تنزیل میں بھی ان کی حلت کو ظاہر فرمایا گیا)[۵۲]۔ اس طرح پر یا ایھا النبی انا احللنا لک ازواجک التی اتیت اجورھن

---

۵۱ یہ بات کہ سورہ احزاب پہلے نازل ہوئی نساء سے اُس کے ثبوت میں یہ دلیلیں ہیں +

(۱) قصیدہ تقریب المامول فی ترتیب النزول تصنیف برہان الجعبری کا ایک شعر یہ ہے +

لاحزاب مائدۃ امتحان والنساء ۔ مع زلزلت ثم الحدید تاملا +

(۲) ابن ضریس نے فضائل القرآن میں ابن عباس سے روایت کی ہے اس میں مدنی سورتیں اس طرح پر ترتیب دی ہیں ’ثم البقرۃ ثم الانفال ثم آل عمران ثم الاحزاب ثم الممتحنۃ ثم النساء الخ‘ +

(۳) بیہقی نے عکرمہ سے روایت کی ہے دلائل النبوۃ میں اس میں مدنی سورتوں کی ترتیب اس طرح پر ہے ’ویل للمطففین والبقرۃ وآل عمران والانفال والاحزاب والمائدۃ والممتحنۃ والنساء الخ +

۵۲ اس اظہار تحلیل سے یہ نہیں لازم آتا کہ اب تک جو کچھ ہوا وہ غیر حلال تھا کیونکہ اب تک جو ہوا تھا اُس کی حلت سنت یعنی فعل رسول اور انبیاء سابقین کے دستور اور قوم کی رسم اور قانون قدرت کی مطابقت سے ہوا تھا اور اب اسی تحلیل کا اظہار ہوا یعنی کہ ہم حلال کر چکے ہیں ان کو مگر آئندہ الخ +

اور ایسی کئی مثالیں مل سکتی ہیں جن میں نزول حکم متاخر ہے اور عمل متقدم مثلاً آیہ وضو جو بالاتفاق بعد ہجرت نازل ہوئی مگر اس کا حکم مکی ہے آیت جمعہ جو مدنی ہے مگر جمعہ کی فرضیت مکی ہے ایسے ہی فرضیت زکوٰۃ کا حکم بہت متاخر ہے اور اس کا عمل اوائل ہجرت سے ہے دیکھو اتقان میں ایک خاص باب اسی بیان میں ہے ما تاخر تلاوتہ عن حکمہ (نوع ۱۲) +

اور یہاں تو سب صیغے ماضی کے ہیں اور وہ بھی امر کی صورت میں نہیں ہیں بلکہ خبر کے طور پر ہیں پس یہ آیت سابق ہی کی حلت ظاہر کرتی ہے۔ آئندہ کے واسطے کوئی حکم نہیں دیتی +

وماملکت یمینک مما افاء اللہ علیک [۵۱] وبنات عمک وبنات عمتک [۵۲] وبنات خالک وبنات خالاتک التی ھاجرن معک [۵۳] وامراۃ مومنۃ ان وھبت [۵۴] نفسھا للنبی ان اراد النبی ان یستنکحھا خالصۃ لک من دون المومنین [۵۵] قد علمنا ما فرضنا علیھم فی ازواجھم وماملکت ایمانھم لکیلا یکون علیک حرج ط (احزاب ۴۹) یعنی ہم نے حلال کیں تجھ کو تیری عورتیں (یاہم جائز کر چکے ہیں تجھ کو تیری عورتیں) جن کے مہر تو دے چکا اور جن کا تو مالک ہو چکا فی کے ذریعہ سے اب جو مہر دے چکنے کی وجہ سے حلال نہیں اُن کی تفصیل ہے) تیری چچازاد اور پھوپی کے قبیلہ کی عورتیں اور ماموں زاد اور خالہ کے قبیلہ کی عورتیں جنہوں نے ہجرت کی تیرے ساتھ اور وہ عورت جس نے اپنے آپ کو عرض کیا نبی پر اور نبی نے بھی چاہا اُس کو نکاح میں (مراد خدیجہ رضی اللہ عنہا شاید) (یہ احکام جن میں اس وقت موجود عورتوں کے جائز رکھنے کا حکم ہے اس طرح پر کہ تعین ان عورتوں کا اور ذات شخصیہ اُن عورتوں کی حلال ہو چکی اس حیثیت سے کہ اُن میں تغیر اور تبدل نہ ہو سکے) خاص تیرے ہی لئے (تاکہ تو ضبط اور قید میں نمونہ ہو اوروں کو اور تاکہ اُس سے ظاہر ہو تیری عدم متابعت نفس اور مجبوری احکام الٰہی کی گو وہ خلاف ہوں خواہش ہائے بشری کے) سوائے سب مسلمانوں کے (کیونکہ) ہم کو معلوم ہے جو اُن پر حکم ہوا ہے اُن کی نسبت جو اُن کی عورتیں ہیں اور اُن کے ہاتھ کے مال ہیں (مسلمان لونڈیاں) (وہ یہ کہ ان کے لئے ذات معین نہیں اور اُن میں تغیر و تبدل اور کمی بیشی معروف طور پر ہو سکتی ہے مگر تیرے لئے خاص اُن عورتوں کی تخصیص ہے جن میں کمی بیشی اور تغیر و تبدل نہیں ہو سکتا۔)

---

۵۱ تفسیر جلالین میں مما افاء اللہ کی تفسیر میں صفیہ اور جویریہ کا نام لکھا ہے اور یہ دونوں مشہور ہے کہ آزادی کی حالت میں نکاح میں آئیں۔

۵۲ بنات عم سے نساء قریش مراد ہیں۔

۵۳ بنات خال سے نساء بنی زہرہ مراد ہیں۔

۵۴ "اِنْ وھبت" کوئی ایسی عورت مدینہ میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نہ تھی۔ عن عبد اللہ ابن عباس ومجاھد لم یکن عند النبی امراۃ وھبت نفسھا منہ (معالم التنزیل) اور نہ اس میں کوئی حکم مستقبل کا ہے۔ کچھ ضرور نہیں کہ اِنْ شرطیہ ہو محتمل ہے کہ "قد" کے معنی میں ہو اور تعلیل کے واسطے ہو۔ پس حضرت خدیجہ مراد ہونگی اور نکرہ ممکن ہے کہ تعظیم کے لئے ہو۔

۵۵ یعنی سورہ فرقان اور مومنون اور بقر میں جو کچھ ازواج کی نسبت احکام اور وصیت ہوئی۔ اور یہ صورتیں مقدم ہیں۔ احزاب پر دیکھو قصیدہ وتقریب المامول فی ترتیب النزول اور ابن ضریس کے رسالہ فضائل القرآن میں ابن عباس کی روایت۔

تاکہ تجھ پر گناہ نہ ہو (اُن خردہ گیروں کی نظر میں جو محض کثرت پر نظر کرکے طعن کریں کہ نبی نے متابعت نفس کے لئے ایسا کیا حالانکہ اصل حقیقت اُن کی فہم کے خلاف ہے چنانچہ فرمایا) مگر۔

"لا یحل لک النساء من بعدؑ ولا ان تبدل بھن من ازواج ولو اعجبک

لہ من بعد التسع وھو فی حقہ کالاربع فی حقنا او من بعد الیوم حتی لو ماتت واحدۃ لم تحل لہ نکاح اخری (بیضاوی)۔

بعضے لوگوں کو اس آیت میں بڑی غلط فہمی واقع ہوئی ہے۔ یعنی اس آیت کو منسوخ بتلاتے ہیں مگر قطع نظر اس سے کہ نسخ قرآن میں ہوا ہے یا نہیں ایک اَور لطف یہ ہے کہ اس کا ناسخ اس سے پہلے ہے ان ھذا الشئ عجاب حالانکہ آیات کی ترتیب توقیفی ہے اور اُس پر اجماع بھی ہے۔ اور یہ بتواتر ثابت ہے کہ جناب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح سے قرآن پڑھتے تھے جس طرح اب آیتیں مرتب ہیں۔ پس ممکن نہیں کہ اُن آیتوں کی ترتیب میں ایسی صریح تاریخی غلطی ہو گئی ہو۔ علامہ سیوطی اتقان میں فرماتے ہیں۔ الاجماع والنصوص المترادفۃ علی ان ترتیب الآیات توقیفی لاشبھۃ فی ذالک اما الاجماع فنقلہ غیر واحد منھم الزرکشی فی البرھان وابو جعفر بن الزبیر فی مناسباتہ وعبارتہ ترتیب الآیات فی سورھا واقع بتوقیفہ صلی اللہ علیہ وسلم وامرہ من غیر خلاف فی ھذا بین المسلمین۔ انتھٰی۔ اور پھر قاضی ابوبکر (الباقلانی) کا قول نقل کیا ہے۔ ان الآیات ضبطت عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم ترتیب ای کل سورۃ ومواضعھا وعرفت مواقعھا کما ضبط عنہ نفس القرآن وذات التلاوۃ الخ۔

علاوہ ازیں جس آیت کو اُس کا ناسخ ہونا تفسیر بیضاوی کبیر اور معالم میں نقل کیا ہے یعنی ترجی من تشاء منھن وتؤوی الیک من تشاء اس میں ایک حرف بھی اس پر دلالت نہیں کرتا کہ ازواج موجودہ کے سوا انکے غیر سے نکاح کیا جاوے۔ بعض نے اور بھی ترقی کرکے یہ کہا ہے کہ اس اہم آیت کی اَور بھی پہلے کی یعنی ۴۹ آیت اسکی ناسخ ہے۔ لاحول ولاقوۃ۔ نسخ کیا ہوا ایک سہ ہے کہ پیچھا ہی نہیں چھوڑتی۔ بلا دلیل اور بغیر ضرورت الٹی پلٹی باتیں خلاف تحقیق جو جی میں آتا ہے۔ صرف بات کی پچ پر کہدیتے ہیں۔ البتہ بالتعجب ایک قول حضرت عائشہؓ کا نقل کرتے ہیں کہ ما مات رسول اللہ حتی احل لہ النساء یہی الفاظ ہیں تفسیر کشاف وکبیر اور صحیح ترمذی کے اور اس سے کوئی حرف زیادہ نہیں ہے اور یہ سچ ہے اس میں اشارہ ہے اس پر کہ جناب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی کثرت ازواج کی صحت تنزیل میں ظاہر ہو چکی ہو پس نسخ کا مذکور تو کہیں خواب وخیال میں بھی نہیں ہے اب اگر اس پر بھی نہ مانیں اور حضرت عائشہؓ کے قول کو پھیر پھار کر اپنے ہی مطلب پر لاویں تو اُس کے معارضہ میں ہم انس کا قول پیش کرینگے جو کہتا ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے مرتے تک وہی حرمت کا حکم جو لا یحل لک النساء من بعد میں تھا قائم رہا چنانچہ تفسیر معالم التنزیل میں ہے قال انس مات علی التحریم۔

تائید الاسلام مطبوعہ ۱۳۰۳ھ کے ص ۱۰۸ و ۱۰۹ میں دو روایتیں ترمذی سے اس مطلب کے لئے نقل ہوئی ہیں

حسنہن الّا ما ملکت یمینک ۵ط (احزاب ۵۲) +

یعنی اس وقت سے سب عورتیں تجھ پر حرام ہیں اور اس لئے اُن عورتوں کے (جن کا ذکر ہُوا) بدلے اور عورتیں کرنی بھی (ایسی حالت میں کہ اُن میں کوئی مرجاوے یا طلاق پالے) حرام ہوئیں گو اَوروں کی صورت پسند بھی ہو (تب بھی تجھ کو یہ سخت قید اور بند اور مشتہیاتِ نفس کے خلاف بلکہ میلان قلب کے بھی خلاف حکم دیا گیا جس میں نبی کا ضبط اور سایر مسلمین سے عفّت اور مخالفت نفس میں استقلال اور برتری ظاہر ہو اور یہ بھی معلوم ہو جاوے کہ کوئی جھوٹا آدمی ایسے احکام اپنی غرض کے خلاف صادر نہیں کر سکتا) مگر یہ حرمت اُن عورتوں سے متعلق نہیں ہے

بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۹ | کہ سورہ احزاب کی ۵۲ - آیت کے بعد ۲۹ - آیت نازل ہوئی یہاں زیادہ تفصیل کی گنجایش نہیں مگر اس قدر تنبیہ کرنی ضروری ہے کہ یہ دونوں روایتیں صحیح نہیں ہیں کیونکہ وہ حسن ہیں اور حسن صحیح سے کمتر ہے اُسکے راوی درجہ عدالت تک نہیں پہنچے گو فاسق بھی نہ ہوں اور دوسرے یہ کہ وہ روایتیں صرف عبد الحمید بن بہرام کے واسطے سے ہیں اور اُس نے عبد اللہ بن موسےٰ سے روایت کی ہے مگر عبد بن حمید کی روایت جو منقول ہے وہ وہ ہے جو شہر بن حوشب سے ہو۔ چنانچہ ابو عیسےٰ ترمذی نے ان روایتوں کے بعد لکھا ہے سمعت احمد بن الحسن یذکر عن احمد بن حنبل قال لا باس بحدیث عبد الحمید بن بہرام عن شہر بن حوشب انتھی - پس وہ روایتیں کبھی اس لایق نہ ہونگی کہ وہ نظم و ترتیب قرآن کو مختل کر دیں یا کسی واہیات اور منکر مضمون کی اُن سے تائید ہو سکے +

۵ل ایک مخالف نے یہ اعتراض کیا کہ گو اس آیت میں پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کو ازدواج کی اجازت نہ ہوئی مگر ملک یمین میں تو آزادی حاصل ہے - اس مقام پر جو لفظ اُدلیبی لُدّ اصل اعتراض میں ہے وہ تو ایک تیر جگر دوز ہے مگر عامہ مسلمین کو اسکی کیا پروا ہے - الّا در حقیقت کوئی یہ پوچھے کہ حضرت ملک یمین لغت کی راہ سے لونڈی کو کہتے ہیں یا یہ لفظ منقول شرعی یعنی فقہا کی اصطلاح ہے - پہلی صورت کی سند لایئے اور دوسری صورت میں قرآن کے الفاظ کو فقہا کی اصطلاح پر محدود و محمول نہ فرمایئے - ابی العالیہ اور سعید بن جبیر اور عطا اور سدی متقدمین مفسرین نے تصریح کی ہے کہ ملک یمین نکاح میں پائی جاتی ہے (دیکھئے تفسیر مجمع البیان اور نیز تفسیر کبیر) پس چونکہ مضمون عدم حلّت نسوان زنان موجودہ و منکوحہ پر بھی حاوی تھا کہ اس وقت کے بعد سے تم پر عورتیں حلال نہیں - اس لئے الا ما ملکت یمینک کہنا ضرور ہوا کہ جو عورتیں ملک نکاح میں آچکی تھیں وہ مستثنا رہیں +

اور ملکت جو ماضی کا صیغہ ہے وہ تو حقیقت میں ماضی پر دلالت کرتا ہے اُس کو مستقبل پر حمل کرنا مجازی طور پر ہے اور حقیقت سے مجاز کی طرف جانے کے لئے کوئی قرینہ صارف عن الظاہر ضرور ہونا چاہیئے - ایک صاحب فارسی کا یہ شعر تو پڑھتے ہیں - چار رہا ماضی بیایہ معنیش مستقبلہ الخ - مگر کوئی صاحب حقیقت سے عدول کرنے کی ضرورت شدید اور مانع قوی اور قرینہ واضح بیان نہیں کر سکتے - اور ظاہر ہے کہ صرف بیایہ کچھ کام نہیں آسکتا - فتدبّر و لا تکن من الجاہلین و فاتل حتی یاتیک الیقین +

جو تیری ملک نکاح میں آچکی ہیں (کیونکہ پہلے سے فعل نبی اور عطائے مہر سے نکاح میں بطور معروف آچکی اور پچھلی آیت میں ان کی تحلیل بھی ظاہر ہو چکی ہے +

پس اب اس بیان سے ظاہر و ثابت ہوتا ہے کہ اس پہلی آیت میں (احزاب ۵۹ آیۃ) نہ تو کسی نئی بات کی ایجاد ہے اور نہ کسی امر غیر موجودہ کے پیدا ہونیکا حکم اور نہ آیندہ کو کسی نئی بات کا استغفاق ہے اور نہ کوئی مفید مطلب پروانگی ہے اور جو کچھ تخصیص من دون المؤمنین ہے وہ ممانعت اور قید کی صورت ہے نہ کہ آزادی اور بے قیدی کی کیونکہ عوام مسلمین کے لئے صرف عدد کا تعین تھا نہ کہ منکوحات کا اور ممکن ہے کہ موت یا طلاق کی صورت میں ہمیشہ ادل بدل ہوتا رہے مگر جناب پیغمبر صلعم کی نسبت تخصیص تھی منکوحات کی کہ نہ تو ان عورتوں سے زیادہ کوئی اور نکاح کر سکتے تھے اور نہ اُن کے بدلے میں نکاح کر سکتے تھے۔ پس ظاہر ہے کہ جناب پیغمبر کو نکاح کے باب میں اور مسلمانوں کی بہ نسبت زیادہ وقت اور قید اور ممانعت تھی اور ایسا ہی شان نبی کے لایق بھی تھا۔ پس یہ صریح امتناعی احکام اور قہر نفس اور تحصین شدید کے جو مقتضائے بشریت پر صبر اور میلان قلبی پر جبر کرنے کے ہیں اُن سے صاف ثابت ہے کہ جناب پیغمبر صلعم نے جیسے اور احکام تنزیل وحی کے مسلمانوں کی عفت اور پرہیزگاری کے بیان فرمائے اُن سے زیادہ اپنی مخالفت نفس کے احکام ظاہر فرمائے +

اس تقریر سے ڈین پریڈو اور فانڈر صاحبوں کے اعتراضات تو باطل ہو ہی گئے مگر بعض نافہم مسلمان جو اسلام کے نادان دوست ہیں اُن کی رکیک توجیہات اور خام خیالات بھی باطل ہو گئے۔ وللہ الحمد علیٰ ذٰلک +

۲۵۔ اور منجملہ برکات اسلام ایک یہ ہے کہ اپنی جان کی حفاظت اور ہلکوں سے صیانت کا حکم ہے +

Suicide and gladiatorial shows mitigated.

(۱)۔ ولا تلقوا بایدیکم الی التھلکۃ[۱] ۔ (بقر ۱۹) +

(۲)۔ ولا تقتلوا انفسکم (۵ ج ۲ ع ۲) +

خودکشی جس پر اس پچھلی آیت میں اشارہ ہے جاہلیت کے زمانہ میں عرب و روم وغیرہ آباد ملکوں میں جہاں سیاست اور قانون بنے تھے بے روک ٹوک جاری تھی اور بعضی صورتیں آپ سے آپ مر جانیکی عبادت میں داخل تھیں +

ایک ڈُوَ۔ اَیل کی رسم ممالک فرنگ میں عجیب رسم تھی کہ دو آدمی باہم مقاتلہ کرتے تھے

[۱] افضل العلما راڈیل صاحب نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ محمد صلعم نے بالکل رائے کی آزادی کی تعلیم دی۔ انتہی۔ درحقیقت رائے کی آزادی بہت بڑی نعمت ہے اور اُس کا ثمرہ قوم اور ملک کی اصلاح پر بہت مفید ہے +

اور گواہ بھی حاضر رہتے جو اُن کے ہاتھ میں آلات حرب دیتے اور انتظام کرتے تھے اور اسکی بنا یہ اعتقاد ہوُا کہ ضرور ہے کہ خدا ظالم کو بلا واسطہ سزا دے اور مظلوم کی نُصرت کرے۔ چنانچہ یہانتک یہ رسم بڑھی کہ مقدمات حقیقت میں اسی رسم کو محک عدالت اور عیار حقیقت قرار دیا۔ اگر ایک افتادہ زمین پر تنازع ہے تو انھوں نے کہا کہ آؤ لڑیں جو مرجاوے وہ غیر حق پر تھا۔ کیا خوب عدالت تھی اور کیا اچھا فیصلہ ہوتا تھا۔ اسلام میں شروع سے اُس کی اصلاح ہوئی اور صرف گواہوں پر یا قسم پر عیار عدالت قرار پایا اور نیز ذاتی تنازعات خارج از عدالت بھی اسی ڈوئیل سے طے ہوُا کرتے تھے۔ اسلام میں بہت اُٹھ گئے ہوُا تو مباہلہ ہوُا +

کہتے ہیں کہ ۱۰۰۰ء میں جرمن گنڈ یبالڈ بادشاہ نے اس رسم کو قسم کی جگہ فصل خصومات میں مقرر کیا۔ ان دونوں قسم کے ڈوایل یعنی ایک تو عدالت کی حیثیت سے دوسری مغائر عدالت کئی طرح پر جاری رہی یعنی تلواروں سے لڑنا اور پستولوں سے گولی مارنا اور دوا نیٹی ایک زہر آلود ایک روٹی کی بنی ہوئی کھلانا۔ انگلستان کے بادشاہوں نے آخر زمانہ میں اس رسم کے بند کرنیکا بڑا اہتمام کیا لیکن فرانس میں اُس کا رواج کثرت سے رہا +

۲۶ - اور کئی ایک احکام بڑی تاکید سے ہر ایک طبقہ کے انسان سے نیکی اور رعایت کرنے کے قرآن میں بکثرت ہیں +

(۱) وبالوالدین احسانا وبذی القربیٰ والیتامیٰ والمساکین والجار ذی القربیٰ والجار الجنب والصاحب بالجنب وابن السبیل وماملکت ایمانکم (نساء ع ۶) +

پھر سورۂ بقر میں ہے :-

× Islam inculcates to show kindness to parents, to kindred, to orphans, to poors, to neighbours whether kinsmen or strangers, to a fellow traveller, to wayfarers, to slaves and captives, &c.

(ب) "واتی المال علیٰ حبہ ذوی القربیٰ والیتامیٰ والمساکین وابن السبیل والسائلین وفی الرقاب"۔ (۲-ع) +

اس میں (۱ و ۲) والدین سے نیکی کرنی (۳) رشتہ داروں سے (۴) یتیموں سے (۵) محتاجوں سے احسان کرنا (۶) پڑوسی ناتے والے سے (۷) اور بیگانے پڑوسی سے (۸) اپنے رفیق سے (۹) مسافر سے (۱۰) غلاموں سے خادموں سے (۱۱) قیدیوں سے نیک سلوک کرنا اور اُنکو اپنا مال دینا بڑی تاکید سے واجب قرار دیا ہے +

اس میں کوئی جنس انسان کی ایسی باقی نہیں رہی جس پر اسلام نے شفقت کرنے اور نیکی سے پیش آنیکا حکم نہ دیا ہو۔ نہ صرف ایک یا دو ہی جگہ بلکہ مختلف طور سے اور جُدا جُدا تقریب سے اِن احسانات اور خیرات کو بیان فرمایا ہے +

(ج) "(۱) ما انفقتم من خیر (۲) فللوالدین (۳) والاقربین (۴) والیتامیٰ (۵) والمساکین (۶) وابن السبیل"۔ (۲ ج) +

(د) "(۲) وبالوالدین احسانا واما یبلغن عندك الکبر احدهما او کلاهما فلا تقل لهما اف ولا تنهرهما وقل لهما قولا کریما۔ واخفض لهما جناح الذل من الرحمۃ وقل رب ارحمهما کما ربیانی صغیراً"۔ (۱۵-ج) +

اور ماں باپ سے نیکی کرو اور جو کوئی ان دونوں میں سے بڈھا ہو جاوے تو نہ گھرک اور نہ جھڑک اُن کو اور اُن سے ادب کی بات کہہ۔ اور جھکا ان کے آگے کندھے عاجزی کر کے پیار سے اور کہہ اے رب ان پر رحم کر جیسا پالا اُنہوں نے مجھے چھوٹا سا" +

(ھ) "واتِ (۳) ذی القربیٰ حقہ (۵) والمساکین (۹) وابن السبیل" +

یعنی اور دیوے پالنے والوں کا حق اور محتاج کا اور مسافر کا (ایضاً) +

(و) "ولا یأتل اولوا الفضل منکم والسعۃ ان یوتوا (۴) اولی القربیٰ (۵) والمساکین (۹) والمهاجرین فی سبیل اللّٰہ"۔ (نور) +

اور قسم نہ کھاویں بڑائی والے تم میں سے اور کشایش والے کہ نانتے والوں محتاجوں اور خدا کی راہ میں وطن چھوڑنے والوں کو مال نہ دیویں +

(ز) "ووصینا الانسان (۲) بوالدیہ احسانا حملتہ امہ کرهاً ووضعتہ کرهاً" (احقاف ۲ ع) +

اور ہم نے تقید کیا ہے انسان کو اپنے ماں باپ سے بھلائی کا پیٹ میں رکھا اُس کو اُس کی ماں نے تکلیف سے اور جنا اُس کو تکلیف سے +

(ح) "فلا اقتحم العقبۃ وما ادراك ما العقبہ (۱۱) فك رقبۃ او اطعام فی یوم ذی مسغبۃ (۴) یتیما ذا مقربۃ او (۵) مسکینا ذا متربۃ" +

اور انسان نہ ہمک سکا گھاٹی کو اور وہ گھاٹی کیا ہے۔ آزاد کرنا غلام کا یا کھانا کھلانا بھوک کے دن میں بے باپ کے لڑکے کو جو نلتے وار ہے یا محتاج کو جو خاک میں رُلتا ہے"۔ (بلد) +

(ط) "فاما الیتیم فلا تقهر واما السائل فلا تنهر" (ضحیٰ) +

سو جو یتیم ہو اُس کو نہ دبا اور جو مانگتا ہو اُس کو نہ جھڑک +

ان احکام کو جو جملہ طبقات ناس کی ہر ایک قسم پر حاوی ہیں توریت اور انجیل اور حکماء سلف کی وصیتوں سے مقابلہ کرلو ایسی جامعیت اور تفصیل ایسی عمدہ ترتیب اور قدرتی نظام کی رعایت اور عموماً احسان کے احکام نہ پاؤ گے +

۲۷- غلاموں کی حالت بالتخصیص بڑی اصلاح کی محتاج تھی اُن کی آزادی اور آیندہ کے سدباب کے لئے بڑی کوشش اور اہتمام ہُوا اور کتاب کا امر محکم اور حکم لازم صادر کیا +

Islam liberated slaves not as only a merit, but as strict and an indispensable duty.

"والذین یبتغون الکتاب مما ملکت ایمانکم فکاتبو هم ان علمتم فیهم خیراً و آتوا هم من مال الله الذی آتاکم" (نور) [۵] +

یعنی جو کوئی لونڈی یا غلام یہ کہے کہ میں اتنی مدت میں اس قدر روپیہ کما دُوں گا مجھے بھی آزاد

---

[۵] داؤد الاصفہانی وغیرہ (جن کو یہ اہل الرائے اصحاب الظواہر کہتے ہیں) اور اَور علماء یہ کہتے ہیں کہ یہ امر کتابت کا ایجاب کے واسطے ہے یعنی جب غلام درخواست کرے اپنی آزادی کی اقرار نامہ پر اور مالک سمجھے کہ اُس میں اُس کی بہتری ہے تو فوراً آزاد کردے +

اور حقیقت بھی یہی ہے کہ جب اسلام کی اصلی نیکی اور خیر اور اصلاح پر نظر کرتے ہیں تو بالضرور ہم اپنے وجدان سلیم سے یہی پاتے ہیں کہ یہ حکم وجوب کے واسطے ہے کئی وجہ سے (۱) یہ کہ امر تو ایجاب کے واسطے ہوتا ہے اور اس کا سبب نزول بھی اسی کی تائید کرتا ہے کہ خریطیب بن عبد العزیٰ کے غلام نے جس کا نام صبیح تھا کتابت چاہی تو اُسکے آقا نے انکار کیا اس پر یہ حکم ہُوا پس ظاہر ہے کہ انکار کے مقابلہ میں حکم دیا تو ضرور ہے کہ وہ حکم واجب ہو (۲) حضرت عمرؓ نے ایک شخص کو مکاتب کرنیکا حکم دیا اُس نے انکار کیا تو اُنھوں نے اُس کی تعزیر کی پس اگر کتابت واجب نہ ہوتی تو اُس کو مارنا جبر اور ظلم ٹھہرتا حالانکہ اصحاب میں سے کسی نے اُن پر اعتراض نہیں کیا تو گویا یہ مسئلہ اجماعی ہوگیا (۳) عمر ابن دینار - عطا و داؤد بن علی اور محمد بن جریر یہاں پر وجوب کے قائل ہوئے ہیں پس ان سب قراین پر نظر کرنے سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ کتابت واجب ہے اور درحقیقت یہ بڑی فضیلت ہے اسلام کی +

جو لوگ کہتے ہیں کہ یہ امر مندوب ہے اُن کی واہیات سی حجت اور نامعقول سا قیاس ہے وہ کہتے ہیں کہ مکاتب کرنا اور بیچ ڈالنا برابر ہے اور بیع کرنا واجب نہیں ہے تو مکاتب کرنا بھی واجب نہ ہوگا کہ مستحب ہو مگر افسوس کہ اُنھوں نے حکم کتابت کی خوبی نہیں پائی - انکے ذہن اور طبیعتیں ایسی پست اور دبی ہوئی ہیں کہ انسان کی بھلائی اور فطرتی آزادی اور غلاموں کے آزاد کرنے کے محاسن اور اسلام کا مقصد اصلی غلاموں کے حق میں رعایت اور احسان کرنا اور اس امر خاص میں تمام دنیا کے مذاہب اور شرایع پر فوقیت اور فضیلت پانا اُن کی سمجھ ہی میں نہیں آتا - کتابت کے معاملہ کو بھی اُنھوں نے قرضہ کا سا معاملہ سمجھ لیا حالانکہ اُنہیں کے اصولِ موضوعہ پر کتابت کا روپیہ کوئی دَین صحیح نہیں ہے کیونکہ آقا کا غلام پر کوئی قرضہ نہیں ہو سکتا +

اصل حقیقت یہ ہے کہ مکاتبت کا روپیہ آقا کو دلوانے کا حکم صرف اُسکے آنسو پونچھنا ہیں ورنہ ادھر تو آقا کو حکم دیا ہے کہ مکاتب کو اپنے مال میں سے دو +

اور لطف یہ ہے کہ امام شافعی اس "واتوا هم من مال الله الذی آتاکم" کو واجب جانتے حالانکہ یہ فرع ہے کتابت کی پس مکاتبہ بھی واجب ہوگا کیونکہ واجب کا مقدمہ بھی تو واجب ہے +

علاوہ ازیں ایک اَور اعتراض اس حکم کے مندوب ہونے پر یہ ہے کہ مندوب درحقیقت مامور بہ ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ مندوب میں ایجاب نہیں ہے اور امر ایجاب ہی کیواسطے حقیقت میں ہوتا ہے اور اگر مندوب مامور بہ ہوسکے تو ترک مندوب گناہ ہوگا حالانکہ ترک مندوب بالاتفاق معصیت نہیں تو مندوب مامور بہ بھی نہیں ہو سکتا دیکھو مسلم الثبوت مقالہ ۲ باب ۲ - اور کشف المبہم (ص ۱۸۸ تا ۱۹۰) +

پس ثابت ہُوا کہ اس آیت میں امر ایجاب کے واسطے ہے +

کردو تو اُن کو اقرار لکھدو اگر ان میں نیکی دیکھو اور دو اُن کو اللہ کے مال سے جو تم کو دیا ہے +

اور جب مالک سے اس طرح اقرار نامہ ہو جاوے تو پھر سب پر (جن میں مالک بھی ہے) واجب کیا کہ اس کا زرِ کتابت پورا کر دیں اور مالک کو بھی لازم ہوا کہ اس اقرار میں سے ایک مقدارِ کثیر چھوڑ دے چنانچہ کلبی اور مقاتل اور نخعی نے یہی تفسیر کی ہے اور امام شافعیؒ کا بھی مختار ہے کہ مالک پر واجب ہے کہ مکاتب کو مال دیوے کیونکہ امر وجوب کے لئے ہے +

تفسیر کبیر میں ہے ثالثہا ان ھذا الامر من اللہ تعالیٰ للسادۃ والناس ان یعینوا المکاتب علی بما کتابتہ یمکنھم وھذا قول الکلبی وعکرمہ والمقاتل والنخعیؒ قال الشافعی یجب علی المولیٰ ایتاء المکاتب وھو ان یحط عنہ جزء من مال الکتابت او یدفع الیہ جزأ مما اخذ منہ وحجۃ الشافعی ظاہر قولہ واٰتوھم من مال اللہ الذی اتاکم والامر للوجوب الخ +

اور چونکہ امر وجوب کے واسطے ہے تو اب ہمارا استدلال اس آیت سے یہ ہے کہ جبکہ غلاموں کی آزادی کتابت کے ذریعہ سے واجب ٹھہرائی گئی تو جو چیز اس آزادی کی ضد ہے یعنی غلام بنانا وہ حرام اور منع ٹھہرائی گئی کیونکہ اصول میں مسلّم مسئلہ ہے۔ وجوب الشئی یتضمن حرمۃ ضدہا +

اور اصطلاحات پر بنا نہ رکھی جاوے تو بھی عقلاً ظاہر ہے کہ جس چیز کے گھٹانے کم کرنے روکنے اور موقوف کرنے کے واسطے تدبیریں کی جاویں گی تو ایسی شئے کا زیادہ کرنا یا ابتدا کرنا بڑھانا اور رواج دینا ضرور ممنوع ہو گا پس جبکہ اسلام نے فکِّ رقبہ اور عتاق اور مکاتبہ کے احکام وجوبی صادر کئے تو اس کی ضد استرقاق کو ضرور منع کیا +

ایک شبہ یہاں پر یہ ہو سکتا ہے کہ مکاتب کر کے چھوڑ دینے میں قید لگائی گئی ہے ان علمتم فیھم خیرا کی۔ پس شرط کے مفقود ہونے پر بدستور غلامی کی حالت قایم رہیگی +

مگر یہ شبہ بے اصل ہے کیونکہ ضرور نہیں کہ ہر جگہ اِنْ شرطیہ ہو۔ اِنْ اَور طرح بھی قرآن میں کئی جگہ آیا ہے منجملہ اسکے تعلیل اور قد کے معنے میں اور جس چیز کا حصول محقق الوقوع ہو وہاں تعلیل ہی کے معنی مناسب ہونگے۔ دیکھئے :۔

۱۔ لتدخلن المسجد الحرام ان شاء اللہ +

۲۔ اتقوا اللہ ان کنتم مومنین +

۳۔ وانتم الاعلون ان کنتم مومنین +

اور قد کے معنے اس آیت میں +

۴۔ فذکر ان نفعت الذکریٰ +

اس میں شرط کے معنے صحیح نہیں کیونکہ ذکر اور وعظ تو ہر حال میں مامور بہ ہے ایسے ہی

مکاتبہ میں بھی شرط کے معنی صحیح نہیں کیونکہ کتاب تو ماموربہ اور امر وجوبی ہے پس آیت کے معنی بہت چسپاں اور مناسب ہونگے کہ جو تمہارے غلام تم سے آزادی پر اقرار نامہ لکھوانا چاہیں اُن کو لکھدو کیونکہ تم اُن میں بھلائی جان چکے ہو ✣

اور اس تفسیر پر ان علمتم فیہم خیرا میں اس بات پر بھی اشارہ ہے کہ مکاتبہ تو واجب ہی ہے مگر بلا درخواست کتابت بھی فی نفسہ غلام کی آزادی واجب ہے ✣

۵۔ اور لفظ اِن کی بحث میں دور کیوں جاؤ اِسی آیت کے بعد کی آیت میں دیکھئے۔ اِن کیا معنی دیتا ہے ✣

ولا تکرھو فتیٰتکم علی البغاء اِن اردن تحصّنًا ✣

۲۰۔ نہ صرف ایک مکاتب کرنیکا ہی حکم دیا بلکہ بہت سے احکام جن سے غلاموں کی سختی جاتی رہی اور اُن کی حالت میں بہ نسبت سابق کے بہت کچھ آسایش اور بہبودی میں ترقی ہوگئی چنانچہ ہمارے یہاں کی کتب صحاح و مسانید و مجامع میں بہت سی

Treatment of slaves among Muhammedans is more liberal than in other nstions.

حدیثیں اور فقہ کی کتابوں میں بہت سے مسایل ایسے عمدہ اور کثرت سے ہیں کہ اگر اسی قدر ہی احکام ہوتے تو بھی بہ نسبت اَور قوموں کے رسم قانون کے مسلمانوں کی رسم و قانون میں بہت ترقی و آسانی تھی اور انہیں احکام قرآنی اور مسائل فقہیّہ کی بدولت ہند کے مسلمانوں میں غلاموں اور خدمتگاروں میں صرف نام کا ہی فرق رہگیا تھا۔ اور چونکہ اسلام کو غلاموں کے حق میں زیادہ رعایت منظور رہی ہے۔ اس لئے غلام کو اس ملک میں اپنے مایحتاج کی فکر نہیں کرنی پڑتی تھی اور نہ اس کو اپنے بال بچوں کی طرف سے تردد رہتا تھا اسکے مسلمان آقا کو خود ہی اس کی تمام ضروریات کی فکر واجب و لازم ہوتی تھی اور اس سے بہ نرمی اور ملایمت سے پیش آیا جاتا تھا۔ اور اس اتفاق کے بدلے میں غلام سے صرف گھر کا معمولی اور آسان کام لیا جاتا تھا یہ کیفیت مَیں اُس وقت کی بیان کرتا ہوں جب ہندوستان میں انگریزی عملداری کی جانب سے غلاموں کی حالت میں دست اندازی نہیں ہوئی تھی (دیکھو رسالہ مکناٹن مطبوعہ ولسن) ہم کو اس بات کے ثبوت میں کہ مسلمانوں کے فقہی مسائل کا برتاؤ بھی غلاموں کے حق میں بہ نسبت اَور قوموں کی شریعت کے بہت نرم اور ملایم ہے یہ قول پیش کرنا ضرور ہے کہ جب ہندوستان میں مسٹر رچارڈسن بندیلکھنڈ کے جج اور مجسٹریٹ نے ۱۸۰۸ء میں انسداد رسم غلامی میں ایک مسودہ قانون تصنیف کیا تو اس میں اُنہوں نے یہ رائے دی کہ اگر ہندوستان میں سے رسم غلامی کو قطعاً موقوف کر دینا مناسب نہ ہو تو ہندوؤں کے شاستر کے احکام ترک کر کے

اُن کی جگہ ہر ایک بات میں شریعت اسلام کے احکام کو رواج دیا جاوے کیونکہ وہ غلاموں کے حق میں بہت ہی ملائم ہیں ✦

۲۹- یہ سب تدبیریں تو اُس وقت کے موجود غلاموں کی آزادی کی تھیں اور ہر چند کہ عقل خیر اندیش کو آیندہ غلام بنانا اس سے ممنوع پایا جاتا مگر اس وقت کے اذہان اور عقول انسان کے فطرتی آزادی کا ادراک اچھی طرح نہیں کر سکتے تھے اور ہر ایک بشر کا وجدان سلیم اس پر گواہی دیتا ہے کہ وہ کبھی اپنی ذات یا عزیزوں کے لئے غلامی پسند نہ کریگا اور یہ ایک قدرتی دلیل ہے اُس کے فطرت آلہیہ کے خلاف ہونیکی کہ اُسکی ناجوازی اور ناگواری انسان کی طبیعت اور جبلت میں رکھدی گئی ہے الا رسم قدیم جاہلیت کی گمراہی سے عوام لوگ اسکے محاسنِ عقلی کو خوب نہیں پاتے تھے اور ایسے امور کی اصلاح صرف علوم کی بتدریج اشاعت اور تزکیہ اور حکمت کی تعلیم سے ہو سکتی ہے تاکہ ہر ایک قوم احکام آلہی کی بصیرت اور عقل کی ہدایت سے دریافت کرے کہ درحقیقت تمامی خلق اللہ کی بہبود اور عافیت اور عقلی اور مذہبی تمدنی اور حسن عشرت کی اصلاح اسی آزادی پر موقوف ہے اس لئے ضرور ہوا کہ آیندہ کی رسم غلامی کے موقوف اور مسدود ہونے کے لئے صاف صاف حکم دیا جاوے۔ چنانچہ سورہ محمد میں فرمایا:-

The Koran (Chapter XLVIID and (4 abolished future slavery and concubinage by ordering that the Captives of war to be either dismissed freely or ransomed a law of universal obligation.

"فاذا لقیتم الذین کفروا فضرب الرقاب حتی اذا اثخنتموھم فشدوا الوثاق فاما منا بعد واما فداء حتی تضع الحرب اوزارھا" ✦

چونکہ لڑائیوں کے قیدی غلام بنائے جاتے تھے غلامی کی رسم کی ابتدا یہی معلوم ہوتی ہے اور اُس وقت کی رسم میں لڑائی کے قیدیوں سے چار طرح پر سلوک کیا جاتا تھا (۱) قتل کرنا (۲) غلام بنانا (۳) احسان رکھکر چھوڑ دینا (۴) فدیہ لیکر چھوڑنا۔ اس آیت نے صرف ۳ و ۴ صورت پر لڑائی کے قیدیوں کے حق میں عمل کرنا منحصر کیا۔ اور ۱ و ۲ - اگلی صورتوں کو بالکل موقوف اور مسدود کر دیا۔ اور یہ اسلام کی ایسی برکت اور اتنا بڑا احسان ہے کہ کسی مذہب و ملت میں ایسی تدبیر انسان کی فلاح اور اصلاح کی نہیں کی گئی ✦

۳۰- اس آیت محکم پر کئی طور سے بحث ہوئی ہے اور رسالہ تبریۃ الاسلام عن شین الامۃ والغلام میں سید احمد خان صاحب بہادر سی۔ ایس۔ آئی نے بسط و تفصیل مالا کلام سے اسکے ہر ایک پہلو اور جانب پر بحث کی ہے اور اسلام میں یہ اول تحریر و تصنیف ہے جو اس آیۃ

کی تنزیہ اور تفسیر میں ہوئی ہو اور جس نے تمام عالم پر اسلام کی فضیلت ثابت کی ہو اور ہمارا یہ مضمون ایسے فقہی مباحثوں کے لئے نہیں ہے اس میں ہم مختصر گفتگو نفس آیت کے متعلق کرینگے +

(ا) زمانہ نزول آیت

مسلمانوں میں یہ اصطلاح کہ فلاں صورت مکی ہے یا مدنی مختلف ہے بعض تو اس اصطلاح کو زمانہ کی بنا پر رکھتے ہیں یعنی تاریخ کی حیثیت سے جو آیت قبل ہجرت نازل ہوئی ہو وہ مکی ہے اور جو بعد ہجرت ظاہر ہوئی ہو وہ مدنی ہے خواہ مکہ ہی میں سال حج یا سال فتح کو آئی ہو۔ اور بعضے اس اصطلاح کو صرف مکان کے متعلق رکھتے ہیں یعنی جو سورہ مکہ میں نازل ہوئی خواہ قبل ہجرت یا بعد ہجرت وہ مکی ہے اور جو مدینہ میں وہ مدنی ہے (دیکھو تفسیر اتقان فی علوم القرآن۔ نوع ۱) اور اسی اصطلاح کی بنا پر سورۂ محمد بھی مختلف ہے۔ بعضے کہتے ہیں مدنی ہے اور یہ سچ ہے کیونکہ بعد ہجرت نازل ہوئی اور بعضے کہتے ہیں کہ مکی ہے اور یہ بھی سچ ہے کیونکہ مکہ میں نازل ہوئی یعنی سنہ ہجری میں پس یہ سورت جو بعد ہجرت کے مکے میں نازل ہوئی اس لئے مدنی ہے اور مکی بھی۔ پس یہ صرف اصطلاح کی تکرار تھی نہ کہ حقیقت میں اسکے شہر مکہ میں بعد ہجرت نازل ہونے پر کچھ شبہ اور تردد ہو +

علامہ سیوطی نے اس سورہ کو مختلف فیہ سورتوں میں درج کیا ہے (مقام مذکور) اور لکھتے ہیں سورۃ محمد حکی النفسی قولا غریبا انہا مکیۃ اس میں غرابت صرف اصطلاح کی بنا پر ہے نہ کہ حقیقت میں +

(ب) آیت کی دلالت

اس میں کچھ گفتگو اور نزاع نہیں ہو سکتی کہ اس آیت میں لڑائی کے قیدیوں کے لئے بجز منّ او فدا کے اور کوئی صورت نہیں ہے اور اختیار نہیں کہ سوائے ان دو صورتوں کے اور کسی طرح سے پیش آیا جاوے۔ متعدد مفسرین و صحابہ و تابعین جو اس آیت کے نسخ کے قائل ہیں وہ ہمارے استدلال کے مؤید ہیں کیونکہ اگر اس آیت سے قیدیوں کا غلام بنانا بھی کسی تاویل بعید و توجیہ غیر سدید سے نکل سکتا تو نسخ کی کیا ضرورت تھی۔ تفسیر کمالین میں ہے۔ روی عن ابن عمر عباس والحسن ابن سیرین وقال ابو حنیفۃ والاوزاعی ھی منسوخۃ لقولہ تعالیٰ فی البراءۃ واقتلوا المشرکین حیث وجدتموھم لان البراءۃ اخر ما نزل وروی عن قتادۃ ومجاھد وعطاء والسدی وروی عن ابن عباس ایضاً اور تفسیر بیضاوی میں ہے منسوخ عند ابی حنیفۃ او مخصوص بحرب بدر فانھم قالوا یتعین القتل او الاسترقاق اور بیضاوی کے حاشیہ پر لفظ منسوخ کی ذیل میں لکھا ہے +

والیہ ذھب ابن عباس وقتادۃ وابن جریج والسدی والضحاکؒ ومجاھد وروی نحوہ عن ابی بکر رضی اللہ عنہ +

پس ان فقہاء مفسرین جن میں صحابہ و تابعین بھی داخل ہیں یعنی (۱) ابن عمر (۲) عباس (۳) حسن ابن سیرین (۴) ابوحنیفہ (۵) اوزاعی (۶) قتادہ (۷) مجاہد (۸) عطار (۹) سدی (۱۰) ابن عباس (۱۱) ابن جریج (۱۲) ضحاک (۱۳) ابی بکر رضی اللہ عنہ۔ اس آیت میں بجز ان دو صورتوں کے اور کوئی تیسری صورت نہیں سمجھتے تھے اور اسی لئے بضرورت قتل یا استرقاق اس کو منسوخ بتلاتے ہیں۔ اور (۱۴) امام شافعی و (۱۵) مالک و (۱۶) حنبل تو اس آیت کو مخصوص بھی نہیں بتلاتے۔ چہ جائیکہ منسوخ۔ چنانچہ محلّے شرح موطا میں لکھا ہے۔ قولہ فاما منًّا بعد واما فدا الخ اے فاما تمنون منا بالاطلاق واما تفدون فداء بالاسترقاق وھو ثابت عند الائمۃ الثلاثۃ منسوخ عند ابی حنیفۃ لقولہ اقتلوا المشرکین حیث وجدتموھم لان سورۃ براءۃ اخر ما نزّل او مخصوص بحرب بدر ویتعین عندھم القتل والاسترقاق فالمن العتاقۃ لاغیر یعنی یا تو اُن کو احسان رکھکر چھوڑ دو اور یا بمقابلہ استرقاق کے اُن سے فدیہ لیلو اور یہ آیت تینوں اماموں کے نزدیک غیر منسوخ ہے اور ابی حنیفہ کے نزدیک منسوخ ہے۔ اُقتلوا المشرکین سے کیونکہ سورہ براءۃ آخر نازل ہوئی یا بدر کی لڑائی سے مخصوص ہے اور اُن کے نزدیک قتل اور استرقاق متعین ہے پس مَنّ کے معنے بجز چھوڑ دینے کے اور کچھ نہیں ہیں +

(ج) بحثِ نسخ

امام شافعیؒ اور مالکؒ اور احمدؒ تو اس آیت کو ثابت بتلاتے ہیں الا حضرت حنفیہ اسکو منسوخ ٹھہراتے ہیں اور ناسخ اس کا سورہ برارت کی پانچویں آیت کو قرار دیتے ہیں +

نسخ کی بحث میں تاریخ کا تعین تو ضرور ہے کیونکہ منسوخ کو زمانہ میں تقدّم ہونا چاہیئے اور ناسخ کو تاخر۔ مگر امر تنقیح طلب میں کسی قدر بے انضباطی ہوتی ہے اور عموماً یہ کہا جاتا ہے کہ سورۂ برارت آخر ما نزل ہے مگر یہ حجت ٹھیک نہیں ہے آیتوں کے باب میں تو روایتیں بہت ہی مختلف ہیں اور ہر ایک نے اپنے علم اور رائے سے بعض بعض آیتوں کو آخر ما نزل قرار دیا ہے الا سورتوں میں بھی اختلاف ہے +

اخرج مسلم عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال اٰخر سورۃ نزلت اذا جاء نصر اللہ والفتح +

اخرج الترمذی والحاکم عن عایشۃ قالت اٰخر سورۃ نزلت المائدۃ +

واخرج ایضاً عن عبد اللہ ابن عمر قال اخر سورۃ نزلت سورۃ المائدۃ و الفتح (اذا جاء نصر اللہ) +

وفی حدیث عثمان المشہور براءۃ من اخر القرآن نزولا۔ (اتقان نوع ۸) +

(عن البراء ابن عازب اخر سورۃ نزلت کاملۃ براءۃ بخاری) +

اگر یہ روایتیں صحیح ہوں تو ان اختلافات کی تطبیق اس طرح پر ہو سکتی ہے کہ ہر ایک شخص نے اپنی معلومات کو بیان کیا پس اس میں کوئی بات قطعی نہیں ہے +

قال البیہقی یجمع بین ہذہ الاختلافات ان صحت بان کل واحد اجاب بما عندہ +

قال ابو بکر فی الانتصار۔ ہذہ الاقوال لیس فیہا شئی مرفوع الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم وقال قالہ یضرب من اجتہاد وغلبۃ الظن یحتمل ان کلاً منہم اخبر عن اخر ما سمعہ من النبی الخ (اتقان ۱۲) +

پس تنقیح طلب اس امر کو قرار دینا چاہیئے کہ (۱) آیا دونوں آیتوں میں یعنی سورہ محمدؐ کی ۴۔ آیت اور سورہ براءۃ کی ۴۔ آیت میں ایسا اختلاف ہے کہ بغیر تسلیم نسخ کے رفع ہی نہیں ہو سکتا اور (۲) ان دونوں میں کونسی آیت (نہ کہ سورت) مقدم ہے تاریخ نزول کے اعتبار سے (نہ کہ تاریخ اشتہار یا قراءت خاص کے لحاظ سے) +

ہم نے جو یہ دو امر تنقیح طلب قرار دیئے ہیں اُن کو سب محققوں نے نسخ کے لئے ضروری قرار دیا ہے۔ ابن الحصار نے کیا خوب تقریر کی ہے +

انما یرجع فی النسخ الی نقل صریح عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم او عن صحابی یقول آیۃ کذا انسخت کذا او قد یحکم بہ عند وجود التعارض المقطوع بہ مع علم التاریخ لیعرف التقدم والتاخر ولا یعتمد فی النسخ علی قول عوام المفسرین بل ولا اجتہاد المجتہدین من غیر نقل صحیح ولا معارضۃ بینۃ لان النسخ یتضمن رفع حکما واثبات حکم تقرر فی عہدہ صلی اللہ علیہ وسلم فالمعتمد فیہ النقل والتاریخ دون الرای والاجتہاد۔ یعنی نسخ میں تو صرف رسول کے بیان صاف پر یا صحابی کے قول پر کہ اس آیت نے اُس آیت کو منسوخ کیا رجوع ہو سکتا ہے اور جبکہ دونوں آیتوں میں قطعی تعارض پایا جاوے اور ساتھ ہی اُسکے تاریخ سے اُن کا آگے پیچھے نازل ہونا بھی ثابت ہو جاوے تب نسخ مانا جا سکتا ہے۔ اور یوں نسخ میں عوام مفسروں کا قول اعتبار کے لائق نہیں ہے بلکہ مجتہدوں کے اجتہاد کا بھی اعتماد نہیں ہے کیونکہ نسخ میں ایک حکم کا جو رسول کے وقت میں مقرر تھا اُٹھانا یا ثابت کرنا ہوتا ہے پس اس میں نقل اور تاریخ ہی پر اعتماد ہو سکتا ہے نہ کہ رائے اور اجتہاد پر +

پس اَب ہم ان دونوں تنقیحوں کی نسبت یہ لکھتے ہیں۔ کہ

(۱) ان دونوں آیتوں میں کوئی تعارض واقع نہیں ہے سورہ محمدؐ کی چوتھی آیت میں قیدیوں کا حکم ہے کہ جب لڑائی کے بعد بقیتہ السّیف رہ جاویں اُن قیدیوں کو یا تو احسان رکھکر چھوڑ دیا جاوے اور یا فدیہ لیکر چھوڑ دیا جاوے۔ اور سورہ براءت کی چوتھی آیت میں حکم ہے کہ مشرکوں کو جنہوں نے عہد توڑا ہے قتل کیا جاوے۔ پس ان میں کچھ تعارض نہیں ہے +

(۲) کوئی حدیث صحیح جناب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے آج تک مدعیان نسخ نے نقل نہیں کی جس سے یہ معلوم ہوتا کہ براءت کی چوتھی آیت سے سورہ محمدؐ کی چوتھی آیت کو منسوخ کیا +

(۳) کسی صحابی سے کسی خبر واحد یا ضعیف میں بھی یہ منقول نہیں ہے کہ اس آیت نے اُس آیت کو منسوخ کر دیا اور نہ مدعیان نسخ کوئی ایسی روایت بتلا سکے۔ البتہ اوزاعی کا ایک قول پیش کیا گیا ہے۔ چنانچہ ترمذی نے لکھا ہے۔ قال الاوزاعی بلغنی ان ھذہ الآیۃ قولہ تعالیٰ فاما منا بعد واما فداء نسختہا فاقتلوھم حیث ثقفتموھم۔ مگر اوزاعی ہوں یا کوئی اَور ہوں اُن کو ایسے بے پر کی خبریں ملا کریں ایسی خبروں سے کیا ہوتا ہے۔ جبتک کہ نقل صریح اور روایت صحیح جناب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے نہو ایسی خبریں محض بیکار ہیں +

(۴) نسخ کا امکان انہیں احکام میں ہو سکتا ہے جو غیر موقت ہوں اور سورہ محمدؐ کی چوتھی آیۃ تو موقت ہے حتی تضع الحرب اوزارھا پس یہ کسی طرح منسوخ نہیں قرار پا سکتی۔ علامہ سیوطی نے تفسیر اتقان نوع ۴۷ میں لکھا ہے۔ وقسم ھو قسم مخصوص لا من قسم المنسوخ وقد اعتنی ابن العربی بتحریرہ فاجاد کقولہ ان الانسان لفی خسر الا الذین امنوا۔ والشعراء یتبعہم الغاوون الا الذین امنوا۔ فاعفوا واصفحوا حتی یاتی اللہ بامرہ۔ وغیر ذالک من الآیات التی خصت باستثناء اوغایۃ وقد اخطامن ادخلہا فی المنسوخ ومنہ قولہ ولا تنکحوا المشرکات حتی یومن۔ قیل انہ نسخ بقولہ والمحصنات من الذین اوتوا الکتاب وانما ھو مخصوص بہ۔ انتہی +

(۵) آیتوں کی تاریخ نزول معلوم ہونی بہت دشوار ہے اور ہر ایک راوی اپنے علم اور قیاس سے کہتا ہے۔ اور اسکے علاوہ سبب نزول کی اصطلاح ایسی غیر منضبط اور وسیع مقرر ہوئی ہے کہ جس بات پر کسی آیت سے استدلال کیا جاتا ہے یا اس آیت کی مراد بیان کرنی مقصود ہوتی ہے وہاں بھی یہی بولتے ہیں نزلت فی کذا۔ پس اکثر تو ایسی روایتیں محض راویوں کے اجتہاد اور رائے پر ہیں نہ کہ تاریخی حالات اور نقل واقعات پر۔ ابن تیمیہ نے لکھا ہے قولھم نزلت الآیۃ فی کذا یراد بہ تارۃ سبب نزول ویراد بہ تارۃ ان ذلک داخل فی الآیۃ وان لم یکن السبب کما تقول عنی بھذہ الآیۃ کذا۔ اور زرکشی نے برہان میں لکھا ہے۔ قد عرف

من عادة الصحابة والتابعين ان احدهم اذا قال نزلت هذه الآیة فی کذا فانه یرید بذلک انها تتضمن هذا الحکم لا ان هذا کان السبب فی نزولها فهو من جنس استدلال علی الحکم بالآیة لا من جنس النقل لما وقع - پس جبکہ محاورات کی یہ کیفیت اور اطلاقات کی یہ صورت ہو تو دشوار ہے کہ واقعی سبب نزول دریافت ہو سکے +

(۶) کسی موقع خاص یا مشہد عام پر چند آیات کا پڑھا جانا یہ نہیں ثابت کرتا کہ وہ آیت اُسی وقت نازل ہوئی ہو - جناب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کو سورہ براءت کے شروع کی آیتیں دیکر بھیجا تھا کہ حج اکبر کے دن سنہ ۹ ہجری میں پڑھ سنانا اس سے یہ لازم نہیں آیا کہ سورہ براءت کی وہ آیتیں اُسی وقت نازل ہوئی تھیں +

(د) والمحصنات من النساء کی تفسیر

بعضے لوگوں نے سورہ نساء کی ۲۷- آیت اس مراد سے پیش کی ہے کہ سورۂ محمدؐ کے بعد بھی آزاد عورتوں کی جو قید ہو آویں لونڈی بنانے کی اجازت ہے (استغفر اللہ) اور حضرت ابو سعید خدری کی روایت پیش کی ہے جس کا ماحصل بروایت مسلم و ترمذی نسائی اور ابو داؤد (قطع نظر از زیادت و نقصان الفاظ) یہ ہے کہ اوطاس کے قیدیوں میں عورتیں بھی پکڑی آئیں تو مسلمانوں نے اُن عورتوں سے مباشرت کرنے کو گناہ سمجھا اور خوف کھایا کیونکہ اُنکے ازواج موجود تھے - اس پر یہ آیت نازل ہوئی والمحصنات من النساء الا ما ملکت ایمانکم الخ اس میں نزول کا لفظ ان معنوں میں تو صحیح نہیں ہے کہ یہ آیت اسی قدر اور اُسی وقت نازل ہوئی تھی کیونکہ تاریخ کی راہ سے سورہ نساء سنہ ہجری کے قبل کی ہے - اور ۲۶ - اور ۲۷- آیت کے سیاق سے بھی اُس کا علیحدہ ہونا بے موقع معلوم ہوتا ہے مگر ہاں نزلت یا تو وہی اصطلاح ہے کہ یتضمن ذالک الحکم یا راوی نے اُس کو اُسی وقت سُنا ہو یا اور سلسلہ کے راویوں نے اُس کو غیر منضبط طور سے بیان کیا غرض اُس سے قطع نظر کر کے نفس روایات کا مضمون جیسا میں سمجھتا ہوں عین حق و صواب ہے اور اُس وقت کے مسلمانوں کا اندیشہ و تامل بھی اُن کی احتیاط اور پرہیزگاری پر دال ہے +

لشکر میں تو سب ہی قسم کے لوگ ہوتے ہیں خصوصاً اوطاس وغیرہ لڑائیوں میں مکہ کے لوگ جو ابھی جدید الاسلام تھے بہت جمع تھے اور اوطاس کے قیدیوں میں عورتوں کو دیکھکر بعض ایام جاہلیت کی رسم[۱] برتنے کا ذکر کیا ہوگا - مگر اور اصحاب نبی نے اس امر کو گناہ سمجھا اس لئے

---

[۱] ایام جاہلیت میں جس عورت کو قید کر لیتے لڑائی میں اسکے اگلے نکاح کو فسخ سمجھکر اس سے بے تکلف اور بلا توقف تصرف جائز سمجھتے تھے اسلام میں اس کی بڑی ممانعت ہوئی +

کہ ان عورتوں میں کے ہر ایک کے ازواج بھی مشرکوں میں موجود تھے (اور بعض بے شوہر بھی ہوں گی اور بعض کے شوہر بھی قید میں ساتھ ہی ہو نگے) کیونکہ قید ہو جانے سے نکاح تو فسخ نہیں ہو سکتا۔ پس وہی ۲۷۔ آیت سورہ نسار کی اس وقت پڑھی گئی جو ۲۶۔ آیت سے متعلق ہے۔ اور جس کے معنے یہ ہیں کہ زنان عفیفہ تم پر حرام ہیں مگر وہ عورتیں جن کو تم بملک نکاح میں لے آئے اور اس طرح سے اُن لوگوں کو حکم الٰہی سُنا کر اُس ارادہ قبیح سے باز رکھا +

مگر بعضے جاہلیت کی سی تربیت اور طبیعت والے راوی اپنے سبق ظن کی وجہ سے اس واقعہ کو اُلٹا سمجھے یا قصداً اسی رسم کی طرف اُسے پھیرنے لگے مگر بعضے راویوں نے جن پر تہذیب اسلام نے زیادہ اثر کیا تھا اتنا فقرہ شرح کے طور پر بڑھایا اذا انقضت عدتھن[۲] حالانکہ اس آیت میں محصنات سے نان شوہر دار مراد ہی نہیں ہو سکتیں پھر عدت کی کیا ضرورت ہے۔ پھر بعضے مفسروں نے اس میں ایک اور حکم الٰہی کی مخالفت دیکھکر یہ تاویل کی کہ وہ قیدی عورتیں مسلمان ہو جاویں تب اُن پر یہ حکم جاری ہو ورنہ مشرکہ سے تو ملک یمین کے طور پر مباشرت جائز نہیں (دیکھو تفسیر الجلالین ۵ح آیت ۱) حالانکہ کتب سیر و مغازی میں اوطاس کی قیدی عورتوں کے مسلمان ہو جانیکا ذکر نہیں ہے +

اور نہ اُن کی استبراد کا زمانہ پورا ہونیکا پایا کیونکہ بہت تھوڑے ہی عرصہ میں اُن کی قید اور رہائی احسان کے طور پر حسب حکم سورہ محمدؐ آیت ۴ ہو گئی تھی +

غرضیکہ یہ تاویلیں اور شفاعتیں ان معنوں پر اُٹھانی پڑتی ہیں جو بعضے راویوں اور فقیہوں نے اپنے سبق ظن سے اختیار کر لی ہیں ورنہ کلام الٰہی تو ہر ایک عیب و قصور سے پاک ہے +

۱۲۔ معاملات میں سچائی اور عدالت و دیانت داری ایفائے عہد اور وزن اور پیمانہ میں راستبازی اصلاح منزل اور اطاعت حکام اور منع فتنہ و فساد ادائے امانت کے احکام غرض جو جو باتیں حسن معاشرت کے اصول اور بنیاد ہیں اور جن پر ریاستوں اور سلطنتوں میں امن و امان قایم رہتا ہے اور جن پر خلایق کی بہبود منحصر ہے اُن کی نسبت صاف صاف تعلیم ہوئی ہے +

Islam enjoins charity, ruthhulness in testimony, honestly in weights and measures and the faithful observance of covenants.

(۱) ویل للمطففین الذین اذا اکتالوا علی الناس یستوفون واذا کالوھم او وزنوھم یخسرون (تطفیف) +

---

[۱] قال ابوحنیفة لو سبی الزوجان لم یرتفع النکاح ولم تحل للسابی (تفسیر بیضاوی) +

[۲] ابو علقمہ الہاشمی کی ایک روایت میں یہ فقرہ بڑھا ہوا ہے اور اسی کی اَور روایتوں میں نہیں ہے +

(۲)۔ لا تطغوا فی المیزان ۔ اقیموا الوزن بالقسط ولا تخسر والمیزان ۔ (رحمن) +

(۳)۔ ولا تبذر تبذیراً ۔ ان المبذرین کانوا اخوان الشیاطین وکان الشیطان لربه کفوراً (اسری) +

(۴)۔ ولا تجعل یدك مغلولة الی عنقك ولا تبسطها کل البسط فتقعد ملوما محسوراً +

(۵)۔ اوفوا بالعهد ان العهد کان مسئولا ۔ (ایضاً) +

(۶)۔ اوفوا الکیل اذا کلتم وزنوا بالقسطاس المستقیم (ایضاً) +

(۷) واوفوا بالعهد اذا عاهدتم ولا تنقضوا الایمان بعد توکیدها ۔ ولا تتخذوا ایمانکم دخلا بینکم فتزل قدم بعد ثبوتها (اسری) +

(۸)۔ یا ایها الذین آمنوا لا تخونوا الله والرسول وتخونوا اماناتکم (انفال) +

(۹)۔ واذا قلتم فاعدلوا ولو کان ذاقربی وبعهد الله اوفوا ذالکم وصّکم به (انعام) +

(۱۰)۔ یا ایها الذین آمنوا اوفوا بالعقود (مائدہ) +

(۱۱)۔ واحفظوا ایمانکم (مائدہ) +

(۱۲)۔ یا ایها الذین آمنوا کونوا قوامین بالقسط شهداء لله ولا یجرمنکم شنان قوم علی ان لا تعدلوا ۔ اعدلوا هو اقرب للتقوی (ایضاً) +

(۱۳) یا ایها الذین آمنوا کونوا قوامین بالقسط شهداءَ لله ولو علی انفسکم او الوالدان والاقربین (نساء) +

(۱۴)۔ ان الله یامرکم ان تؤدوا الامانات الی اهلها واذا حکمتم بین الناس ان تحکموا بالعدل ان الله نعما یعظکم به (نساء) +

(۱۵)۔ لا تصعر خدك للناس ولا تمش فی الارض مرحاً ان الله لا یحب کل خوّان کفور واقصد فی مشیك واغضض من صوتك (لقمان) +

(۱۶)۔ ولا تمش فی الارض مرحاً انك لن تخرق الارض ولن تبلغ الجبال طولا (اسری)

(۱۷)۔ یا ایها الذین امنوا لا یسخر قوم من قوم عسی ان یکونوا خیراً منهم ولا نساء من نساء عسی ان یکن خیراً منهن ولا تلمزوا انفسکم ولا تنابزوا بالالقاب بئس الاسم الفسوق بعد الایمان (حجرات) +

(۱۸)۔ یا ایها الذین آمنوا اجتنبوا کثیراً من الظن ان بعض الظن اثم ولا تجسسوا ولا یغتب بعضکم بعضاً ایحب احدکم ان یاکل لحم اخیه میتاً فکرهتموه (حجرات) +

(۱۹)۔ اطیعوا الله واطیعوا الرسول واولی الامر منکم +

(۲۰)۔ وان طائفتان من المومنین اقتتلوا فاصلحوا بینھما فان بغت احدٰیھما علی الاخرٰی فقاتلوا التی تبغی حتی تفیئ الی امر اللہ فان فاءت فاصلحوا بینھما بالعدل واقسطوا ان اللہ یحب المقسطین۔ انما المومنون اخوۃ فاصلحوا بین اخویکم (حجرات) +

اور بھی چند متفرق احکام جو مصالح نوعیہ کے قایم رکھنے اور اُن میں باہمدگر تعلقات کی رعایت اور پابندی کے لئے ضرور ہیں یہ ہیں +

(۲۱)۔ ان اللہ یامر بالعدل والاحسان وایتاء ذی القربٰی وینھی عن الفحشاء والمنکر والبغی (نحل) +

(۲۲)۔ یا ایھا الذین امنوا انما الخمر والمیسر والانصاب والازلام رجس من عمل الشیطان فاجتنبوہ لعلکم تفلحون۔ انما یرید الشیطان ان یوقع بینکم العداوۃ والبغضاء فی الخمر والمیسر ویصدکم عن ذکر اللہ وعن الصلوٰۃ فھل انتم منتھون (مائدہ) +

(۲۳)۔ طعام الذین اوتوا الکتاب حل لکم وطعامکم حل لھم [۵۱] (ایضاً) +

---

[۵۱] شیخ الاسلام محی الدین نووی نے شرح صحیح مسلم (صفحہ ۹۔ جلد ۲ مطبع منشی نولکشور) میں لکھا ہے وطعام الذین اوتوا الکتاب حل لکم قال المفسرون المراد بہ الذبائح ولم یستثن منھا شیئاً لا لحماً ولا شحماً ولا غیرہ وفیہ حل ذبائح اہل کتاب وھو مجمع علیہ ولم یخالف فیہ الا الشیعۃ ومذھبنا ومذھب الجمھور اباحتھا سواء سموا اللہ تعالیٰ ام لا۔ وقال قوم لا یحل الا ان یسموا اللہ تعالیٰ فاذا ذبحوا علی اسم المسیح او کنیستہ ونحوھا فلا تحل تلک الذبیحۃ عندنا وبہ قال جماھیر العلماء۔ یعنی مفسرین نے کہا ہے کہ اس آیت میں ذبیحہ کی حلت مراد ہے اور کوئی چیز اس میں سے مستثنےٰ نہیں ہوئی نہ گوشت نہ چربی نہ کچھ اَور اس میں اہل کتاب کے ذبیحوں کی حلت ہے اور اس پر سب کا اجماع ہے کسی نے اس میں خلاف نہیں کیا مگر شیعوں نے اور ہمارا اور سب مسلمانوں کا یہی مذہب ہے کہ اُنکے ذبیحے مباح ہیں خواہ وہ خدا کا نام لیں یا نہ لیں۔ اور کچھ لوگوں نے کہا ہے کہ جبھی حلال ہوگا جبکہ خدا کا نام لیں اور جب مسیح کے نام پر یا اُن کی کینست پر ذبح کریں تو حلال نہیں اور اسی بات کو سب علما نے کہا ہے +

البتہ امامیہ مذہب والے اس مسئلہ میں منفرد ہیں مگر بعضے متقدم اور رئیس علما مثلاً شیخ مفید ابن جنید ابن ابی عقیل ان سے اس میں خلاف منقول ہے۔ اور بعضی روایتیں اسکے جواز میں ہیں چنانچہ صحیحہ جمیل و محمد بن حمران میں ہے انھما سألا ابا عبد اللہ علیہ السلام عن ذبایح الیھود والنصاریٰ والمجوس فقال کُل وقال بعضھم انھم لا یسمون فقال ان حضرتموھم فلم یسموا فلا تاکلوا واذا غاب فکل۔ اور روایت عبد الملک قال قلت لابی عبد اللہ علیہ السلام ما تقول فی ذبائح النصاریٰ فقال علیہ السلام لا باس بھا قلت انھم یذکرون علیہ المسیح فقال انما ارادوا بالمسیح اللہ یعنی راوی نے ابا عبد اللہ سے پوچھا کہ یہود و نصاریٰ و مجوس کا ذبیحہ کھانا چاہیے تو حضرت نے فرمایا کہ کھا پھر راوی نے عرض کیا کہ وہ خدا کا نام نہیں لیتے تو فرمایا کہ اگر تمہارے

(۲۴)۔قل لا اجد فیما اوحی الی محرما علی طاعم یطعمہ الا ان یکون میتۃ او دما مسفوحا او لحم خنزیر فانہ رجس او فسقا اھل لغیر اللہ بہ فمن اضطر غیر باغ ولا عاد فان ربک غفور رحیم (انعام)۔

اور نیز سورہ مائدہ کی ۳۔آیت +

یہی حکم بعینہٖ انجیل میں ہے دیکھو اعمال الحواریین $\frac{۲۹}{۱۵}$ فرق اتنا ہے کہ حال کے نسخوں میں بمقابلہ لحم خنزیر لفظ (زنا) ہے مگر قیاس اس کا مقتضی ہے کہ اصل عبارت انجیل میں کوئرماس (لحم خنزیر تھی) جسکی صورت حال کے نسخوں میں پورنیاس (زنا) ہو گئی ہے کیونکہ اس وقت حواریوں میں یہود کی رسمی شریعت کی بحث تھی نہ کہ اخلاقی احکام کی پس زنا کو خون اور گلا گھونٹے جانور اور بتوں کی قربانی سے کیا مناسبت تھی اس کا ذکر تو خارج از محل اور بے موقع تھا۔ البتہ پورنیاس یعنی لحم خنزیر وغیرہ چیزوں پر جن سے یہود کی رسمی شریعت میں حلت اور حرمت متعلق تھی بحث ہوئی تھی کہ غیر قوم عیسائیوں پر بھی اُس کا بارڈالا جاوے یا نہیں۔ ہمارے اس قیاس کی تائید اس سے زیادہ قوی ہوتی ہے کہ ڈاکٹر بینٹلی اور مسٹر ریوس یہ دونوں محقق جنہوں نے انجیل کے نسخوں کے اختلاف اور تصحیح میں بڑی محنت اور تحقیق کی ہے اسی عبارت کوئرپاس کو ترجیح دیتے ہیں +

(۲۵)۔ولا تقتلوا النفس التی حرم اللہ الا بالحق ومن قتل مظلوما فقد جعلنا لولیہ سلطانا فلا یسرف فی القتل انہ کان منصورا (اسریٰ) +

(۲۶)۔یا ایہا الذین امنوا انما الخمر والمیسر والانصاب والازلام رجس من عمل الشیطان فاجتنبوہ لعلکم تفلحون۔ انما یرید الشیطان ان یوقع بینکم العداوۃ والبغضاء فی الخمر والمیسر ویصدکم عن ذکر اللہ وعن الصلوٰۃ فہل انتم منتہون (مائدہ) +

۳۲۔صبر اور تحمل کے احکام اور برائی کے بدلے میں بھلائی کرنا اور مخالفوں کی تقصیروں سے درگزر کرنا اور اپنے دشمنوں کے حق میں دعا کرنا بہت تاکید اور تکرار سے سکھلایا گیا ہے +

Universal forgiveness and forbearance has invariably been inculcated in the Koran.

(۱)۔ولا تستوی الحسنۃ ولا السیئۃ ادفع بالتی ھی

بقیہ حاشیہ صفحہ ۶۲ سامنے خدا کا نام نہ لیں تو نہ کھاؤ اور اگر غیبت میں ذبح کریں تو کھاؤ۔ اور عبدالملک کی روایت میں ہے کہ ہم نے ابا عبداللہ علیہ السلام سے پوچھا کہ آپ یہود و نصاریٰ کے ذبیحوں کی نسبت کیا فرماتے ہیں تو ارشاد کیا کہ کھاؤ تب میں نے عرض کیا کہ وہ لوگ مسیح کا نام لیتے ہیں تو انہوں نے فرمایا کہ مسیح سے بھی اُن کی مراد خدا ہی ہے اور زکریا بن ابراہیم سے روایت ہے قال دخلت علی ابی عبد اللہ علیہ السلام فقلت انی رجل من اھل الکتاب وانی اسلمت وبقی اھلی کلھم علی النصرانیۃ وانا معھم فی بیت واحد لم افارقھم بعد فاکل من طعامھم فقال لی ایاکلون لحم الخنزیر قلت لا ولکنھم یشربون الخمر فقال لی کل معھم واشرب۔ انتھی +

احسن فاذ الذی بینك وبینه عداوۃ کانه ولی حمیم (حم سجدۃ) +

(۲)- فاعفوا واصفحوا حتی یاتی اللہ بامرہ (بقرہ) +

(۳)- ولیعفوا ولیصفحوا الا تحبون ان یغفر اللہ لکم (نور) +

(۴)- یاایھا الذین آمنوا کونوا قوامین للہ شھداء بالقسط ولا یجرمنکم شنان قوم علیٰ ان لا تعدلوا اعدلوا ھو اقرب للتقویٰ (مائدہ) +

(۵)- یاایھا الذین امنوا ان من ازواجکم واولادکم عدو لکم فاحذروھم وان تعفوا وتصفحوا وتغفروا فان اللہ غفور رحیم (تغابن) +

(۶)- فاعف عنھم وقل سلام (زخرف) +

(۷)- فاعف عنھم واصفح ان اللہ یحب المحسنین (مائدہ) +

(۸)- واعرض عنھم وعظھم وقل لھم فی انفسھم قولا بلیغا (نساء) +

(۹)- قل للذین امنوا یغفروا للذین لا یرجون ایام اللہ (جاثیہ) +

قرآن میں اس کی پیشین گوئی ہوئی تھی کہ مسلمانوں کو مخالفوں سے بڑی اذیت پہنچیگی اور اُن کو ہدایت ہوئی تھی کہ وہ صبر کرتے رہیں +

(۱۰)- ولتبلون فی اموالکم وانفسکم ولتسمعن من الذین اوتوا الکتاب من قبلکم ومن الذین اشرکوا اذی کثیرا وان تصبروا وتتقوا فان ذلک من عزم الامور (آل عمران) +

BENEFICIAL EFFECTS OF ISLAM.

اسلام کے وعظ اور اصلاح کی تاثیر

"اسلام جس طرح کہ اخلاقی اور روحانی نیکیاں تعلیم کرتا ہے۔ نہیں نہیں جس طرح سے کہ اخلاقی اور روحانی نیکیوں کو دل میں بٹھا دیتا ہے اسی طرح تمدن اور حسن معاشرت کی جو نیکیاں ہیں اُن کو بھی اپنے پیرووں کے برتاؤ میں ایسا ملا جلا دیتا ہے کہ کسی طرح اُن سے الگ نہیں ہو سکتیں اور بطور فطرتی عادتوں کے دکھلائی دیتی ہیں اور طبیعت ثانی ہونے سے بھی بڑھکر اصلی طبیعت ہو جاتی ہیں" +

سید احمد

(پرچہ تہذیب الاخلاق جلد ۲ نمبر ۱۰)

۳۳- یہاں تک جو احکام بیان ہوئے اُن کی منشا انسان کی حالت کی اصلاح و تہذیب تھی تو اب ہم یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ ہمارے پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کی اصلاح نے جو بڑی وقت اور

مشقت اور کمال رافت اور شفقت سے ہوئی تھی کیا کیا نتیجے پیدا کئے اور اس سے کیسی تعجب انگیز اور دائم الاثر تاثیریں ظہور میں آئیں اور کس طرح سے اُس نے قوموں اور ملکوں میں آسایش اور عافیت اور خلایق کی بہبودی کو از سر نو زندہ کیا اور کس طرح سے مہلک اور مضر رسموں کو نیست و نابود کیا اور کئی ایک اور خرابیوں کو جو بالکل مٹ نہیں گئیں بہت کچھ اُن کی اصلاح اور درستی کی۔ اور ان سب کا اثر انسانوں کی ذات واحد اور جماعت اور ریاست پر کیسا نفع بخش اور سود مند ظہور میں آیا اور آتا جاتا ہے +

Appeal of an early Moslem to the beneficial effects of Islam

۲۴۔ اسلام کو شروع ہوئے ابھی تھوڑا ہی زمانہ گذرا تھا کہ کفار مکہ کی اذیت اور تکلیف دہی سے کئی ایک مسلمان ملک ابی سینیا کو چلے گئے وہاں کے عیسائی بادشاہ نیگرس (نجاشی) کے دربار میں حضرت جعفر نے جو تقریر دلپذیر فرمائی ہے وہ ایام جاہلیت اور ابتدا ر زمانہ اسلام کا حال خوب آئینہ کر دیتی ہے۔ مکے سے جو لوگ ان مسلمانوں کو پکڑ لانے کے لئے گئے تھے اُن کے مقابلہ میں حضرت جعفر کی تقریر یوں ہوئی +

"ہم لوگ جہالت اور بت پرستی اور بدکاری میں زندگی بسر کرتے تھے۔ زور آور کمزور پر ظلم کرتا تھا۔ ہم لوگ جھوٹ کے عادی تھے۔ اور خدمات مہمان نوازی کی رعایت نہیں کرتے تھے تب ایک نبی قایم ہوا جس کو ہم لڑکپن سے جانتے تھے۔ اور جس کے حسن اخلاق۔ دیانت اور طریق عمل سے ہم لوگ خوب واقف تھے اُس نے ہم کو سکھلایا کہ خدا واحد کی عبادت کریں۔ عہد اور میثاق اور قسم کو پورا کریں۔ اپنے قرابت داروں کی مدد کریں۔ شرائط مہمان نوازی کو پورا کریں اور جملہ ناپاک چیزوں اور کفر و غداری سے پرہیز کریں۔ ہم اُس پر ایمان لائے اور ہم نے اُس کا ساتھ دیا لیکن ہمارے ملک کے لوگوں نے ہم کو اذیت دی ہم پر ظلم کیا اور ہم سے ہمارا مذہب چھڑوانا چاہا۔ اور اب ہم اپنے آپ کو بادشاہ کی حمایت میں لے آئے ہیں" +

یہ تقریر تو ایک انگریزی کتاب سے لی گئی ہے مگر سیرت کی کتابوں میں مفصل لکھا ہوا ہے۔ (دیکھو سیرت ہشامی صفحہ ۲۱۹ و ۲۲۰ مطبوعہ لندن ۱۸۶۵ء) اور کتاب سبیل الہدیٰ والرشاد فی سیرت خیر العباد مشہور بسیرت شامی میں اس طرح پر ہے (اج ب ۱۹) "فقال الجعفر ایہا الملک کنا قوماً اهل جاهلية نعبد الاصنام ونأكل الميتة ونأتي الفواحش ونسيء الجوار ويأكل القوي الضعيف فكنا على ذلك حتى بعث الله الينا رسولاً منا نعرف نسبه وصدقه وامانته وعفافه فدعانا الى الله لنوحده ونعبده ونخلع ما كنا نعبد نحن واباؤنا من دونه من الحجارة والاوثان وامرنا ان نعبد الله وحده لا نشرك به شيئاً وامرنا بالصلاة والزكوة والصيام فعدد عليه امور الاسلام

نذقال وامر بصدق الحدیث واداء الامانة وصلة الرحم وحسن الجوار والکف عن المحارم
والدماء ونہانا عن الفواحش وقول الزور واکل مال الیتیم وقذف المحصنات فصدقناہ
واتبعنا علی ماجاء بہ من اللہ تعالیٰ فعبدنا اللہ تعالی وحدہ ولا نشرک بہ وحرمنا ماحرم اللہ
علینا واحللنا ما حل لنا فعدا علینا قومنا فعذبونا وفتنونا عن دیننا لیردونا علی عبادۃ الاوثان من
عبادۃ اللہ تعالیٰ وان نستحل ماکنا نستحل من الخبائث فلما قہرونا وظلمونا وضیقوا علینا وحالوا
بیننا وبین دیننا خرجنا الی بلادک واخترناک علیٰ من سواک ورغبنا فی جوارک ورجونا
ان لا نظلم عندک یا ایہا الملک" +

۳۵- مکہ کی تیرہ و تاریک حالت جو قبل اسلام تھی اور پھر زمانہ اسلام میں اہل مکہ میں اخلاقی
اور روحانی نورانیت اور سرسبز ضیاء ایمان باللہ اور حسن اخلاق کی روشنی ایسی تعجب انگیز اور حیرت خیز
ہے کہ ایسی تاثیر الٰہی اور برکت ربانی کا اقرار ہمارے مخالفوں کو بھی ہے۔ والفضل ماشہدت بہ الاعداء +

سر ولیم میور صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ "ایک زمانہ نامعلوم سے مکہ اور تمام جزیرہ عرب
کی روحانی کیفیت بالکل بے حس ہو گئی تھی گو ایک خفیف
اور ناپائدار سا اثر یہودیت نصرانیت یا فلسفہ کا عرب

Previous dark and torpid state of Mecca and Arabia.

پر ہوا تھا جیسے کہ ایک دریا چہ غیر رواں کی سطح کا ادھر اُدھر لہر کھانا مگر تہ میں محض بے حس و حرکت
رہنا۔ تمام عرب توہمات و ظلم اور بدکاریوں میں غرق ہو رہے تھے یہ عام رسم تھی کہ بڑا بیٹا اپنے
باپ کی بیبیوں کو جو اور جائداد کی مانند میراث میں آتیں بیاہ لیتا اُنکے غرور اور افلاس سے رسم دختر کشی
بھی اُن میں جاری ہو گئی تھی جیسے ہندوؤں میں۔ اُن کا مذہب حد کے درجہ کی بت پرستی تھا اور
اُن کا ایمان ایک مسبب الاسباب مالک علی الاطلاق پر نہ تھا بلکہ غیر مرئی ارواح کے توہم باطل
کی سی ہیئت کا اُن کا ایمان تھا انہیں کی رضامندی مناتے تھے اور اُنہیں کی ناراضگی سے احتراز کرتے
تھے قیامت اور جزا و سزا جو فعل یا ترک کا باعث ہو اُس کی اُنہیں خبر ہی نہ تھی +

"ہجرت سے ۱۳ برس پیشتر تو مکہ اس طرح سے ایسی ذلیل حالت میں بیجان پڑا ہوا تھا مگر ان
تیرہ برسوں نے کیا ہی اثر عظیم پیدا کیا۔ سینکڑوں آدمیوں کی جماعت نے بت پرستی چھوڑ کے
خدائے واحد کی پرستش اختیار کی اور اپنے اعتقاد کے موافق وحی الٰہی کی ہدایت کے مطیع و منقاد
ہو گئے۔ اُسی قادر مطلق سے بکثرت و بشدت دعا مانگتے
اسی کی رحمت پر مغفرت کی اُمید رکھتے اور حسنات
و خیرات پرہیزگاری اور انصاف کرنے میں بڑی کوشش

Effects produced on the Moslem converts by the thirteen years of Mahomet's ministry at Mecca.

کرتے تھے۔ اب انہیں شب و روز اُسی قادر مطلق کی قدرت کا خیال اور یہ کہ وہی رزاق ہماری

ادنے حوایج کا خبر گیراں ہے۔ ہر ایک قدرتی یا طبعی کیفیت میں ہر ایک امور متعلقات زندگانی میں اور اُن کی خلوت اور جلوت کے ہر ایک حادثہ یا تغیرات میں وہ اُسی کے ید قدرت کو دیکھتے تھے اور اُن پر بالا وہ لوگ اُس نئی روحانی حالت کو جس میں وہ خوشحال اور حمد کناں رہتے تھے خدا کے فضل خاص ورحمت باختصاص کی علامت سمجھتے تھے اور اپنے کافر اہل شہر کے کفر کو خدا کی تقدیر کئے ہوئے خذلان کی نشانی جانتے تھے محمد (صلعم) کو وہ اپنا حیات تازہ بخشنے والا سمجھتے تھے جو کہ اُنکی ساری امیدوں کے واسطے ماخذ تھے اور اُنہیں کی مناسب اور کامل اطاعت کرتے تھے" +

"ایسے تھوڑے ہی زمانہ میں کہ اس عجیب تاثیر سے دو حصوں میں منقسم ہو گیا تھا جو بالحاظ قبیلہ وقوم ایک دوسرے کے درپے مخالفت وہلاکت تھے مسلمانوں نے مصیبتوں کو تحمل اور شکیبائی سے برداشت کیا اور گو ایسا کرنا اُن کی ایک مصلحت تھی مگر تو بھی ایسی عالی ہمتی کی بردباری سے وہ لوگ تعریف کے مستحق ہیں۔ ایک سو مرد اور عورتوں نے اپنے ایمان عزیز سے انکار نہ کرکے اپنا گھر بار چھوڑ کر جبتک کہ یہ طوفان مصیبت فرو ہوئے حبش کو ہجرت کر چکے تھے اور اب پھر اس تعداد سے بھی زیادہ آدمی اور اُن میں نبی بھی اپنے عزیز شہر کو اور مقدس کعبہ کو (جو اُن کی نظر میں تمام روئے زمین پر سب سے زیادہ مقدس تھا) چھوڑ کر مدینہ کو ہجرت کر آئے۔ اور یہاں بھی اسی عجیب تاثیر نے ۲ یا ۳ برس کے عرصہ میں ان لوگوں کے واسطے ایک برادری جو نبی اور اور مسلمانوں کی حمایت میں جان دینے کو مستعد ہو گئے تیار کر دی" +

"اہل مدینہ کے کانوں میں یہودی حقانی باتیں عرصہ سے گوش گذار ہو چکی تھیں مگر وہ بھی اُس وقت تک خواب خرگوش سے نہ چونکے جبتک کہ روح کو کپکپا دینے والی باتیں نبی عربی کی نہیں سُنیں۔ تب البتہ دفعتاً ایک نئی اور سرگرم زندگانی میں دم بھرنے لگے" +

(ج ۲ ص ۲۶۹ - ۲۷۱)

اس تقریر کے بعد مصنف نے سورہ فرقان کی چند آیتیں قدمائے مسلمین کے محامد واوصاف میں ترجمہ کی ہیں اُن کو ہم جداگانہ مقام پر لاوینگے +

۳۶۔ اسلام کی اصلاح کی قوت تاثیر کے ثبوت میں طبقہ اوّل کے مسلمانوں کا حسن اخلاق

Mighty effects of Islam on the conduct of early Moslems as described in the contemporary records of the Coran.

اور نیک کردار اُنکے ظاہری اور باطنی افعال و احوال میں ایک تعجب انگیز لیکن مطمئن کرنیوالی مثال ہے کہ اس تعلیم الٰہی کی تاثیر سے وہ لوگ کیا تھے کیا ہو گئے تھے۔ ہر چند کہ قرآن کا منشا یہ نہیں ہے کہ اس زمانہ کے لوگوں کا تذکرہ یا تاریخ لکھے مگر نیکیوں پر رغبت اور اُور منکرات سے منع کرنا اس لئے بعض مقامات پر جو اگلے زمانہ کے مسلمانوں کی

کیفیت بیان ہوئی ہے اس سے ظاہر ہے کہ وہ لوگ کمال درجہ میں اخلاق اور فضائل سے آراستہ و مہذب تھے اور دینی اور دنیوی برکتوں سے معمور تھے اور یہی غرض تھی نبی کی بعثت سے "ویزکیھم ویعلمھم الکتاب والحکمۃ"۔

(ا)۔ ۲۳۔ الا المصلین۔

۲۴۔ الذین ھم علیٰ صلاتھم دائمون۔

۲۵۔ والذین فی اموالھم حق معلوم للسایل والمحروم۔

۲۶۔ والذین یصدقون بیوم الدین۔ ۱؎

۲۷۔ والذین ھم من عذاب ربھم مشفقون۔

۲۸۔ (ان عذاب ربھم غیر مامون)۔

۲۹۔ والذین ھم لفروجھم حافظون۔

۳۰۔ الا علیٰ ازواجھم او ما ملکت ایمانھم فانھم غیر ملومین۔

۳۱۔ فمن ابتغیٰ وراء ذلک فاولئک ھم العادون۔

۳۲۔ والذین ھم لاماناتھم وعھدھم راعون۔

۳۳۔ والذین ھم بشھاداتھم قایمون۔

۳۴۔ والذین ھم علیٰ صلاتھم یحافظون۔

۳۵۔ اولئک فی جنات مکرمون۔ (معارج)۔

(ب)۔ ۶۳۔ وعباد الرحمان الذین یمشون علی الارض ھونا واذا خاطبھم الجاھلون قالوا سلاما۔

۶۴۔ والذین یبیتون لربھم سجدا وقیاما۔

۱؎۔ (ا)۔ مگر وہ نمازی جو اپنی نماز پر قایم ہیں۔ اور جن کے مال میں حصّہ ٹھہر رہا ہے سائل کا۔ اور درماندہ کا اور جن کو انصاف کے دن کا یقین ہے۔

اور جو اپنے رب کے عذاب سے ڈرتے ہیں (بیشک انکے رب کے عذاب سے بیخوف نہ ہونا چاہیئے) اور جو لوگ اپنی نفسانی خواہشوں کو قابو میں رکھتے ہیں (مگر اپنی بیبیوں پر یا حرمیں جو ملک نکاح میں آچکیں) اس وجہ سے کہ اُن کو محصنات سے نکاح کا مقدور نہیں۔ اور جو ان سے بڑھ جاوے تو وہی ہیں حد سے بڑھنے والے۔ اور جو لوگ اپنی امانتیں اور اپنا قول پورا کرتے ہیں اور جو اپنی گواہی پر قایم ہیں۔ اور جو اپنی نماز سے خبردار ہیں یہی لوگ جنت میں ہیں عزت سے۔

(ب)۔ ۶۳۔ اور بندے رحمان کے وہ ہیں جو چلتے ہیں زمین پر دبے پاؤں اور جب بات کرتے ہیں اُن سے بے سمجھ لوگ تو کہیں صاحب سلامت۔

۶۴۔ اور وہ رات کاٹتے ہیں اپنے رب کے آگے سجدے میں یا کھڑے۔

۶۵- والذین یقولون ربنا اصرف عنا عذاب جہنم ان عذابہا کان غراما +

۶۶- انہا ساءت مستقر ومقاما +

۶۷- والذین اذا انفقوا لم یسرفوا ولم یقتروا وکان بین ذالک قواما +

۶۸- والذین لا یدعون مع اللہ الٰہا اخر ولا یقتلون النفس التی حرم اللہ الا بالحق ولا یزنون ومن یفعل ذالک یلق اثاما +

۶۹- یضاعف لہ العذاب یوم القیامۃ ویخلد فیہ مہانا +

۷۰- الا من تاب وامن وعمل عملاً صالحا فاولئک یبدل اللہ سیاتہم حسنات وکان اللہ غفورا رحیما +

۷۱- ومن تاب وعمل صالحاً فانہ یتوب الی اللہ متابا +

۷۲- والذین لا یشہدون الزور واذا مروا باللغو مروا کراما +

۷۳- والذین اذا ذکروا بایات ربہم لم یخروا علیہا صما وعمیانا +

۷۴- والذین یقولون ربنا ہب لنا من ازواجنا وذریاتنا قرۃ اعین واجعلنا للمتقین اماما +

۷۵- اولئک یجزون الغرفۃ بما صبروا ویلقون فیہا تحیۃ وسلاما (فرقان) +

۶۵- اور وہ جو کہتے ہیں اے رب ہٹا ہم سے دوزخ کا عذاب بیشک اس کا عذاب بڑی چٹی ہے +

۶۶- وہ بری جگہ ہے ٹھہراؤ کی اور بری جگہ رہنے کی +

۶۷- اور وہ کہ جب خرچ کرنے لگیں نہ اُڑاویں اور نہ تنگی کریں اور ہے اسکے بیچ ایک سیدھی گذران +

۶۸- اور وہ جو نہیں پکارتے اللہ کے سوا کسی حاکم کو اور نہیں خون کرتے جان کا جو منع کیا اللہ نے مگر جہاں چاہیے اور بدکاری نہیں کرتے اور جو کوئی کرے یہ کام وہ بھڑے گناہ سے +

۶۹- دونا ہوا اُس کو عذاب دن قیامت کے اور پڑا رہے اُس میں خوار ہو کر +

۷۰- مگر جس نے توبہ کی اور یقین لایا اور کیا کچھ کام نیک سو اُن کو بدل دیگا اللہ بُرائیوں کی جگہ بھلائیاں اور ہے اللہ بخشنے والا مہربان +

۷۱- اور جو کوئی توبہ کرے اور کرے کام نیک سو وہ پھر آیا ہے اُس کی طرف پھر آنا +

۷۲- اور وہ جو شامل نہیں ہوتے جھوٹے کام میں اور جب ہو نکلیں کھیل کی باتوں پر تو نکل جاویں بزرگی رکھکر +

۷۳- اور وہ جب اُن کو سمجھائے اُنکے رب کی باتیں نہ پڑیں ان پر بہرے اندھے +

۷۴- اور وہ جو کہتے ہیں اے رب دے ہم کو ہماری عورتوں کی طرف سے اور اولاد کی طرف سے آنکھ کی ٹھنڈک اور کر ہم کو پرہیزگاروں کے آگے +

۷۵- اُن کو بدلہ ملیگا کوٹھوں کے جھروکے اس پر کہ ٹھہرے رہے اور لیتے آوینگے اُن کو وہاں دعا اور سلام کہتے (فرقان)

(ج)-۱-قد افلح المومنون + ۱ ؎

۲-الذین ہم فی صلوٰتہم خاشعون +

۳-والذین ہم عن اللغو معرضون +

۴-والذین ہم للزکوٰۃ فاعلون +

۵-والذین ہم لفروجہم حافظون +

۶-الا علیٰ ازواجہم او ما ملکت ایمانہم فانہم غیر ملومین +

۷-فمن ابتغیٰ وراء ذالک فاولئک ہم العادون +

۸-والذین ہم لاماناتہم وعہدہم راعون +

۹-والذین ہم علیٰ صلوٰتہم یحافظون +

۱۰-اولئک ہم الوارثون +

۱۱-الذین یرثون الفردوس ہم فیہا خالدون (مومنون) +

(د)-۲۰-الذین یوفون بعہد اللہ ولا ینقضون المیثاق +

۲۱-والذین یصلون ما امر اللہ بہ ان یوصل ویخشون ربہم ویخافون سوء الحساب +

۲۲-والذین صبروا ابتغاء وجہ ربہم واقاموا الصلوٰۃ وانفقوا مما رزقناہم سراً وعلانیۃ

ویدرؤن بالحسنۃ السیئۃ اولئک لہم عقبی الدار-(رعد) +

(ھ)-۸-یوفون بالنذر ویخافون یوماً کان شرہ مستطیراً +

۹-ویطعمون الطعام علیٰ حبہ مسکیناً ویتیماً واسیراً +

---

۱ ؎-(ج)-فلاح پائی ایمان والوں نے جو اپنی نماز میں نوے ہیں اور جو نکمی بات پر دھیان نہیں کرتے اور جو زکوٰۃ دیا کرتے ہیں اور جو اپنی خواہشوں کو تھامتے ہیں مگر اپنی عورتوں پر یا اپنے ہاتھ کے مال پر سو اُن پر الزام نہیں پھر جو کوئی ڈھونڈے اسکے سوا وہی ہیں حد سے بڑھنے والے اور جو اپنی امانتوں اور اقرار سے خبردار ہیں اور جو اپنی نمازوں سے خبردار ہیں وہی میراث لینے والے جو میراث پاوینگے باغ ٹھنڈی چھاؤں کے وہ اس میں سدا رہینگے (مومنون) +

(د)-۲۰-اور وہ جو پورا کرتے ہیں اقرار اللہ کا اور نہیں توڑتے اقرار +

۲۱-اور وہ کہ جوڑتے ہیں جو اللہ نے فرمایا ہے جوڑنا اور ڈرتے ہیں اپنے رب سے اور اندیشہ رکھتے ہیں بُرے حساب کا +

۲۲-اور وہ جو ثابت رہے چاہتے توجہ اپنے رب کی اور کھڑی رکھتے نماز اور خرچ کیا ہمارے دیئے میں سے کھلے اور چھپے۔ کرتے ہیں بُرائی کے مقابل بھلائی ان لوگوں کو ہے پچھلا گھر (رعد) +

(ھ)-۸-پوری کرتے ہیں منت اور ڈرتے ہیں اس دن سے کہ اُس کی برائی پھیل پڑے گی +

۹-اور کھلاتے ہیں کھانا اُس کی محبت پر محتاج کو اور بےباپ کے لڑکے اور قیدی کو +

۱۰- انما نطعمکم لوجہ اللہ لا نرید منکم جزاء ولا شکورا +

۱۱- انا نخاف من ربنا یوما عبوسا قمطریرا - (ھود) +

(و)- کنتم خیر امۃ اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنھون عن المنکر وتؤمنون باللہ - (آل عمران ۱۲ ع) +

۳۷- یہ کیفیت تو انسان کے ذاتی افعال اور خصال کی اصلاح اور تہذیب کی تھی اب دیکھنا چاہئے کہ جماعت قوم پر اسلام نے کیا اثر کیا یعنی تمدن کی حیثیت سے کونسی بڑی برکت اور خیر کثیر ظاہر ہوئی +

Its beneficial effects on the political state of the world.

اسلام کے قبل تمام قوم عرب باہم ٹوٹ پھوٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو رہے تھے مگر اسلام نے اُن کو ایک رشتہ برادری میں منسلک کر کے سب کو بھائی بنا دیا اُنکی عداوت مبدل بہ اُلفت ہو گئی اور وہ باہم کے شب و روز کے کشت و خون ایک لخت مسدود ہو گئے اور صلح اور امان اور اتفاق قومی ہر قوم اور قبیلے میں پایا گیا +

لا تفرقوا واذکروا نعمت اللہ علیکم اذ کنتم اعداء فالف بین قلوبکم فاصبحتم بنعمتہ اخوانا[۵۱] - (آل عمران ۱۱ ع) +

ایسا تصرف انسان کے دلوں پر ایک عجیب الشان تصرف ہے اور بینظیر مثال ہے جسکے حاصل کرنے میں سالہا سال کی ملکی تدبیریں اور نظام سلطنت قاصر ہو جاتے ہیں +

والف بین قلوبکم لو انفقت ما فی الارض جمیعا ما الفت بین قلوبھم ولکن اللہ الف بینھم[۵۲] - (انفال ۸ ع) +

یہ کیسا کچھ اسلام کا فیض ہوا کہ جسکے نتیجہ میں عربوں کے خون خرابے اور باہم کے جدال وقتال موقوف اور معدوم ہو گئے اور ایک دوسرے سے فیاضی اور ہمدردی کرنے میں ساعی

۱۰- ہم جو تم کو کھلاتے ہیں نرا اللہ کا منہ چاہئے کو نہ تم سے ہم چاہیں بدلہ نہ چاہیں شکر گزاری +

۱۱- ہم ڈرتے ہیں اپنے رب سے ایک دن اداس کی سختی سے روبرو +

(و)- تم ہو بہتر سب لوگوں سے جو پیدا ہوئے ہیں حکم کرتے ہو اچھی بات کا اور منع کرتے ہو بری بات سے اور ایمان لائے ہو اللہ پر (آل عمران ۱۲ ع) +

۵۱- اور پھوٹ نہ ڈالو اور یاد کرو احسان اللہ کا اپنے اوپر جب تھے تم آپس میں دشمن پھر اُلفت دی تمہارے دلوں میں اب ہو گئے ہو اُسکے فضل سے بھائی (آل عمران ۱۲ ع) +

۵۲- اور اُن کے دل میں اُلفت ڈالی اگر تو خرچ کرتا جو سارے ملک میں ہے تمام نہ اُلفت دے سکتا اُنکے دل میں لیکن اللہ نے اُلفت ڈالی اُن میں (انفال ۸ ع) +

اور سرگرم ہوگئے اور نہ صرف خونریزی اور مقاتلات کو روکا بلکہ کینہ کشی اور غرور کی جڑ کاٹی اور تمام ملک میں امن و امان و صلح و آشتی قایم کردی +

جس شخص کو ایام عرب پر نظر ہوگی وہ خوب سمجھتا ہوگا کہ عرب کی قومیں اور قبیلے باہم ایسے متفرق اور ایک دوسرے سے بے نیاز ہو رہے تھے کہ ان میں کوئی اُمید مذہبی اصلاح اور اتحاد قومی کی نہ تھی اور یہ وجہ بھی تھی کہ کبھی کسی غیر ملک والے یا رئیس کو اُن پر تسلط اور تمکن حاصل نہیں ہوا کیونکہ جب جماعتیں ایسی متفرق ہوں کہ کوئی ان کا راس و رئیس نہ ہو تو اُن کا مسخر اور منقاد کرلینا بہت دشوار ہوتا ہے +

The prospects of Anti-Mahometan Arabia were unfavorable to the hope of political main or national regeneration.

یہود بھی تو عرصہ سے عرب کے اطراف و جوانب میں بلکہ وسط عرب میں رہتے تھے اور عیسائیوں کی کئی ریاستیں اور سلطنتیں قرب و جوار میں مثل سلطنت مصر و شام و حبشہ تھیں اور نیز خاص عرب میں حرا و غسان اور یمن کی عیسائی بادشاہتیں اور نجران میں بنی حارث اور یمامہ میں بنی حنیفہ اور تیمہ میں بنی طے اور نیز بنی تغلب یہ سب عیسائی قومیں رہتی تھیں مگر اُن سے نہ تو کچھ عرب کی حالت تمدن میں اصلاح نہ اُنکے اخلاق میں کچھ اثر نہ اُنکے اوضاع و اطوار میں شایستگی نہ اُنکے رسم و رواج میں تغیر واقع ہوسکا۔ اور مذہب میں تو سب برابر ہی سے تھے +

خوب غور کرو اعراب کی حمیت اور عصبیت کی کینہ کشی اور عداوت کی رسم کو اور پھر دیکھو اسلام کی صلح اور عفو کے احکام کو اور اسکے نتیجہ میں ملاحظ کرو عرب کی مذہبی اصلاح رسوم کی تہذیب اور موافقت عام ملکی اتحاد اور قومی یگانگت گویا از سرِ نو ایک طبقہ جدید پیدا ہوگیا وہ خلقت ہی بدل گئی وہ جبلت ہی جاتی رہی +

Islam united the hostile tribes of Arabia in a brotherly union.

اگر حضرت موسےٰ کے انتظام سیاست میں تھوڑا سا بھی غور کرو تو بہت فرق پاؤ۔ حضرت موسیٰ ایک ایسی قوم اور جماعت پر گئے جو باہم متحد تھے اور اُس پر طرہ یہ کہ ایک جابر بادشاہ کی غلامی میں گرفتار اور کسی ادنیٰ سے محرک یا چھڑانیوالے کے وقت انتظار تھے۔ حضرت موسیٰ کو کچھ بھی تکلف نہیں کرنا پڑا اور اُس قوم نے دلی آرزو اور اخلاص سے اُن کو اپنا سردار اور نجات دہندہ قبول کرلیا کیونکہ وہ تو مضطر اور بے بس تھے اور ڈوبتے کو تنکے کا سہارا بہت ہوتا ہے اور باینہمہ وہ لوگ رہائی پاکر شایستہ و منقاد نہ ہوئے۔ اصل غرض تبریہ باری اور توحید الٰہی کے کئی بار خلاف ظہور میں آیا برخلاف عرب کی قوم کے۔ ان میں حد کے مرتبہ کا تفرق اور مباینت تھی اور جناب پیغمبر صلعم ان کے جملہ دین و آئین کو گمراہی قرار دیتے تھے انکے خداؤں اور بتوں

بیکار محض بتلاتے تھے اور وہاں کے کسی ایک قبیلہ نے بھی کلیتہً جناب پیغمبر کو تسلیم اور قبول نہیں کیا شروع ہی سے مشرکوں کا معارضہ اور مقابلہ ہونے لگا مگر آخر کو قرآن کے احکام و نصایح کی تاثیر یہ ہوئی کہ انہیں لوگوں میں سے ہزاروں اور لاکھوں ایمان لائے اور اپنے عزیز بتوں اور پیارے ٹھاکروں اور عمر بھر کے مسجود اور شب و روز کے معبود کو ترک اور موقوف کر دیا اور وہ قومی تفرق اور طبعی بغض و عناد سب جمیعت واحدہ اور قوی اتحاد اور اخوت سے بدل گیا +

۴۸- اور منجملہ مصالحہ نوعیہ اور امور مفید عام احکام صدقات اور خیرات اور خدا کی راہ میں مال دینے اور فقیروں اور محتاجوں کی کفالت کرنیکے ہیں خصوصاً صیغہ وقف جسے زمانہ جاہلیت میں کوئی

Instituted charitable designs.

نہیں جانتا تھا اور اس امر خاص میں مسلمانوں کی فیاضی اور سخاوت تو اریخ دہر اور صفحات عالم پر ثبت ہے +

اڈوارڈ گبن صاحب ایک مشہور اور عالی قدر مورخ لکھتے ہیں کہ (جلد ۶ ب ۵۰) "مسلمانوں کی نیکیاں (خیرات) جانوروں تک کے حق میں ہوتی ہیں اور قرآن میں محتاج اور مسکین کی اعانت کرنیکی مکرر تاکید ہوئی ہے اور اس کو نہ محض تبرع یا ثواب کے طور پر بلکہ فرض اور حکم ناگزیر کے طور پر واجب قرار دیا ہے شاید محمد (صلعم) ہی صرف ایسے صاحب شریعت ہیں جنہوں نے خیرات کا ٹھیک ٹھیک اندازہ کیا ہو اس کی مقدار معین جائداد کی نوعیت اور مقدار پر بدلتی ہے مثلاً زر نقد غلہ یا موشی اثمار و اسباب تجارت مگر جبتک کہ مسلمان اپنے مال کا دسواں حصہ نہ دے اس نے شریعت کی تکمیل نہ کی۔ درحقیقت فیاضی بنیاد ہے عدالت کی اور جن لوگوں کی اعانت ہم کو لازم ہے ان کو ضرر پہنچانا ممنوع ہے کوئی نبی عالم لاہوت اور برزخ کے مغیبات و اسرار بیان کیا کرے مگر احسانیات کے احکام میں اُس کو ہمارے ہی دل کے احکام بیان کرنے ہونگے" +

اس مقام کے حاشیہ پر گبن صاحب لکھتے ہیں کہ مراکشی نے تعصب کے بارے دمن کیتھلکوں کی زیادہ خیرات اور صدقات کا شمار کیا ہے کہ ۵ ہزار شفا خانے ہزاروں بیماروں اور زائروں کے لئے بنے ہوئے ہیں اور ۱۵۰ سو عورتوں کو ہر سال جہیز ملتا ہے ۶۰ مدرسے خیراتی بنے ہوئے ہیں اور ۱۲۰ جلسے برادران ایمانی کے اپنے بھائیوں کی اعانت کرتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ اور لندن کی فیاضی تو اس سے بھی بڑھکر ہے مگر مجھے اندیشہ ہے کہ بہت کچھ اس میں سے لوگوں کی انسانیت کی طرف منسوب ہو سکتا ہے نہ یہ کہ مذہب کی حیثیت سے ہو۔ انتہی +

(۱) سورہ بقر میں ہے "ان تبدوا الصدقات فنعما هي وان تخفوها وتؤتوها الفقراء فهو خير لكم" (ع ۲) +

(۲) "۔ الذین ینفقون اموالہم فی سبیل اللہ ثم لا یتبعون ما انفقوا منا و لا اذی لھم اجرھم عند ربھم ولا خوف علیھم ولا ھم یحزنون۔" قول معروف و مغفرۃ خیر من صدقۃ یتبعھا اذی واللہ غنی حلیم (۲ ح) +

(۳) "۔ والذین تبوء الدار والایمان من قبلھم یحبون من ھاجر الیھم ولا یجدون فی صدورھم حاجۃ مما اوتوا ویؤثرون علیٰ انفسھم ولو کان بھم خصاصہ"۔ (عشر ۹) +

ابراہیم ریس کے مجمع العلوم میں ایک جگہ لکھا ہے کہ خیرات دینے میں اکثار اور اسکے ترغیب دینے میں مسلمانوں کے مذہب سے زیادہ سرگرم کوئی مذہب نہیں ہے۔ قرآن نے قبول دعا کے واسطے خیرات کرنے کو واجب قرار دیا ہے اور خلیفہ عمر بن عبد العزیز کہا کرتے تھے کہ 'نماز ہم کو آدھے رستے تک پہنچاتی ہے اور روزہ ہم کو عرش الٰہی کے دروازے تک لیجاتے ہیں۔ اور خیرات سے ہم کو خدا کے گھر تک بار ملتا ہے'۔ خیرات کو اہل اسلام بہت ہی ثواب کا کام سمجھتے ہیں اور بہت سے مسلمان خیرات دینے کی شہرت میں ضرب المثل ہیں۔ بالتخصیص حضرت حسنؓ بن علیؓ جو کہ محمد (صلعم) کے نواسے تھے روایت ہے کہ اُنھوں نے اپنی حیات میں تین مرتبہ اپنا مال محتاجوں کو نصفا نصف بانٹ دیا اور دو مرتبہ تو سب جو کچھ تھا دیدیا۔ اور عوام مسلمین نیکیاں کرنے کے ایسے عادی ہو رہے ہیں کہ حیوانات تک سے وہ نیکی کرتے ہیں (دیکھو سائیکلوپیڈیا ریس لفظ آمز) +

قرآن کے معدن حکمت اور مسلمانوں کے مصدر علوم ہونیکا ذکر

LITERARY BENEFITS OF ISLAM.

۳۹۔ زمان جاہلیت میں تمام عرب میں کسی علم کی کوئی کتاب نہ تھی اور بجز علم انساب اور شعر گوئی کے اور کوئی تعلیم نہ تھی پس پہلی کتاب مستطاب جو عرب میں مدون ہوئی وہ قرآن مجید ہے جو علاوہ اس کے کہ ارشادات الٰہی اور احکام ربانی کا مصدر ہے علوم حکیمہ علمیہ اور حکمت الٰہیہ کا بھی معدن ہے بعد اس زمانہ نزول وحی اور انتشار علوم الٰہیہ کے مسلمان کئی ایک جلیل القدر اور عظیم الشان علوم کے موجد اور ماخذ ہوئے اور علوم متعارفہ کو بہت کچھ تہذیب و اصلاح کر کے دُور دُور کے ملکوں میں پھیلایا اور کئی ایک ملک کے مالک مسلمانوں کی بدولت اہل علم ہو گئے اور جس زمانہ میں کہ اَور سب قومیں جہالت کے تیرہ و تاریک قعر میں پڑی تھیں مسلمانوں ہی میں علم کا رواج پایا جاتا تھا +

۴۰۔ (۱) منجملہ علوم مشتہرہ قرآن مجید نیچرل فلاسفی اور نیچرل تھیالوجی ہے نیچرل فلاسفی

Natural Philosophy and Theology of the Koran.

جس سے مراد علم مناظر قدرت و مضاہر فطرت ہے اس سے قرآن مجید مالامال ہے اس میں حقایق موجودات اور محاسن کائنات کا بیان کثرت سے پایا جاتا ہے اور پھر ان سے وجود واجب تعالے اور اسکے علم و قدرت پر استدلال ہر جگہ ہوتا گیا ہے +

۱- انا صببنا الماء صبا- ثم شققنا الارض شقا فانبتنا فیہا حبا وعنبا وقضبا وزیتونا ونخلا- وحدایق غلبا- وفاکہۃ وابا (عبس) +

۲- افلا ینظرون الی الابل کیف خلقت- والی السماء کیف رفعت والی الجبال کیف نصبت والی الارض کیف سطحت (غاشیہ)

۳- الم نجعل الارض مہادا- والجبال اوتادا- وخلقنٰکم ازواجا- وجعلنا نومکم سباتا وجعلنا الیل لباسا- وجعلنا النہار معاشا- وبنینا فوقکم سبعا شدادا- وجعلنا سراجا وہاجا- وانزلنا من المعصرات ماء ثجاجا- لنخرج بہ حبا ونباتا- وجنات الفافا- (نبا) +

۴- والارض وضعہا للانام- فیہا فاکہۃ والنخل ذات الاکمام والحب ذو العصف والریحان-..... مرج البحرین یلتقیان- بینہما برزخ لا یبغیان- (رحمٰن) +

۵- افلم ینظروا الی السماء فوقہم کیف بنینٰہا وزینّٰہا ومالہا من فروج- والارض مددنٰہا والقینا فیہا رواسی- وانبتنا فیہا من کل زوج بہیج- تبصرۃ وذکری لکل عبد منیب

ترجمہ (۱)- ہم نے ڈالا پانی اوپر سے- اور پھر چیرا زمین کو- پھر اگایا اُس میں اناج انگور اور ترکاری اور زیتون اور کھجوریں اور گھنے باغ اور میوہ اور دوب +

۲- کیا نہیں نگاہ کرتے اونٹوں پر کیسے بنائے ہیں اور آسمان پر کیسا بلند کیا ہے اور پہاڑوں پر کیسے کھڑے کئے ہیں اور زمین پر کیسی صاف بچھائی ہے +

۳- کیا ہم نے نہیں بنائی زمین بچھونا اور پہاڑ میخیں اور تم کو بنایا جوڑی جوڑی اور بنائی نیند تمہاری دفع ماندگی اور بنائی رات اوڑھنا اور بنایا دن روزگار کو اور چنی ہم نے اوپر سات چنائی مضبوط اور بنایا ایک چراغ چمکتا اور اُتارا نچڑتی بدلیوں سے پانی کا ریلا کہ نکالیں اُس سے اناج اور سبزہ اور باغ پتوں میں لپٹے ہوئے +

۴- اور زمین کو رکھا واسطے خلق کے اس میں میوہ ہے اور کھجوریں جسکے میوہ پر غلاف ہیں اور اناج جسکے ساتھ بھس ہے اور پھول خوشبو کے- چلائے دو دریا جو آپس میں ملکر چلتے ہیں انکے بیچ میں ایک پردہ زیادتی نہیں کرتے

۵- کیا نگاہ نہیں کیا آسمان کو اپنے اوپر کیسا ہم نے بنایا اُس کو اور رونق دی اور اُس میں نہیں کوئی سوراخ اور زمین کو پھیلایا اور ڈالا اُس میں بوجھ اور اگائی اسمیں ہر قسم کی رونق کی چیز سوجھانے کو اور یاد دلانے کو اُس بندے کو جو رجوع رکھے اور اتارا ہمنے آسمان سے پانی برکت کا پھر اُگائے ہم نے اس سے باغ اور اناج کھیت کا اور کھجوریں لمبی اُن کا گابھا ہے تہ بر تہ

ونزلنا من السماء ماء مبارکا فانبتنا به جنات وحب الحصید ۔ والنخل باسقات لها طلع نضید رزقا للعباد واحیینا به بلدة میتا (ق) +

۶ ۔ والذی خلق الازواج کلها وجعل لکم من الفلک والانعام ما ترکبون لتستوا علی ظهوره ثم تذکروا نعمة ربکم اذا استویتم علیه وتقولوا سبحان الذی سخر لنا هذا وما کنا له مقرنین ۔ وانا الی ربنا لمنقلبون ۔ (زخرف) +

۷ ۔ ومن ایاته الجوار فی البحر کالاعلام ان یشا یسکن الریح فیظللن رواکد علی ظهره ان فی ذلک لایات لکل صبار شکور ۔ (شوریٰ) +

۸ ۔ ان فی خلق السمٰوٰت والارض لایات للمومنین ۔ وفی خلقکم وما یبث من دابة ایات لقوم یوقنون ۔ واختلاف اللیل والنهار وما انزل الله من السماء من رزق فاحیا به الارض بعد موتها وتصریف الریاح ایات لقوم یعقلون (جاثیه) +

۹ ۔ وایة لهم اللیل نسلخ منه النهار فاذا هم مظلمون ۔ والشمس تجری لمستقر لها ذالک تقدیر العزیز العلیم ۔ والقمر قدرناه منازل حتی عاد کالعرجون القدیم ۔ لا الشمس ینبغی لها ان تدرک القمر ولا اللیل سابق النهار ۔ وکل فی فلک یسبحون ۔ (یٰس) +

۱۰ ۔ الم تر ان الله انزل من السماء ماء فاخرجنا به ثمرات مختلفا الوانها ومن الجبال جدد بیض وحمر مختلف الوانها وغرابیب سود ومن الناس والدواب والانعام مختلف الوانه (فاطر) +

---

۶ ۔ جس نے بنائے سب چیز کے جوڑے اور بنا دیئے تم کو چوپائے اور کشتی جس پر سوار ہوتے ہو تا چڑھ بیٹھو اسکی پیٹھ پر پھر یاد کرو اپنے رب کا احسان جب بیٹھ چکو اُس پر اور کہو پاک ذات ہے وہ جس نے بس میں کیا ہمارے یہ اور ہم نہ تھے اسکے مقابل ہونے والے اور ہم کو اپنے رب کی طرف پھر جانا ہے

۷ ۔ اور ایک اسکی نشانی ہے چلتے جہاز دریا میں جیسے پہاڑ اگر چاہے تھام دے ہوا پھر رہجاویں سارے دن ٹھہرے اس کی پیٹھ پر مقرر اس میں پتے ہیں ہر ٹھہرنے والے کو جو حق کی بات مانے +

۸ ۔ بیشک آسمانوں میں اور زمین میں بہت پتے ہیں ماننے والوں کو اور تمہارے بنانے میں اور آؤر جانوروں کے پھیلانے میں پتے ہیں لوگوں کو جو یقین رکھتے ہیں اور بدلنے میں رات دن کے اور وہ جو اُتاری اللہ نے آسمان سے روزی پھر جلائی اس سے زمین کو مر گئے پیچھے اور بدلنے میں ہواؤں کے پتے ہیں اُن لوگوں کو جو بوجھتے ہیں +

۹ ۔ اور ایک نشانی ہے ان کو رات ادھیڑ لیتے ہیں ہم اس سے دن پھر رہجاتے ہیں اندھیرے میں اور سورج چلا جاتا ہے اپنی ٹھہری راہ پر یہ سادھا ہے اس زبردست باخبر کا اور چاند کو ہم نے بانٹ دی ہیں منزلیں کہ پھر آ رہے جیسے ٹہنی پرانی نہ سورج کو پہنچے کہ پکڑ لے چاند کو اور نہ رات آگے بڑھے دن سے اور ہر کوئی ایک ایک گھیرے میں تیرتے ہیں +

۱۰ ۔ تو نے نہ دیکھا کہ اللہ نے اُتارا آسمان سے پانی پھر نکالے اس سے میوے طرح طرح کے انکے رنگ اور پہاڑوں میں گھاٹیاں ہیں سفید اور سُرخ اور طرح طرح کے اُنکے رنگ اور کالے بھجنگ اور آدمیوں میں اور جانوروں اور چوپایوں میں کئی رنگ کے ہیں

۱۱- خلق السمٰوٰت بغیر عمد ترونها والقٰی فی الارض رواسی ان تمید بکم وبث فیها من کل دابة وانزلنا من السماء ماء فانبتنا فیها من کل زوج کریم (لقمان) ۔

۱۲- الله الذی یرسل الریاح فتثیر سحابا فیبسطه فی السماء کیف یشاء ویجعله کسفا فتری الودق یخرج من خلاله فاذا اصاب به من یشاء من عباده اذا هم یستبشرون ۔ (روم - ۲۵) ۔

۱۳- وان لکم فی الانعام لعبرة نسقیکم مما فی بطونه من بین فرث ودم لبنا خالصا سائغا للشاربین ۔ ومن ثمرات النخیل والاعناب تتخذون منه سکرا ورزقا حسنا ۔ (نحل) ۔

۱۴- واوحی ربک الی النحل ان اتخذی من الجبال بیوتا ومن الشجر ومما یعرشون ثم کلی من کل الثمرات فاسلکی سبل ربک ذللا یخرج من بطونها شراب مختلف الوانه فیه شفاء للناس (نحل)

۱۵- والله اخرجکم من بطون امهاتکم لا تعلمون شیئا وجعل لکم السمع والابصار والافئدة لعلکم تشکرون ۔ الم یروا الی الطیر مسخرات فی جو السماء ما یمسکهن الا الله ان فی ذالک لآیات لقوم یؤمنون ۔ والله جعل لکم من بیوتکم سکنا وجعل لکم من جلود الانعام بیوتا

۱۱- بنائے آسمان بے ٹیکے اُسے دیکھتے ہو اور ڈالے زمین پر بوجھ کہ تم کو لیکر جھک نہ پڑے اور بکھیرے اُس میں سب طرح کے جانور اور اُتارا ہم نے آسمان سے پانی ۔ پھر اُگائے زمین میں ہر قسم کے جوڑے خاصے ۔

۱۲- اللہ جو چلاتا ہے ہوائیں پھر اُبھارتا ہے بدلی پھر پھیلاتا ہے اُس کو آسمان میں جس طرح چاہے اور رکھتا ہے اُس کو تہ پر تہ پھر تو دیکھے مینہ نکلتا ہے اُسکے بیچ سے پھر جب اُس کو پہنچایا جس جگہ چاہے اپنے بندوں میں تبھی وہ لگے خوشیاں کرنے ۔

۱۳- اور تم کو چوپاؤں میں عبرت کی جگہ ہے پلاتے ہیں ہم تم کو اُسکے پیٹ کی چیزوں میں سے گوبر اور لہو کے بیچ میں سے دودھ ستھرا رچتا پینے والوں کو اور میووں میں سے کھجور کے اور انگور کے بناتے ہو اُس سے نشا اور روزی خاصی ۔

۱۴- اور حکم بھیجا تیرے رب نے شہد کی مکھی کو کہ بنائے پہاڑوں میں گھر اور درختوں میں اور جہاں چھتریاں ڈالتے ہیں پھر کھا ہر طرح کے میووں سے اور چل راہوں میں اپنے رب کی صاف پڑی ہیں ۔ نکلتی ہے اُنکے پیٹ میں سے پینے کی چیز جس کے کئی رنگ ہیں اس میں آزار چنگے ہوتے ہیں آدمیوں کے ۔

۱۵- اور اللہ نے نکالا تم کو تمہاری ماں کے پیٹ سے کچھ نہ جانتے تھے اور دیئے تم کو کان اور آنکھیں اور دل شاید تم احسان مانو کیا نہیں دیکھتے اُڑتے جانور حکم کے باندھے آسمان کی ہوا میں کوئی نہیں تھام رہا اُن کو اللہ کے سوا اس میں پتے ہیں اُن لوگوں کو جو یقین لاتے ہیں اور اللہ نے بنا دیئے تم کو تمہارے گھر بسنے کی جگہ اور بنا دیئے تم کو چوپایوں کی کھال سے ڈیرے جو ہلکے لگتے ہیں تم کو جس دن سفر میں ہو اور جس دن گھر میں ہو اور اُن کی اُون سے اور ببریوں سے اور بالوں سے کتنے اسباب اور برتنے کی چیزیں ایک وقت تک اور اللہ نے بنا دی تم کو اپنی بنائی چیزوں کی چھائیں اور بنا دی تم کو پہاڑوں میں چھپنے کی جگہ اور بنا دیئے تم کو کرتے جو بچاؤ ہیں گرمی کے اور کرتے جو بچاؤ ہیں لڑائی کے اسی طرح پورا کرتا ہے اپنا احسان تم پر شاید تم احسان مانو ۔

تستخفونھا یوم ظعنکم و یوم اقامتکم ومن اصوافھا واوبارھا واشعارھا اثاثاً ومتاعاً الی حین۔
واللہ جعل لکم مما خلق ظلاً وجعل لکم من الجبال اکناناً وجعل لکم سرابیل تقیکم الحر
وسرابیل تقیکم باسکم کذالک یتم نعمتہٗ علیکم لعلکم تشکرون۔ (نحل) +

۱۶۔ والانعام خلقھا لکم فیھا دفءٌ ومنافع ومنھا تاکلون ولکم فیھا جمال حین تریحون
وحین تسرحون۔ وتحمل اثقالکم الی بلد لم تکونوا بالغیہ الا بشق الانفس ان ربکم لرؤف
الرحیم۔ والخیل والبغال والحمیر لترکبوھا بزینۃ ویخلق لکم ما لا تعلمون۔ (نحل) +

۱۷۔ ولہ الجوار المنشاٰت فی البحر کالاعلام۔ (رحمان) +

۱۸۔ ولا اقسم بالخنس الجوار الکنس۔ (کورات) +

غرض کہ اسی طرح تمام قرآن میں نیچرل ہسٹری اور نیچرل تھیالوجی کے اصول کی مفصل کیفیتیں
اور مکرر اشارتیں ہیں مگر یونانیوں کی طبعی واٰتی کی نہیں بلکہ حقیقی باتوں کی اور نیز دیگر علوم حکمیہ کے
اشارے خصوصاً علم جیالوجی کے اصول پر کثرت سے حوالہ ہوا ہے مگر جن لوگوں نے اس علم
کا نام بھی نہ سنا ہو وہ اُس کے استنباط پر کیسے قادر ہو سکتے ہیں +

۱۴۔ (۲) دوسرا ایک عظیم الشان علم جو خاص مسلمانوں میں ایجاد ہوا وہ علم اسمار الرجال
ہے جس کو یونانی زبان میں بیوگرافی کہتے ہیں۔ Mahomedan Biographies. جس
کثرت سے مسلمانوں نے اس علم خاص پر توجہ کی اور جس وقت اور تلاش سے ہر ہر اہل علم اور
راویوں کے حالات ضبط کئے اور اُن کے مولد اور منشار کا بیان اور مزاج کی وقعت اور رائے
کے تغیرات اور عام ردیہ کے حالات کو ڈھونڈھا اور بڑی بڑی مجلد کتابوں میں قلمبند کیا۔ وہ
آج تک کسی قوم میں اور کسی مذہب میں نہیں ہوا +

ڈاکٹر اسپرنگر صاحب جن کی مہارت علوم عربیہ میں مشہور ہے اور بڑے صاحب نظر
تھے اُنھوں نے جب صاحبان کورٹ آف ڈائرکٹرس کی ہدایت اور کلکتہ ایشیا
ٹک سوسئٹی کے زیر اہتمام کتاب الاصابہ فی تمیز الصحابہ تصنیف علامہ شیخ ابن حجر
عسقلانی (مات ۸۰۰) چھاپنی شروع کی تو اُس کے دیباچہ میں بزبان انگریزی یہ مضمون لکھا۔ کہ

۱۶۔ اور چوپائے بنا دیئے تم کو اُن میں جڑاول ہے اور کتنے فائدے اور بعضوں کو کھاتے ہو اور تم کو اُن سے رونق ہے
جب شام کو پھیر لاتے ہو اور جب چراتے ہو اُٹھا لیجاتے ہیں بوجھ تمہارے اُن شہروں تک کہ تم نہ پہنچتے وہاں تک مگر جان توڑ کے بیشک تمہارا رب
بڑا شفقت والا مہربان ہے اور گھوڑے بنائے اور خچریں اور گدھے کہ اُن پر سوار ہو اور رونق ہو اور بناتا ہے جو تم نہیں جانتے +

۱۷۔ اور اُسکے ہیں جہاز اونچے کھڑے دریا میں جیسے پہاڑ +

۱۸۔ سو قسم کھاتا ہوں پیچھے ہٹ جانے سیدھے چلنے دبک جانے والوں کی +

مُسلمانوں کے علوم کی عزّت علم اسماء الرجال ہے نہ تو کوئی ایسی قوم گذری اور نہ کوئی اَب ہے جس نے مسلمانوں کی مانند بارہ سو برس کے عرصہ میں ہر ایک اہل علم کی حالات زندگی قلمبند کئے ہوں۔ اگر مسلمانوں کی کتب رجال جمع کی جاویں تو غالباً ہم کو پانچ لاکھ علماء مشاہیر کا تذکرہ ملجاوے اُنکی تاریخ میں کوئی قرن یا نامی جگہ ایسی نہیں ہے جس کا کوئی آدمی اس تذکرہ میں نہ ہو"۔ انتہی +

فن رجال میں تحقیق و تلاش کی ترقی ابن سعد کے زمانہ میں خوب ہوئی جس کی کتاب اسمار رجال و احوال رواۃ کے طبقات ابن سعد کے نام سے مشہور ہے۔ اور محمد بن اسمٰعیل بخاری اور ابن ابی خثیمہ نے اپنی اپنی تاریخوں میں اور ابن ابی حاتم نے کتاب الجرح والتعدیل میں عموماً راویوں کی بیوگرافی لکھی اور عجلی اور ابن حبان اور ابن شاہین نے ثقہ راویوں کو الگ چھانٹا اور ابن عدی اور پھر ابن حبان نے مجروح اور ضعیف راویوں کو جدا کیا۔ اور بعضوں نے خاص خاص کتب حدیث کے راویوں کے طبقات اُنکے موالید اور وفیات علیحدہ علیحدہ لکھے مثلاً ابی نصر الکلاباذی نے بخاری کے راویوں کو اور ابی بکر منجویہ نے مسلم کے راویوں کو اور ابی الفضل بن طاہر نے دونوں بخاری اور مسلم کے راویوں کو اکٹھا جمع کیا اور عبدالغنی المقدسی نے کل صحاح ستہ کے رایوں کو کتاب الکمال فی معروفۃ الرجال میں ضبط کیا اور پھر مزی نے اس کتاب کا خلاصہ کیا جس کا نام تہذیب الکمال ہے۔ اور علامہ ابن حجر عسقلانی نے اس کو خلاصہ کر کے اور اَور بہت کچھ اس پر زیادہ کر کے تہذیب التہذیب نام کی کتاب لکھی۔ اور فرقہ امامیہ میں بھی اس فن کی تدوین قدیم زمانہ سے ہوئی چنانچہ حسن بن علی بن فضال اور عبداللہ بن جبلہ نے (سنہ ۲۰۰) اسمار رجال میں کتابیں لکھیں اور حمید بن زیاد نینوی نے (سنہ ۳۰۰) رجال کی جرح و تعدیل میں کتاب لکھی اور محمد بن عیسٰی بن عبید بن یقطین نے بھی اس فن میں کتابیں لکھیں اور ایسے ہی شیخ محمد بن یعقوب کلینی اور شیخ صدوق محمد بن بابویہ قمی اور کشی اور نجاشی اور شیخ ابوجعفر طوسی نے کتابیں لکھیں اور متاخرین کی کتابیں مثل تصنیف علامہ حلی و تقی الدین بن داؤد و شیخ شہید ثانی اور اُنکے بعد فاضل محمد استرابادی و میر شرف الدین علی (صاحب کتاب ایجاد المقال) مشہور و معروف ہیں +

اور محققین اہل سنت میں متاخرین کی مشہور کتابیں مثل استیعاب ابن عبدالبر اور میزان الاعتدال فی نقد الرجال حافظ شمس الدین ذہبی کی اور نیز کاشف اور کتاب الضعفار المتروکین اور شیخ الاسلام محی الدین نووی کی کتاب تہذیب الاسما و تقریب اور امام ابن حجر عسقلانی کی تہذیب التہذیب و تقریب التہذیب و لسان المیزان اور اصابہ فی تمیز الصحابہ اور علامہ سیوطی کی تدریب الراوی شرح تقریب النواوی اور اَور کتابیں نامی اور مستند ہیں +

۴۲-(۳)-ایک اور علم جلیل الشان علم حفظ اسناد اور اصول درایت ہے۔ دوسری صدی ہجری سے مسلمانوں میں حدیثوں کے قلمبند کرنے اور روایتوں کو جمع کر کے لکھنے کا شوق ہوا اور بیسیوں تصنیفیں روایتوں کی جمع ہو گئیں اس لئے انکے تنقیہ

Preservation of traditions and their critical examination not to be found in any other nation.

اور راویوں کی جرح وتعدیل خوب ضبط اور تحقیق سے نہیں ہوئی حتی کہ اہل صحاح نے اس میں بڑا ضبط اور اہتمام کیا مگر متاخرین رجال کی نظر میں ان میں بھی بہت سے راوی متکلم فیہ اور مجروح نکلے ÷

البتہ جو طریقے اصول درایت کے قایم کئے اور جس طرح روایتوں کو اصطلاحی قسموں پر تقسیم کیا اُن سے اُن کی دقت نظر باریک بینی ذہانت اور عدم تقلید خوب ثابت ہے۔ ابتداء میں رامہرمزی نے ایک مختصر تصنیف فن درایت میں لکھی پھر حاکم نیشاپوری معروف بابن البیع نے معرفت حدیث میں کتاب لکھی اور پھر احمد بن عبداللہ ابو نعیم اصفہانی نے کتاب النہایۃ فن حدیث میں لکھی اور اور خطیب بغدادی نے جن کی شہرت اور تلقی بالقبول تمام علماء اسلام میں ظاہر ہے اس فن میں کتاب کفایۃ لکھی اور اَور کتابیں مثل شرف اصحاب الحدیث والسابق واللاحق والمتفق و المفترق والمؤتلف والمختلف وتلخیص المتشابہ وغنیۃ مقتبس فی تمیز الملتبس وتمیز متصل الاسانید وغیرہ ذلک تصنیف کیں اور جیسے کہ اپنے زمانہ میں خطیب تمام ایشیا میں بیمثل تھے۔ ایسے ہی انہیں کے معاصر فرنگستان میں (پانچویں صدی میں ہے۔) ابن عبدالبر صاحب کتاب الاستیعاب حافظ عصر تھے ÷

یہ علم سیاقت سلسلہ رواۃ کی تحقیق اور راویوں کی تفتیش مسلمانوں ہی سے مخصوص ہے یہودیوں و نصاریٰ میں احادیث اور روایتوں پر عمل رہا اور کتاب تالمود اور مشنا وغیرہ کتب یہود روایتو کے مجموعہ ہیں۔ ان میں سے مشنا کی روایتیں دوسری صدی عیسوی میں قلمبند ہوئیں۔ اور تالمود ہجرت سے سو برس بیشتر لکھی گئی مگر سلسلہ اسناد گویا کہ ندارد ہی ہے۔ چہ جائے ان میں وہ باریکیاں اور نازک خیالیاں اور خبر کے افادہ علم کرنے یا مفید یقین ہونیکے معقول قاعدے معلوم ہوئے ہوں ÷

۴۳-(۴)-ایک اور علم مہتم بالشان علم کلام ہے۔ یونانیوں میں علوم عقلیہ وحکمت کی اشاعت سن عیسوی سے پانچ یا چھ سو برس بیشتر ہو گئی تھی۔ اس لئے یہودیوں۔ عیسائیوں اور مسلمانوں

Grecian philosophy and its influence on the people of the Book.

کے مذہب پر یونانی فلسفہ کا کم وبیش ضرور اثر ہوا یہود کی دینی کتاب یعنی تورات میں تو اس کا کچھ اثر نہیں پایا جاتا کیونکہ اس کی تالیف یا تصنیف اس فلسفہ کی اشاعت سے سالہا سال بیشتر کی ہے البتہ مصریوں کے علوم وفنون کا تعلق تورات کے احکام سے اگر کوئی شوق کرے تو دریافت ہو سکتا

ہے۔ مگر یونانی فلسفہ کی اشاعت ہو جانے کے بعد یہود کے عقاید میں بہت کچھ فلسفیت آگئی تھی اور عیسائیوں نے تو اوّل و اجل عقاید کو اسی طرز پر قائم کیا اور حضرت یوحنا اور پولوس نے اور بطوس نے بھی شاید عموماً یونانیوں کی زبان اور علوم کی شہرت اور رواج سے خصوصاً فلو یہودی سرآمد فلاسفہ و جامع معقول و منقول کی معاصرت اور کچھ مصاحبت سے بھی تعدد قدما کا سا مسئلہ بالتخصیص لوگوس یعنی کلمہ کی ازلیت اور واجب الوجود سے اُس کی معیت ویسی ہی اعتقاد کر لی جیسی فلو یہودی فیلسوف اور یونانیوں نے کی تھی +

یہود میں علم حکمت و معقولات کا رواج حضرت داؤد اور سلیمان سے ہوا حضرت سلیمان کے رسالے حکمت کے مختلف علوم کے مدت سے محفوظ نہیں (علم حیوانات میں سے بالتخصیص علم منطق الطیر کا ذکر قرآن مجید میں بھی آیا ہے۔ یہ اُڑتے جانوروں کا علم ایک شاخ ہے نیچرل ہسٹری کی۔ اور منطق کا لفظ یونانی زبان کے لوجی کے مقابلہ میں ہے جس کے معنی ہیں علم جیسے جیولوجی۔ زولوجی۔ فزیولوجی میں اور اسی منطق الطیر اور دیگر علوم سلیمانی کا ذکر کتاب اسلاطین باب ۵ پسوق ۱۴ (نسخہ عبرانی) میں ہے۔ مگر بعد زمانہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے یہودیوں نے علوم حکمیہ میں بہت کم ترقی کی۔ قید کے زمانہ میں اُنہوں نے بہت سی نئی باتیں حاصل کیں اور بعد میں فلسفہ یونان میں سے بہت کچھ حق اور باطل باتیں حاصل کیں۔ اور کتاب حکمت سلیمان میں فلسفہ یونان بھرا ہوا ہے۔ اور بعد میں فلسفہ کو یہود میں بہت ترقی ہوئی۔ اور اسی فلسفہ کی بنا پر ان میں کئی فرقے مثلاً صدوقی۔ فریسی وغیرہ ہو گئے۔ اور حضرت عیسیٰ کے زمانہ میں فریسیوں میں بھی کئی فرقے اور ہو چلے تھے اور اسی زمانہ میں ہلل یہود میں اک حکیم اور فیلسوف اور شماعی (یونانی سمیاس شاید سمعون۔ لوق ۲ و ۲۵) اور گملیل (اعمال $\frac{5}{34}$ و $\frac{22}{3}$ شاید وہی جو اُستاد پولوس مقدس تھا) بہت نامی زبردست اور صاحب مذاہب تبعہ گذرے +

جب سے فلسفہ یونان یا کالدینیاں نے رواج پایا تھا یہودیوں نے روح کے تناسخ اور غیر فانی اور پہلے سے پیدا ہو چکنے کے مسئلہ کو تسلیم کر لیا تھا[۲]۔ پیروان فیثاغورص و امپیلقوس بلکہ افلاطون سے بھی مسئلہ تناسخ و تقدیم خلق ارواح کے[۳] ایجاد ہوئے۔ اُنہیں سے یہودیوں نے

---

۱ دیکھو تاریخ دویتہ الکبرا مصنفہ گبن باب ۴۷ +

۲ تناسخ کا سا مسئلہ حواریان مسیح کے اعتقاد میں بھی معلوم ہوتا ہے۔ دیکھو انجیل یوحنا $\frac{9}{2}$ +

۳ عالم ارواح کا مسئلہ یعنی سب روحیں آدمیوں کے پیدا ہونے سے پہلے پیدا ہو چکی تھیں مسلمانوں میں بھی آیا اس اعتقاد سے کچھ اُن کی الٰہیات میں خلل نہیں واقع ہوا کیونکہ اس کا اثر ذات الٰہی کے متعلق مسئلوں پر کم پہنچتا ہے مگر ہر چند کہ عوام یا متفلسفین نے اسے قبول کیا۱۱ محققین اسلام اور جامع معقول و منقول علما مثل سید مرتضیٰ علم الہدیٰ و امام غزالی نے

اوران سے عیسائیوں نے سیکھا اور اسی طور سے مسئلہ وجود اقنوم بیعنی کلمہ اس طرح پر کہ وہ عین ذات الٰہی اور قدیم ہے عیسائیوں نے فلسفہ یونان سے حاصل کر کے اپنے دینی عقائد کے مسئلوں میں شامل کر دیا حتیٰ کہ حواریوں کے زمانہ میں فلو یہودی فیلسوف جس طور کہ فلاسفہ یونان کے متبع لوگوس کا مسئلہ بیان کرتا تھا۔ بعینہٖ اسی طور پر حضرت یوحنا حواری نے جیسا کہ مشہور ہے اپنی انجیل کے دیباچہ میں (باب اول ۱-۱۴ ۵۱) اسے درج کیا۔ اس سے پایا گیا کہ فلسفہ کا بہت بڑا اثر یہودیوں اور علی الخصوص عیسائیوں پر ہوا۔ مگر مسلمانوں نے فلسفہ یونان کے مقابلہ میں علم کلام ایجاد کیا اور عمدہ عمدہ کتابیں اصول عقاید کی لکھیں۔ اور اُس کی تردید اور اور تطبیق میں کوشش کی +

۴۴۔ مسلمانوں میں علوم کی عموماً ترقی اور حکمت اور فلسفہ یونان کی تحصیل دوسری صدی سے شروع ہوئی +

Real piogress ol moslems in Sciences.

علامہ ذہبی نے ۱۴۳ھ کے بیان میں لکھا۔ شرع علماء الاسلام فی ھذا العصر فی تدوین الحدیث والفقہ والتفسیر فصنف ابن جریج بمکۃ ومالک الموطا بالمدینۃ والاوزاعی بالشام وابن ابی عروبہ وحماد بن سلمہ وغیرھما بالبصرۃ ومعمر بالیمن وسفیان الثوری بالکوفۃ صنف ابن اسحاق المغازی وصنف ابوحنیفہ رحمۃ اللہ الفقہ والرای ثم بعد یسیر صنف ھشیم واللیث وابن لھیعۃ ثم ابن المبارک وابو یوسف وابن وھب وکثر تدوین العلم وتبویبہ ودونت کتب العربیہ واللغۃ والتاریخ وایام الناس (تاریخ الخلفاء سیوطی) +

چیمبرس کے سائکلوپیڈیا میں ایک مختصر سی کیفیت اسلام میں ترقی علوم وفنون کے بیان میں لکھی گئی ہے اُس کا کچھ انتخاب یہاں نقل کیا جاتا ہے +

"۷۴۹ء میں خلفاء عباسیہ کے عہد میں علم ادب وفنون حکمت کا ظہور ہوا۔ اور المنصور (۷۵۴ء۔۷۷۵ء) کے ایام حکمرانی سے ہارون الرشید (۷۸۶ء۔۸۰۹ء) تک بڑی فیاضی سے ان کی تربیت ہوئی بہت سے ملکوں سے اہل علم طلب کئے گئے اور بادشاہانہ سخاوت سے اُن کی

بقیہ حاشیہ صفحہ ۸۱	اس سے انکار کیا اور عوام الناس جو سورہ اعراف کی (۱۰۱) آیت اور بعضی روایتوں سے جن کو

اصحاب مولود بہت پڑھتے ہیں اس پر غلط استدلال کیا تھا اچھی طرح پر اُسکے صحیح معنی ظاہر کئے ہیں چنانچہ سید مرتضیٰ نے کتاب درر وغرر میں اور امام غزالیؒ نے کتاب النفخ والتسویہ (المضنون بہ علی غیرہ) میں اُس کی تفصیل کی ہے +

۵۱ "ابتدا میں کلام تھا اور کلام خدا کیساتھ تھا اور کلام خدا تھا وہی ابتداء سے خدا کیساتھ تھا"۔ (انجیل یوحنا) مگر یاد رہے کہ نسخہ کلیمنس الکسندریانوس میں پہلی آیت یوں ہے ...... اور کلام خدا میں تھا...... پس حال کی عبارت سے جو تعدد قدما لازم آتا ہے جاتا رہتا ہے اور دوسری آیت ترجمہ قدیم اور معتبر نسخوں میں جو محققین گریسباخ اور ٹیشنڈارف نے مقابلہ کی پائی نہیں جاتی +

بہت کچھ داد و دہش کی گئی اہل یونان و شام و ایران قدیم کی عمدہ عمدہ کتابیں عربی میں ترجمہ ہو کر شستہ اور شائع ہوئیں۔ خلیفہ مامون نے (جس نے ۸۱۳ سے ۸۳۲ء تک سنطنت کی) سلطان روم کو ساڑھے بارہ من سونا اور ہمیشہ کی صلح اس شرط پر منظور کی کہ لیو فیلسوف کو اجازت دیجائے کہ چند عرصہ کے لئے وہ یہاں آ کر مامون کو فلسفہ و حکمت سکھلا جائے۔ فلسفہ حاصل کرنے کے لئے ایسے زر خطیر صرف کرنے کی بہت کم مثال ملیگی۔ اسی مامون کے زمانہ میں بغداد۔ بصرہ۔ بخارا اور کوفے میں بڑے بڑے مدرسوں کی بنا پڑی۔ اور اسکندریہ۔ بغداد اور قاہرہ میں عظیم الشان کتب خانے بنائے گئے۔ اسپین میں مدرسہ اعظم مقام قرطبہ کا بغداد کی علمی شہرت کی ہمسری کرتا تھا۔ اور عموماً دسویں صدی میں جہاں دیکھو وہاں مسلمان ہی علوم کے حافظ اور سکھلانے والے نظر آتے تھے۔ فرانس اور اَور ممالک فرنگستان کے طالب علم جوق جوق اُندلس کو آنے شروع ہوئے اور ریاضی اور طب عربوں سے سیکھنے لگے۔ اُندلس میں ۱۴ مدرسے اور ۵ بڑے بڑے کتب خانے جن میں سے حاکم کے کتب خانے میں ۴ لاکھ کتابیں تھیں جمع ہوئے۔ یہ کیفیت ترقی علم کی جبکہ اُس زمانہ سے ملائی جائے جو قبل زمانہ (محمد صلعم) گذرا تو ثابت ہوتا ہے کہ جیسا کہ عرب فتوحات میں سبقت کرتے تھے ایسے ہی ترقی علم میں بھی یہ لوگ تیز رفتار تھے +

"جغرافیہ۔ تاریخ۔ فلسفہ۔ طب۔ طبیعات اور ریاضی میں مسلمانوں نے بڑا ہی کام کیا۔ اور عربی الفاظ جو آب تک علوم حکمیہ میں بولے جاتے ہیں مثلاً الکحل عظیمہ زینہ نادر اور بہت سے ستاروں کے نام وغیرہ وغیرہ اس بات کی دلیلیں ہیں کہ یورپ کے اکتساب علوم پر قدیم سے مسلمانوں کو بہت دخل و تصرف ہوا۔ مگر بعد کے زمانے میں ان ہی جغرافیہ کا علم بہت کچھ یورپ کو حاصل ہوا۔ ایشیا اور افریقہ میں جغرافیہ کی بہت اشاعت ہوئی اور علم جغرافیہ میں پرانی عربی کتابیں اور سفر و سیاحت کے سارے تصنیفات ابو الفدا ادریسی لیو افریقانوس ابن بطوطہ ابن فضلان ابن جبیر البیرونی المنجم اور اَوروں کی تحریریں اَبتک مفید اور گرامی قدر ہیں" +

"علم تاریخ بھی محنت سے حاصل کیا گیا اور قدیم عربی مؤرخ جس کا حال ہم کو ملتا ہے محمد الکلبی ہے (جو ۸۱۹ء میں مر گیا) مگر اسی زمانہ میں اور کئی ایک مؤرخ گذرے اور دسویں صدی عیسوی کے شروع سے تو عرب نے علم تاریخ پر بہت توجہ کی اور جن لوگوں نے تمام جہان کی تاریخ لکھنے کا ارادہ کیا اُن میں اوّل مسعودی۔ طبری۔ حمزہ۔ اصفہانی اور ریطیکیوس بطریق اسکندریہ ہیں (مسعودی کی تاریخ کا نام مروج الذہب و معدن الجواہر ہے) ان کے بعد ابو الفرج اور جارج الماقین (اہر دو عیسائی) اور ابو الفدا وغیرہ ہیں۔ نویری نے جزیرہ سقلیہ کی تاریخ ایام سلطنت عرب کی لکھی۔ بہت سے ابواب عربی تاریخوں کے جن میں عیسائیوں کی جنگ مقدس کا بیان ہے فرانسیسی زبان میں ترجمہ ہوئے ہیں اور اُندلس میں مسلمانوں کی سلطنت کے حالات ابو القاسم قرطبی (مات ۱۱۳۹ء) تیمنی وغیرہ نے متعدد کتابوں میں لکھے ہیں جس کسی کو ان حالات کے دریافت کرنے کا زیادہ شوق ہو تو مقری کی تصنیفات

خصوصاً ان مہمیر کی کتابوں پر رجوع کرے"۔

"عرب کے فلسفہ کو جو یونانی الاصل تھا قرآن سے وہی نسبت تھی جو اوسط زمانے کے معقولات کو عیسائیوں کی کتب مقدسہ سے تھی یعنی فلسفہ کو دینیات کا خادم سمجھا جاتا تھا عربوں نے ارسطاطالیس کی تصنیفات کو بہت پڑھا اور اسپین میں اُس کی بڑی شہرت ہوئی اور بالآخر تمام فرنگستان میں عربی زبان سے لاطینی میں ترجمہ کے ذریعہ سے اس کی اشاعت ہوئی۔ گو عرب کو خود ہی عہد عباسیہ میں ترجمہ کے وسیلے سے حاصل ہؤا تھا منطق اور علم مابعد الطبیعۃ پر زیادہ توجہ ہوئی۔ اور مسلمانوں میں مشاہیر اہل فلسفہ یہ لوگ ہوئے ہیں۔ الکندی بصری جو نویں صدی عیسوی میں تھا۔ الفاریابی جس نے سنہ ۹۵۴ء میں اصول (؟) میں کتاب لکھی۔ ابن سینا (مات ۱۰۳۶ء) جس نے منطق اور علم مابعد الطبیعۃ اور طب کو جمع کیا اور علم کیمیا و تشخیص امراض اور شناخت ادویات نباتی میں بڑی ترقی کی۔ ابن یحییٰ جس کی تحقیق کی بڑی شہرت ہوئی۔ الغزالی (مات ۱۱۱۱) جس نے کتاب تہافۃ الفلاسفہ تصنیف کی۔ ابوبکر ابن طفیل (مات ۱۱۹۰) جس نے اپنے قصہ حی ابن یقظان (مطبوعہ پرکوک مقام اکسفورڈ سنہ ۱۶۷۱ء) میں انسانوں کا حیوانوں سے ظہور میں آنیکا مسئلہ بیان کیا۔ اور اس کا شاگرد ابن رشید جو ارسطاطالیس کے مفسر ہونے میں بڑا مشہور اور گرامی قدر تھا۔ ان لوگوں کا اور انکے مسلک کا بیان ثمونڈرس اور رٹر کی کتابوں میں مفصل ملیگا"۔

"بہت سے ان عرب فیلسوفوں میں طبیب بھی تھے ان کے علم خواص ادویہ میں مہارت کامل حاصل کرنے کو ہنبولٹ نے معلومات جغرافیہ سے منسوب کیا ہے۔ علم طب اس حیثیت سے کہ وہ ایک علم ہے عرب ہی کی ایجاد ہے۔ جن کو نہایت قدیم اور وسیع ماخذ یعنی ہندی طبیب شروع ہی سے مل گئے تھے معجون بنانے کی کیمیائی ترکیب عربوں نے ہی ایجاد کی۔ اور دواؤں کے مرکب کرنے اور نسخہ لکھنے کی ایجاد بھی انہیں سے ہوئی۔ اور مدرسہ سلرنو کے ذریعہ سے یہ علم فرنگستان جنوبی میں پھیل گیا۔ (دیکھو رسالہ کوس موس مصنفہ ہنبولٹ جلد ۲ صفحہ ۵۸۱ ترجمہ بوہن) دواسازی اور قرابادین کی وجہ سے علم نباتات اور کیمیا کی حاجت پڑی اور تین سو برس تک۔ یعنی ۸ سے ۱۱ صدی عیسوی تک کثرت سے ان علوم کی تحصیل ہوتی رہی۔ اور جندیسابور۔ بغداد۔ اصفہان۔ فیروزآباد۔ بلخ۔ کوفہ۔ بصرہ۔ اسکندریہ۔ قرطبہ وغیرہ میں فلسفہ اور طب کے مدرسے جاری ہو گئے۔ اور طبابت کے ہر ایک صیغہ میں بجز علم تشریح کے بڑی ترقی ہوئی۔ اس کے استثنا کی یہ وجہ ہے کہ قرآن میں اجسام کی تشریح منع کی گئی ہے (؟) علم طب میں یہ لوگ بڑے نامی مشہور ہوئے۔ ہارون الکندی ابی سینا[1] جس نے قانون لکھا اور ایک عرصہ

---

[1] قانون فی الطب عبرانی زبان میں بھی ترجمہ ہؤا۔ اور لاطینی زبان کا ترجمہ ۱۵۹۵ء میں چھپا اور اَور فلسفہ کے رسالے لاطینی زبان میں ترجمہ ہو کر سنہ ۱۴۹۰ و ۱۵۲۳ و ۱۵۶۴ء میں شہر وینس میں چھاپے گئے اور قانون کا عربی متن سنہ ۱۵۹۳ء میں روما میں چھاپا گیا۔ پچ غ

بلکہ اس فن میں یہی ایک کتاب درس میں رہی۔ علی بن عباس۔ اسحاق بن سلیمان۔ ابوالقاسم اور رُوشد[۵۱] جس نے طب کی تکمیل کی اور علی ابن عیسیٰ وغیرہم" +

"ریاضی میں اہل عرب نے بڑی ترقی کی اور الجبرِ والمقابلہ کو وسعت دی بغداد اور قرطبہ کے مدرسوں اور رصدگاہوں میں علم ہیئت کمال شوق سے پڑھا جاتا تھا الحسن نے علم مناظر و مرایا میں تصنیف کی۔ اور نصیر الدین طوسی نے اصول اقلیدس کا ترجمہ کیا جبر ابن عقلہ نے بطلیموس کے علم مثلث پر شرح لکھی اور نظام بطلیموسی کی کتاب مجسطی کو الحازنی (؟) اور سوجیوس نے ۱۲۰۳ء عیسوی میں ترجمہ کیا۔ اور دسویں صدی عیسوی میں الباتن نے زمین کے دائرہ عظیمہ کے ارتفاع پر نظر کی اور محمد بن جبر الباتی نے رفتار شمس کی دریافت کی۔ الپطراجیوس نے ثوابت کے بیان میں کتاب لکھی۔ اور ابوالحسن علی نے آلات علم ہیئت میں تصنیف کی"۔ انتہی

۴۵۔ اسلام کی علمی فیض بخشی دور و دراز ملکوں میں بھی ہوئی اور ممالک فرنگستان کے رہنے والے بھی مسلمانوں کی ترقی علوم سے بہرہ یاب ہوئے۔ فرنگستان کے عیسائیوں کو مسلمانوں کی وجہ سے عربی زبان اور عرب کے اخلاق و عادات کے علم سے بہت بڑا فائدہ دینی یہ ہوا کہ عہد عتیق کی کتابیں جن کی زبان عبرانی مدت سے متروک الاستعمال ہے۔ بہت سے مقامات پر عربی کی استعانت سے صاف صاف سمجھ میں آنی شروع ہوئیں۔ کیونکہ عہد عتیق میں بہت سے ایسے محاورات صرف ہوئے ہیں اور ایسے عادات کا بیان ہے جو اہل یورپ نہیں سمجھتے تھے مگر عرب میں اُنکا استعمال اور رواج تھا۔ مگر افسوس کہ یہاں کے مسلمان باوجود شدت احتیاج زبان عبری یا یونانی نہیں سیکھتے اور بڑے بڑے افضل الفضلا یہ نہیں جانتے کہ فارقلیط کس زبان کا لفظ ہے میں سمجھتا ہوں کہ ہمارے زمانہ کے اکثر علمائے دین اور نیز مفسرین سابقین چارم قرآن کے مضمون کو اس وجہ سے اچھی طرح نہیں سمجھ سکے کہ اُن کو یہود کی زبان اور رسوم و عادات مذہب و خیالات طریق معاشرت اور اُن کی کتب دینی پر اطلاع نہیں[۵۲] +

Literaty benefits of Isla to meet distant provinces.

ہنری لوئیس نے ہسٹری آف فلاسفی میں لکھا ہے۔ کہ

---

[۵۱] یعنی ابن رشد جن کا پورا نام ابوالولید محمد بن احمد بن محمد ابن رشد ہے۔ ولادت ۱۱۲۶ء مقام قرطبہ اور وفات ۱۱۹۸یا ۱۲۰۶ء میں۔ ابن رشد کی تصنیفات سے ترجمہ حکمت ارسطاطالیس اور طب میں کلیات مشہور ہیں۔ اور اکثر لاطینی میں ترجمہ ہوئی اور جرمن میں اصل بھی چھپی + چ غ

[۵۲] وارکعوا مع الراکعین (بقرہ ع ۵) کی تفسیر میں مفسرین متحیر ہیں اور بعضے بڑے مفسر لکھتے ہیں "لان الیہود لا رکوع فی صلوٰتہم" اور ایسا ہی تفسیر بیضاوی۔ معالم۔ کمالین وغیرہ میں ہے !!! +

مسلمانوں ہی کی وجہ سے یورپ میں علم اور فلسفہ پہنچا۔ اس امر خاص میں یورپ اُن کا ممنون احسان ہے اور اس سے بڑا احسان عرب کا یورپ پر یہ ہے۔ کہ اُن لوگوں نے علم ہندسہ اور ہیئت اور طب اور کیمیا میں بڑی کوشش کی اور اُنہیں کی بدولت اسپین سے فرانس ہو کر فرنگستان میں علم پھیلا[1] +

اورینٹل ٹرانسلیشن کمیٹی کی اول تجویز میں اس امر کا اعتراف ہے کہ شاید عربوں اور فارسیوں سے زیادہ کسی قوم میں علم تاریخ و تذکرہ و فن بدیع کے ذخیرہ جمع نہیں ہیں اُن کی تاریخوں اور تذکروں کی کتابیں جن میں اُن کے اردگرد کے ملکوں کے حالات لکھے ہیں وہی کتابیں اصلی ماخذ ہیں اُن ملکوں کی تاریخ اور نامی اشخاص کے تذکرہ کی۔ اُن کی تاریخیں جنگ مقدس کے بیان کی جن میں صحیح صحیح حالات لکھے ہوئے ہیں اُن کے پڑھنے میں ہر ایک پڑھنے والے کا دل لگیگا اور اہل تاریخ کو اُن سے بڑی مدد ملیگی۔ فن ادب اور خصوصاً قصص و حکایات میں تو کوئی اُن سے بڑھکر نہیں ہوا اور جو کچھ ایسی کتابیں فرنگی زبانوں میں ترجمہ ہوئی ہیں اُن کے پڑھنے سے افسوس آتا ہے کہ ایسی کتابیں جن سے ایسی مسرت حاصل ہوتی ہے بہت کم ترجمہ ہوئی ہیں۔ اور فی الحال ہم کو کیسی ہی فضیلت ایشیا کے علوم و فنون پر حاصل ہو مگر جہاں سے ہم نے اپنے مبادی علوم کو حاصل کیا تو اُسکا دریافت کرنا بے سود نہ ہوگا۔ اس نسبت میں ہم کو تسلیم کرنا چاہئے کہ ایشیا کی زمین فرنگستان کی بڑی بہن اور معلمہ ہے۔ اور اگرچہ وحشیوں کے ایک گروہ نے اُسکے ملک غرب و شمال سے سیلاب کی مانند پھیل کر کے اُس کی روشنی کو بجھا دیا مگر تو بھی ہم لوگ غرناطہ قرطبہ اور سیویل کی مسلمان سلطنتوں کے ممنون احسان ہیں جنہوں نے پھر علم کی روشنی قایم کی۔ کیونکہ یورپ نے بہت سے وہ علوم و فنون جواب اُس نے بڑے اعلےٰ درجہ پر پہنچائے ہیں ابتدا ہیں وہیں سے حاصل کئے تھے۔ ریاضی اور طب کی ایشیائی تصنیفوں سے تو اب شاید کچھ علم نہ حاصل ہو مگر جبکہ یونانیوں سے علم جاتا رہا تھا تو خلفاء کے عہد میں ان علوم کی ترقی کا نشان پانا علم کے شایق کو بے مذاق نہ معلوم ہوگا کیونکہ یونان کی مشہور کتابیں خلفاء بغداد نے عربی میں ترجمہ کرائی تھیں تو کچھ بعید نہیں کہ یونانیوں کی بعضی مفقود کتابیں اب عربی لباس میں پائی جاویں۔ الخ

یہ سب کیفیت ترقی کی مسلمانوں کی چند صدیوں تک رہی مگر فقہا کی کثرت اور فقہ میں بیحد توغل ہونے سے وہ ترقی رُک گئی اور زوال شروع ہو گیا۔ اور اب اس اخیر زمانہ میں جہل اور اُس کی وجہ سے نکبت اور فلاکت مسلمانوں کے نصیب حال ہوئی جس طرح پر کہ متقدمین مسلمانوں نے حکمت قدیم اور فلسفہ یونان کی تحصیل علم و تحقیق میں جودت اور ذہانت دکھلائی اور اپنے

All this culture of early ages of Mohamedanism presents a strong contrast to the ignorance which now prevails among them.

---

[1] پرچہ تہذیب الاخلاق جلد ۴ صفحہ ۱۴۲ +

اصول عقاید سے اُسکی تطبیق یا تردید کرنے میں ناموری حاصل کی اسی طرح واجب اور لازم تھا کہ متاخرین اہل اسلام بھی حکمت جدید اور فلسفہ مجددہ کو حاصل کر کے اپنی فضیلت اور اسلام کی حقیقت تمام دنیا پر ظاہر کرتے کیونکہ ان دونوں علوم جدیدہ کی تحصیل بہت آسان ہے اور نیز حکمت جدید مذہب اسلام کی موید اور مصدق ہے اور فلسفہ فرنگ میں وہ دقتیں جو فلسفہ بحثیہ قیاسیہ میں تھیں نہیں ہیں اور فلسفہ شہودیہ جس کی بنا عیان و شہود پر ہے بہت مفید اور کارآمد ہے +

اس زمانہ میں بعضے دور اندیش دردمند اور مستعد مسلمانوں نے یورپ کے علوم جدیدہ کا اکتساب اور علوم اسلامی سے اُس کی تطبیق دینی چاہی ہے اور طرز معاشرت اور شایستگی عادات وطرز تحریر اور طریق تعلیم میں یورپ کا تتبع اختیار کیا ہے چنانچہ میکائیل صباغ شامی

Modern writers have attempted to imitate European forms of thoughts and tentiments.

جن کی کتاب بزبان عربی و فرانسیسی پاریس (۱۸۰۵ء) میں چھپی اور شیخ رفاعۃ القاہری جن کی متعدد تصنیفات نئی طرز پر قاہرہ اور پاریس میں منطبع ہوئیں اور اُن میں ایک کتاب تلخیص الابزیز فی تلخیص الباذیز ہے جس میں فرانس کے سیر و سفر کا حال لکھا ہے اور سیف افندی بیروتی جس نے ڈی ساسی کے چھاپے ہوئے مقامات حریری (۱۸۴۸ء) پر محققانہ نظر کی اور جنرل خیر الدین احمد وزیر مملکت ٹونس (تونس)، جن کی کتاب اقوام المسالک فی احوال الممالک کا اردو ترجمہ بھی یہاں مشہور ہونے والا ہے اور شیخ احمد افندی جن کی کتاب کشف المخبا عن فنون اوربا جس کی نواب لفٹنٹ گورنر بہادر ممالک مغربی و شمالی نے کتب درسیہ میں داخل ہونے کی تجویز کی ہے۔ اور مولوی کرامت علی صاحب جونپوری متولی امام باڑہ محسنیہ ہوگلی صاحب رسالہ ماخذ علوم معہ ضمیمہ عمدہ مصنفین ہیں۔ اور مولوی مہدی علی صاحب کی فرزانہ اور دردمند تقریریں اور حکیمانہ تحریریں مسلمانوں کی دردانگیز حالت پر نہایت مرتبہ پُر تاثیر ہوتی ہیں خصوصاً جناب مولوی سید احمد خاں بہادر کی کوششیں جو مختلف طور سے بانحاء شتیٰ مسلمانوں کی خراب حالت اور نکبت و فلاکت اصلاح اور درستی اور علوم جدیدہ کی اشاعت اور حمایت اسلام میں برابر کوکار آرہی ہیں اُنھوں نے اکثر مخالف اور موالف کے پژمردہ بلکہ مردہ دلوں میں تحریک پیدا کر دی اور ہندیوں کے تنگ و تاریک خیالات کو حقیقی نور کی آبیاری سے ترو تازہ کرنیکا سامان کیا اور بالتخصیص مدرسۃ العلوم المسلمین کی بنیاد ڈالنا ہمارے دین اور دنیا کی آرایش اور آسایش کا سرچشمہ ہے +

۴۷۔ یہ مختصر تحریر اسلام کی دنیوی نعمتوں کے بیان میں جیسی کہ مفصل اور متین چاہئے تھی نہیں ہوسکی اور اور بہت سے محاسن ملی و مدنی اور اخلاق اور معاشرت کی خوبیاں جو اسلام کی وجہ سے مسلمانوں میں پھیلیں وہ

A brief review of the positive benefits produced by Islam on the moral and political society and in private life shows that it is of heavenly origin, and a blessing to the world.

اچھی طرح سے تحریر میں نہیں آسکیں اور جو فائدے غیر قوموں اور دور دراز کے ملکوں کو اسلام کے نور سے حاصل ہوئے اُن کا بھی استقصاء اس تحریر میں نہیں ہو سکا کیونکہ ان سب مضامین کے لئے ایک ضخیم کتاب اور اُس کے لئے بہت بڑا سامان چاہیئے اور نیز حوالوں اور سندوں کے بیچ میں آپڑنے سے سلسلۂ کلام اور تقریر کے نظام میں خلل پڑجاتا ہے۔ مگر تاہم جس قدر اسلام کی خوبیاں اور اُسکے اثر بین بدیہی نتیجے ہم نے بیان کئے ہیں اُن سے ثابت اور ظاہر ہے کہ جماعت اور قوم کے تمدن اور اخلاق پر اور نیز شخصی تہذیب اور تزکیہ میں اسلام کی جو تاثیر ہوئی اور جو اصلاح اس کی مدنظر رہی وہ اُسکے منجانب اللہ ہونے کی مضبوط دلیل ہے اور ہمیں خوب معلوم ہے کہ کسی فیلسوف کی حکمت یا کسی مزور کی جھوٹی باتیں ایسی الٰہی تاثیر اور عام اصلاح نہیں پیدا کرسکیں +

اس تقریر کو میں اس شہادت پر ختم کرتا ہوں جو افضل العلماء ریورینڈ راڈویل صاحب نے قرآن کے حق میں لکھی ہے۔ ہر چند کہ وہ اس پر تجویز خونریزی و غلامی وغیرہ کے غیر صحیح الزامات لگاتے ہیں مگر اُسکے کریمانہ اخلاق اور حکمت بالغہ کو تسلیم کرتے ہیں اور بالآخر لکھتے ہیں کہ "عرب کے سیدھے سادھے بھیڑیاں چرانے والے خانہ بدوش بدو لوگ ایسے بدل گئے جیسے کسی نے سحر کر دیا ہو۔ وہ لوگ مملکتوں کے بانی مبانی اور شہروں کے بنانے والے اور جتنے کتبخانہ اُنھوں نے خراب کئے تھے[۹۱] اُن سے زیادہ)

[۹۱] معلوم نہیں مصنف نے کس حادثہ پر اشارہ کیا ہے۔ لوگوں کے ذہن اسی طرف جاوینگے کہ اسکندریہ کے کتبخانہ کی ویرانی جو عمرو بن العاص کے ہاتھ سے خلیفہ ثانی کے حکم سے ہوئی۔ مگر اہل یورپ میں اب تو یہ عام رائے ہے کہ یہ قصہ دروغ محض اور بے بنیاد ہے۔ چیمبرس کے انسائیکلوپیڈیا جلد ایک میں اسکندریہ کے کتب خانہ کے بیان میں لکھا ہے کہ متعصب عیسائیوں کے ایک گروہ نے بسرکردگی آرک بشپ تھیوفلیس حملہ کر کے ۳۹۱ء میں جوپیٹر سراپیس کے بُت خانہ کو ڈھا دیا اور غالباً وہاں کے علمی خزانہ یعنی کتب خانہ کو بھی برباد کیا۔ اور یہ اُس وقت میں ہوا۔ کہ کتب خانہ کی تباہی شروع ہوئی نہ کہ ۶۳۲ء میں عرب کے ہاتھوں سے خلافت عمر رضی اللہ عنہ میں۔ وہ قصہ جس میں یہ ہے کہ عربوں کو بہت سی کتابیں جو چھ مہینے تک حمام گرم کرنے کے لئے کافی ہوں وہاں مل گئی تھیں۔ سخریہ کے طور پر مبالغۃً بیان کیا گیا ہے۔ مورخ اروسیوس جس نے اس مقام کو بعد اس کہ عیسائیوں نے اُسے خراب کر ڈالا تھا ملاحظہ کیا لکھتا ہے کہ اُس نے اُس وقت کتب خانہ کی صرف خالی الماریاں دیکھیں +

مسلمانوں میں تاریخی واقعات میں تسامح اور مساہلت بہت ہوئی ہے اس وجہ سے بے تکے اُڑجاتے ہیں شاید اس قصہ کی ابتدا عبداللطیف (۱۱۶۲۔۔ ۱۲۳۱ء) صاحب تاریخ مصر سے ہوئی ہو اسکے بعد ابوالفرجیوس (۱۲۲۶-۱۲۸۲) عیسائی مورخ ارمنی اُسقف کے ذریعہ سے بہت شہرت ہوئی اور احمد المقریزی القاہری (۱۳۶۰-۱۴۴۲) اور ابن خلدون وغیرہ مورخوں نے معتقدانہ نقل کیا۔ مگر یوطیکیوس مصری بطریق اسکندریہ (۸۷۶۔۔ ۹۴۰ء) اور جارج المسین مصری مورخ (۱۲۲۳-۱۲۷۳ء) ان دونوں عیسائی قدیم وجدید مورخوں نے اور شاہ اسمٰعیل ابوالفدا (۱۲۷۳-۱۳۳۱ء) ۔۔

کتب خانوں کے جمع کرنے والے ہو گئے۔ اور فسطاط۔ بغداد اور قرطبہ اور دلی کے شہروں کو وہ قوت ہوئی۔ کہ عیسائی یوروپ کو کپکپا دیا۔ اور قرآن کی قدر ہمیشہ اُن تبدیلیوں کے اندازہ سے ہونی چاہیئے جو اُس نے اپنے (طوعاً یا کرہاً) ماننے والوں کے عادات اور اعتقادات میں داخل کیں۔ بت پرستی کے مٹانے۔ جنّات اور مادیات کے شرک کے عوض اللہ کی عبادت قائم کرنے اطفال کُشی کی رسم کو نیست و نابود کرنے۔ بہت سے توہمات کو دور کرنے اور ازواج کی تعداد کو گھٹا کر اُس کی ایک حد معیّن کرنے میں قرآن بیشک عربوں کے لیئے برکت اور قدوم حق تھا گو عیسائی مذاق پر وحی نہ ہو۔ اور جبکہ ہر ایک عیسائی کو بالضرور اس امر پر افسوس ہوگا کہ مسلمان فتحمندوں نے بہت سے پھولے پھلے مشرقی کلیسے ڈھادیئے مگر اُسی وقت اس بات کو نہ بھولنا چاہیئے کہ یورپ نے منطق فلسفہ کا علم۔ طبابت اور فن عمارت عربوں ہی سے حاصل کیا۔ اور مسلمانوں نے عیش و عشرت کے بہت سے سامان اور مفید چیزوں کو ایک ملک سے دوسرے ملک کو لیجانے میں مشرق اور مغرب کے قلابہ ملادیئے ہیں" (دیباچہ ترجمہ قرآن صفحہ ۴۲ مطبوعہ ۱۸۶۱ء) +

ہاجرہ

الحجة الظاهرة فی حریة الهاجره

سوال

حضرت ہاجرہ اُمّ اسمٰعیل علیہ السلام کا لونڈی ہونا کسی حدیث صحیح مرفوع متصل سے جس کے راوی بھی مجروح نہ ہوں ثابت ہے یا نہیں اور اگر ثابت نہیں ہے تو جو روایات اس باب میں ہیں اُن کا ماخذ کہاں سے ہے۔ آیا یہود سے یا صاحب الوحی علیہ السلام سے۔ اور وہ روایتیں اس درجہ کی ہیں کہ بموجب اصول اسلام اُن سے حضرت ہاجرہ کا لونڈی ہونا تسلیم ہو سکتا ہے یا نہیں +

سید احمد

بنارس۔ ۲۴ مارچ ۱۸۷۵ء

بقیہ حاشیہ صفحہ ۸۸ | مسلمان مورخ اور نیز اوروں نے اس امر کا ذکر نہیں کیا۔ اور اوڈارڈ گبن (۱۷۳۷-۱۷۹۴ء) اور الکسندر ہمبولٹ جرمنی نے بڑی قوت سے اس کا انکار کیا ہے (دیکھو تاریخ رومیہ جلد ۲ صفحہ ۳۳۶ مطبوعہ ۱۸۶۲ء) (اور جلد ۲ کتاب کاس موس صفحہ ۵۸۲ ۱۸۶۴ء) +

مجھے ایک حیرت ہے کہ جبکہ کتب خانہ اسکندریہ ۶۳۲ میں جل گیا تھا تو نسخہ قدکس اسکندریہ جو قبل ہجرت کا لکھا ہوا کہلاتا ہے کیونکر بچ رہا ہوگا۔ ج ع +

جواب

(۱)۔ کوئی حدیث صحیح مرفوع ایسی نہیں ہے جس میں حضرت ہاجرہ اُمّ اسمٰعیل علیہ السّلام کو لونڈی یا سریہ یا ملکت یمین کہا ہو۔

(۲) صحیح بخاری و مسلم میں حضرت ہاجرہ کی نسبت ایک روایت ہے وہ بھی جناب پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم سے نہیں ہے بلکہ حضرت ابوہریرہؓ سے ہے۔

۱۔ بخاری نے کتاب البیوع باب شراء المملوک من الحربی وھبتہ وبیعہ میں روایت کی ہے۔

حدثنا ابو الیمان اخبرنا شعیب حدثنا ابو الزناد عن الاعرج قال ابو سلمہ قال ابو ھریرہ ارجعوھا الی ابراھیمؑ اعطوھا ھاجرہ فرجعت الی ابراھیم فقالت اشعرت ان اللہ تعالیٰ کبت الکافر واخدم ولیدۃ

حدیث کی ابو الیمان نے کہ خبر دی مجھکو شعیب نے کہ حدیث کی مجھ سے ابو الزناد نے اعرج سے کہا ابو سلمہ نے کہا ابوہریرہ نے لوٹاؤ سارہ کو ابراہیم کے پاس اور دو اُس کو ہاجرہ پھر آئی سارہ ابراہیم کے پاس پھر کہا جانا تم نے کہ اللہ تعالے نے ناکام کیا کافر کو اور خدمت کو دی لڑکی۔

یہ روایت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ پر موقوف ہے۔

۲۔ صحیح بخاری کتاب البیوع باب قبول الھدیۃ من المشرکین میں ہے۔

قال ابو ھریرہ عن النبي صلی اللہ علیہ وسلم ھاجرہ ابراھیم الخلیل بسارۃ فدخل قریۃ فیھا ملک او قال جبار فقال اعطوھا ھاجرہ الخ

کہا ابوہریرہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ ہجرت کی ابراہیم خلیل نے ساتھ سارہ کے پھر آئے ایک شہر میں اُس میں تھا ایک بادشاہ یا کہا ایک ظالم (یہ شک راوی کا ہے) پھر کہا دو سارہ کو ہاجرہ۔ الخ

یہ روایت بلا اسناد ہے۔

صحیح بخاری کتاب الانبیاء باب قول اللہ تعالیٰ واتخذ اللہ ابراھیم خلیلاً میں ہے۔

حدثنا محمد بن محبوب حدثنا بن زید عن ایوب عن محمد عن ابی ھریرہ قال لم یکذب ابراھیم الا ثلث

روایت کی محمد بن محبوب نے کہ نقل کی مجھ سے بن زید نے ایوب سے اس نے محمد سے اور اُس نے ابوہریرہ سے کہا

كذبات اثنين منهن في ذات الله عز وجل
قوله اني سقيم وقوله بل فعله كبيرهم هذا
وقال بينا هو ذات يوم و سارة اذ اتى على
جبار من الجبابرة فقيل له ان ههنا رجلا معه
امرأة من احسن الناس فارسل اليه فسأله
عنها فقال من هذه قال الخليل اختي فقال
الخليل لسارة ليس على وجه الارض مومن
غيري وغيرك وان هذا سألني عنك فاخبرته
انك اختي فلا تكذبيني فارسل اليها فلما دخلت
عليه ذهب يتناولها بيده فاخذ فقال لها ادعي الله
لي ولا اضرك فدعت الله فاطلق ثم تناولها الثانية
فاخذ مثلها او اشد فقال ادعي الله و لا
اضرك فدعت الله تعالى فاطلق فدعا بعض
حجبته فقال انكم لم تاتوني بانسان
انما اتيتموني بشيطان فاخدمها هاجرة
فاتته وهو قائم يصلي فاوماء بيده مهيم
فقالت رد الله كيد الكافر والفاجر في نحره
واخدم هاجرة قال ابو هريرة تلك
امكم يا بني ماء السماء ۔

نہیں جھوٹ بولا ابراہیم نے مگر تین جھوٹ
دو ان میں سے تو صرف اللہ عز و جل کے ہیں
کہنا ابراہیم کا میں بیمار ہوں اور کہنا اُن کا بلکہ کیا
ہے یہ اُن کے اس بڑے نے اور کہا جبکہ وے
ایک دن ساتھ سارہ کے آئے ایک ظالم کے
پاس ظالموں سے پھر کہا گیا ظالم سے کہ یہاں
ایک آدمی ہے اُس کے ساتھ ایک عورت
اچھی ہے سب آدمیوں سے پھر بھیجا ظالم نے
ابراہیم کے پاس اور پوچھا سارہ سے کہ کون ہے
یہ کہا خلیل نے میری بہن ہے پھر کہا خلیل نے
سارہ کو نہیں ہے زمین پر مومن سوا میرے
اور تیرے اور اس ظالم نے پوچھا مجھ سے تجھ کو
پس خبر دی ہے اس کو میں نے کہ تو میری بہن
ہے پس مت جھٹلائیو تو مجھ کو پھر بھیجا ظالم
نے سارہ کے پاس جب آئی وہ اُس کے
پاس گیا کہ پکڑنے لگا سارہ کو اپنے ہاتھ سے
پس جکڑا گیا پھر کہا سارہ سے دعا کر اللہ سے
میرے لئے اور نہ تکلیف دونگا تجھ کو پس دعا
کی پس کھولا گیا پس پکڑنے لگا ان کو دوسری
مرتبہ پس جکڑا گیا ویسا ہی یا اس سے بھی سخت پس کہا دعا کر تو اللہ سے اور نہ تکلیف دونگا تجھکو
پس دعا کی اللہ سے پس کھولا پھر بلایا اپنے دربانوں میں سے پھر کہا تم نہیں لائے میرے پاس آدمی
تم لائے میرے پاس شیطان کو پھر خدمت کیلئے دی سارہ کو ہاجرہ پھر آئی سارہ اور ابراہیم کھڑے نماز پڑھتے
تھے پس اشارہ کیا اپنے ہاتھ سے کہ کیا حال ہے پھر کہا لوٹایا اللہ تعالےٰ نے مکر کافر اور فاجر کا اُسی کے
اور خدمت کو دی ہاجرہ کہا ابوہریرہ نے یہ ہے تمہاری ماں اے عرب والو ۔

یہ روایت بھی مرفوع نہیں ہے ۔

۴۔ صحیح بخاری کتاب النکاح باب اتخاذ سراری وثواب من اعتق
جاریۃ ثم تزوجہا میں ہے ۔

حدثنا سلیمان بن حماد بن زید عن ایوب عن محمد عن ابی ھریرۃ لم یکذب ابراھیم الا ثلث کذبات بینما ابراھیم علیہ السلام مر بجبار و معہ سارۃ فذکر الحدیث فاعطاھا ھاجرۃ قالت کف اللہ ید الکافر واخدم منی ھاجرۃ قال ابو ھریرۃ فتلک امکم یا بنی ماء السماء +

حدیث کی سلیمان بن حماد نے زید سے اُس نے روایت کی ایوب سے اُس نے محمد سے اور اُس نے ابوہریرہ سے کہ نہیں جھوٹ بولا ابراہیم نے مگر تین جھوٹ جبکہ ابراہیم علیہ السلام گذرے ظالم پر اور اُن کے ساتھ تھی سارہ پس ذکر کی ساری حدیث پھر دی سارہ کو ہاجرہ کہا روکا اللہ تعالٰے نے ہاتھ کافر کا اور خدمت کو دی ہاجرہ کہا ابوہریرہ نے۔ پس یہ ہے تمہاری ما اے عرب والو +

یہ روایت ابوہریرہ پر موقوف ہے +

۵۔ صحیح بخاری کتاب الاکراہ باب اذا استکرھت المراۃ علی الزنا میں ہے +

حدثنا ابو الیمان اخبرنا شعیب حدثنا ابو الزناد عن اعرج عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ھاجر ابراھیم بسارۃ ودخل بھا قریۃ فیھا ملک من الملوک او جبار من الجبابرۃ فارسل الیہ ان ارسل بھا فارسل بھا فقام الیھا فقامت توضی وتصلی فقالت اللھم ان کنت امنت بک وبرسولک فلا تسلط علی الکافر فغط حتی رکض برجلہ +

حدیث کی مجھ سے ابوالیمان نے کہ خبر دی مجھ کو شعیب نے کہ حدیث کی مجھ سے ابوالزناد نے اعرج سے اس نے ابوہریرہ سے کہا۔ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے۔ ہجرت کی ابراہیم نے ساتھ سارہ کے اور آئے شہر میں اُس میں تھا بادشاہ باوشاہوں سے یا ظالم ظالموں سے پھر بھیجا اُس نے ابراہیم کے پاس کہ بھیج دے سارہ کو پھر بھیجا سارہ کو اور کھڑے ہوئے ابراہیم سارہ کے پاس پس کھڑے ہو کر سارہ نے وضو کیا اور نماز پڑھی پھر کہا اے خدا اگر ایمان لائی ہوں میں تجھ پر اور تیرے رسول پر پس مت قابو دے مجھ پر کافر کو پس ڈالا گیا یہاں تک کہ پیر مارنے لگا +

یہ روایت مرفوع ہے الّا اس میں ہاجرہ کے سارہ کو دیئے جانیکا ذکر نہیں ہے +

۶۔ صحیح مسلم کتاب الفضائل باب فضائل ابراھیم الخلیل میں ہے +

حدثنا ابو الطاھر قال انا عبد اللہ ابن وھب قال اخبرنی جریر بن حازم عن ایوب السختیانی عن محمد بن سیرین عن ابی ھریرۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

حدیث کی ابوطاہر نے کہا خبر دی مجھکو عبداللہ بن وہب نے کہا خبر دی مجھکو جریر بن حازم نے ایوب سختانی سے اس نے محمد بن سیرین سے اس نے ابوہریرہ سے کہ رسول خدا صلی اللہ

قال لم یکذب ابراهیم النبی قط الا ثلثة کذبات فاعطاها هاجرة فاقبلت تمشی فلما راها ابراهیم علیه السلام انصرف فقال لها مهیم قالت خیرا کف الله ید الفاجر واخدم خادما قال ابوهریرة فتلك امکم یا بنی ما السماء +

علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں جھوٹ بولا ابراہیم نبی نے مگر تین جھوٹ ۔ پھر دی سارہ کو ہاجرہ پھر چلی آئی سارہ جب دیکھا ان کو ابراہیم نے پھر ی۔ پھر کہا کیا حال ہے کہا اچھا روکا اللہ تعالیٰ نے ہاتھ فاجر کا اور خدمت کو دی خادم کہا ابوہریرہ نے یہ ہے تمہاری ماں اے عرب والو +

(۳)۔اب یہ امر تحقیق طلب ہے کہ یہ روایت مرفوع ہے یا موقوف ہے ہم کہتے ہیں کہ یہ روایت صرف حضرت ابوہریرۃ تک موقوف ہے +

(۱) بخاری کی سب سندی روایتوں میں حضرت ہاجرہ کے سارہ کو دیئے جانے کی روایت ابوہریرۃؓ تک ہے (۲) اس کے سوا ابن سعد کی روایت طبقات کبیر میں (۳) اور حافظ ابونعیم کی روایت میں بھی وقف ہے (۴) اور حمیدی صاحب جمع بین الصحیحین نے اسی پر جزم کیا ہے کہ صحیح یہی ہے کہ یہ روایت موقوف ہے (۵) اور علامہ ابن حجر نے اسی کو صواب یعنی صحیح اور درست قرار دیا ہے (۶) اور عبدالرزاق کی روایت میں معمر سے بھی وقف ہے +

قسطلانی نے شرح بخاری میں یہ لکھا ہے (جلد ۵ صفحہ ۲۷۹) +

ولم یصرح برفعه فی روایة حماد بن زید الی رسول الله علی المعتمد الموفق لروایة والنسفی وکریمة کما رواه عبد الرزاق عن معمر

نہیں تصریح کی گئی اسکے مرفوع ہونیکی روایت حماد میں رسول اللہ تک اوپر معتمد کے جو موافق ہے روایت کریمہ اور نسفی کے جیسا کہ روایت کیا عبدالرزاق نے معمر سے +

(اور جلد ۸۔ صفحہ ۱۳)

کذا ورد موقوفا للکریمة والنسفی وکذا عند ابی نعیم وجزم به الحمیدی قال الحافظ بن حجر واظنه الصواب فی روایة حماد عن ایوب +

ایسا ہی آیا ہے موقوف کریمہ اور نسفی کی روایت میں اور ایسا ہی نزدیک ابونعیم کے اور اُسی کا یقین کیا حمیدی نے کہا حافظ بن حجر نے مجھ کو گمان غالب ہے کہ وقف ہی صواب ہے روایت حماد میں ایوب سے +

البتہ جریر بن حازم نے ایوب سے جو روایت کی ہے اُس نے مرفوع کر دیا ہے مگر بخاری نے حماد کی روایت کو ترجیح دی ہے اور جریر بن حازم کی روایت قبول یا نقل نہیں کی +

علامہ قسطلانی نے مقام مذکور پر لکھا ہے +

وان ذٰلك هو السر فی عدم ابراد
سروایۃ ابن جریر مع کونہا نازلۃ +

اور یہی بھید ہے نہ لانے روایت ابن جریر
میں باوجود ہونے روایت حماد کے اُتری ہوئی +

صحیح مسلم میں جو روایت مرفوع ہے اس کا راوی ایوب سے جریر بن حازم ہے اور وہی
روایت ایوب سے حماد نے موقوف نقل کی ہے اور حماد جریر سے اثبت ہے یعنی زیادہ تر ثابت ہے
چنانچہ علامہ قسطلانی نے (جلد ۵ صفحہ ۱۸۱) لکھا ہے +

قال الدار قطنی حماد اثبت من جریر +

کہا دار قطنی نے حماد ثابت زیادہ ہے جریر سے +

البتہ نسائی اور بزار اور ابن حبان نے ہشام بن حسان کی روایت میں اور ابی نور صیلی
اور ابن عساکر نے اس کو مرفوع کر دیا ہے مگر یہ ثابت ہوا ہے کہ اہل تحقیق کے نزدیک یہ روایت
موقوف ہے اور کسی روایت موقوف کا مرفوع کر دینا تو راویوں کا ایک معمولی محاورہ اور روزمرہ
کی عادت ہے جب چاہا اور جس روایت کو چاہا (خواہ وہ کیسی ہی لغو ہو) قال قال رسول اللہ
کہدیا چلو وہ مرفوع ہو گئی !! علامہ ابن جوزی نے کتاب موضوعات کے دیباچہ میں لکھا ہے کہ
طبقہ اوّل والے جو روایت آپس میں کسی سے سُنتے تھے تو شدت وثوق کے باعث سے اُس کو
جناب پیغمبرؐ کی طرف منسوب اور مرفوع کر دیتے تھے +

کما قال کان السربا لاول صافیا
فکان بعض الصحابۃ یسمع من بعض فیقول
قال رسول اللہ من غیر ذکر من سمعہ لانہ
لایشك فی صدق الراوی +

کہا ابن جوزی نے تھا قرن اوّل صاف پس
تھے صحابہ آپس میں سُنتے تھے ایک دوسرے
سے پس کہتے تھے فرمایا رسول اللہ صلعم نے بلا اُسکے
کہ ذکر کریں جس نے روایت کی اُن سے کیونکہ
نہیں شک کرتے تھے وے صدق راوی میں +

پس اسی طرح اور راویوں نے یا خود ابو ہریرہؓ نے اس روایت کو ایک معمولی عادت کے
طور پر مرفوع کر دیا ہوگا +

(۴) یہ امر بھی قابل گزارش ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ کی یہ روایت وُہی ایک طولانی روایت
ہے جس میں حضرت ابراہیمؑ کے تین جھوٹ بولنے کا ذکر ہے (دیکھئے بخاری کی کتاب الانبیا اور مسلم کی
کتاب الفضائل) اور اس روایت پر اہل بصیرت نے بنظر شقاعت معنوی نظر کی ہے اور اس کو غیر صحیح
اور باطل قرار دیا ہے چنانچہ امام فخر الدین رازی نے تفسیر کبیر میں لکھا ہے +

واعلم ان الحشریۃ روی عن النبی
صلّی اللہ علیہ وسلم انہ قال ما کذب ابراہیم
الا ثلث کذبات نقلت الاولیٰ ان لا یقبل

جان کہ روایت کی گئی ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم
سے کہ کہا نہیں جھوٹ بولا ابراہیمؑ نے مگر تین
جھوٹ پس کتابوں میں بہتر یہ ہے کہ نہ قبول

مثل هذه الاخبار نقال على طريق الاستنكار ان لم تقبله لزمنا تكذيب الرواة فقلت له يامسكين ان قبلناه لزمنا الحكم بتكذيب ابراهيم وان رددناه لزمنا الحكم بتكذيب الرواة ولا شك ان صون ابراهيم عن الكذب اولى من صون طائفة من المجاهيل عن الكذب۔

کی جاوے ایسی خبر پھر کہا بطریق انکار کے کہ اگر نہ قبول کریں ہم لازم آوے جھوٹلانا راویوں کا پس کہتا ہوں میں اگر قبول کریں ہم لازم آوے جھوٹا ماننا ابراہیم کا اور اگر رد کریں ہم لازم آوے حکم جھوٹلانے راویوں کا اور نہیں شک کہ بچانا ابراہیم علیہ السلام کا جھوٹ سے بہتر ہے بچانے ایک گروہ مجہول سے جھوٹ سے +

اور کتاب الباب فی علم الکتاب تصنیف عمر بن عادل حنفی میں بھی یہی عبارت منقول ہے اور شیخ الاسلام امین الدین طبری نے تفسیر مجمع البیان میں لکھا ہے +

وما روی فی ذلك من ان ابراهیم کذب ثلث قوله انی سقیم وقوله کبیرهم و قوله لسارة لما راها الجبار واخذها وکانت زوجته هذا اختی مما لا یعول علیه +

اور جو روایت کیا گیا اس میں کہ ابراہیم علیہ السلام نے تین جھوٹ بولے کہنا اُن کا میں بیمار ہوں اور کہنا اُن کا کہ اُن کے بڑے نے اور کہنا ان کا سارہ کو جب دیکھا اُن کو ظالم نے اور لیا اُن کو اور تھی بیوی ابراہیم کی یہ ہے میری بہن ایسی پر اعتبار نہ کرنا چاہیئے +

علامہ قسطلانی صاحب ارشاد الساری نے امام رازی کے قول مذکور کو نقل کر کے لکھا ہے :۔

فلیس بشیٔ اذا الحدیث صحیح ثابت (جلد ۵ صفحہ ۲۷) قول رازی کا کچھ نہیں ہے کہ حدیث صحیح اور ثابت ہے مگر اس حدیث کا صحیح ہونا اگر اصطلاح کے طور پر ہے اور غالباً یہی مراد بھی ہے تو اُس کی اصطلاحی صحت اُس کو حق اور سچا نہیں ٹھہرا سکتی مگر اُس کو ثابت قرار دینا غیر ثابت ہے اس لئے کہ کسی حدیث کے صحیح ہونے سے اس کا حق ثابت ہونا لازم نہیں آتا علی بن برہان الدین الحلبی الشافعی صاحب انسان العیون فی سیرۃ ابن مامون نے لکھا ہے :۔

لا یلزم من صحة الاسناد صحة المتن فقد یکون فیه مع صحة اسناده ما یمنع صحته فهو ضعیف +

نہیں لازم آتا صحت سند سے صحت اصل حدیث کی کہ کبھی ہوتی ہے حدیث میں باوصف صحت سند کے جو منع کرے اُس کی صحت کو پس وہ حدیث ضعیف ہے +

اور خود قسطلانی نے ارشاد الساری شرح صحیح بخاری کتاب بدء الخلق باب ماجاء

فی وصف سبع ارضین (جلد ۵ صفحہ ۲۰۲) میں بعد نقل بیہقی کے (اسناد صحیح لکنہ شاذ بالمعنی) لکھا ہے :-

نفیہ انہ لایلزم من صحۃ الاسناد صحۃ المتن کما ھو معروف عند اھل ھذا الشان فقد یصح الاسناد ویکون فی المتن شذوذ او علۃ یقدح فی صحتہ ۔	پس اس میں یہ ہے کہ نہیں لازم آتا صحت اسناد سے صحت متن کی جیساکہ مشہور ہے اس فن والوں میں کہ کبھی صحیح ہوتی ہے سند اور ہوتا ہے متن میں شذوذ اور سبب جو نقص ڈالتا ہے

اُس کی صحت میں ۔

اور علامہ ابن جوزی نے رسالہ موضوعات میں لکھا ہے :-

وقد یکون الاسناد کلھا ثقات ویکون الحدیث موضوعا او مقلوبا ۔	کبھی ہوتے ہیں راوی سب ثقہ اور معتمد اور ہوتی ہے حدیث موضوع یا مقلوب ۔

(۵) - اگر ہم قبول کریں کہ یہ روایت اصل میں مرفوع ہی تھی اور اُس کو موقوف روایت کرنیکا الزام محمد بن سیرین ہی پر لگایا جاوے کہ وہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی اکثر روایتوں کو تخفیفاً وقف ہی روایت کیا کرتے تھے (قسطلانی جلد ۵ صفحہ ۱۳) تاہم کچھ فائدہ نہ ہوگا۔ کیونکہ یہ روایت مرسل قرار پائیگی کیونکہ ابوہریرہ نے یہ نہیں کہا کہ میں نے جناب پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم سے ایسا سُنا ہے اور حدیث مرسل اس وجہ سے کہ اُس کا راوی مجہول الاسم والحال ہے ضعیف ہوتی ہے (کذا فی تدریب الراوی شرح تقریب النواوی للسیوطی) خصوصاً حضرت ابوہریرہؓ کا ارسال کہ وہ جو کچھ پاتے تھے روایت کر دیتے تھے۔ محمود بن سلیمان کفوی نے کتاب اعلام الاخیار میں نقلاً عن الصدر الشہید[۱] لکھا ہے ۔

واما ابوھریرۃ کان یروی کلما بلغہ وسمع من غیر تامل فی المعنی ۔	ابوہریرؓہ تھے روایت کرتے تھے جو اُن کو پہنچتا تھا اور جو سنتے تھے بے اس کے کہ

تامل کریں معنوں میں ۔

(۶) یہاں تک تو اس حدیث کے مرفوع یا موقوف ہونے میں بحث تھی اب ہم اس کی دلالت کو دیکھتے ہیں کہ اس سے اس مشہور قول کی کہ حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا لونڈی تھیں تائید ہوتی ہے یا نہیں ۔

---

[۱] ھو الامام برھان الائمۃ عمر بن عبد العزیز بن مازۃ المعروف بالحسام الشہید المتوفی قتیلاً سنہ ۵۳۶ صاحب شرح ادب القاضی علی مذھب ابی حنیفۃ کذا فی کشف الظنون لحاجی خلیفۃ القسطنطینی ۱۲ ۔

بخاری کی تینوں روایتوں کے الفاظ (کتاب البیع - انبیا - لنکاح) اور نیز مسلم (فضایل) کی روایت میں بھی کوئی لفظ ایسا نہیں ہے جس سے ہاجرہ کے سریہ یا ملک یمین ہونے کا ادنیٰ شائبہ بھی پایا جاوے - کتاب البیع کی روایت (اخدمہا ولیدۃ) ہے ولیدہ اُس لڑکی کو کہتے ہیں جو خدمت کرے اور خادمہ اور لونڈی میں فرق ہے - اور کتاب الانبیا میں (واخدمہا ہاجرہ) ہے یہاں بھی ہاجرہ کا خدمت میں دیا جانا اس کی غلامی ثابت نہیں کرتا بلکہ خادم عام ہے چاہے آزاد ہو یا غلام - ایسا ہی حال کتاب النکاح والی روایت کا ہے (واخدمنی ہاجرہ) ہاجرہ کا خدمت سارہ میں دیا جانا غلامی نہیں ثابت کرتا اور ایسا ہی مسلم کی روایت میں (واخدمنی خادما) کسی طرح پر غلامی ثابت نہیں کرتا - پس ان الفاظ سے حضرت ہاجرہ کو لونڈی یا باندی سمجھنا محض ایک بے اصل بدگمانی ہے +

یہ بھی خیال رہے کہ یہ وہ اصل الفاظ نہیں ہیں جو حضرت سارہؓ نے فرمائے تھے کیونکہ ان کی زبان عربی نہ تھی اور یہ کہ روایتوں میں نقل بالمعنی اکثر ہوتی ہے +

(۷) جامعین حدیث نے اس روایت کو اپنے سبق ظن کی وجہ سے ابواب بیع وہبہ اور اتخاذ سراری میں درج کیا ہے اور یہ کسی طرح پر صحت نہیں ہو سکتا کیونکہ الفاظ روایت میں تو اس قسم کی کچھ بھی دلالت نہیں ہے پس جامعین نے تبویب احادیث میں ترجمہ اور عنوان باب کی بھرتی کے لئے یہ روایت ابواب مذکورہ میں داخل کی گو اس میں کوئی وجہ ایسے ابواب میں جگہ پانے کی نہ تھی - پس سامعین نے یہود میں شہرت کی وجہ سے خود دھوکا کھایا اور خلاف مناسبت باب ان روایتوں کے ترتیب دینے سے اَوروں کو بھی مغالطہ میں ڈالا +

بخاری نے کتاب البیوع میں اس روایت کو باب شراء المملوک من الحربی وہبتہ وبیعہ میں درج کیا ہے حالانکہ اس روایت میں ہاجرہ کا مملوک ہونا کسی طور سے ثابت نہیں ہو سکتا اور ہاجرہ کو بادشاہ مصر کی مملوک سمجھنا محض ایک اپنے ذہن سے بنائی ہوئی بات ہے اور کتاب النکاح باب اتخاذ سراری میں اس روایت کو نقل کرنا بالکل نامناسب ہے کیونکہ اس روایت کو ایسے مضمون سے کمال اجنبیت اور قطعاً مغایرت ہے اور بخاری کی جمع و ترتیب میں ایسی بے عنوانیوں کا وقوع اکثر ہے - چنانچہ شیخ الاسلام محی الدین نووی نے مقدمہ شرح صحیح مسلم فصل ۶ میں لکھا ہے +

بخلاف البخاری فانہ یذکر تلک الوجوہ المختلفۃ فی ابواب متفرقۃ متباعدۃ وکثیر منہا یذکرہ فی غیر باب الذی یسبق الیہ الفہم انہ اولی بہ +	بخاری ذکر کرتا ہے وجوہ مختلف کو ابواب متفرق اور بعید میں اور بہت حدیثیں ذکر کرتا ہے بخاری اور دوسرے باب میں سوا اُس باب

کے جس کے فہم کے موافق اس کا ذکر کرنا بہتر ہے +

چونکہ اس باب کے عنوان سے اس روایت کی عدم مطابقت اور نامناسبت خوب ظاہر اور واضح ہے تو اس قباحت اور شناعت کے دفع کرنے کو یہ مضمون بنالیا گیا ہے کہ حضرت ہاجرہ مملوک تھیں اور حضرت ابراہیم کی سریہ تھیں یہ خیال فاسد صرف اس بے عنوانی کی توجیہہ کے لیئے بنایا گیا ہے چنانچہ قسطلانی نے لکھا ہے :-

ومطابقت الحدیث للترجمۃ کما قال ابن منیر من حیث ان ھاجرۃ کانت مملوکۃ +	مطابقت حدیث کو عنوان باب سے جیسا کہ کہا ابن منیر نے اس وجہ سے ہے کہ ہاجرہ تھی مملوکہ +

مگر جب تک خارج سے یہ امر ثابت و متحقق نہ ہووے کہ ہاجرہ مملوکہ اور سریہ تھیں تب تک نہ ابن منیر کا قول صحیح ہو سکتا ہے اور نہ بخاری کا ترجمہ مناسب - ابن منیر کے اس قول کو جو اُس نے بخاری کی اس روایت کے عنوان باب سے مطابق کرنے کے لیئے افترا کیا ہے علامہ ابن حجر عسقلانی نے غیر صحیح قرار دیا ہے - چنانچہ فتح الباری میں لکھا ہے :-

ان اراد ان ذٰلک صریح فی الصّحیح فلیس بصحیح +	اگر ابن منیر نے یہ ارادہ کیا کہ مملوک ہونا صریح حدیث میں ہے پس یہ صحیح نہیں ہے +

(۸) مولوی حاجی علی بخش خاں صاحب (گورکھپور) باایںہمہ اظہار تمہر و تبحر و غرہ تتبع و تلاش حضرت ہاجرہ کے سریہ و مملوکہ ثابت کرنے کے سودائے خام میں جبکہ انہیں اَور کچھ مستمسک اور دلیل نہ ملی تو افترا و بہتان و تو طیہ و طوفان پر مستعد ہوئے - چنانچہ ابن منیر کے اس قول باطل کو (جس کی توجیہہ علامہ عسقلانی نے ابھی غیر صحیح قرار دی ہے) علامہ قسطلانی کی طرف منسوب کر کے تائید الاسلام کے صفحہ ۷۶ میں فرماتے ہیں - قسطلانی نے شرح بخاری میں ذیل حدیث بینما ابراھیم مر بجبار ومعہ سارۃ الحدیث میں لکھا ہے ان ھاجرۃ کانت مملوکۃ وقد صح ان ابراھیم اولدھا بعد ان ملکہا فھی سریۃ انتھی" +

حالانکہ یہ قول ابن منیر کا ہے جو قسطلانی نے مطابقۃ الحدیث للترجمہ کی توجیہہ میں نقل کیا ہے اور پھر اسے رد بھی کیا ہے - چنانچہ لفظ انتھی کے بعد لکھا ہے :-

وقد تعقبہ فی الفتح فقال ان اراد ذٰلک صریحا فی الصحیح فلیس بصحیح +	اور اس کے پیچھے کہا ہے فتح الباری میں اگر ارادہ کیا ابن منیر نے کہ یہ مملوک ہونا صریح حدیث میں ہے پس یہ صحیح نہیں ہے +

مگر مولوی علی بخش خاں صاحب کی بیجا عصبیت اور ناحق کوشی نے ان کو اس مغالطہ دہی پر مائل کیا کہ اوّل تو ابن منیر کے قول کو قسطلانی کی طرف منسوب کیا اور دوسرے قسطلانی نے جو

اس پر فتح الباری سے اعتراض نقل کیا تھا اس کا کچھ تدارک نہ کیا +

ابھی جناب مولوی علی بخش خان صاحب کی علمی قابلیت اور عربیت کی داد دینی باقی ہے کیونکہ جناب مولوی صاحب موصوف نے اس عربی عبارت کا ترجمہ حاشیہ پر اس طرح کیا ہے "یعنی بلاشبہ ہاجرہ لونڈی تھیں اور یہ بات صحیح ہے کہ ابراہیم جب اُس کے مالک ہوئے تب وہ پیدا ہوئیں تو لونڈی ہیں ۱۲" اب یہ وہ مقام ہے کہ انسان ہنسی کے مارے لوٹ جاوے اور انکے اس ترجمہ پر عش عش کرے کہاں وہ عبارت کہ ان ابراھیم لولدھا بعد ان ملکھا یعنی ابراہیم کے بچہ پیدا ہوا ہاجرہ سے جب وے مالک ہو چکے تھے اُس کے ۔ اور کہاں یہ ترجمہ کہ حضرت ابراہیم جب اس کے مالک ہوئے تب وہ پیدا ہوئیں ۔ سبحان اللہ مترجم صاحب کو علاوہ کشف و کرامات کے تاریخ دانی میں بھی دخل ہے +

(۹) حضرت ہاجرہ کی سرگذشت کتب تواریخ سے اس قدر معلوم ہوتی ہے کہ وہ بادشاہ مصر کی بیٹی تھی اس نے اس کو حضرت سارہ کی خدمت میں دیا تھا اور پھر ایک زمانہ بعد حضرت ابراہیم نے بمشورہ حضرت سارہ کے ہاجرہ سے نکاح کیا جب اُن سے اسمٰعیل علیہ السلام پیدا ہوئے تو سارہ و ہاجرہ کی آپس کی رنجش کے باعث سے حضرت ابراہیم نے ہاجرہ کو ارض فاران میں جو ملک حجاز ہے مقیم کیا +

کتاب برشیلث ربا ہ (۵۱) میں جو یہود کی مذہبی کتاب ہے لکھا ہے کہ ہاجرہ بادشاہ مصر کی بیٹی تھی علامہ قسطلانی نے شرح بخاری (جلد ۴ صفحہ ۸۲) میں لکھا ہے :-

وکان ابو اجرہ من ملوک القبط من حفن (بفتح الحاء المھملۃ وسکون القاف) قریۃ بمصر	تھا باپ ہاجرہ کا بادشاہان قبط سے حفن میں جو قریہ ہے مصر میں +

اور پھر (جلد ۵ صفحہ ۲۷۹) میں لکھا ہے :-

وکان ابو ھاجرہ من ملوک القبط +	تھا باپ ہاجرہ کا ملوک قبط سے +

ایسا ہی تاریخ طبری اور تاریخ خمیس سے معلوم ہوتا ہے +

مگر ان مورخوں نے اسی سبق ظن مملوکیت اور رقیت کے خیال پر یہ لکھا ہے کہ ہاجرہ قبل ذالک الملک یا قبل الرق بادشاہ قبط کی بیٹی تھیں ۔ مگر اس تقریر کی رکاکت قابل لحاظ ہے ۔ اس کے کیا معنی کہ اس سے پہلے وہ بادشاہ مصر کی بیٹی تھیں ۔ کیا مملوکیت سے اُن کا بادشاہ کی بیٹی ہونا باطل ہو گیا تھا !! توریت کے صفحہ اوّل باب ۱۶ ایسوق ۳ سے صاف ظاہر ہے ۔ کہ حضرت ہاجرہ حضرت ابراہیم کی بیوی تھیں اور وہی لفظ ہاجرہ کی نسبت لکھا ہے جو سارہ کی نسبت ہے ۔ یعنی [illegible] ایشا ۔ جورو ۔ پس وہ جو ہمارے یہاں کی بعض رواة

و مورخین نے ہاجرہ کو حضرت ابراہیم کی سرّیہ لکھا ہے وہ ان سے تساہل و تسامح ہوا ہے۔
اُنہوں نے اپنے ملک کی رسم و عادات پر قیاس کر لیا ہے۔ ایسی ہی مسند ابی یعلی کی وہ روایت
فاستوھبہا ابراھیم من سارۃ فوھبہا لہ الخ خلاف نص توراۃ کے ہے کیونکہ اسی باب ۱۶
میں صاف لکھا ہے کہ خود سارہ نے ابراہیم سے درخواست کی تھی کہ وہ ہاجرہ کو لیلیں اور
خود سارہ نے ہاجرہ کو ابراہیم کی زوجیت میں دیا +

(۱۰) اس بحث کے آخر میں بعض روایات مذہب امامیہ کا ذکر بھی ہونا ضرور ہے۔
علامہ مجلسی نے بحار الانوار کی پانچویں جلد کتاب النبوۃ ورق ۵۹۔ نسخہ قلمی
۱۲۸۲ء) میں کافی کی روایت نقل کی ہے +

کافی علی عن ابیہ وعدۃ من اصحابنا
عن سہل جمیعا عن ابن محبوب عن ابراھیم
ابن ابی زیاد الکرخی قال سمعت اباعبد اللہ
+ + قال لہ احب ان تاذن لی ان اخدمہا
قبطیۃ عندی جمیلۃ عاقلۃ یکون لہا خادما
قال فاذن لہ ابراھیم فدی بہا و وھبہا السارۃ
وھی ھاجرۃ ام اسمٰعیل ثم ان ابراھیم
اما ابطاء علیہ الرد فقال اسارۃ لوشئت
لبعتنی ھاجرۃ لعل اللہ ان یرزقنا منہا
ولدا فیکون لنا خلفا فابتاع ابراھیم
ھاجرۃ من سارۃ۔ الخ +

روایت کی علی نے اپنے باپ سے اور
چند ایک نے ہمارے اصحاب سے سہل سے
ان سب نے محبوب سے اُس نے ابراہیم سے اُس نے
ابن ابی زیاد کرخی سے کہا سُنا میں نے ابو عبداللہ
سے کہا دوست رکھتا ہوں میں یہ کہ اذن دے
تو مجھ کو کہ خدمت کو دوں قبطیہ جو میرے پاس
ہے خوبصورت دانا ہوگی خدمت کرنیوالی کہا
پس اذن دیا ابراہیم نے پس بلایا قبطیہ کو اور
اور دیا اُس کو سارہ کو اور یہ ہے ہاجرہ ماں اسمٰعیل کی
پھر جب مدت تک نہ ہوئی ابراہیم کے کچھ اولاد
کہا سارہ کو اگر چاہے تو بیچدے تو مجھ کو ہاجرہ شاید
اللہ دے مجھ کو اُس سے بچہ پس ہو ہمارے لئے پیچھے رہنے والا پس مول لیا ابراہیم نے ہاجرہ
کو سارہ سے +

اس آخری فقرہ کا مضمون یہ ہے کہ حضرت ابراہیم نے ہاجرہ کو سارہ سے خرید لیا +

۱۱۔ یہ روایت کئی وجہ سے غیر مسلم ہے (۱) یہ خبر واحد اور غیر قطعی الصدور ہے پس اس سے
ہاجرہ کے سرّیہ ہونے کا علم حاصل نہیں ہو سکتا (۲) اس کے راویوں میں ایک راوی سہل
بن زیاد ہے اور یہ شخص ضعیف متہم اور غیر معتمد ہے یا لااقل یہ کہ ضعیف فی الحدیث ہے۔
فہرس طوسی میں ہے:۔

سہیل بن زیاد الادمی الرازی یکنی | سہیل بن زیاد آدمی رے کا رہنے والا

ابا سعید ضعیف (کان ضعیفاً فی الحدیث غیر معتمد فیه وکان احمد بن محمد عیسیٰ یشهد علیه بالغلو والکذب واخرجه من القم الی الری) ص ۱۲۴ +	جس کی کنیت ہے ابو سعید ضعیف ہے (تھا ضعیف حدیث میں نہیں اعتماد کیا جاتا تھا اُس پر اور تھا احمد بن محمد عیسےٰ گواہی دیتا تھا اس پر غلو اور جھوٹ کی اور نکالا تھا اس کو قم

سے طرف رے کے) ایشیاٹک سوسیٹی کلکتہ +

اور غضایری نے اس کو ضعیف اور فاسد الروایت لکھا ہے۔ رجال شیخ ابو علی موسوم بتوضیح المقال فی علم الرجال میں ہے +

قال غضایری انه کان ضعیفاً جداً فاسد الروایة والمذهب وکان احمد بن محمد بن عیسی الاشعری اخرجه عن قم و اظهر البراة عنه ونهی الناس عن السماع عنه والروایة عنه ویروی المراسیل و یعتمد المجاهیل +	کہا غضایری نے وہ تھا ضعیف بہت فاسد الروایت اور مذہب اور تھا احمد بن محمد عیسےٰ اشعری نے نکالا اس کو قم سے اور ظاہر کی بے رازی اس سے اور منع کیا آدمیوں کو اُس سے سُننے سے اور اُس سے روایت کرنے سے اور روایت کرتا ہے مرسل کو اور

اعتماد کرتا ہے مجہول پر +

اور کتاب المشترکات میں ہے۔ ابن زیاد المختلف فی توثیقه +

(۳) اور دوسرا راوی ابن محبوب یعنی حسن بن محبوب السواد گو ثقہ ہے مگر متہم تھا توضیح المقال میں ہے ۔ اصحابنا یتهمون ابن محبوب فی روایته عن ابن ابی حمزہ اور احمد بن محمد بن عیسیٰ کے حال میں لکھا ہے +

فی کش قال نصیر بن حکر صباح احمد بن محمد بن عیسی لا یروی عن ابن محبوب من اجل ان اصحابنا یتهمون ابن محبوب فی روایته عن ابی حمزہ ثم مات احمد بن محمد فرجع قبل ما مات +	کہا نصیر بن صباح نے احمد بن محمد بن عیسےٰ نہیں روایت کرتا ہے ابن محبوب سے اس سبب سے کہ اصحاب ہمارے متہم کرتے ہیں ابن محبوب کو روایت میں ابن حمزہ سے پھر مر گیا احمد بن محمد پس رجوع کیا پہلے مرنے سے +

(۴) ایک اور راوی ابراہیم بن ہاشم ابو اسحاق القمی اس کی عدالت پر تنصیص نہیں ہوئی گو اس کے مثنی علی بن ابراہیم اور ثقۃ الاسلام محمد بن یعقوب کلینی نے عموماً اس کی روایتوں پر اعتماد کیا ہے شیخ ابو علی نے توضیح المقال میں لکھا ہے +

ابراهیم بن هاشم ابو اسحاق القمی	وہ شاگرد ہے یونس بن عبد الرحمٰن کا

اصلہ الکوفی نزاد فی صہ وھو تلمیذ یونس بن عبدالرحمن ولم اقف لاحد من اصحابنا علی قول فی القدح فیہ ولا علی تعدیلہ بالتنصیص والروایات عنہ کثیرۃ والارجح قبول قولہ۔

نہیں واقف ہوں میں اپنے اصحاب میں سے کسی کے قول پر بیچ قدح ابراہیم کے اور نہ اُسکی تعدیل میں ساتھ تصریح کے اور روایات اُس سے بہت ہیں اور راجح یہ ہے کہ اُس کا قول مقبول ہے +

(۵) یہ روایت خلاف تصریح صفحہ اوّل تورات کے ہے چنانچہ علامہ مجلسی نے سید بن طاؤس کی کتاب سعد السعود سے تورات مترجم کی عبارت اس قصہ کے متعلق اس طرح نقل کی ہے :۔

ان سارۃ امراۃ ابراھیم لم تکن یولد لھا ولد وکانت لھا امۃ اسمہا ھاجرہ۔ فقال سارۃ لابراھیم ان اللہ قد حرمنی الولد فادخل علی امتی وابن بہا لعلی اتعزی بولد منہا فسمع ابراھیم یقول سارۃ واطاعہا فانطلقت سارۃ امراۃ ابراھیم بھاجر امتہا وذلک بعد ماسکن ابراھیم ارض کنعان عشر سنین فادخلتہا علی ابراھیم زوجہا + (بحار الانوار جلد ۵) +

سارہ بیوی ابراہیم کے نہیں ہوتی تھی اُس کے اولاد اور تھی اُس کی لونڈی جس کا نام تھا ہاجرہ پس کہا سارہ نے ابراہیم سے کہ اللہ نے محروم کیا مجھ کو بچہ سے پس آ تو میری لونڈی پر اور زفاف کر اس سے شاید مَیں نسبت کی جاؤں اس سے ساتھ بیٹے کے۔ پس سُنا ابراہیم نے قول سارہ کو اور مانا اس کا کہنا۔ پس لائی سارہ بیوی ابراہیم علیہ السلام کی ہاجرہ اپنی باندی کو اور یہ جبکہ ٹھہرے تھے ابراہیم زمین کنعان میں دس برس پس داخل کیا ہاجرہ کو ابراہیم اپنے زوج کے پاس +

اس میں کہیں خرید و فروخت کا ذکر نہیں ہے +

۱۲۔ یہ امر بھی ضرور قابل بیان ہے کہ جس قدر عبارت ترجمہ توریت سے سید ابن طاؤس سے نقل ہوئی ہے اس کی اصل میں حضرت ہاجرہ کی نسبت لفظ שפחה (شفخہ) آیا ہے اور یہ عبارت توریت عبری کے صحیفہ بریشیث پراشہ ۱۶ میں واقع ہے (پسوق ۱-۳) اور گزینیس کے عبرانی لغت میں شفخہ کے معنی لکھے ہیں کہ جو شخص خاندان میں سے ہو اور اسی جہت سے خادمہ کو بھی شفخہ کہتے ہیں مگر اس کے معنی لونڈی کے نہیں ہیں۔ تورات کے عربی مترجموں نے یہ غلطی ثابت کی ہے کہ اس کو بلفظ امۃ ترجمہ کرتے ہیں +

۱۳۔ مولوی محمد علی صاحب کچھوانوی کو اس امر پر اصرار ہے کہ حضرت ہاجرہ لونڈی تھیں چنانچہ پرچہ نور الآفاق مطبوعہ ۷ نومبر ۱۸۷۴ء صفحہ ۱۸۱ میں فرماتے ہیں " توریت موجودہ میں کئی جگہ

ہاجرہ کو بلفظ جاریہ سارہ کے لکھا ہے اور اک جگہ یہ بھی لکھا ہے کہ بخشدیا سارہ نے ہاجرہ اپنی جاریہ کو ابراہیمؑ کو۔ انتہیٰ"۔ مگر یہ استدلال ان کا بالکل غلط فہمی اور نادانی پر مبنی ہے۔ لفظ جاریہ کسی طرح مملوکہ یا سریہ کے معنوں میں نہیں ہے +

فاضل محمد طاہر نے مجمع بحار الانوار میں بذیل لغت جری لکھا ہے۔ الجاریۃ من النساء من لم یبلغ الحلم یعنی جاریہ وہ لڑکی ہے جو جوان نہ ہوئی ہو۔ اور قاموس میں ہے (باب الیاء) الجاریۃ الشمس والسفینۃ والنعمۃ من اللہ وفتیۃ النساء یعنی جاریہ آفتاب اور کشتی اور نعمت خدا اور لڑکی ہے۔ اور شیخ الاسلام محی الدین نووی نے شرح صحیح مسلم میں لکھا ہے۔ (جلد ۲ صفحہ ۲۳۰) واما استعمال الجاریۃ فی الحرۃ لصغیرۃ فمشہور معروف فی الجاھلیۃ والاسلام۔ یعنی برتنا جاریہ کا آزاد چھوٹی لڑکی میں پس مشہور ہے جاہلیت میں اور اسلام میں +

اور بخش دینا اصل تورات میں نہیں ہے بلکہ پورا فقرہ یہ ہے :۔

ותתן אתה לאברם אשה לו לאשה

یعنی اُس کی بیوی نے اُسے ابراہیم کو دیا کہ اُس کی بیوی ہووے

اس میں تزویج کی تصریح ہے مگر مولوی محمد علی صاحب لفی ثلث منہ مریب ہیں چنانچہ لکھتے ہیں ابراہیمؑ نے بطور تسری اُن کو اپنے فراش میں رکھا یا آزاد کر کے نکاح کیا (ایضاً ص ۱۰۲) +

مگر تسری کا گمان محض ایک سوء ظن ہے اور آزاد کر کے نکاح کرنے کا گمان محض بناء فاسد بر فاسد ہے +

۱۴۔ خلاصہ یہ کہ کوئی حدیث صحیح و ثابت ایسی نہیں ہے جس میں ہاجرہ کو لونڈی کہا ہو۔ جہلاء و متعصبین یہود نے جو مشہور کر دیا تھا۔ مسلمانوں نے اُس کو بلا تحقیق قبول کر رکھا ہے۔ اور اسی گمان سے بعض روایتوں کو بھی خلاف محل حمل کیا ہے۔ پس یہی حقیقت ہے جو ہم نے لکھی۔ والحق احق بالاتباع +

تصویر

عموماً مسلمانوں میں یہ بات مشہور ہے کہ تصویریں بنانا بشدت منع اور مطلقاً حرام ہے حتیٰ کہ مخالفین اسلام کو بھی یہ معلوم ہے۔ ہم کو اس میں ضرور دیکھنا چاہیئے کہ آیا ایسے خیال کی کچھ اصل اور سند ہے یا نہیں +

ہر چند کہ فرقان مجید کا موضوع کلام اور مقصود اصلی نہایت اشرف، اور اعلےٰ مضامین، اور ذکر مسائل الٰہیات، اور بیان منظر فطرت، اور مظاہر قدرت، اور اُس کا منشاء اصلی، نشر مطالب

شریفہ و مکارم اخلاق، و مواعظ حسنہ ہے - مگر کلام الٰہی تو منبوع کُل حکمت ہے اور بے شک ہمارے اقوال و افعال اُسی کی طرف مفتقر ہیں - اور ہم کو سب کاموں میں اُسی کی طرف رجوع کرنا ہے، چنانچہ اس بحث خاص میں اس آیت قرآن سے، جو بضمن قصہ حضرت سلیمان علیہ السلام وارد ہے " یعملون لہ مایشاء من محاریب و تماثیل " (سباء ۲۲ ج) بہت سی باتیں صاحب ذہن سلیم و مذاق صحیح ادراک کر سکتا ہے +

اوّل - اس کی دلالت ظاہری اور لغوی اس بات پر ہے - کہ حضرت سلیمان علیہ السلام تماثیل اور تصاویر بنواتے تھے، خواہ تمثال و تصویر کو مرادف لفظ سمجھئے یا تصویر کو داخل تمثال سمجھئے، بہر صورت اس فعل کے جائز اور پسندیدہ ہونے میں (خصوصاً ایسی حالت میں، کہ اُس کی ممانعت کی کوئی خبر ایسے قطعی طریق اور اس مرتبہ کے ثبوت میں نہ ہو جیسے اس کا جواز ہے کسی طرح کا شک نہیں باقی رہتا، اور یہ کچھ اس قسم کا ثبوت نہیں ہے کہ جیسے اکثر مسائل فقیہہ ظنیہ عدم ذکر یا عدم ورود نہی سے جائز مانے جاتے ہیں بلکہ بعلم قطعی اور بدلالۃ النص ثابت ہے +

دوسرے - اسی آیت سے وہ ایک شبہ بھی باطل ہوتا ہے کہ تصویروں کے بنانے میں تشبہ بحضرت الباری، تعالیٰ عن التشبہ، پایا جاتا ہے، کیونکہ اگر کیفیت مضاہات لخلق اللہ، اس میں پائی جاتی تو یہ فعل حضرت سلیمان علیہ السلام کا معمول نہ ہوتا +

کچھ بعید نہیں کہ مانعین تصویر اس میں یہ احتمال نکالیں : کہ تمثال سلیمانی غیر جاندار چیزوں یعنی درختوں اور پھولوں کی ہونگی، مگر اس طرح سے بھی وہ قول مشہور اور مسئلہ مقبول : کہ تصویریں بنانے کی حرمت اس وجہ سے ہے کہ اس میں مضاہات لخلق اللہ ہے[1] باطل ہوتا ہے، کیونکہ تصویر ذی روح اور غیر ذی روح یعنی حیوانات اور نباتات کی تصویریں، صرف حیوانیت کا فرق ہے، الا صورت جسمیہ و نوعیہ اور اقطار ثلاثہ میں نمو کرنا دونوں میں مشترک ہے، اور جو صنعتیں کہ جناب باری نے اشجار و نبات میں رکھی ہیں، وہ اقسام حیوانات کی صنعتوں سے کم نہیں ہیں، پس ایسی صورتوں میں اگر حیوانات کی تصویر میں تشبہ عبد بحضرت معبود پایا جاتا ہے، تو اشجار و نباتات کی تصویروں میں بھی پایا جائیگا +

تیسرے - ایک اور مغالطہ عام اور عقیدہ باطل : کہ تصویر والے گھر میں فرشتے نہیں آتے، یا ملائک رحمت نہیں نازل ہوتے، یا حضرت جبرائیل نہیں داخل ہوتے، قطعاً باطل ہو گیا ؛ کیونکہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے ایوان رفیع المکان میں اکثر ملائکہ عموماً اور خصوصاً آتے جاتے

---

[1] دیکھو امام نودی کی عبارت شرح صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۱۹۹ +

تھے، اور یہ تصویریں بھی جو اس اہتمام اور حفاظت الٰہی میں[1] بنتی تھیں بیکار اور رایگاں جاتی ہونگی بلکہ اُن کے دیوان دیوان عالی شان لگائی اور سجائی جاتی ہونگی +

چوتھے۔ دلیل قطعی سے ان تماثیل سلیمانی میں تمثال خدائے متعال، الذی لیس کمثلہ شیئ، اور فرشتوں کی صورتوں میں اور خدا کے بیٹوں اور بیٹیوں کی فرضی تصویریں داخل نہیں ہو سکتیں، اور ایسی تصویریں خواہ وہ پتھر کی ترشی ہوئی، یا کھودی ہوئی ہوں، یا کاغذ پر کھینچی ہوئی ہوں قطعاً ناجائز اور حرام ہیں +

پانچویں۔ اصنام اور اوثان بنانا؛ یعنی ان معبودان باطل کی تصویریں، جو خدا کے ماسوا پوجے جاتے ہیں، اور تماثیل قبیحہ وتصاویر فاحشہ جو خلاف تہذیب وشائستگی وشرم وحیا کے ہوں وہ بھی اُن سے خارج ہیں +

چھٹے۔ وہ تصاویر حسنہ اور تماثیل صالحہ جو حضرت سلیمان کے حکم سے اور اُنہیں کے لئے بنتی تھیں۔ انبیاء کرام اور بزرگان دین، اور سلاطین ماضیہ، اور معارک جنگ، اور سرداران فوج وغیرہ عمایدو مشاہیر اور نیز وحوش طیور، اور دیگر مضاہر قدرت اور مناظر فطرت، کی تصویریں ہونگی، جن سے متعدد فائدے اور مختلف منافع حاصل ہوتے ہیں +

بیشک انبیائے بنی اسرائیل کی وضع عبادت، اور امامت اُمّت، اور طریق ہدایت، اور امم اسرائیلیہ کے بعض احوال اور واقعات کی تصویریں، ارباب بصیرت کو باعث حصول عبرت ہوتی ہیں +

ہم دوسری تحریر میں اُن حدیثوں اور روایتوں کی تحقیق اور تفتیش کرینگے جن کو بعض منورعین اسلام اور مقلدین فقہا ممانعت عمل تصویر میں قطعی اور سندی سمجھتے ہیں +

یُورپ اور قرآن

زحافظانِ جہاں کس چو بندہ جمع نہ کرد
لطائف حکما با کتاب قرآنی (حافظ)

۱۔ مندرجہ ذیل فہرست سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ بارھویں صدی عیسوی سے اس زمانہ تک ممالک جرمن وفرنچ۔ روم کبیر اور انگلستان میں ہر طبقہ کے عالموں نے قرآن مجید کے ترجمے کرنے

[1] دیکھو سورۂ انبیاء، ا ج "وکنا لھم حافظین" +

اور اس سے اقتباس نور یا احقاق حق میں ہمیشہ اہتمام اور کوشش بلیغ کی ہے +

(۱) رابرٹ روٹن این سس .. .. لاطن .. .. سنہ ۱۱۴۳ء
(۲) انڈریا اراوابینی .. .. اطالیہ
(۳) جودھانس انڈریاس[۱] .. .. اروگونین .. سنہ ۱۵ صدی
(۴) انڈریو ڈورائیر .. .. فرنچ .. .. سنہ ۱۶۰۰ء
(۵) الگزنڈر راس[۲] .. .. انگریزی
(۶) لیوس مراکشی .. .. لاطن .. .. سنہ ۱۶۹۸ء
(۷) جارج سیل .. .. انگریزی .. .. سنہ ۱۷۳۴ء
(۸) سیواری .. .. فرنچ .. .. سنہ ۱۷۸۳ء
(۹) میگرلن .. .. جرمن .. .. سنہ ۱۷۷۲ء
(۱۰) واہل .. .. ایضاً .. .. سنہ ۱۸۲۸ء
(۱۱) گارسن ڈی ٹاسی .. .. فرنچ .. .. سنہ ۱۸۲۹ء
(۱۲) کاسمرسکی .. .. ایضاً .. .. سنہ ۱۸۴۰ء
(۱۳) المان .. .. جرمن .. .. سنہ ۱۸۴۰ء
(۱۴) راڈویل .. .. انگریزی .. .. سنہ ۱۸۶۲ء

Robertus Retenensis.
Andria Arravabene.
Johannes Andreas.
Andrew du Ryer.
Alexander Ross.
Lewis Maracci.
George Sale.
Savary.
Megerlin.
Wahl.
Garcin de Tacy.
Kasimirski.
Ullmann.
J. M. Rodwell M. A.
Alexandr Paganini.
Abraham Hinckleman.
Flugel.

۲- ممالک یورپ کے مطبوعہ نسخے قرآن مجید کے یہ ہیں :-

(۱) اسکندر پگینینی[۳] .. .. مقام وینس .. .. سنہ ۱۵۱۵ء
(۲) ابراہام ہنکلیمن .. .. ہمبرگ .. .. سنہ ۱۶۹۴ء
(۳) فلیوگل .. .. لیپسہ .. .. سنہ ۱۸۳۴ء

اور فلوجل کی تخریج الآیات جرمن میں سنہ ۱۸۴۲ء میں چھپی اور فی الحال مسٹر پنیر الس کی تصنیف میں سے کتاب سلک البیان فی مناقب القرآن لندن میں چھپی - اس کتاب کا موضوع یہ ہے کہ لغات قرآن ایک جا جمع کئے گئے ہیں +

۳- جرمن اور فرنچ یا اطالیہ اور انگلینڈ میں مسلمانوں کی طرف سے واعظ اور وفود (مشنری)

---

[۱] یہ شخص پہلے ایک مسلمان فقیہہ تھا پھر سنہ ۱۴۸۷ء میں شہر ولینشیا صوبہ اندلس میں عیسائی ہو گیا اس نے کتب احادیث کا بھی ترجمہ کیا تھا +

[۲] الگزنڈر راس نے اس کو ڈورائیر کے ترجمہ سے ترجمہ کیا تھا +

[۳] یہ نسخہ پوپ کے حکم سے جلا دیا گیا اور اب اس چھاپے کی ایک نقل بھی کسی کتب خانہ میں نہیں ہے +

اور معلم کبھی نہیں بھیجے گئے کہ اُنھوں نے ان ملکوں میں برسوں قرآن کا وعظ کیا ہو - اور اس کے محاسن اخلاق اور معرفت اور حقیقت کی باتوں کو مشہور کیا ہو۔ بلکہ قرآن نے خود ہی اپنی الٰہی تاثیر سے اُن ملکوں میں جہاں سب اس کے منکر یا اس سے ناواقف تھے اپنی تجلی کی۔ اور اپنے مضامین حقیقت آگین اور زبان معجز بیان سے وہاں کے اہل دل اور قلب سلیم والوں میں ایک تحریک پیدا کی اور ان لوگوں نے اس سے اقتباس کر کے اپنے خیالات کو بھی منور کیا اور نیز علم معانی و بیان کی نظر سے اس کو اپنا مقتدا ٹھہرایا +

کیا جرمن کے مصلحان دین عیسوی خصوصاً لوتھر مقدس پر عمل نہیں ہوا کہ یہ لوگ در پردہ اسلام کو پھیلانا چاہتے ہیں ؟ کیا اسلام (یا قرآن) اور لوتھر کے اصول بُت شکنی کو شیخ المشایخ مراکشی نے باہم مطابق نہیں بتلایا؟ کیا اتخذوا احبارھم و رھبانھم اربابا من دون اللّٰہ نے لوتھر کے دل پر کچھ اثر نہیں کیا؟

۴- اس قدر فرصت اور سامان تو مہیا نہیں کہ ان سب ترجموں کے حسن و قبح حال لکھا جاوے مگر کسی قدر چند ترجموں پر نظر ضرور ہے +

دولت فرنچ کی طرف سے انڈرے ڈو رائیر سلطنت مصر میں قونسلوس تھا چونکہ عربی ترکی سے ماہر تھا اس نے فرانسیسی زبان میں قرآن کا ترجمہ کیا۔ گو یہ ترجمہ روبٹ ان سس کے لاطن ترجمہ سے بہت افضل اور فایق تھا مگر پھر بھی غلطیوں سے محفوظ نہ تھا۔ مسٹر سیل کہتے ہیں کہ اسکے ہر صفحہ میں غلطیاں ہیں اور اکثر تبدل و حذف و زیادتی کی ایسی خطائیں ہیں کہ اس قسم کی تصنیف میں معاف و معذور نہیں ہو سکتیں +

There being mistakes in every page, besides frequent transposition, omissions, and additions, faults unpardonable in work of this nature."—G. Sale.

سیواری جو ایک اور فرانسیسی مترجم قرآن ہے اس ترجمہ کی نسبت کہتا ہے کہ " اگر قرآن جو تمام مشرقی ملکوں میں عبارت کے کمال اور قوت خیال کے مجد و اجلال میں اعلےٰ مرتبہ پر ہے ڈورائر کے ترجمہ میں ایک نثر غیر منتظم و بے رونق جس کے پڑھنے سے طبیعت کو ماندگی آوے معلوم ہو تو یہ الزام اس طرز پر ہے کہ جس طور سے اس کو ترجمہ کیا گیا ہے - یہ کتاب (قرآن) زبور داؤد کی مانند جدا جدا آیتوں میں ہے - یہ طرز تحریر جو نبیوں نے اختیار کی اس غرض سے تھی۔ کہ نثر میں زندہ خیالات اور نظم کے استعارے اور محاورات بیان ہیں آسکیں۔ ڈورائر نے بلا لحاظ تن کے سب آیتوں کو ملا دیا۔ اور اُن کو اک بیان مسلسل کر دیا اور اس مصیبت کے رفع کرنے کو

بارو تفسیریں اور بیچکارہ عبارتیں بیچ میں ملادیں جس سے اس (قرآن) کے خیالات کی شان اور عبارت کی فربندگی بالکل جاتی رہی اور اصل کی تعریف ناممکن ہوگئی۔ اس ترجمہ سے کوئی نہیں خیال کرسکتا کہ قرآن عربی زبان میں فرد اور وحید ہے" انتہی +

" If " says Savary, " the Koran, which is extolled throughout the east for the perfection of its style, and the magnificence of its imager, seems, under the pen of Du Ryer, to be only a dull and tiresome rhapsody, the blame must be laid on his manner of translating. This book is divided into verses, like the Psalms of David. This kind of writing, which was adopted by the prophets, enables prose to make use of the bold terms and the figurative expressions of poetry. Du Ryer paying no respect whatever to the text, has connected the verses together, and made of them a continuous discourse. To accomplish this mishappen assamblage, he has had recourse to frigid conjunctions and to trivial phrases which, destroying the dignity of the ideas, and the charm of the diction, render it impossible to recognize the original. While reading his translation, no one could ever imagine that the Koran is the masterpiece of the Arabic language, which is fertile in fine writers; yet this is the judgment which antiquity has passed over it."*

۵۔ ایک اور بہت مشہور ترجمہ قرآن شریف کا لاطینی زبان میں فادر مراکشی نے لکھا اور حامل المتن معہ حاشیہ سنہ ۱۶۹۸ء میں چھپا اِس ترجمہ کی نسبت فاضل سیواری کی یہ رائے ہے کہ "اس فاضل راہب نے جس نے چالیس برس ترجمہ اور تردید کرنے میں صرف کئے صحیح طریقہ کا برتاؤ کیا یعنی اس نے متن کے موافق اس کی آیتوں کی تقسیم کی مگر اس نے ترجمہ لفظی کر ڈالا اس نے قرآن کے مضمون کو نہیں بیان کیا بلکہ اس کو لاطینی وحشی زبان میں پریشان کر دیا ہے اور گو اصل عبارت کی سب خوبیاں اس ترجمہ سے جاتی رہیں تاہم اِس ترجمہ کو ڈورائر کے ترجمہ پر ترجیح ہے" انتہی +

"Of Maracci's translations Savary says : Maracci that learned monk, who spent forty years in translating and reiting the Koran, proceeded on the right system. He divided it into verses according to the text; but, neglecting the precept of a great master.

'Noc verbum verbo carabis reddere, fidus Interpres, &c.

* Sale's translation of the Koran, page 7, note.

The translated it literally. He has not expressed the ideas of the Koran, but travestied the words of it into barbarous Latin. Yet, though all the beauties of the original are lost in this translation, it is preferable to that of Du Ryre"

۶ـ ایک رسالہ بھی مسلمانوں کی تردید میں اس ترجمہ کے ہم لخت چھپا تھا۔ اس کی طرز استدلال کی نسبت مسٹر جارج سیل لکھتے ہیں کہ "جو حاشئے اس نے لگائے وہ تو بڑے فائدے کے ہیں مگر اس کی تردید جس کی وجہ سے کتاب کی ضخامت بہت بڑھ گئی وہ بہت ہی کم یا کسی کام کی نہیں کیونکہ اکثر غیر کافی اور گاہ گاہ گستاخ ہے" +

"The notes he had added are indeed of great use; but his refutations, which swell the work to a large volume, or of little or none at all, being often unsatisfactory, and sometimes impertinent."—G Sale.

۷ـ سنہ ۱۷۳۴ء میں جارج سیل صاحب کا انگریزی ترجمہ قرآن مترجم کی زندگی میں چھپا یہ ترجمہ بہ نسبت اگلے ترجموں سے زیادہ تر صحیح اور صاف ہوا اور اس وقت سے تمام اہل تحقیق اور اہل علم میں معتبر اور مشہور ہے مگر اس میں جو نقص رہ گیا وہ یہ ہے۔ کہ مترجم نے آیتوں کی تفریق نہیں کی اور تمام کتاب کو ایک بیان مسلسل کر دیا۔ اور یہ ایک بہت بڑا نقص تھا جس کی اہل علم میں بڑی شکایت تھی اور ناواقفوں کو طعنہ کی گنجائش۔ ایک امر کی اور بھی شکایت ریورینڈ راڈویل نے کی ہے کہ سیل نے ترجمہ قرآن میں مراکشی کے تتبع پر تفسیری فقرے بھی متن میں لکھے ہیں (گو ان کو پوری تمیز کے لئے دوسری قسم کے حرف میں لکھا) اور یہ کہ سیکسن کی زبان کے عوض اکثر الفاظ لاطن زبان کے لکھے ہیں +

Sale has, however followed Maracci too closely. especially by intioducing his paraph rastic comments into the body of the text, as well as by his constant use of Latinized instead of Saxon words.

Revd J. M. Rodwell's translation of the Koran.

page XXV

۸ـ ان ترجموں کے بعد ریورینڈ راڈویل (جو دار العلم کیمبرج سے مخاطب بخطاب فضل العلما ہیں) کا ترجمہ انگریزی سنہ ۱۸۶۱ء میں مشتہر ہوا۔ اس ترجمہ میں دو باتیں نئی اور لائق تعریف ہیں ایک تو یہ کہ ہر ایک آیت کا ترجمہ بالکل علیحدہ علیحدہ کیا ہے اور ایک ایک عشرہ پر ہندسہ شمار بھی قائم کیا

Sale's translation of the Koran, page 8, note.

۹۔ سورتوں کی یہ ترتیب بہت قدیم ہے اور غالباً صرف حجم اور ضخامت کے اعتبار پر ہے مثلاً پہلی سبع طوال (یعنی سات لمبی سورتیں) پھر مئون (یعنی سو سو آیت تک کی سورتیں) پھر مثانی (جن میں سو سو آیتوں سے زیادہ ہیں) پھر مفصل (باقی کی چھوٹی چھوٹی سورتیں) مگر اس ترتیب کی رعایت ضروری نہیں ہے۔ مصحف حضرت علیؓ اور ابن مسعود و ابی کی جدا جدا ترتیبیں تھیں +

قال الباقلانیؒ ان ترتیب السور لا یجب فی الکتابۃ ولا فی الصلوٰۃ ولا فی الدرس والتلقین وانہ لم یکن نص ولا حد یحرم مخالفۃ ولذا اختلف بترتیب المصحف قبل عثمان مجمع بحار الانوار۔ تکملہ (ج) ص ۳۳ +

سورتوں کے سیاق اور ترتیب میں غالباً اہل یورپ نے مسلمانوں کی بہ نسبت زیادہ دقیق نظر کی اور باریکیاں نکالیں اور جودت و ذہانت دکھلائی وہ کہتے ہیں کہ اس کی عبارت کہیں تو مجمل دلیر اعلےٰ و افضل جلال سے بھری ہوئی تیز آسان اور باہم متشابہ ہے۔ اور کہیں مفصل کثیر الفقرات مغلق ملائم اور منشور ہے اور انہیں مختلف[1] کیفیتوں پر یورپین اہل تحقیق نے جہاں کہ روایتوں سے تاریخ نزول نہیں ملی ترتیب کی بنا رکھی ہے۔ دیکھو چیمبرس انسائیکلوپیڈیا جلد ۵ +

The style varies considerably, sometimes concise and bold, sublime and majestic, impasionate, fluent and harmonious, obscure, tame and prosy; and on this difference modern investigators have endeavoured to form a chronological arrangement of the Koran, wherein other dates fail.

" Chamber's Encycl. Vol. V.

ایک اور محقق عمانوئیل ڈوی اوش (اسرائیلی) کہتا ہے کہ عموماً تین قسمیں اصل میں ہو سکتی ہیں۔ ایک ابتداء کے زمانہ کے مجاہدات جس کی علامتیں کلام شعر گوئی میں طبیعت کی روانی اور نیچر کے محاسن کا احساس شدت سے بڑی حرارت کے کوہ آتش فشاں کی مانند دفعتاً بھڑک اٹھنے سے جن کا

[1] قال الخطابی والتحقیق ان اجناس الکلام مختلفۃ ومراتبہا فی درجات البیان متفاوتہ فمنہا البلیغ الرصین الجزل ومنہا الفصیح القریب السہل ومنہا الجائز الطلق الرسل وھذہ اقسام الکلام الفاضل المحمود فالاول اعلاھا والثانی اوسطھا والثالث ادناھا واقربہا فحازت بلاغات القرآن من کل قسم ھذہ الاقسام حصۃ واخذت من کل نوع شعبۃ فانتظم لہا بانتظام ھذہ الاوصاف نمط من الکلام یجمع صفتی الفخامۃ والعذوبۃ وھما علی الانفراد فی نعوتھما کالمتضادین لان العذوبۃ نتاج السہولۃ والجزالۃ والمقالۃ۔ یعالجان نوعا من الزعورۃ فکان اجتماع الامرین فی نظمہ مع نبو کل واحد منہما علی الآخر فضیلۃ خص بہا القرآن لیکون آیۃ بینۃ صلی اللہ علیہ وسلم۔ اتقان نوع ۶۴

الفاظ میں منتظم ہونا بھی دشوار ہے۔ پائی جاتی ہے۔ اور زیادہ تر نثر کی عبارت اور نصائح کے احکام بلوغ اور رشد کے زمانہ پر دلالت کرتے ہیں اور اوامر و نواہی اور خطبی اور احکام و نصایح کی تکرار اور کتب سابقہ کی اعانت چھوڑ دینا یہ اشارا کرتے ہیں۔ اقتدار کے حصول کامل اور رسالت کی تکمیل اور تتمیم پر۔ دیکھو رسالہ کوارٹرلے ریویو جلد ۱۲۷ نمبری ۲۵۴۔ لنڈن سنہ ۱۸۶۹ء +

Broadly speaking, three principal divisions may; with psychological truth be established; the first, corresponding to the period of early struggles, being marked by the beauties of nature, in
period of early struggles being marked by the beauties of nature, in
sudden, most passionate, lava-like outbursts, which seem scarcely to articulate themselves into words.
The more prosaic and didactic warns us of the approach of manhood, while the dogmatising, the sermonising, the reiterations and the abandoning of all Scriptural and Haggadistic help-mates poin to the secure possession power, to the consummation and complection of the mission."

THE QUARTERLY REVIEW. VOL. 127 No. 254.
LONDON 1869 Art. "Islam."

مگر ان لوگوں کے یہ خیالات محض قیاسی ہیں عبارتوں کا اختلاف ایسے حالات اور حوادث کا نتیجہ نہیں ہے۔ دیکھو چمبرس نے اسی مقام پر متصلاً لکھا ہے کہ "ان کوششوں میں کامیابی نہیں ہو گی کیونکہ جوانی کا کمال کہولت کا زمانہ اور انحطاط جرأت ایسی چیزیں نہیں ہیں جو ایسے آدمی کی تحریریں جیسے محمد (صلعم) تھے بآسانی دریافت ہو سکیں" +

"But none of these attempts can ever be successful, ful manhood, approaching age and declining vigour are not things so easily trased in the writings of a man like Mohammed." Chambers Ibid.

۱۰۔ اور بالآخر ان اہل نظر کو اس میں اعتراف کرنا پڑا کہ "یہ تبادل یعنی کلام کا ایک حالت سے دوسری حالت کو بدل جانا[1] تیز اور دفعتہً جیسے بجلی کی سی چمک۔ قرآن کی بڑی سحر بیانیوں میں سے

[1] قال بعضہم الفرق بین التخلص والاستطراد۔ انک فی التخلص ترکت ماکنت فیہ بالکلیۃ واقبلت علی ما تخلصت الیہ۔ وفی الاستطراد تمر بذکر الامر الذی استطردت الیہ مرورا کالبرق الخاطف ثم تترکہ وتعود الی ماکنت فیہ کانک لم تقصدہ وانما عرض عروضاً قال وبہذا یظہر ان ما فی سورتی الاعراف والشعراء من باب الاستطراد لا التخلص لعودہ فی الاعراف الی قصۃ موسی لقولہ ومن قوم موسی امۃ الی آخرہ۔ وفی الشعراء الی ذکر الانبیاء

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۱۲)

ہے۔چنانچہ فاضل جرمنی گیٹا کہتا ہے کہ جب کبھی ہم قرآن کو پڑھتے ہیں تو ہمیشہ تازہ معلوم ہوتا ہے۔اور بتدریج اس کی کشش پائی جاتی ہے۔تعجب دلاتا ہے[1] اور بالآخر اپنا فریفتہ کرلیتا ہے[2] دیکھو وہی رسالہ اسی مقام پر +

"And it is, exaclty in these transitions, quick and sudden as lightning, that one of the great charms of the book, as it now stands, consists, and well might Goethe say that, 'as often as we approach it, it always proves repulsive anew, gradually, however, it attracts, it astonishes and, in end forces int admiration.'—

"The Quarterly Review." Ibid.

۱۱—قرآن کی آیتوں کی ترتیب جس پر یہاں ضمناً گفتگو ہو رہی ہے عجیب حسن اور حکمت سے ہے۔غیر ملکوں میں جو قرآن کے ترجمہ ہوئے اور اُن میں سے اکثر نے اس کو ایک بیان مسلسل کردیا اس وجہ سے اس کا لطف مناسبت وارتباط آیات جاتا رہا اور ترجمہ کے

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۱۱ والامم۔ ویقرب من حسن التخلص الانتقال من حدیث الی اخر تنشیطا للسامع مفصولا بهذا كقوله فی سورة ص بعد ذكر الانبیاء۔ هذا ذكر وان للمتقين لحسن مآب فان هذا القرآن نوع من الذكر لما انتهى ذكر الانبياء وهو نوع من التنزيل اراد ان يذكر نوعا اخر وهو ذكر الجنة واهلها ثم لما فرغ قال هذا وان للطاغين لشر مآب فذكر النار واهلها اتقان نوع ۶۲ ص ۲۵۳

[1] "انا سمعنا قرآنا عجبا" سورة الجن +

[2] وقد قلت فی اعجاز القرآن وجها ذهب عنه الناس وهو صنيعه فی القلوب وتاثيره فی النفوس فانك لا تسمع كلاما غير القرآن منظوما ولا منثورا اذا قرع السمع خلص له الى القلب من اللذة والحلاوة فی حال ذی الروعة والمهابة فی حال اخر ما تخلص منه اليه قال تعالى۔ لو انزلنا هذا القرآن على جبل لرايته خاشعا متصدعا من خشية الله وقال لو نزل احسن الحديث كتابا متشابها مثانی تقشعر منه جلود الذين يخشون ربهم۔ خطابی (على ما نقل عنه فی الاتقان ۶۴ ص ۲۵۸) +

ومنها الروعة التی تلحق قلوب سامعيه عند سماعهم والهيبة التی تعتريهم عند تلاوته وقد اسلم جماعة عند سماع الايات منه كما وقع لجبير بن مطعم انه سمع النبی صلى الله عليه وسلم يقرء بالمغرب بالطور قال فلما بلغ هذه الاية ام خلقوا من غير شیء ام هم الخالقون الى قوله المصيطرون كاد قلبی ان يطير۔ قال وذالك اول ما وقر الاسلام فی قلبی۔ وقد مات جماعة عند سماع آيات منه (ايضاً ص ۲۶۰) +

پڑھنے والوں کو ایک بے مزہ پھیکی اُلجھاؤ کی تقریر معلوم ہوتی ہے ؛

"One assemblage" says M. Karimirski in his preface, "informe et incoherent de preceptes moraux, religieux, civils et politique maled' exhortations, de promesses, et de menaces."

مگر درحقیقت ایسا نہیں ہے - کیونکہ ہرچند کہ قرآن کا نزول مختلف واقعات اور متفرق اسباب پر ایک عرصہ دراز میں ہوا جن کی وجہ سے اکثر ایسی عبارتیں جو جملۃً واحدۃً نازل ہوئیں مستغنی عن الغیر اور اکثر آیتیں مستقل ہیں اور ایسے فقرات کے باہم اتساق اور ارتباط کی توقع عبث ہے[1] مگر تاہم اکثر آیات کا ربط خفی اور مناسبت معنوی بڑی حکمت کی ہے اور عموماً مفسرین نے اس دشوار گذار راہ اور دقیق مرحلہ میں گذر نہیں کیا[2] ؛

۱۲- قرآن کی آیات اپنی ذات سے اور نیز واقعات کے لحاظ سے اور اس وقت کی رسم و عادات کی نظر سے جیسا کہ متفرق متفرق ہوتی تھیں ویسی ہی اُن کی قرأت تھی اکثر زبانی

[1] المناسبۃ علم حسن لکن یشترط فی حسن ارتباط الکلام ان یقع فی امر متحد مرتبط اولہ بآخرہ فان وقع علی اسباب مختلفۃ لم یقع فیہ ارتباط و من ربط ذلک فھو متکلف بما لا یقدر علیہ الا بربط رکیک یصان عن مثلہ حسن الحدیث فضلاً عن احسنہ فان القرآن نزل فی نیف و عشرین سنۃ فی احکام مختلفۃ شرعت لاسباب مختلفۃ وما کان کذلک لا یتاتی ربط بعضہ ببعضٍ - شیخ عزالدین بن عبد السّلام ؛

[2] علم المناسبۃ علم شریف قل اعتناء المفسرین بہ لدقتہ و ممن اکثر منہ الامام فخر الدین - اول من اظہر علم المناسبۃ الشیخ ابوبکر النیشاپوری و کان عزیز العلم فی الشریعۃ و الادب و کان یقول علی الکرسی اذا قری علیہ لم جعلت ھذہ الآیۃ الی جنب ھذہ وما الحکمۃ فی جعل ھذہ السورۃ الی جنب ھذہ السورۃ و کان یزری علی علماء بغداد لعدم علمھم بالمناسبۃ - وقال الامام الرازی فی سورۃ البقرۃ ومن تامل فی لطائف نظم ھذہ السورۃ وفی بدایع ترتیبھا علم ان القرآن کما انہ معجز بحسب فصاحۃ الفاظہ و شرف معانیہ فھو ایضاً بسبب ترتیبہ و نظم آیاتہ - ولعل الذین قالوا انہ معجز بسبب اسلوبہ ارادوا ذلک الا انی رایت المفسرین معرضین عن ھذہ اللطائف غیر متنبھین لھذہ الاسرار ولیس الامر فی ھذہ الباب الا کما قیل

والنجم تستصغر الابصار صورتہ
والذنب للطرف لا للنجم فی الصغر - اتقان ۴۲

ہُوا کرتی تھی اور سُننے والوں کی جماعت کے آگے قرآن پڑھ سُنایا جاتا تھا اور اس وجہ سے بہت کچھ باتیں از قسم ندا و تعجب و سکون و ترتیل یا مد و قصر و استفہام و مبالغہ پڑھنے والے کے حسن ادا پر موقوف رہتی تھیں۔ اور اس وجہ سے بہت سے الفاظ جن کی کتابت میں ضرورت ہوتی ہے پڑھ سُنانے میں حاجت نہیں پڑتی تھی اور اُس کا ایسا ایک مذاق ہوتا تھا کہ سننے والے اُس پر غش کرتے تھے اور وجد میں آتے تھے[۱]۔ اور سنگدل مخالف اسکی قرأت میں شور و غل کرتے تھے تاکہ اَور لوگ اس پر دل نہ لگاویں[۲] +

راڈویل صاحب دیباچہ ترجمہ قرآن صفحہ ۱۱ میں لکھتے ہیں:-

"And of the Suras it must be remarked that they were intended not for *readers* but for *hearers*—that they were all promulgated by public *recital*—and that much was left, as the imperfect sentences show, to the manner and suggestive action of the reciter."

The Koran translated by the Revd. J. M. Rodwell M. A.

یعنی سب سورتیں پڑھنے والوں سے خطاب نہیں کی گئی تھیں بلکہ سننے والوں سے خطاب کی گئی تھیں اور سب کی سب جلسہ عام میں پڑھی جاتی تھیں اور بہت کچھ (جیسا کہ ناتمام فقروں سے ظاہر ہوتا ہے) پڑھ سنانے والے کے آداب اور طرز ادا پر چھوڑا جاتا تھا +

چنانچہ قاری کی اس طرز و انداز اور چیزوں کی رعایت پر قرآن مجید میں بھی اشارہ ہُوا ہے +

وقرانا فرقناہ لتقراہ علی الناس علی مکث - (اسری ۱۲ ع ۶) +

یعنی پڑھنے کا وظیفہ کیا ہم نے اُس کو ثابت کرتا کہ تو اُس کو لوگوں پر ٹھہر ٹھہر کے پڑھے اور ورتلنٰہ ترتیلا (فرقان ۳۱) پڑھ سُنایا اُس کو ہم نے ٹھہر ٹھہر کر +

اس نکتہ باریک کی رعایت سے ترتیب کی مناسبت اور بہت سی مشکلات کا حل ہونا حاصل ہوتا ہے +

۱۳- قرآن کی کتابت اور حفاظت کا اہتمام جناب پیغمبرؐ کے زمانہ حیات میں اُس شان اور نگہداشت سے ہوتا تھا کہ ایک جماعت صحابہ کلمات وحی کو لکھتی تھی اور دوسری

---

[۱] ان الذین اوتوا العلم من قبلہ اذا یتلی علیہم یخرون للاذقان سجدا - (اسری ۱) +
ویخرون للاذقان یبکون ویزیدھم خشوعا (ایضاً) +

[۲] وقال الذین کفروا لا تسمعوا لھذا القرآن والغوا فیہ لعلکم تغلبون - (حٰم سجدہ)

جماعت اُس کے حفظ کرنے پر متعیّن اور بہت سے اصحاب حافظ اور جامع ہی تھے چنانچہ تمام قرآن جتنا کہ اب موجود ہے جناب پیغمبرؐ کے زمانہ میں لکھا جاچکا تھا۔ اور خود قرآن میں متعدد مقامات پر اس کے مکتوب ہونے پر اشارہ اور تصریح ہوئی ہے اور لکھنے والوں کا بھی ذکر ہوا ہے +

(۱) "کلا انھا تذکرہ" +

"فمن شاء ذکرہ" +

"فی صحف مکرمہ" +

"مرفوعۃ مطہرہ" +

"بایدی سفرۃ" +

"کرام بررہ" + (عبس ۱۱-۱۶)

یعنی یہ قرآن اک نصیحت ہے۔ پھر جو کوئی چاہے اُس کو پڑھے۔ لکھی ہے ادب کے ورقوں میں۔ عالی اور پاک۔ ہاتھوں میں لکھنے والوں کے جو معزز اور نیک ہیں +

یہ بہت قدیم سورہ ہے اور غالباً ہجرت حبشہ کے پہلے کی ہے۔ یہ زمانہ ابتدا اسلام کا زمانہ تھا۔ اس وقت میں کاتبان قرآن کی تعریف اور توثیق ہوئی جس سے قدیم سے اسکی کتابت اور حفاظت کا اہتمام ثابت ہوتا ہے +

(۲) "بل ھو قران مجید" +

"فی لوح محفوظ" + (بروج ۲۱ و ۲۲)

یعنی یہ قرآن ہے بڑی شان کا۔ لکھا ہے تختی پر جس کی نگہبانی ہوتی ہے +

لوح کہتے ہیں شانہ کو اور شانہ کی چوڑی ہڈی پر قرآن لکھا جاتا تھا۔ (لوح۔ کتف و ہرچہ پہن باشد از استخوان وچوب وتختہ۔ صراح ۔ وفیہ ایتونی بکتف وبدوات اکتب لکم کتابا وھو عظم عریض فی اصل الحیوان کانوا یکتبون فیہ لقلۃ القراطیس عندھم۔ مجمع بحار الانوار) جس شخص کو سابق کی کتب مقدسہ کی تحریر اور حفاظت کے سامان پر تھوڑی سی بھی اطلاع ہوگی اور جانتا ہوگا کہ بنی اسرائیل میں کتب مقدسہ کے لکھنے کا کیا دستور تھا اور ان پر کیا کیا حادثہ پڑے اور اُس کو لفظ "محفوظ" سے بعلم یقینی معلوم ہوگا کہ کس بات کی رعایت رکھی گئی ہے +

یہ سورہ بھی قدیم مکّی سورتوں میں سے ہے +

۵؎ بل ھو ایات بینات فی صدور الذین اوتوا العلم" عنکبوت ۴۵ +

(۱۳) "وکتاب مسطور" +

"فی رق منشور" + (طور ۲ و ۳)

یعنی قسم ہے لکھی کتاب کی۔ کشادہ ورق میں +

سورہ طور بھی مکی سورت ہے جو قبل ہجرت نازل ہوئی۔ رق کہتے ہیں چمڑے کو جس پر اگلے زمانہ میں کتابیں لکھی جاتی تھیں رق بالفتح پوست آہو کہ بروے نویسند (صراح)۔ رق جلد رقیق یکتب فیہ (قاموس) +

قدیم زمانہ میں مصریوں نے کتابت کے واسطے پیرس کا کاغذ ایجاد کیا۔ اہل مصر اس کاغذ کو جو ایک درخت کے پتوں سے بنایا جاتا تھا پاپو کہتے تھے وہیں سے اہل یونان نے پلیپرس کہنا شروع کیا۔ عبری زبان میں اسے گومی کہتے تھے شاید یہ لفظ قبطی زبان سے لیا گیا ہے کیونکہ وہ لوگ کتاب کی جلد کو گوم کہتے ہیں اور عربی جدید میں اس کا نام بردی ہے۔ پہلے تمام ممالک میں اسی کاغذ پر کتابیں لکھی جاتی تھیں مگر جب یومینوس دوسرے بادشاہ مصر نے پیرس کا غیر ملک کو جانا بند کر دیا تب شہر پرگوس میں (جو ایشیائے کوچک میں بہت آباد اور اب اس کی خرابات کا نام پرگمہ ہے)۔ چمڑے کا کاغذ بننا شروع ہوا اور اسی شہر کے نام سے معروف ہوا۔ چنانچہ اسی پرگوس کو بگاڑ کے انگریزی میں پارچمنٹ کہتے ہیں سنہ عیسوی سے اک صدی پیشتر اس چرمی کاغذ کا خوب رواج ہو گیا تھا۔ ہیروڈوٹس نے اپنے زمانہ میں چمڑے کے کاغذ کی کتابوں کا ذکر کیا ہے۔ یہ مورخ تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے بھی پانچ سو برس تخمیناً پیشتر ہوا ہے۔ مگر پلینی نے اس کی ایجاد کی تاریخ ۱۹۶ سال قبل سنہ عیسوی قرار دی +

اس آیت سے قرآن کا مکتوب ہونا تو ظاہر ہے مگر لفظ رق نے بہت بڑا فائدہ یہ دیا کہ اسکا چمڑے کے ورقوں پر لکھا جانا ثابت ہوا۔ ہم کو خبر ملی ہے کہ انجیل کے نسخے پیرس کاغذ پر لکھے جاتے تھے اور چونکہ یہ کاغذ بہت سستا تھا اس لئے بہت ہی بودا اور ناپائدار تھا اور انجیل کے نسخے دست بدست مومنین میں متداول رہنے سے بہت جلد تلف ہو جاتے تھے (دیکھو چمبرس۔ انسائیکلوپیڈیا۔ آرٹیکل بیبل) اس لئے قرآن کی زیادہ حفاظت اور صیانت کے لئے اس کو شروع میں چمڑے کے ورقوں پر لکھتے تھے +

اور روائتیں بھی اسی کی تائید میں ہیں کہ پہلے قرآن قطعات ادیم یعنی چمڑے پر لکھا جاتا تھا علامہ ابن حجر کا قول تفسیر اتقان (نوع ۱۸ ص ۱۲۴ سنہ ۱۲۷۸ھ) میں منقول ہے۔ انما کان فی الادیم والعسب اولا قبل ان یجمع فی عہد ابوبکر ثم جمع فی الصحف فی عہد ابی بکر کما دلت علیہ اخبار الصحیحہ المترادفہ +

(۴) "انه لقرآن کریم" +
"فی کتاب مکنون" +
"لایمسه الا المطہرون" + (واقعہ ۷۶-۷۸)
یعنی بے شک یہ قرآن ہے عزت والا لکھا ہوا ہے محفوظ کتاب میں اُس کو وہی چھوتے ہیں جو پاک ہیں +
اِس میں قرآن کی تعریف میں وہی کتابت اور حفاظت بیان ہوئی ہے اور یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ قرآن کے نسخے بکثرت موجود تھے اور عوام میں منتشر تھے ۔ اور کتاب مکنون کہتے ہیں اشارا اس پر کہ کاتبوں کے وہم اور غلط سے محفوظ ہے ۔ اور جس شخص کو کاتبوں کی بے احتیاطی غفلت اور خود رائی کی اصلاح جو اُنھوں نے کتب سابقہ کی نقل و کتابت میں کی ہے معلوم ہو اس کو البتہ ان الفاظ کا مکنون اور محفوظ کا بھید اور کاتبوں کی دیانت اور امانت کی توثیق کی وجہ خوب ظاہر و روشن ہوگی +
(۵) یہ تو مکہ کی کیفیت تھی اور مدنی آیتوں میں اَور بھی زیادہ قرآن کے مکتوب ہونے کا ذکر ہے +
"رسول من اللہ یتلوا صحف مطہرۃ" +
"فیہا کتب قیمہ" + (بینہ ۲ و ۳)
یعنی رسول اللہ کا پڑھتا ہوا پاک نوشتے جن میں سچی کتابیں لکھی ہوئی ہیں +
(۶) کئی جگہ قرآن کو کتابت کے لفظ سے یاد کیا ہے +
"ذالک الکتاب لاریب فیہ" + (بقرہ)
"کتاب احکمت آیاتہ" + (نساء)
"انزل علیک الکتاب" + (نور)
ان کُل آیات پر نظر کرنے سے ظاہر ہے کہ مدینہ میں قرآن کے نسخوں کی بہت کثرت سے اشاعت ہوگئی تھی اور آپ سے آپ ہی ایسا ہوا ہوگا کیونکہ جبکہ مکہ میں قرآن کے متعدد نسخے موجود تھے اور ایک جماعت کاتبوں کی مستعد تھی حالانکہ وہ زمانہ اسلام کی مصیبت کا تھا اور مسلمان بھی کم تھے اور جبکہ مدینہ میں مسلمانوں کو امن ملا اور تعداد بھی بڑھی تو بالضرور کتابت کی کثرت اور دور دور نسخے منتشر ہوئے ہونگے +
۴ ا ۔ ایک تو اِس وجہ سے کہ عرب میں اکثر لوگ اپنی عادت اور طبیعت کی وجہ سے نصیحت کی باتوں اور تاریخی حالات کو شعر اور قصیدوں کو حفظ کرنے کے عادی تھے اور دوسرے

اس وجہ سے کہ قرآن کے عالی مضامین اور عمدہ نصیحتیں اور خدا کی صفات اور مکارم اخلاق اس زمانہ کے کاہنوں اور شاعروں کے خیالات سے نہایت عمدہ اور افضل اور فصاحت و بلاغت میں لاثانی اور بے مثل اور ہمیشہ عجائبات قدرت کا ذکر اس میں پایا جاتا تھا اس جہت سے عرب کے لوگ اس کو اور بھی پسند کرتے تھے اور عبارت اور مضمون دونوں کی خوبی پر لوٹ جاتے تھے اور اچنبھے سے سُنتے اور توجہ سے کان لگاتے تھے۔ پس یہ باتیں اس کی حفظ اور نگہداشت پر علاوہ زمانہ کی عادت اور رسم کے اَور بھی قوی وجہیں ہوئیں +

جناب پیغمبر کی حیات میں تمام جزیرہ عرب میں اسلام مشہور ہو گیا تھا بحر قلزم سے یکیمین کے کنارے تک وہاں سے خلیج فارس کے آخر تک اور فرات سے ہوتا ہوا ملک شام کے کنارے کنارے پر بحر قلزم تک تمام ملک اسلام سے معمور تھا اس میں کثرت سے دیہات اور قصبات آباد تھے اور بحرین نجد و عمان و قبیلہ بنی طے و ربیعہ و قضاعہ و طایف و مکہ و مدینہ وغیرہ شہروں اور بستیوں میں قرآن کی تلاوت اور کتابت بڑی کثرت اور شوق اور احترام اور دینداری سے ہوتی تھی اور ایک ہی متن مصحف سب اطراف میں شایع اور منتشر تھا +

"ذکر السیّد الاجل المرتضے علم الھدیٰ ذو المجد ابو القاسم علی بن الحسین الموسوی ان القرآن کان علی عھد رسول اللہ صلعم مجموعاً مولفاً علی ما ھو علیہ الآن واستدل علی ذالک بان القرآن کان یدرس ویحفظ جمیعہ فی ذالک الزمان وانہ کان یعرض علی النبیے ویتلے علیہ وان جماعۃ من الصحابۃ کعبد اللہ بن مسعود وابي ابن کعب وغیرھم ختموا القرآن علی النبیے صلی اللہ علیہ وسلم عدت ختمات وکل ذالک بادنی تامل یدل علی انہ کان مجموعاً مرتباً غیر منشورۃ ولا مبثوث" + (تفسیر مجمع البیان الطبرسی)

"قال ابو محمد رحمۃ اللہ مات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والسّلام قد انتشر وظھر في جمیع جزیرۃ العرب من مقطع البحر المعروف ببحر القلزم مارّاً الی سواحل الیمن کلھا الی بحر الفارس الی منقطعۃ مارا الی الفرات ثم علی منقطعۃ وصفیہ الی منقطع الشام الی بحر القلزم وفی ھذہ الجزیرۃ من المدن والقری مالا یعلم الا اللہ عزوجل کالیمن والبحرین والعمان والنجد وجبل طی بلاد مصر وربیعہ وقضاعہ والطائف ومکہ کلھم قد اسلم و بنو المساجد لیس فیھا مدینۃ ولا قریۃ ولا حلۃ لاعراب وقد قری فیہ القرآن فی الصلوٰۃ وعلمہ الصبیان والرجال والنساء وکتب" + (کتاب الفیصل لابو محمد ابن حزم الاندلسی)

شیخ محدث حر عاملی رسالہ تواتر قرآن میں لکھتے ہیں "(من) تتبع الاخبار فی تصفح الاثار

من کتب الاحادیث والتواریخ وغیر ذلک فانہ یعلم قطعاان (القرآن) کان فی غایۃ الکثرۃ نقلہ من الناقلین اکثرمنہم وانہ مازال یزید وقد تقدم فی کلام سید المرتضیٰ انہ کان مجموعاً مولفاً علی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ ویاتی کثیر مما یدل علی ذلک فظہر انہ بلغ حد المتواتر بل زاد علیہ بمراتب کثیرۃ" +

۱۵- یورپ کے علما اور اہل تحقیق نے قرآن کے حفظ وضبط اور کتابت کی تفصیلی کیفیتوں کے بیان میں بہت غلطیاں کی ہیں گو اس کے لفظی تواتر اور تحریف سے محفوظ رہنے کو سب ہی نے تسلیم کیا ہے مگر اکثر یہی سمجھے ہوئے تھے کہ آنحضرتؐ کے زمانہ میں قرآن لکھا ہوا نہیں تھا- ایک سال بعد انتقال کے جمع ہوا- اور جارج سیل بااینہمہ کثرت معلومات لکھتے ہیں- کہ جبکہ کاتب وحی نئی سورۃ کو لکھ لیتے تو مسلمانوں میں مشتہر کی جاتی اور کئی لوگ تو اس کی نقلیں اپنے اپنے لئے لکھ لیتے مگر اکثر تو حفظ ہی یاد کرتے تھے اور جب وہ اصل تحریریں واپس آیا کرتی تھیں- تو ان کو بلا ترتیب ایک صندوق میں جمع رکھتے جاتے تھے + +

اس میں اگر غرابت ہے تو صرف صندوق کے ذکر میں ہے ورنہ آخر ان اصلی نوشتوں کی حفاظت کے لئے تو کوئی صورت تجویز کی گئی ہو اور گو کہ ہر ایک وحی کی تحریر میں بظن غالب آلات کتابت کی موافقت اور یگانگت ممکن نہ تھی اور غالباً اصلی تحریریں پیریں (عسب) لخاف (نرم پتھر) قطع الادیم (پارچمنٹ) شانہ اور پسلی کی ہڈیوں (بالاکتاف والاضلاع) یا اونٹ کی پیٹھ پر رکھنے کی لکڑیوں (اقتاب) پر ہوتی تھی تو آخر وہ کہیں جمع تو رہتی ہونگی- اور ہرچند کہ بجائے موسوی الواح "حوث" کتوبین (شموس $\frac{۳۲}{۱۵}$) جناب پیغمبرؐ اور مسلمانوں کے دل کی زندہ تختیوں پر قرآن نقش ہو جاتا تھا- اور نیز مسلمانوں کے پاس سورتوں کی نقلیں اور صحف بھی محفوظ اور مکنون رہتی تھیں مگر ضرور ہے کہ ایک نسخہ خاص اور مصحف نبوی پر صحف مکرمہ- لوح محفوظ- کتاب مسطور- رق منشور- کتاب مکنون- اور صحف مطہرہ کا خصوصاً بھی اطلاق ہوتا تھا جمع رہتا ہوگا گو بعد میں جب کہ قرآن شہرت اور تواتر میں کامل ہو گیا تو اب بعد کے زمانہ میں نہ تو اصل نوشتوں کی حفاظت کی ضرورت رہی اور نہ کاتبوں کی توثیق کی +

"After the new revealed passages had been from the prophet's month taken down in writing by scribe, they were published to his followers, several of whom took copies for their private use, but the far greater number got them by heart. The originals, when returned, were put promiscuously into a chest."

G. Sale's Prel, Dis page 49.

۱۶۔ اب ہم متاخرین محققین یورپ کے نتیجہ تحقیق میں چند اقوال نقل کرتے ہیں :۔

(۱) سر ولیم میور کی تحقیق ایک امر میں بڑی تعریف کے لایق ہے۔ پہلی جلد مطبوعہ لندن ۱۸۶۱ء میں لکھتے ہیں ؛

Committed to memory by earely Moslems.

"But the preservation of the Koran during the life-time of Mahomed was not dependent on any such uncertain archives. The divine revelation was the corner stone I lam. The recital of a passage formed an essential part of every celebration of public worship; and its private perusal and repitition was enforced as a duty and a privilege, fraught with a richest religious merit. This is the universal voice of early tradition and may be gathered from the revelation itself. The Koran was accordingly committed to memory more or less by *every* adherent of Islam, and the extent to which it could be recite was reckoned one of the chief distinctions of nobility in the early Moslem emprie. The custom of Arabia favoared the task. Passionately fond of poetry, yet possessed of but limited means and skill in committing to writing the difusions of their bards, the Arabs had long been habituated to imprint them on living tablets of their hearts.

The recollective faculty was thus cultivated to the highest pitch, and it was applied, with all the ardour of an awakened Arab spirit, to the Koran Such was the tenacity of their memory, and so great their power of application, that several of Mohamets followers, according to early tradition, could, during his life-time repeat with scrupulous accuracy the entire revelation." The life of Mahomet by W. Muir Esq. Vol 1 page V.

ترجمہ "مگر محمد (صلعم) کی حیات میں قرآن کی حفاظت صرف ان متفرق تحریروں ہی میں منحصر نہیں تھی۔ یہی وحی الہٰی تمام مسلمانوں کا نبی تھا۔ ہر ایک جماعت عام میں قرآن پڑھنا ضروری تھا۔ اور خلوت میں قرآن کی تلاوت اور ذکر باعث ثواب عظیم تھا۔ یہ مضمون تمام روایات قدیم میں متواتر المعنی ہے اور خود قرآن ہی سے بھی پایا جاتا ہے اسی کے مطابق ہر ایک مسلمان کم و بیش حفظ کرتا تھا۔ اور مسلمانوں کی قدیم سلطنت میں جو شخص جس مقدار تک قرآن پڑھ سکتا تھا اسی اندازہ کے موافق اس کی قدر و منزلت ہوتی تھی اور عزت کی رسم سے اُسکی زیادہ تائید ہوئی۔ وہ لوگ نظم کے تو از حد مشتاق تھے اور فن کتابت کا سامان کافی اُنکے پاس نہ تھا۔ کہ خطبوں کو لکھ رکھتے اس لئے مدت سے وہ لوگ اس کے عادی ہوئے تھے

کہ اشعار وخطب کو اپنے دل کی زندہ تختیوں پر منقش کر رکھتے تھے۔ قوت حافظہ اُن کی انتہا کے درجہ پر تھی اور اُس کو وہ لوگ قرآن کی نسبت بکمال سرگرمی کام میں لاتے تھے۔ اُن کا حافظہ ایسا مضبوط اور اُن کی محنت ایسی قوی تھی کہ حسب روایات قدیم اکثر اصحاب محمدؐ (صلے اللہ علیہ وسلم) پیغمبر کی حیات ہی میں بڑی صحت کے ساتھ تمام وحی کو حفظ پڑھ سکتے تھے" +

کتاب سیرت محمدی مصنفہ آنریبل ولیم میور
جلد ۱ - صفحہ ۵ - مطبوعہ ۱۸۶۱ء

(۲)- پھر اسی باب میں لکھتے ہیں :-

"However retentive the Arab memory, we should have still regarded with distrust a transcript made entirely from that source. But there is good reason for believing that may fragmentary copies embracing among them the whole Koran, or nearly the whole, were made by Mahomet's follower during his life. * * * * * * The ability being thus possessed, it may be safely inferred that what was so indefatigably committed to memory, would be likewise committed carefully to writing."

W. Muir. Ibid.

یعنی عرب کا حافظہ کیسا ہی دیرپا کیوں نہ ہو تاہم ان تحریروں کو جو صرف یاد ہی سے لکھی جاتیں ہم بے اعتبار سمجھ لیتے۔ لیکن اس امر کے باور کرنے کی وجہ معقول ہے کہ بہت سی مجزی نقلیں جن میں کل قرآن شامل تھا یا جو تقریباً کل پر محتوی تھیں مسلمانوں نے پیغمبرؐ کی حیات میں لکھ لی تھیں + + + + جبکہ ان لوگوں کو لکھنے کی استعداد حاصل تھی تو صحیح نتیجہ نکل سکتا ہے۔ کہ جو چیز ایسی حفاظت شدید سے یاد کی جاتی تھی وہ اسی طرح بکمال احتیاط لکھی بھی جاتی ہوگی" +

(۳) اور پھر اسی مقام پر متصلاً لکھا ہے +

Tanscription of portions of the Koran common among the early Moslems.

"We also know that when a tribe first joined Islam, Mahomet was in the habit of deputing one or more of his followers to teach them the Koran and the requirements of his religion. We are frequently informed that they carried *written* instruc-

tions with them on latter point, and it is natural to conolude that they would provide themselves also with transeripts of the more important parts of the Revelation, especially those upon which the ceremonies of Islam were founded, and such as were usually recided at the publio prayers. Besides the reference in the Koran itself to its own existence in a written form, we have express mentiou made, in the authentic traeition of Omar's conversion, of a copy of the twentieth Sura being used by his sister's family for social and private devotional reading. This refers to a period preceding, by three or four years, the emigration to Medina. It transcripts of the revelation were made, and in common use, at that early time, when the followers of Islam were few ant oppressed, it seems a sure deduction that they multiplied exceedingly when the prophet came to power, and his Book formed the law of the greater part of Arabia."

Sir W. Muir, Ibid,

ترجمہ۔ ہم کو یہ بھی معلوم ہے کہ جب کوئی قبیلہ مسلمان ہوتا تھا تو محمدؐ (صلعم) کی عادت تھی کہ اپنے اصحاب میں سے کسی ایک یا دو اصحابی کو اُن کے پاس بھیجدیتے تھے تاکہ اُن کو قرآن اور ضروریات دین سکھلاویں۔ اور اکثر خبر ملتی ہے کہ وہ اپنے ساتھ مذہبی امور کی تعلیم کے لئے تحریریں لیجایا کرتے تھے پس لاجرم یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ وہ لوگ قرآن کی ضروری سورتیں بھی ہمراہ لیجایا کرتے ہونگے۔ بالتخصیص وہ اجزاء قرآن جن پر مذہبی رسوم موقوف تھیں اور جو نماز میں اکثر پڑھی جاتی تھیں۔ علاوہ ان تصریحات کے جو قرآن ہی میں خود اس کے مکتوب ہونے پر پائی جاتی ہیں اِک صحیح روایت میں جسمیں عمر رضی اللہ عنہ کے مسلمان ہونیکی کیفیت مروی ہے قرآن کی بیسویں سورۃ کی نقل کا تذکرہ ہے جو عمر رضی اللہ عنہ کی بہن کے گھر میں جو اُن کی ذاتی مصرف کے لئے تھی۔ یہ اُس زمانہ کا ذکر ہے جو ہجرت سے ۳ یا ۴ برس پیشتر گذرا تو اگر اس قدر قدیم زمانہ میں قرآن کی نقلیں لکھی جاتی تھیں اور عام تھیں درانحالیکہ مسلمان کم اور مظلوم تھے تو یقینی نتیجہ نکلتا ہے کہ جب پیغمبر صلعم کو قوت ہوئی اور یہ کتاب اکثر ملک عرب کے لئے شریعت قرار پائی جاتی تو اس وقت قرآن کے نسخہ کثرت سے بڑھ گئے ہونگے۔ (ایضاً ص ۹ و ۱۰) +

(۴) پھر ایک جگہ صفحہ ۲ کے حاشیہ پر لکھا ہے +

" It is evident that the revelations were recorded, because they are called frequently throughout the Koran itself *kitab*, *i. e.* " the writing, " " scriptureres."

یعنی یہ بات بدیہی ہے کہ وحی لکھی جایا کرتی تھی کیونکہ خود قرآن میں بارہا اس کا کتاب نام رکھا گیا ہے ✦

(۵) اور راڈویل صاحب سورہ قیامہ وطہٰ کی بعض آیات سے استنباط کرتے ہیں کہ شروع ہی سے محمد صلعم نے ایک لکھی ہوئی کتاب کے مشتہر کرنے کا منصوبہ کر لیا تھا ✦

"Weare led to conclasion that, from the first, Mahommed h.d formed the plain of promulgating a written book."

Revd. J. M. Rodwell p. 47.

(۶) لا یمسہ الا المطہرون کے حاشیہ پر لکھتے ہیں کہ "یہ آیت اس امر پر متضمن ہے کہ لااقل قرآن کے اجزا کی نقلیں عام کے استعمال میں موجود تھیں اور جب عمر رضی اللہ عنہ ایمان لائے اور اُنھوں نے اپنی بہن کے ہاتھ سے بیسویں سورہ کی نقل لے لینی چاہی تب اُن کی بہن نے اسی آیت کا حوالہ دیا تھا" ✦

"This passage implies the existence of copies of portions at least of the Koran in comman use. It was quoted by sister of Omar when at his conversion he desired to take her copy of Surea XX, into his hand."

Revd. Rodwell. p. 93.

۷۔ اب یہاں پر ایک شبہ یہ وارد ہوگا کہ جبکہ قرآن جناب پیغمبرؐ ہی کے زمانہ میں سب لکھا گیا اور خود قرآن ہی سے اس کا مسطور و مکتوب ہونا ثابت ہے تو پھر عہد خلافت صدیق میں جمع ہونا کیا معنی اور حضرت عثمانؓ کا جامع القرآن ہونا کیسا ✦

جواب

حضرت خلیفہ اوّل کے عہد میں قرآن جمع کئے جانے اور اس سے پہلے اس کا جمع کیا ہوا نہ ہونے کی خبر منجملہ اخبار احاد ہے جو قطعی اور یقینی حالت کے مقابلہ میں قائم نہیں رہ سکتی۔ اور اس کی تقریر ایسی مبالغہ آمیز ہے کہ قطعی واقعات کے خلاف ہے۔ پھر اگر اسی طور سے زید ابن ثابت کا قرآن جمع کرنا ہوا ہوتا تو ضرور مشتہر ہوتا اور بہت سی روایتیں اسکی پائی جاتیں۔ مگر برخلاف اس کے صحاح میں بہت ہی کم اس کی خبر ملتی ہے۔ خیال کیجیے کہ یمامہ کی لڑائی بحساب واقدی و ابو معشر سنہ ۱۲ ہجری کے ربیع الاوّل میں ہوئی۔ اور بحساب طبری ۱۱ سال اور بقول آخر ۱۱ سال کے آخر میں ہوئی۔ اور زمانہ خلافت صدیق ۲ برس ۲ مہینے تک بمشکل پہنچتا ہے۔ اور

زید کی تتبع وتلاش البتہ اک معتد بہ عرصہ تک رہی ہوگی۔ اور کھجور کے پتے اور پتھر کے ٹکڑے چمڑے کے ورق۔ تختیاں اور چوڑی ہڈیاں ڈھونڈلی اور منگوائی اور حافظوں کو ہر چار طرف سے جمع کرنے میں بہت بہت عرصہ اور نیز شہرہ ہوا ہوگا تو یہ معاملہ ایسا مشہور ہو جاتا جیسے بدر کا معرکہ اور احزاب کی لڑائی۔ مگر تمام صحاح کو چھان مارو یہی زید ابن ثابت تےیحیٰ ابن عبدالرحمان۔ لیث بن سعد و ابن شہاب اس کے ناقل پائے جاتے ہیں اور اُن کی روایت ایک اور شخص کی روایت سے ایک بڑی بات میں مختلف ہے +

مَیں یہ سمجھتا ہوں کہ حضرت صدیقؓ نے خلافت کی حیثیت سے حکماً یعنی خلافت کی حیثیت سے سرکاری طور پر ایک نسخہ (آفیشیل اڈیشن) تمام وکمال ایک جلد میں زید سے لکھوایا اور دستور العمل خلافت اور ہدایت نامہ ریاست کے طور پر اس کو رکھا گو وہ پہلے سے بہت لوگوں کے پاس لکھا ہؤا موجود اور دُور دُور کے ضلعوں اور پرگنوں میں مشہور تھا +

میری یہ رائے محقق حارث المحاسبی کے قریب قریب ہے۔ کما قال فی فہم السنن "کتابت القرآن لیست بمحدثۃ فانہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یامر بکتابتہ ولکنہ کان مفرقاً فی الرقاع والاکتاف والعسب فانما امر الصدیق بنسخہا من مکان الی مکان مجتمعاً وکان ذالک بمنزلۃ اوراق وجدت فی بیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فیہا القرآن منتشر فجمعہا جامع وربطہا بخیط حتی لایضع منہا شئ" (اتقان نوع ۱۸) +

مگر یہ نہیں معلوم ہوتا کہ یہ نسخہ تمام وکمال کس چیز پر لکھا گیا غالباً کاغذ پر ہوگا۔ فی موطا ابن ذہب عن مالک عن ابن شہاب عن سالم بن عبد اللہ قال جَمَعَ القرآن فی قراطیس۔ اور ایسا ہی مغازی ابن عقبہ میں ابن شہاب سے ہے۔ "فکان ابوبکر اوّل من جمع القرآن فی الصحف۔ مگر صحف کی اولیت تو غلط ہے کیونکہ پیغمبر صلعم ہی کے زمانہ میں قرآن صحف میں تھا۔ رسول من اللہ ویتلوا صحفاً مطہرۃ" +

البتہ اسی نسخہ میں غالباً سورتوں کی ترتیب ایسی ہی کی گئی تھی کہ پہلے سبع طوال پھر مئون پھر مثانی پھر مفصل جیسے اب تمام جہان کے نسخوں میں ہے +

اور حضرت عثمان تو اپنے عہد میں جامع قرآن نہیں ہو سکتے۔ اُنہوں نے صرف اتنا ہی کیا کہ قرآن معروف کے کئی ایک نسخے لکھوا کے حکماً اطراف وجوانب دیار اسلام اور فوج کی چھاؤنیوں میں بھجوا دیئے اور اس وجہ سے قرآن کی اَور بھی زیادہ شہرت اور اشاعت ہوئی یہاں سے حارس محاسبی نے داد تحقیق دی چنانچہ تفسیر اتقان میں منقول ہے "قال الحارث المحاسبی المشہور عند الناس ان جامع القرآن عثمان ولیس کذلک" +

مگر یہ واہیات روایت کہ اُنہوں نے کچھ قرآن جلوا بھی دیئے محض بے ثبوت ہے
یہ [1] بھی واقعہ اسی قسم کا تھا کہ اگر ہُوا ہوتا تو بہت مشہور ہوتا اور بہت اہل مصاحف شکایت کرتے اور ایک بڑی کھلبلی مچ جاتی۔ خصوصاً مخالفان عثمان رضی اللہ عنہ تو اُس کو بہت ہی مشہور کرتے مگر بایںہمہ تو فرد واحد کا نوں کان خبر نہیں ہوئی +

اس کے علاوہ اوّل تو اسی میں اختلاف ہے کہ جلانیکا حکم دیا تھا یا پھاڑنے کا۔ فتح الباری شرح صحیح بخاری تصنیف علامہ ابن حجر عسقلانی میں ہے۔ قولہ امر بما سواہ من القران فی کل صحیفۃ او مصحف ان یحرق۔ فی روایۃ اکثران یخرق بالخاء المعجمۃ وللمروزی بالمہملۃ ورواہ الاصیلی بالوجہین والمعجمۃ اثبت الخ مگر ابن عطیہ کہتا ہے الروایت بالحاء المہملۃ اصح +

پھر ایک یہ بات بھی محل غور ہے کہ ہر ایک حکم سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ تعمیل بھی ہو گیا ہو اور جب تک کہ اُس کے وقوع کی خبریں ایسی ہی جزم اور یقین کے ساتھ نہ سننے میں آویں۔ تب تک اس امر کے واقع ہو جانے اور تعمیل کئے جانے پر یقین نہیں ہو سکتا۔ خصوصاً ایسا امر جو حس اور مشاہدہ کے متعلق ہو۔ اور بخاری کی خبر واحد میں صرف امر ہی امر پایا جاتا ہے اور وہ کچھ بھی ثابت نہیں کر سکتا +

بخاری کی شرح کرنے والوں نے (جیسا کہ شرح کرنیوالوں کا دستور ہے کہ متن کے متعلق اَور مضامین بھی خواہ مخواہ تلاش کر لاویں گے) اس روایت کی شرح میں دو ایک خبریں جلوائے جانے کی لکھی ہیں جو کسی طرح لایق اطمینان اور قابل قبول نہیں ہو سکتیں۔ چنانچہ ایک روایت تو ایسی ہے کہ بکر بن الاشج صرف قیاساً اور روایت بالمعنی کے طور پر انس کے قول " امر ان یحرق" کو " فامر بجمع المصاحف فاحرقہا" کمال مبالغہ سے بیان کرتا ہے۔ اور شعیب کی روایت میں (عند ابی داؤد والطبرانی) اس قدر عبارت زیادہ ہے " فذلک الزمان احرقت المصاحف بالعراق بالنار" مگر ہم یہ نہیں سمجھتے کہ انس کی یہ روایت کس قسم کی ہے کہ مدینہ میں بیٹھے ہوئے عراق کا حال کہہ رہے ہیں اور مدینہ کے واقعہ کا کچھ ذکر ہی نہیں کرتے۔ غالباً اہل صحاح نے اس جزء کو وضعی سمجھ کر طرح دیا ہو گا۔ اور مصعب بن سعد کے طریق سے یہ روایت ہے " ادرکت الناس متوافرین حین احرق المصاحف فاعجبہم ذلک" اور پھر یہی روایت اس طرح پر بھی ہے " ولم ینکر منہم احد" یہ دونوں باہم ایک دوسرے کی تردید کرتی ہیں اور یقیناً دونوں بناوٹ معلوم ہوتی ہیں +

---

[1] اس روایت کا ایک راوی شیعہ ہے +

خلاصہ یہ کہ اس روایت خلاف درایت کا ماخذ صرف قولاً یا دہماً اور رقیاساً انس ہی تک پہنچتا ہے اور بوجہ خبر واحد اور مختلف فیہ ہونیکے اس کا غیر مفید علم ہونا پر ظاہر ہے +

۱۸ - یہ امر کسی قدر بیان بھی ہوُا اور زیادہ بیان کا محتاج بھی نہیں کہ قرآن کے حفظ و کتابت میں ہر ملک اور ضلع کے مسلمانوں نے ہر طبقہ اور صدی میں ایسی کوشش بلیغ کی اور اس کثرت سے اس کے نسخے مشہور اور محفوظ رہے کہ ایشیا میں اقصاے بلاد چین سے یوُرپ کے اقصاے بلاد اسپین تک اور ممالک افریقہ و دیگر جزائر ایشیا و یورپ میں دو نسخہ بھی مختلف نہ ملینگے اور ایک بھی ایسا غلط لفظ یا سہو کاتب نہ ملیگا جس کی صحت میں حفاظ اور اہل فن کو ذرا بھی تامل ہو - تمام جہان میں جہاں دیکھو ایک ہی متن پاؤگے اور اس کا ایسا اتحاد اور ہر ہر نسخہ کی ایسی تعجب انگیز موافقت اور یگانگت بلا مبالغہ ایک اعجاز ہے جس کو منکرین اعجاز بھی مجازاً یا مبالغتاً اعجاز سے منسوب کرتے ہیں - تمام بلاد مختلفہ اور امصار و در دست ایشیا و یورپ و افریقا سب ملکوں کے حافظوں کے دلوں کی زندہ الواح گویا کہ اس لوح محفوظ کے ایک ہی چھاپے کی لاکھوں - کروڑوں نقلیں ہیں جنمیں چودہ سو برس سے آج تک بعینہٖ ایک ہی عبارت چلی آتی ہے +

مسٹر اڈوارڈ گبن نے ایک مقام پر لکھا ہے -

" . . . . and the various aditions of the Koran assert the same miraculous privilege of an uniform and uncorruptable text."

E. Cibbon. Ch. 50. Vol. 6.

یعنی "قرآن کی بہت سی نقلوں سے وہی اعجاز کا ساخاصہ یگانگت اور عدم قابلیت تحریف کا متن ثابت ہوتا ہے" +

(تاریخ رومتہ الکبریٰ جلد ۶ باب ۵۰)

سر ولیم میور فرماتے ہیں جلد اوّل صفحہ ۲۷ +

" . . . . . We may upon the strongest presumpt, affirm that every verse of the Koran is the genuine and unaltered composition of Mahomet himself, and conclude with at least a close approximation of the verdict of Von Hammer.—

" *That we hold the Koran to be as surely Mahomet's" word, as the Mahomtans hold it to be the word of God."*

Sir William Muir. Vol. 1 P. XXVII.

یعنی "نہایت قوی گمان پر ہم اقرار کرتے ہیں کہ ہر ایک فقرہ قرآن کا صحیح اور بلا تبدیل محمدؐ ہی کا کہا ہوا ہے اور اسکے نتیجہ میں جیسا کہ وان ھیمر نے کہا ہے یہ کہتے ہیں کہ قرآن کو ہم بالیقین ایسا ہی محمدؐ کا کلام سمجھتے ہیں جیسا کہ مسلمان اُس کو کلام الٰہی سمجھتے ہیں" +

ہاں ایک جگہ اور لکھا ہے اور وہ بھی خوب لکھا ہے :-

"The recension of Othman has been handed down to us unaltered. So carefully, indeed, has it been preserved, that there are no variations of importance,—we might almost say no variation at all,—among the innumerable copies of the Koran scattered throughout the vast bounds of the empire of Islam. Contending and embittered factions, taking their rise in the murder of Otham himself within a quarter of a century from the death of Mahomet have ever since rent the Mohometan world. Yet but *ONE KORAN* has always been current amongst them ; and the consentaneous use by all to the present day of the same Scripture, is an irrefragable proof that we have now before us the very text prepared by the unfortunate Caliph. There is probably in the world no other work which has remained twelve centuries with so pure a text."

Ibid p. XIV and XV.

یعنی "عثمان کا نسخہ ہم تک بلا تحریف چلا آیا ہے درحقیقت ایسی احتیاط سے اسکی حفاظت ہوئی ہے کہ قرآن کے بے شمار نسخوں میں جو اسلام کی کثیر الوسعت مملکت میں منتشر ہیں بڑے اختلاف نہیں ہیں۔ بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ بالکل اختلافات نہیں ہیں۔ محمد صلعم کی وفات کے بعد ایک چہارم صدی میں قتل عثمان کے وقت سے مسلمانوں میں تنازع اور شدید مخالفتیں پیدا ہونے سے مسلمانوں میں پھوٹ پڑگئی تھی تاہم ان میں **ایک ہی قرآن** ہمیشہ سے جاری رہا ہے۔ اور سب میں بالاتفاق اسی ایک ہی قرآن کا استعمال میں رہنا اس بات کے ثبوت کی ایک لاجواب دلیل ہے کہ ہمارے پاس اَب وہی کتاب ہے جو اس مظلوم خلیفہ کے حکم سے لکھی گئی تھی غالباً دنیا میں کوئی اور ایسی کتاب نہیں ہے جو ۱۲ سو برس تک ایسی صحیح المتن رہی ہو" +

۱۹۔ ہماری اگلی کتب مقدسہ کی یہ کیفیت تھی کہ جوں جوں اُن کے نسخہ زیادہ منتشر اور مشتہر ہوتے تھے اختلاف عبارات بھی اسی قدر زیادہ ہوتے جاتے تھے اور رفتہ رفتہ یا اختلاف[۱] عبارات ایک بحر ذخار اور دریائے ناپیدا کنار ہو گئے۔ علمائے بنی اسرائیل اور مشایخ مسیحی ہمیشہ اسکے شاکی رہے۔ اور نسخوں کے دو قبیلہ مشرقی اور مغربی قائم ہو گئے +

[۱] توریت میں اختلاف پڑجانے کی خبر قرآن میں بھی دی گئی ہے "واتینا موسی الکتاب فاختلف فیہ ۲۷-۲۰" +

توریت کے باب میں عبرانی ۔ سامری ۔ یونانی نسخوں کا اختلاف فیلو اور یوسیفس علماء
کے زمانہ کی عبارتیں پھر کتب یہودسل ربوث پرکی الیعاذر ۔ اور قصری کی دوسری طرز کی عبارتیں اور
ربی سعدیاس اور حي کی قراتیں اور ان کے زمانہ کے بعد ابن عزرا ۔ پرحي ۔ ربی سیمونیودبن مرشی
(درمبام) اور قمحی یہ سب لوگ اختلافوں کے شاکی رہے اور آخر میں میئر ھلیوی (بابت سنہ ۱۲۴۴ء)
عبرانی نسخوں کے اختلافات پر بہت ہی نوحہ زن رہا (دیکھو انسائیکلوپیڈیا ابراہام برلس ج ۴
۱۸۱۹ء) اس زمانہ کے بعد ربانیین یہود نے متن کی اصلاح پر کمر باندھی ربی یونزانو نے اسی غرض
سے سیاحت اختیار کی اور شلومو منورزی نے کتاب منحاث شائی میں خطی نسخوں سے دو ہزار اختلاف
عبارات جمع کئے یہ کیفیت یہود کے مجاہدات کی اس وقت کی تھی جبکہ عیسائیوں میں توریت کی بالکل
صحت پر پورا بھروسا تھا ۔ اسی سائیکلوپیڈیا میں اُس مضمون کے بعد لکھا ہے :۔

"So that at the time when Christians were generally insisting on the perfection of the Hebrew text, the Jews were labouring to correct it, and lamenting its great imperfaction in the following terms. . . . ."

کہ جس زمانہ میں کہ عموماً عیسائیوں کو متن توریت کی صحت پر اصرار تھا اس وقت یہود
اس کی اصلاح میں مشقت کر رہے تھے اور ان الفاظ میں اس کے بڑے نقص پر نوحہ سرائی
کرتے تھے الخ +

پھر ۱۷ اور ۱۸ صدی میں مسیحیوں کو بھی اصلاح اختلاف عبارات پر توجہ ہوئی اور یہود
سے زیادہ کوشش کی اور ڈاکٹر کینیکاٹ اور ڈی روسی اپنا نام کر گئے ۔ مطبوعہ نسخوں میں سے
جو پہلے سنہ ۱۴۸۸ء میں چھپا تھا اس سے وانڈرہوف کو دوسرے نسخہ میں جو سنہ ۱۷۰۵ء میں چھپا
بارہ ہزار جگہ اختلاف کرنا پڑا +

عہد جدید کے نسخوں کے اختلافات بھی جانچے گئے اور بہت سے جرمنی محققوں نے اسمیں
محنت کی ڈاکٹر مِل نے عہد جدید کے چند نسخے جمع کر کے تیس ہزار اختلاف عبارات نشان
دیئے (دیکھو انسائیکلوپیڈیا برطینکا ج ۱۷ لفظ اسکرپچوس دفعہ ۱۳۴) پھر جان جیمس وٹیسٹین
نے مختلف ملکوں میں پھر کے اپنے متقدمین کی نسبت بہت زیادہ نسخے بچشم خود دیکھے اور اُس کی
تعداد اختلاف عبارات کی دس لاکھ سے زیادہ ہوئی (ایضاً دفعہ ۱۳۵) اور ڈاکٹر گریسباخ نے ڈیڑھ
لاکھ اختلاف عبارات شمار کئے (دیکھو طامس ہارٹ ول ہارن کی کتاب جلد اب ۲ ف ۳ ۔
ص ۱۰۶ مطبوعہ فلاڈلفیا سنہ ۱۸۲۲ء) حالانکہ کل تعداد انجیل کے نسخوں کی جو کلاً یا جزءاً مقابلہ ہوئی ۔
تخمیناً پانچ سو نسخوں تک پہنچتی ہے ۔ مگر یہ تعداد ان نسخوں کی تعداد کی ایک جزو قلیل ہے جو پبلک

پرائویٹ کتب خانوں میں ہیں۔(ہارن ج ۲ ص ۱۰۰ و ۲۰۱ سنہ ۱۸۲۵ء) +

گو یہ اختلافات بیحد و بے حساب ہوئے اور زیادہ تتبع اور تفحص پر اور بھی زیادہ ہونگے مگر تاہم ان سے ان کتابوں کے موضوع و مقصود اور منشار اصلی کو کم ضرر پہنچا ہے +

لارڈ بولنگ بروک وغیرہ منکروں نے یہ حجت کی تھی کہ اگر یہ کتابیں خدا کی طرف سے تھیں تو ضرور تھا کہ وہ بعینہٖ اپنی اسی اصلیت اور اصلی صحت پر باقی رہتیں۔ مگر ڈاکٹر کینکاٹ نے ایسے اعتراضوں کے جواب میں کہا کہ ان کتابوں میں بہت سی غلطیاں پڑگئیں ہیں تو ان سے جناب باری تعالیٰ کی حکمت پر کوئی حرف نہیں آسکتا کیونکہ معظم امور ہنوز محفوظ اور متیقن بہیں اور ہمیشہ لوگوں نے ان کتابوں سے ہدایت پائی ہے +

بعض اہل شوق نے قرآن کے بھی دو چار نسخے مقابلہ کئے اور ان میں کہیں بشر اکو نشر اور تکلیف کو تکلف یا یرتع و یلعب کو مرتع و ملعب پایا مگر یہ اختلاف محض بے حقیقت ہیں کیونکہ کتاب کی غلطی و سہو میں گفتگو نہیں شکایت تو اس امر کی ہے کہ دو عبارتیں ایسی مختلف پائی جائیں جنمیں سچی اور اصلی عبارت کی تمیز دشوار ہوجاوے۔ پس قرآن کے نسخوں کے سہو کاتب کو صحف سابقہ کے اختلاف نسخ سے کچھ نسبت نہیں ہے اور بالآخر سر ولیم میور نے یہی فیصلہ کیا +

"To compare (as the Moslems are fond of doing) the pure text with the various readings of our Scriptures, is to compare things between the history and essential points of which there is no analogy."

Sir William Muir. Vol. I. p. XV note.

یعنی مسلمانوں کا اپنی خاص کتاب کا ہماری کتب مقدسہ کے اختلاف عبارات سے مقابلہ کرنا ایسی چیزوں کا باہم مقابلہ کرنا ہے جن کے حالات اور اصلی امور میں کچھ بھی مناسبت نہیں ہے۔ انتہیٰ +

۲۰۔ اسی بحث کے متعلق تھوڑا سا حال اُن اخبار احاد ضعیف اور موضوع کا بھی ضرور ہے جن کو بعض نے قرآن کے نقصان یا بعض حروف کے تغیر میں پیش کیا ہے۔ اخبار احاد تو کبھی مفید علم ہوتی ہی نہیں نہ عقل کی راہ سے اور نہ قاعدہ روایت و ضابطہ درایت کی راہ سے خصوصاً ایسی صورت میں جبکہ قطعیات اور متواترات کے مقابلہ میں ہوں +

علمائے شیعہ میں سے شیخ ابو جعفر طوسی تبیان میں ایسی روایتوں کی نسبت لکھتے ہیں "طریقھا الاحاد التی لا توجب علما" اور سید مرتضیٰ علم الہدیٰ فرماتے ہیں "فان الخلاف فی ذالک مضاف الی قوم فعلوا الخبر ضعیفۃ ظنوا صحتہا لا یرجع بمثلہا عن العلوم

المقطوع علیٰ صحتہ" +

اور علمائے سنّت وجماعت میں سے حکیم ترمذی صاحب نوادر الاصول میں فرماتے ہیں۔ والعجب من ھؤلاء الرواۃ احدھم یروی عن ابن عباس انہ قال فی قولہ حتی تستانسوا وتسلموا ھو خطاء من الکاتب انما ھو تستاذنوا وتسلموا وما اری مثل ھذہ الروایات الا من کید الزنادقۃ فی ھذہ الاحادیث انما یریدون ان یکیدوا الاسلام بمثل ھذہ الروایات الخ +

بعضے مستضعفین نے ایسی روایات نقصان کا معارضہ اَور طرح پر کیا ہے یعنی جبکہ ان کا ابطال محققانہ نہ کر سکے اور بناچاری ایک قسم کا نسخ یعنی منسوخ التلاوۃ ایجاد کیا اور ان خرافات روایات سے یوں پیچھا چھڑایا اور متاخرین نے اس کو مقلدانہ قبول کیا۔ مگر اہل عقل خوب سمجھتے ہیں کہ یہ محض ایک بے بنیاد بات ہے اور بہت لوگوں نے اس سے انکار بھی کیا ہے تفسیر اتقان میں ہے۔ حکی القاضی ابوبکر فی الانتصار عن قوم انکار ھذا الضرب لان الاخبار فیہ اخبار احاد ولا یجوز القطع علیٰ انزال قرآن ونسخہ باخبار لاحجۃ فیہا +

اس قسم کے نسخ کے بطلان کو ذرا ہم مفصل بیان کریں +

(۱) وہ سب خبریں جن کے غلبہ وہم سے یہ قسم نسخ ایجاد ہوئی ہے سب اخبار احاد ہیں جن پر کبھی یقین نہیں ہو سکتا +

(۲) اس مسئلہ پر سب اتفاق کرتے ہیں۔ ان القرآن لا یثبت الا بالتواتر اور یہ بھی ماجار بخبر الاحاد لا یثبت بہ القرآن۔ پس یہ بڑی غلطی ہے کہ ان روایتوں کے مذکورات کو قرآن منسوخ التلاوۃ سمجھا جاوے +

(۳) جو لوگ نسخ قرآن کو جائز رکھتے ہیں ان کے مسلک پر نسخ کے جواز کی یہ آیت ہے ما ننسخ من آیۃ[۱] او ننسھا نات بخیر منہا او مثلہا پس اس میں ضرور ہے کہ جو آیت منسوخ ہو اُس کے بدلے میں ایک آیت آنی چاہیئے اور جو منسوخ التلاوۃ فرض کی گئیں ہیں اُن کے بدلے کی کوئی آیت نہیں بیان کی جاتی +

۲۱۔ یہ آیتیں کسی قدر مطول ومبسوط ہوگئیں اور گو یہ بھی فائدے سے خالی نہیں مگر اس سے زیادہ مفید مطالب جو ہمارے پیش نظر تھے وہ ہنوز بیان میں نہیں آئے۔ اب ہم انشاء اللہ قرآن کی فصاحت وبلاغت کی حقیقت اور علم وحکمت کی وجوہ اعجاز اور پھر اسکے محاسن اصلی اور خیر محض کے اصول اور اسکی فضیلتوں کے بیان میں اہل یورپ کا اعتراف اور مخالفوں

[۱] ہم نہیں سمجھتے کہ آیہ کو یہاں اصطلاحی معنوں پر کیوں حمل کیا جاتا ہے۔ لغوی معنی کو ترجیح ہونی چاہیئے +

کی شہادت بیان و نقل کرینگے۔ پھر چند اعتراضات۔ جو بنا بر اصول تمدن و حکمت، وارد کیے جاتے ہیں اور بعض مطاعن علمی و فلسفی جو حکمت جدید کی اشاعت اور فلسفہ فرنگ کی ترقی سے پیش آتے ہیں معرض بحث میں آوینگے +

پیغمبر پر سحر

"وقال الظالمون ان تتبعون الا رجلاً مسحورًا"

(فرقان)

۱۔ کسی سچے مسلمان کا تو یہ کام نہیں کہ جناب پیغمبرؐ کی نسبت ایسا کہے کہ اُن پر کبھی ایک منٹ کے لئے بھی جادو کا اثر ہوا۔ یہ بات تو کافروں ہی کو زیبا تھی اور اُنھوں نے ہی کہی تھی کہ یہ نبی تو جادو کا مارا ہوا ہے۔ اور اِس تہمت نالایق کو خدا نے بھی جھٹلایا چنانچہ سورہ فرقان اور اسری کی آیت کو ہم نے اس بیان کے عنوان میں لکھ دیا ہے۔ مگر ایک عرصہ سے مسلمانوں میں سے ایسی حمیت جاتی رہی وہ اِس کی تو کچھ پروا نہیں کرتے۔ بلکہ ایسے مضمون کی حمایت کرتے ہیں +

۲۔ مسلمان محدثوں نے اس مضمون کی ایک عجیب و غریب روایت کی ہے کہ ایک یہودی نے جناب پیغمبرؐ پر جادو کر دیا تھا اور وہ چالیس دن تک یا چھ مہینے یا برس دن تک اس میں مبتلا رہے۔ ابی حمزہ کی روایت میں تو چالیس دن ہیں اور وہب کی روایت میں چھ مہینے۔ مگر زہری کی روایت میں برس دن ہے۔ علامہ ابن حجر نے اسی کو معتمد قرار دیا ہے[1] سبحانک ھذا البہتان عظیم +

۳۔ اس سحر کا اثر (دروغ برگردن راوی) یہاں تک ہوگیا تھا کہ معاذاللہ جناب پیغمبر[2] کے دماغ میں خلل آگیا تھا۔ چوں مادۂ سحر بسر مبارک رسیدہ بود چناں تخیل میکرد کہ چیزے کہ

---

[1] وفی روایۃ ابی حمزۃ عند الاسماعیلی انہ صلی اللہ علیہ وسلم اقام اربعین یوماً وفی روایت وھیب عن ھشام عند احمد ستۃ اشھر وجمع بان ستۃ اشھر من ابتداء تغیر مزاجہ والاربعین یوماً من استحکامہ لکن فی جامع معمر عن الزھری انہ لبث سنۃ واسنادہ صحیح۔ قال ابن حجر فھو المعتمد۔ ارشاد الساری شرح صحیح بخاری ج ۸ ص ۳۲۳

[2] مدت بقائے ایں عارضہ بقولے چہل روز و در روایتے شش ماہ و در روایتے یک سال بود۔ شرح سفرالسعادت۔ عبدالحق دہلوی +

نکردہ است کردہ میشود وایں تصرف است از ساحر در طبیعت و مادہ دموی تا آں مادہ بر بطن مقدم دماغ غلبہ کرد و مزاج آں از طبیعت اصلی برگشت (سفر السعادۃ علامہ مجد الدین فیروز آبادی) ص ۱۶۹ - یہی مضمون ابن القیم نے بھی لکھا ہے +

۴ - ایسے لغو اور واہی خیالوں کو تو قرآن مجید جھٹلا چکا پس جو روایتیں بھی اس مضمون کی ہوں گی وہ کب لایق التفات ہونگی وہ راوی بھی انہیں کافروں کی کہی ہوئی کہتے ہیں شیخ الاسلام علامہ امین الدین طبرسی نے تفسیر مجمع البیان میں (ذیل ہاروت و ماروت) لکھا ہے +

"ما روی من الاخبار ان النبی سحر فکان یری انہ فعل مالم یفعلہ او انہ لم یفعل ما فعلہ فاخبار مفتعلہ - لا یلتفت الیہا" +

۵ - اگرچہ جھوٹی روایتیں سچی ہوں تو پھر نبی کی بات پر کیا اعتبار ہو سکتا ہے - بہت سی وحی کی باتیں بھی صرف اُن کے تغیر دماغ کی وجہ سے خیال میں آ گئی ہوں گی - حدیث کی شرح کرنیوالے ایک عجیب مخمصہ میں گرفتار رہے نہ توان - سے اس روایت باطلہ کی تکذیب کرتے بنتا ہے اور نہ منکروں کو جواب دیتے بنتا ہے - قاضی عیاض الغرناطی نے (سنہ ۴۷۶ - ۵۴۴ ہجری) کتاب شفا فی تعریف حقوق المصطفیٰ میں (ص ۲۹۹ و ۳۰۰) اس اعتراض کے اُٹھانے کی کوشش کی ہے مگر یہ ثابت کرنا چاہا ہے کہ جادو کا اثر جناب پیغمبرؐ کے دل اور اعتقاد اور عقل پر نہ تھا صرف ظاہر میں ہاتھ پیر پر ہوا تھا مگر بخاری و مسلم کی روایتوں کے مقابلہ میں وہ تاویلیں پیش نہیں جاتیں اور معہذا اصل سحر کے مان لینے سے کچھ مفر نہیں ملتا - اور مسحور وہی ہے جس کی عقل میں خلل آ گیا ہو[1] +

۶ - ہم نے مناسب جانا کہ اس بحث میں اصل روایتوں پر نظر کی جاوے اور دیکھیں کہ وہ کچھ معتبر ہو سکتی ہیں یا نہیں +

بخاری نے روایت کی ہے - حدثنا ابراھیم بن موسیٰ اخبرنا عیسیٰ بن یونس عن ھشام عن ابیہ عن عایشۃ رضی اللہ عنہا قالت سحر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رجل من بنی زریق یقال لہ لبید بن الاعصم حتی کان رسول اللہ یخیل الیہ انہ کان یفعل الشئی و ما فعلہ الخ +

حدثنی عبد اللہ بن محمد قال سمعت ابن عیینۃ یقول اوّل من حدثنا بہ ابن جریج یقول حدثنی ال عروۃ عن عروۃ فسالت ھشاما عنہ فحدثنا عن ابیہ

---

[1] والمسحور الذی قد سحر فاختلط علیہ عقلہ و زال عن حد الاستواء ھذا ھو القول الصحیح تفسیر کبیر فخر رازی (اسری) +

عن عایشۃ رضی اللہ عنہا قالت کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سحر حتی کان یری انہ یاتی النساء ولا یاتیھن الخ ✦

حدثنا عبید بن اسماعیل حدثنا ابو اسامہ عن ھشام عن ابیہ عن عایشہ قالت سحر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حتی یخیل الیہ انہ یفعل الشیٔ وما فعلہ الخ ✦

مسلم نے روایت کی ہے۔ حدثنا ابوکریب قال حدثنا ابن نمیر عن ھشام عن ابیہ عن عایشۃ رضی اللہ عنہا قالت سحر رسول اللہ صلعم یھودی من یھود بنی زریق یقال لہ لبید بن الاعصم قالت حتی کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یخیل الیہ یفعل الشئ وما یفعلہ الخ ✦

ان روایتوں میں یہ قول تو حضرت عائشہ کی طرف منسوب ہے کہ جناب پیغمبرؐ پر ایک یہودی نے جادو کر دیا تھا اور اس قول کے بعد ایک قصہ ہے کہ جس میں اختلاف الفاظ اور کسی قدر اختلاف مضمون بھی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جناب پیغمبر نے فرمایا کہ دو آدمی میرے پاس آئے اور ایک نے دوسرے سے پوچھا کہ اس شخص کا (یعنی پیغمبرؐ صلعم کا) کیا حال ہے اس نے جواب دیا کہ یہ شخص مطبوب ہے اس کا ترجمہ حدیث کی شرح کرنے والوں نے مسحور کیا ہے یعنی جادو کا مارا ہے پھر اُس نے پوچھا کہ کس نے جادو کیا تب اُس نے جواب دیا کہ لبید بن اعصم نے جادو کیا ہے۔ پھر اُس نے پوچھا کاہے سے جادو کیا ہے اُس نے کہا کہ کنگھی اور سر کے ٹوٹے ہوئے بال اور کھجور کے درخت کا گابہ۔ پھر اُس نے پوچھا وہ کہاں ہے اُس نے جواب دیا کہ دروان کے کنوئیں میں۔ تب جناب پیغمبرؐ اور صحابہؓ ہاں تشریف لے گئے اور وہاں سے آکر حضرت عائشہؓ سے کہا کہ اُس کنوئیں کا پانی سُرخ سا تھا اور اُور درخت وہاں کے ایسے تھے جیسے سانپ کی سر یا بدصورت الخ ✦

۸ - یہ ایسی روایت ہے کہ جس کو اگر صحیح وقطعی تسلیم بھی کر لیا جاوے تو بھی کسی ذی عقل اور صاف طبیعت آدمی کی نظر میں اس میں کچھ خلاف حقیقت نہیں ہے مگر جو لوگ جاہل طبیعت کے ہیں اور دیو بھوت اور جادو کو مانتے ہیں وہ اس روایت کے مضمون کو اپنے ڈھنگ پر لیجاتے ہیں اور کچھ تحریف اور تاویل کر کے نبی کو جادو کا مارا ہوا بنا لیتے ہیں - ذالک ظن الذین کفروا ✦

۹ - اس روایت کی تفسیر ہمارے مذاق پر تو یہ ہے کہ ہم کو اس امر سے تو انکار نہیں ہے کہ کوئی شخص جادو نہیں کرتا یا کوئی شخص کسی کو جادو کا مارا ہوا نہیں سمجھتا بلکہ ہمارا قول صرف یہی ہے کہ ہم کو جادو کے تحقیق سے انکار ہے یعنی جادو کبھی چلتا نہیں اس کا اثر کسی پر ہوتا نہیں۔

"لا یفلح الساحر حیث اتیٰ"۔ گو وہ لاکھ پڑا کہا کرے کہ میں نے اس شخص پر جادو کر دیا ہے اور جس شخص کی نسبت جادو کرنیوالا یا جادو کرنے کا دعوےٰ کرنیوالا یہ کہے کہ میں نے اس پر جادو کر دیا ہے تو عرف میں اس کو مسحور یا جادو کا مارا ہوا بھی کہینگے گو حقیقت میں اس مسحور پر کچھ جادو کا اثر نہ ہوا ہو جیسے عموماً کہتے ہیں کہ فلاں شخص فلاں شخص کا معشوق ہے حالانکہ شخص عاشق کے عشق کا اس پر درحقیقت کچھ بھی اثر نہیں ہوا کرتا +

عرب میں اور یہودیوں میں سحر اور ساحری کا بڑا چرچا تھا ایسا ہوا ہوگا کہ لبید بن اعصم یہودی نے اسی خیال باطل یعنی جادو کے کارگر ہونے کی بنا پر جناب پیغمبرؐ کی نسبت جادو کا عمل کیا ہو اور کنگھی اور سر کے بال کسی درخت کی چھال میں لپیٹ کر ذروان کے کنوئیں میں داب دیئے ہونگے اس معاملہ کا چرچا لوگوں میں ہوتا ہوگا۔ ان میں سے دو آدمی جنہوں نے یہ بات سُنی ہوگی جناب پیغمبرؐ کے پاس بیٹھکر باتیں کرتے ہونگے کہ لبید نے اُن پر (اپنے زعم میں) فلانے کنوئیں میں جادو کیا۔ اس بات کو سن کر جناب پیغمبرؐ اس کنوئیں پر خود گئے یا کسی کو بھیجا ہو کیونکہ اور روایتوں میں ہے۔ (عند ابن سعد من حدیث ابن عباس فبعث الی علی وعمار فامرھما ان یاتیا البیر) کہ اپنے اصحاب کو بھیجا تھا اور یا یہ ہوا ہو کہ اصحاب میں سے کوئی خود ہی چلے گئے ہوں +

۱۰۔ پس اس روایت میں کوئی بات جادو کے تحقق کی نہیں نکلتی۔ سب سے زیادہ مشکل اور باطل قول یہ ہے کہ سحر رسول اللہ الخ۔ یہ اگر ان معنوں میں لیا جاوے کہ لبید نے پیغمبرؐ کی نسبت جادو کا عمل کیا تو کچھ بھی دقت نہیں ہاں اگر یہ مراد ہو کہ درحقیقت پیغمبرؐ پر کسی کے جادو کا عمل چل گیا اور جادو اُن میں مؤثر ہوگیا اور اُن کے دماغ میں خلل آگیا اور عقل میں فتور پڑگیا تو یہ بالکل جھوٹ اور باطل ہے یقیناً راویوں کے دماغ میں فتور آگیا ہوگا یا محدثوں کی عقل میں خلل آگیا ہوگا۔ کیونکہ کسی شخص کے جادو کے مارے ہوئے ہونے پر گواہی دینا ایک ایسے امر پر شہادت دینا ہے جو قابل حس نہیں ہے کسی کو مسحور سمجھنا امر حسی نہیں ہے پس اس پر کوئی گواہی نہیں ہوسکتی +

۱۱۔ عوام نے اس روایت کے مضمون سمجھنے میں چند غلطیاں کی ہیں۔ اوّل تو یہ کہ سحر رسول اللہ الخ کو حقیقی اور واقعی سمجھتے ہیں حالانکہ یہ ایسے ہی ثابت ہے کہ کوئی کہے کہ زید پر گولی چلی گو زید اس گولی کے اثر سے بالکل محفوظ ہو۔ یا کوئی کہے کہ ہندہ تو خالد کی معشوق ہے گو ہندہ کو خالد سے کچھ بھی واقفیت نہ ہو یا اُس کے عشق کا اثر ذرا بھی اس میں نہ ہوا ہو۔ دوم یہ کہ وہ جو دو شخص پیغمبرؐ کے پاس آکے بیٹھے تھے اُن میں سے ان لوگوں نے ایک کو تو جبریل بنا دیا اور ایک کو میکائیل۔ حالانکہ بخاری و مسلم کی روایتوں میں "رجلان" کا لفظ صاف موجود ہے (یعنی دو آدمی) جو روایتیں ان صحیحین کے درجہ سے گھٹی ہوئی ہیں اُن کے راویوں نے اپنے دل سے "رجلان" کی جگہ "ملکان"

یعنی دو فرشتے" کردیا۔ جیسا کہ طبرانی کی روایت میں ہے اور جن راویوں نے اور بھی زیادہ آزادی برتی اور روایت بالمعنی پر کفایت نہ کی وہ اس سے بھی بڑھ گئے اور صاف "جبرائیل و میکائیل" ہی کہدیا جیسا کہ ابن سعد کی ایک منقطع روایت میں ہے۔ سوم یہ کہ ان دونوں آدمیوں نے جو یقیناً لبید کے ہمراز تھے جناب پیغمبرؐ کو مطبوب بتلایا اس لفظ کو شارحین نے مسحور کے معنی میں قرار دیا ہے حالانکہ یہ بھی ایک زبردستی سی ہے۔ قسطلانی شارح بخاری نے اس کنایہ کو صرف تفاول کے طریق پر قرار دیا ہے اور قرطبی نے کچھ اور ہی لکھا۔ انما قیل للسحر الطب لان اصل الطب الحذق والتفطن له فلما کان کل من علاج المرض والسحر انما یتاتی عن فتنة وحذق اطلق علی کل منهما هذا الاسم۔ جب طب کا لفظ ایسا عام ہے تو اس سے خاص مسحر سمجھنا خلل دماغ سے خالی نہیں اصل یہ ہے کہ ان لوگوں نے یہ امر تسلیم کرلیا ہے کہ جادو کا اثر ضرور متحقق ہوتا ہے پس اب جو کوئی خبر جادو کی روایت میں آویگی وہ ضرور تسلیم کیجاویگی۔ حالانکہ اس کا تحقق محض ایک وہم اور خیال ہے اور معتزلہ کو جو مسلمانوں میں ایک حکیمانہ خیال کا فرقہ ہے جادو کے تحقق سے انکار ہے +

۱۲- اگر ضابطہ فن درایت کی رُو سے اس روایت پر نظر کیجاوے تو یہ کسی طرح صحیح و ثابت و یقینی و قطعی نہیں ٹھہر سکتی +

اوّل تو یہ ایک خبر واحد ہے اور اخبار احاد سے کسی امر کی نسبت جس کی وہ خبر دیتے ہیں یقین نہیں حاصل ہوتا۔ پس یہ خبر بھی سچی اور یقینی نہیں ہوسکتی +

دوم یہ کہ اس روایت میں عنعنہ ہے یعنی عیسیٰ بن یونس اور ابن نمیر اور ہشام بن عروہ اور عروہ بن زبیر نے حدثنا یا اخبرنا کہکر روایت نہیں کی جس سے اتصال پایا جاتا بلکہ عن عن کہکر روایت کی ہے جس میں احتمال ہے کہ ایک نے دوسرے سے بگوش خود سُنا ہو یا اوروں سے سُنا ہو جن کا نام ظاہر نہیں کیا اور ایسی روایت جس کا کوئی راوی بھی مجہول یعنی نامعلوم رہجاوے صحیح اور سندی نہیں ہوسکتی +

اس باب میں جو کچھ حجتیں اور تقریریں ہیں وہ ہم کو معلوم ہیں۔ علی ابن المدینی (اُستاد بخاری) اور بخاری اور ابو بکر صیرفی اور شافعی کا یہ مذہب ہے کہ روایت معنعن کو متصل سمجھا جاویگا جبکہ دونوں راوی ایک ہی زمانہ میں ہو اور اُن میں باہم ملاقات ہونا بھی ثابت ہو اور وہ لوگ مدلس بھی نہ ہوں اور مسلم وغیرہ کا یہ مذہب ہے کہ دونوں راویوں کا صرف ایک زمانہ میں ہونا چاہیے تا کہ ملاقات کا ثابت ہونا شرط نہیں ہے۔ مسلم نے مقدمہ صحیح میں اپنے مخالف کی بڑی فضیحت کی ہے اور ایک طولانی تقریر کی ہے مگر محی الدین نووی نے منہاج شرح صحیح مسلم بن حجاج میں (باب ماتصح به روایة الرواة بعضهم عن بعض) لکھا ہے کہ جس باب کی طرف مسلم گیا ہے محققوں نے اس سے انکار

کیا ہے اور اس کو ضعیف بتلایا ہے اور جس بات کو مسلم نے رد کیا ہے اُسی کو صحیح قرار دیا ہے[1]۔ مگر ہماری رائے میں تو ان دونوں مذہبوں میں ایک گونہ سہل انگاری اور مسامحت ہے کیونکہ ان میں سے جس نے زیادہ تشدد کیا ہے وہ صرف یہی کہتا ہے کہ صرف اِن دونوں راویوں کا جو عنعنہ کرتے ہیں باہم ملاقات کا ہونا ہی کافی نہیں ہے۔ بلکہ ایک مرتبہ شاید تمام عمر میں ملاقات کا ہو جانا بھی ثابت ہونا چاہیئے۔ اور یہ اصول پھر بھی ناقص ہے کیونکہ جب تک ہر ہر خبر میں بالمشافہ سنی ہونے کی تصریح نہ ہوگی ہمیشہ وہی احتمال ارسال قایم رہیگا۔ ہم روز کے تجربہ سے بات ثابت پاتے ہیں کہ گو زید و خالد دونوں راوی ایک ہی شہر میں رہتے ہوں اور ملاقات بھی ہوا کرتی ہو تاہم زید کا ہر عنعنہ خالد سے بلاواسطہ اور بالمشافہ نہیں ہوتا چہ جائیکہ کتب احادیث کے راوی جن میں سے ایک تو خراسانی ہے اور ایک بصری اور ایک کوفی ہے تو ایک مصری اور پھر اُن کی معنعن روایتیں انصال پر حمل کی جاتی ہیں یہ عجب قاعدہ ہے +

مسلم نے اپنے قول کی تائید میں انہیں راویوں کا حوالہ دیا ہے۔ جن پر ہم بحث کر رہے ہیں۔ یعنی ھشام بن عروہ عن ابیہ عن عایشہ۔ چنانچہ لکھا ہے۔ بیقین تعلم ان ھشاماً قد سمع من ابیہ و ان اباہ قد سمع من عایشہ رضی اللہ عنہا۔ الخ مگر جب تک ایک خاص خبر میں بالمشافہ سننا ثابت نہ ہو تب تک عام طور کا سماع کچھ مفید نہ ہوگا +

غرض کہ اس میں نہایت شبہ ہے کہ عیسےٰ بن یونس اور ابن نمیر نے ہشام سے یہ روایت بلاواسطہ سنی یا بواسطہ اور ایسے ہی ہشام نے عروہ سے بالمشافہ سُنی یا کسی اَور واسطے سے اور ایسے ہی عروہ نے ام المومنین عایشہ رضؓ کے روبرو یہ روایت سُنی یا اَور کے ذریعہ سے۔ پس اس وجہ سے یہ روایت ناقابل اعتبار ہے +

سوم یہ کہ اس روایت کا ایک راوی ہشام بن عروہ ہرچند کہ عموماً ممدوح اور ثقہ اور معتبر ہے مگر امام مالک نے اُس کو جھوٹا یعنی کذاب کہا ہے پس یہ راوی مقدوح ٹھہرا اور روایت کم سے کم ضعیف ٹھہریگی اسمار رجال کی کتاب تہذیب الکمال میں لکھا ہے۔ قال الحافظ ابو بکر الخطیب

---

[1] وھذا الذی صار علیہ مسلم قد انکرہ المحققون وقالوا ھذا الذی صار الیہ مسلم ضعیف والذی ردہ ھو المختار الصحیح الذی علیہ ائمۃ ھذا الفن مثل علی ابن المدینی والبخاری وغیرھما۔ شرح صحیح مسلم للنووی +

[2] والعنعن الذی قیل فیہ فلان عن فلان من غیر لفظ صریح بالسماع او التحدیث او الاخبار اتی عن رواۃ مسمین معروفین موصول عند الجمہور بشرط ثبوت لقاء المعنعنین بعضھم ولو مرۃ الخ۔ ارشاد الساری شرح بخاری للقسطلانی ج ۱ ص ۹ +

اخبرنی الرمانی قال حدثنی محمد بن احمد بن عبد الملک الاوفی قال حدثنا محمد بن علی الایادی قال حدثنا زکریا بن یحیی الساجی قال حدثنا احمد بن محمد البغدادی قال حدثنا ابراھیم بن المنذر قال حدثنا محمد بن فلیح قال قال لی مالک بن انس ھشام بن عروہ کذاب الخ۔ اگر ہمارے جواب میں یہ کہا جاوے کہ یہ روایت ایک خبر واحد ہے۔ اس پر یقین نہیں ہوتا تو ہم کہیں گے کہ پیغمبر صلعم پر جادو ہو جانے کی روایت بھی تو خبر واحد ہے اس پر بھی یقین نہ کیجئے +

چہارم یہ کہ حضرت ام المومنین عائشہؓ کا یہ فرمانا کہ سحر النبی الخ ضابطہ فن درایت کے موافق تو قابل قبول نہیں ہے کیونکہ اس میں کسی امر حسّی کی خبر نہیں ہے پس جیسا کہ راوی کا ثقہ اور عدل ہونا ضرور ہے ویسا ہی یہ بھی ضرور ہے کہ اس نے امر حسّی یا واقعہ چشم دید کی خبر دی ہو نہ کہ امر عقلی یا خیالی یا وہمی اور اعتقادی کی۔ ہم ان راویوں کے مشاہدات پر اعتبار کرتے ہیں مگر اُن کی رائے اور خیالات کو نہیں مانتے۔ رائے تو صرف شخص معصوم صاحب الوحی کی مانی جاتی تھی + پس ان وجوہ سے یہ خبر قابل قبول اور لایق اعتبار نہیں ہے +

سُلیمان علیہ السّلام

علم منطق الطیر۔ جنّ۔ نمل۔ طَیر۔ ہُدہُد عِفریت۔ عرشِ بلقیس۔ کشفِ ساق

علم منطق الطیر

(۱) وورث سلیمان داود وقال یایھا الناس علمنا منطق الطیر واوتینا من کل شیئ ان ھذا لھو الفضل المبین (سورۃ النمل) +

ترجمہ۔ اور سلیمان داؤد کے وارث ہوئے اور کہنے لگے اے صاحبو ہم کو پرندوں کا علم ملا ہے اور ہر چیز میں سے ہم کو عنایت ہوا ہے۔ یہ بیشک بڑی فضیلت ہے +

تفسیر۔ منطق الطیر ایک علم ہے جس میں پرندوں کی بناوٹ۔ صورت اور عادات کا بیان ہوتا ہے اور یہ ایک شعبہ ہے حیوٰۃ الحیوان کے علم کا جس میں ہر قسم کے جانداروں کا ذکر ہوتا ہے منطق الطیر ٹھیک ترجمہ ہے یونانی اُرنی تھو۔ لوجیا۔ کا۔ اُرنیس اور اُرنی تھوس کہتے ہیں۔

اُڑنے والے کو اور لوجیا کے معنی لغت اور علم +

جو لوگ اس حقیقی علم منطق الطیر سے ناواقف ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ پرند آپس میں ایسی مرکب آوازیں بولتے ہیں جیسے انسان بولتے ہیں اور اُن کی ایسی ہی باتوں کو سلیمان علیہ السلام سمجھ جاتے تھے عبرانی زبان میں ایسے علم منطق الطیر کو دبرہا عوف کہتے ہیں דבר העוף دبرھا کے معنے بات یا بیان اور عوف کے مانند پرند +

کتب سلاطین میں جو غالباً شاہی روزنامچہ کے حالات سے مؤلف ہوئی ہے اور اب یہود کے صیغہ کتوبیم میں داخل اور بیبل میں شامل ہے حکمت سلیمانی کی عموماً اور علم منطق الطیر کی خصوصاً تصدیق اور تصریح پائی جاتی ہے۔ چنانچہ سلاطین کی پہلی کتاب نسخہ عبرانی کے پانچویں باب اور ۱۳۔ پسوق میں جو ترجمہ ہندی میں ۴ باب کی ۳۳۔ آیت ہے یہ مضمون ہے +

"اور اس نے درختوں کی کیفیت بیان کی۔ سرو کے درخت سے لیکر جو لبنان میں تھا اُس زوفا تک جو دیوداروں پر اُگتا ہے اور چارپایوں اور پرندوں اور رینگنے والوں اور مچھلیوں کا حال بیان کیا" +

جنّ

(۲) وحشر لسلیمان جنودہ من الجن والانس والطیر فہم یوزعون (سورہ نمل) +

ترجمہ۔ اور جمع کئے سلیمان کے پاس اُس کے لشکر جن اور انس اور پرند اور وہ روکے ہوئے تھے۔ یا ٹکڑے ٹکڑے تھے +

تفسیر۔ جن۔ کنعان کے گرد نواح میں ایک قوم قوی ہیکل دیو قامت تند و شدید اور جبار رہتی تھی جو عمالیق کہلاتی تھی اور بنی اسرائیل اُن کو اپنی شدید عداوت اور اذیت کی وجہ سے اور اُن کی بُت پرستی اور دیو اور دیویوں کی عبادت اور بھوت پریت کی پوجا سے اُن کو بھی شدّیم یعنی جنّ کہا کرتے تھے اور وہی جبار بنی عمالیق حضرت سلیمانؑ کے زیر فرمان کچھ مطیع اور کچھ ملازم و مصاحب تھے +

کتاب واعظ جو حضرت سلیمانؑ کی تصنیف سے ہے اس میں اُنہوں نے لکھا ہے کہ میرے پاس جن یا شیطان (مسخّر) تھے اصل عبارت کتاب واعظ ۲/۸ کی یہ ہے :۔

כנסתי לי גם-כסף וזהב וסגלת מלכים והמדינות

עשיתי לי שרים ושרות ותענגת בני האדם שדה ושדות

ترجمہ۔ میں نے سونا روپا اور بادشاہوں اور ملکوں کا خاص خزانہ اپنے لئے جمع کیا۔

پینے گانے والے اور گانے والیاں رکھیں اور بنی آدم کے سامان عیش۔ شیطان اور جنات اپنے لئے فراہم کئے +

گو بائبل کے سب ترجمے اس مقام پر جس کو ہم نے شیطان و جنات ترجمہ کیا ہے مختلف ہیں مگر یہود کی مدراش ہمارے موافق ہے +

ترجمہ اُردو سنہ ۱۸۴۵ء و سنہ ۱۸۷۰ء	بیگم اور بیگیات
ترجمہ انگریزی سنہ ۱۸۴۱ء	باجے اور سب قسم کے ساز
ترجمہ مذہب رومن کیتھلک سنہ ۱۸۴۵ء	پیالے اور برتن شراب ڈھالنے کے
ترجمہ عربی	سیّدہ و سیّدات
ترجمہ فارسی	انواع سازہائے موسیقی
ترجمہ یونانی قدیم	ساقی اور ساقیات۔
ترجمہ عربی سنہ ۱۸۳۱ء	شافات واباریق للخدمة لکسب الخمر

اصل عبری میں یہ الفاظ שדה ושדות (شدہ و شدوت) ہیں جن کی اصل שד (شد) ہے۔ اربع عسیریم یعنی عہد عتیق کی اصل عبرانی کتابوں میں اور جہاں جہاں یہ لفظ آتا ہے وہاں شیطان اور دیو یا دیوتا کے معنے لئے گئے ہیں۔ استثنا باب ۳۲-۱۷ "انہوں نے شیطانو کی قربانیاں گذرانیں"۔ יזבחו לשדים (یذبحو لشدیم) اور زبور ۱۰۶-۳۷ (نسخہ عبری) "انہوں نے تو اپنے بیٹوں اور بیٹیوں کو شیاطین کے لئے قربانی کیا +

ויזבחו את בניהם ואת בנותיהם לשדים

(ویذبحوا ایتہ بینہم وایتہ بنوتیہم لشدیم) +

ترجمہ۔ عربی میں یہ فقرہ ۱۰۵ از بور میں ہے وذبحوا ابنیهم وبناتهم للشیاطین +

پس یہ سب ترجمے اُردو انگریزی۔ عربی۔ فارسی مقام مذکورہ بالا کے غلط ہیں +

اب دیکھنا چاہیئے کہ שד (شد) کی وجہ تسمیہ کیا ہے یعنی عبرانیوں میں جن اور شیطان کو שדים کیوں کہا۔ ظاہر ہے کہ پُرانے یہودیوں میں جن و شیطان کے خیالات نہیں تھے وہ ان ناموں سے مطلق واقف نہ تھے جب ایرانیوں یعنی زردشت کے مذہب والوں سے اور یہودیوں سے میل جول ہوا تب اُنہوں نے اُن سے ایسے خیالات اور محاورات سیکھ لئے اگرچہ سلیمان کا زمانہ اس واقعہ سے قبل کا ہے۔ مگر مصریوں میں اور کنعانیوں میں اور اَور قوموں میں جو بنی اسرائیل کے اِردگرد تھیں شدّت سے بُت پرستی اور جن پرستی اور شیطان پرستی ہوتی تھی اور بنی اسرائیل نے کسی نہ کسی مناسبت سے اُن کے نام گھڑ لئے تھے مثلاً שעירם

(سعیرم) بھی عبرانی کتابوں میں (لیویان ۱۷-۷ و ۲-اخبار الایام ۱۱-۱۵) شیاطین کے معنوں میں
آیا ہے حالانکہ اس کا ترجمہ لفظ بالوں والے (بصیغہ جمع) ہے۔ شعیر کے معنی بال ہیں جیسے عربی
میں شعر کہتے ہیں اور م جمع کا ہے مصریوں میں ایسی بکری کی جس کے بڑے بڑے بال ہوتے تھے
پرستش ہوتی تھی اور جس دیوتا کے نام وہ بھیڑ ابکرا مخصوص ہوتا (جیسے ہمارے یہاں میراں اور شیخ
سدو) تو ایسے بکرے کو اسرائیلیوں نے اصل شیطان کے نام سے موسوم کیا۔ حالانکہ وہ بکرا شیطان
نہ تھا ایسے ہی شدیم بھی اصل میں قوی ہیکل اور مرد ضابط و شدید جو اپنی حیات میں یا مرنے پر پُجتے
ہوں گے شیاطین کے نام سے موسوم ہو گئے حالانکہ در اصل وہ انسان تھے۔ یہ ہی لفظ سعیرم اور
سعیر توریت میں اَور جگہ (توریت کی تیسری کتاب $\frac{۴}{۲۲}\ ۲۳$ و $\frac{۱۶}{۲۶\ ۹}$) اپنے اصلی معنوں میں
یعنی بکرا اور حلوان آیا ہے ؞

پُرانی زبانوں میں ایسا محاورہ تھا اور اَب بھی اس کے آثار ملتے ہیں کہ تمدن کی حیثیت نے
بنی آدم کی دو تفریقیں کر دی تھیں ایک تو شہری دوسرے دشتی اور جبلی اس وجہ سے اس قسم کے الفاظ
ایش سدہ اور ایش تم عبرانی میں (پیدایش $\frac{۲۵}{۲۷}$) اور جیسے بدوی اور حضری۔ ایسے ہی جن اور انس تھے
کیونکہ جن کے معنے چھپے ہوئے کے ہیں اور انس جو چیز نظر آوے۔ جو لوگ حضرت سلیمانؑ کے یہاں
پتھر تراشنے کا کام کرتے تھے اُنکو جبلیم (۱ سلاطین $\frac{۵}{۱۸}$) یعنی پہاڑی کہا ہے اور قرآن میں اُن کو جن اور
شیاطین (انبیا) کہا ہے۔ ان کا تفصیلی بیان دوسرے موقع پر ہوگا ؞

یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ שדד کے معنی میں تباہ کرنا فنا کرنا اور غارت کرنا داخل ہے اسلئے
ڈاکوؤں شریروں کو بھی שדד شد کہتے ہیں اور کتاب امثال سلیمان علیہ السلام ۲۱-۷- اور صحیفہ
اشعیا ۱۶-۴ میں یہ لفظ انہیں معنوں میں ہے اور عربی میں بھی شدّۃ سختی اور زور کو کہتے ہیں پس
شد שד یا جو اس کی جمع ہے شدیم ہندی میں اس کے معنے مہابلی اور مہادیو کے ہونے
چاہئیں = اور چونکہ جس قدر چیزیں خدا کے ماسوا پوجی جاتی تھیں اور اب بھی پوجی جاتی ہیں وہ سب
انسان اور انسان کی روحیں ہیں کہ وہ لوگ اپنے زمانۂ حیات میں کسی نہ کسی وجہ سے بنی آدم پر
غالب ہوئے اور بعد مرنے کے اُلہ بنائے گئے ہیں کہ میاروں کی پرستش کی اصل یہی ہے کہ
اُن کو بھی در اصل انسان مانا جاتا ہے بعد مرنے کے وہ آسمان کو اُڑ گئے جیسے زُہرہ وغیرہ۔ پس
حضرت سلیمانؑ کے جنّ اور شیطان شدہ اور شدونت۔ وہ سب حضرت انسان ہی میں سے تھے۔
اور قرآن کا مضمون حضرت سلیمان کی کتاب سے بالکل موافق ہے۔ مخالفوں نے اور ناداں دوستوں
نے یہ بات مشہور کر رکھی ہے کہ قرآن کا یہ مضمون کہ سلیمان کے پاس جنات تھے محض ایک افسانہ
ہے جیسے یہود کے بے اصل قصہ کہانیوں سے اخذ کیا گیا ہے مگر اب اُن کی کیسی غلطی ثابت ہوئی کہ

سلیمان کی سچی کتاب میں (واعظ ۲ باب) وہی مضمون جس سے مضمون قرآن کی تصدیق ہوتی ہے ثابت ہوتا ہے +

نمل

(۳) حتیٰ اذا اتوا علی واد النمل قالت نملة یا ایھا النمل[1] ادخلوا مساکنکم لا یحطمنکم[2] سلیمان وجنودہ وھم لا یشعرون - (نمل) +

ترجمہ - یہاں تک کہ جب قوم نمل کی میدان میں پہنچی تو اس قوم کی رئیس عورت نے اپنے اہل قوم سے کہا کہ اے قوم نمل اپنے گھروں میں داخل ہو جاؤ ایسا نہ ہو کہ سلیمان اور اُن کا لشکر تم کو نادانستہ آزار پہنچاویں +

تفسیر - چیونٹی کو بھی نمل کہتے ہیں اور اس نام کا ایک قبیلہ بھی تھا جب اس قوم یا قبیلے کے ملک میں سلیمان کا لشکر پہنچا تو چونکہ دستور ہے کہ لشکری آدمی اکثر اَوروں پر زیادتی اور جبر کرتے ہیں اس لئے رئیس قوم نے اپنے اہل قوم کو سمجھا دیا کہ اپنے گھروں میں بیٹھے رہو +

آپ دیکھئے کہ سب قوموں میں دستور ہے کہ وہ اپنے نام جانوروں کے نام پر رکھتی ہیں جیسے عرب میں اسد اور کلب کے دو مشہور قبیلے تھے اور ہندوستان میں ناگ بنسی - تو کیا درحقیقت وہ شیر اور کتّے اور سانپ تھے - ایسے ہی نمل بھی جو چیونٹی کو بھی کہتے ہیں اور ایک قبیلہ یا قوم کا نام بھی تھا +

مسلمان مفسروں میں سے عجائب پسند اور وہمی خیال کے آدمیوں نے اس قوم نمل کو چیونٹی سمجھا اور شاعروں کی وجہ سے اُس کی بڑی شہرت ہوگئی اور نامسلمان مخالفوں نے اعتراض کی راہ سے اس پر طعن وطنز کئے - ایک قوم تو اپنی سادگی سے اور دوسری قوم شرارت سے بہک گئی +

قرآن مجید کے جس قدر عربی - فارسی اور ہندی ترجمے ہوئے سب نے نمل کا یہی ترجمہ کر دیا حالانکہ یہ نام ہونے کی وجہ سے ترجمہ کے لائق نہ تھا +

یونانی زبان کی پرانی کتابوں میں بھی قوم نمل کا حال ملتا ہے چنانچہ اسطرابو یونانی جو

---

[1] اس میں نمل سے ایسا خطاب کیا گیا ہے جیسا کہ عقلاء یعنی آدمیوں سے کیا جاتا ہے نہ کہ جیسا غیر عقلا یعنی حیوانات سے ہوتا ہے - جانوروں کی خلقت میں عقل اور نطق رکھا ہی نہیں گیا - ولا تبدیل لخلق اللہ +

[2] حطم کے معنے روندنے کے نہیں ہیں بلکہ توڑنے کے ہیں - چیونٹیوں کے مضمون پر جمانے کے لئے اس کا ترجمہ روندنا کر دیا جاتا ہے +

سال عیسوی سے ۶۰ برس پیشتر پیدا ہوا تھا اُس نے اپنی کتاب جغرافیہ میں (جو اب انگریزی میں ترجمہ ہو کر تین جلدوں میں چھپ گئی ہے ص ۵ ۱۸۷۰ع "مرمی گائیڈ" کا ذکر کیا ہے (اس لفظ کے معنی بھی چیونٹی کے ہیں) کہ وہ زمین سے مٹی کھودتی ہے اور اُس میں سے موتی کے ذرّے نکلتے ہیں۔ اور اُن کے اطراف کے رہنے والے باربرداری لیکر آتے ہیں اور چیونٹیوں سے لڑتے ہیں۔ اور وہ مٹی بھر کر لیجاتے ہیں اور اُس میں سے سونا الگ کر لیتے ہیں۔ اس امر کی تصدیق ہم کو مقرزی کی تاریخ سے ہوئی (یہ مورخ احمد المقرزی مصر میں ۱۳۶۰ع سے ۱۴۴۲ع تک تھا۔ اُس نے عربی میں مسلمانوں کی تاریخ لکھی) کہ جب ہارون الرشید دورہ کرتے ہوئے وادی نمل میں پہنچے تو وہاں کی ایک بڑھیا نے ان کی دعوت کی (عجیب اتفاق ہے کہ سلیمان کے وقت میں بھی شاید اس قبیلہ پر ایک عورت نملہ حکمراں تھی اور ہارون کے وقت میں بھی ایک بڑھیا اس قوم کی رئیس تھی) ہارون نے اس خیال سے کہ یہ گانوں بہت ہی چھوٹا ہے۔ دعوت قبول کرنے میں تامل کیا آخر قبول کی۔ اور رخصت کے وقت اُس بڑھیا نے کئی تھیلیاں اشرفیوں کی نذر کیں۔ بادشاہ نے تعجب سے پوچھا تو اُس نے جواب دیا کہ ہمارے یہاں ایسا سونا بہت نکلتا ہے[1] ؎

طیر

(۴۷) وتفقّد الطیر فقال مالی لا اری الهدهد ام کان من الغائبین لاعذّبنّه

[1] سید خیر الدین احمد وزیر سلطنت تونس نے کتاب اقوم المسالک فی احوال الممالک (ص ۳۰) میں جس کا ترجمہ نظم المسالک (ص ۶۲) میں ہوا ہے لکھا ہے کہ۔

"مقرزی نے مامون رشید کی ایک حکایت لکھی ہے اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کی ثروت اور دولت اُنکے عمل کے زمانہ میں کیسی ترقی پر تھی چنانچہ اُس نے لکھا ہے کہ جب مامون رشید نے مصر کے علاقہ کا دورہ شروع کیا تو وہ ہر گاؤں میں ایک رات دن ٹھہرتا تھا جب وہ طاء النمل ایک گانوں میں پہنچا تو وہاں حسب معمول اُس نے قیام نہ کیا اور آگے کو چلا تو ایک بڑھیا اُسی گانوں کی مامون رشید کی خدمت میں آئی اور اُس نے عرض کیا کہ آپ میرے گانوں میں بھی قیام فرما دیں جب مامون رشید نے اُس کی التجا کو قبول فرمایا اور وہاں قیام کیا تو اُس بڑھیا نے اپنی حیثیت کے موافق مامون رشید کی اور اُسکے لشکر کی دعوت کا سامان کیا اور جب مامون رشید نے وہاں سے روانہ ہونیکا قصد کیا تو اُس بڑھیا نے دس تھیلیاں اشرفیوں کی ایک ہی سن کے سکہ کی مامون رشید کی نذر گذرانیں مامون رشید اوّل تو اپنی اور اپنے لشکر کی دعوت سے ہی متعجب ہوا تھا جب اُس نے اس قدر تھیلیاں دیکھیں تو اور بھی زیادہ متعجب ہوا اور بڑھیا سے کہا کہ ہم تیری نذر نہیں لیتے تو ایک غریب بڑھیا ہے اُس بڑھیا نے کہا کہ یہ کوئی بڑی چیز نہیں ہے بلکہ یہ سونا تو ہمارے گانوں کی مٹی میں سے پیدا ہوتا ہے علاوہ اسکے میرے پاس تو بہت کچھ اور موجود ہے یہ تو کچھ بھی نہیں ہے جب مامون رشید نے یہ سُنا تو اُس کو خوشی قبول کیا اور اُس بڑھیا کی اُس گانوں میں عزت اور وقعت زیادہ کر دی" ؎

عذاباً شدیداً او لااذبحنه اولیاتینّی بسلطان مبین (نمل) +

ترجمہ - اور سلیمان نے لشکر کا جائزہ لیا تو کہا کہ کیا وجہ کہ ہدہد (جو ایک شاید امیر فوج یا مصاحب تھا) نظر نہیں آتا - کیا وہ غیر حاضر ہو گیا اس کی مَیں سزا کردں گا یا قتل کروں گا - اگر وہ کوئی معقول عذر نہ پیش کرے گا[1] +

تفسیر - لوگوں نے اُردو میں اس کا ترجمہ عجیب کیا ہے کہ اور خبر لی اُڑتے جانوروں کی الخ حالانکہ طیرہ کے معنی لشکر کے بھی ہیں - حماسہ میں جو علم عربیت کی معتبر اور مشہور کتاب ہے موسیٰ بن جابر کا یہ ایک شعر ہے - ؎

فما نفرت جنّی ولا فلّ مبردی -

ولا اصبحت طیری من الخوف دفعاً +

اس کی شرح میں شیخ ابوزکریا یحییٰ بن علی الخطیب التبریزی نے لکھا ہے - ویجوزان یرید بالطیر سوا یاہ وطوایف خیله التی کانت تذھب فی الغارات والارتباء وتجبیس الاجل وغیرھا (ص ۱۰۲ شرح حماسہ مطبوعہ بونا ہے ۱۲۵۱ھ) +

ہُدہُد

ہدہد ایک آدمی کا نام ہے اور ایک چڑیا بھی عربی زبان میں ہدہد کہلاتی ہے اور لفظ ہداہد جو کہ ہدہد کی جمع ہے ایک قبیلہ کا نام ہے جو یمن میں تھا (صراح) اور تواریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت سلیمان کے زمانہ میں اور آدمی اسی نام کے یا اسی کے قریب اللہجہ نام کے تھے چنانچہ ہدد ۲۶ جس کا ذکر کتاب اوّل سلاطین $\frac{11}{14}$ میں ہے ہدعزر ۲۶ ۲۶ ۲۶ ایضاً $\frac{11}{23}$ اور شاید بعض تفسیروں میں ہے کہ ہدہد بلقیس کے چچا کا نام تھا اور ڈاکٹر پوکاک کی تاریخ عرب میں جو سولھویں صدی میں تصنیف ہوئی بلقیس کے باپ کا نام ہدہاد بن شرجیل لکھا ہے - مفسرین نے لفظ طیر کی مناسبت سے ایک انسان سردار لشکر یا مصاحب حضرت سلیمانؑ مسمیٰ بہ ہدہد کو چڑیا بنا دیا +

عفریت - عرش

(۵) قال یاایھا الملؤا ایکم یاتینی بعرشھا قبل ان یاتونی مسلمین - قال عفریت[2]

---

[1] یہ باتیں اُسی کی نسبت کہی جاتی ہیں جو کہ مکلف اور ذی عقل ہو نہ چڑیوں کی نسبت +

[2] قوله تعالیٰ - عفریت التاء زایدة لانه من العفر یقال عفریت وعفریته - اعراب القرآن +

من الجن[1] انا آتیك به قبل ان تقوم من مقامك وانی علیه لقوی امین (نمل) +

ترجمہ۔ حضرت سلیمان نے فرمایا کہ اے درباروالو تم میں کوئی ہے کہ اس کا تخت اُنکے حکم بردار ہوکر آنے سے پہلے لے آوے قبیلہ جن میں سے عفریت نامی ایک شخص نے کہا کہ آپکے اپنی جگہ سے اُٹھنے سے پہلے مَیں اُس کو لا دیتا ہوں اور مَیں اُس پر قوی اور امین ہوں +

تفسیر۔ عفریت ایک آدمی کا نام تھا اور کسی شہر یا قلعہ کا نام بھی ہو سکتا ہے قاموس میں عفر کے مادہ میں لکھا ہے۔ اسم ارض وقلعة بفلسطین واسم امراة والرجل الکامل

---

[1] بخاری نے (کتاب الصلوٰة وتفسیر میں) روایت کی ہے۔ حدثنا اسحاق بن ابراهیم حدثنا روح ومحمد بن جعفر عن شعبة محمد بن زیاد عن ابی هریرة عن النبی صلی الله علیه وسلم قال ان عفریت من الجن تفلت علی البارحة او کلمة نحوها لیقطع علی الصلوٰة فامکنی الیه منه واردت ان اربط الی ساریه من سواری المسجد حتی تصبحوا وتنظروا الیه کلکم فذکرت قول اخی سلیمان هب لی ملکا لا ینبغی لاحد من بعدی قال روح فرده خاسئًا +

یعنی جناب پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک عفریت جن میں سے میری نماز میں آیا میں نے اُس کو پکڑ لیا اور چاہا کہ مسجد کے ستون سے باندھ رکھوں مگر سلیمان کا قول یاد آیا الخ یہ روایت ثابت اور صحیح نہیں ہے +

اوّل تو یہ کہ یہ ایک خبر واحد ہے جو مفید علم ویقین نہیں ہوتی +

دوسرے یہ کہ اس میں راوی نے ٹھیک وہ الفاظ جو جناب پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمائے تھے یاد نہیں رکھے چنانچہ اس کا شک اور تردد او کلمة نحوها سے ثابت ہے +

تیسرے یہ کہ یہ روایت مُعَنعَن ہے جس میں شعبہ اور محمد اور ابی ہریرہ اور جناب پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم سے عنعن کرکے روایت ہوئی ہے جو اتصال پر یقیناً حمل نہیں ہو سکتی احتمال ہے کہ ان سب راویوں کے درمیان ایک ایک دو دو واسطہ چھُوٹ گیا ہو +

چوتھے یہ کہ حضرت ابوہریرہؓ سے اکثر غلط روایتیں مشہور ہوگئی ہیں اور خود اُنکے زمانہ میں بھی اُن کی روایت پر لوگ طمانیت نہیں کرتے تھے اور اُن کی روایتوں کو حضرت عائشہ پر عرض کرکے تصحیح یا تغلیط کرتے تھے چنانچہ مسلم نے روایت کی ہے (باب استحباب بدو النعال بالیمنی الخ) حدثنا ابوبکر بن ابی شیبه وابوکریب واللفظ لابی کریب قالا حدثنا ابن ادریس عن الاعمش عن ابی رزین قال خرج الینا ابوهریرة رضی الله عنه فضرب بیده علی جبهة فقال الا انکم تحدثون انی اکذب علی رسول الله صلی الله علیه وسلم الخ

یعنی ابو رزین کہتا ہے کہ حضرت ابوہریرہ ہم لوگوں کے پاس آئے اور اپنا ماتھا کوٹ کے فرمانے لگے کہ تم لوگ کہتے ہو کہ میں جناب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم پر جھُوٹ باندھتا ہوں الخ پانچویں یہ کہ روح راوی بھی متکلم فیہ ہے جیسا کہ فتح الباری شرح بخاری تصنیف ابن حجر عسقلانی کے مقدمہ کی نویں فصل سے ظاہر ہے پس یہ روایت کسی طرح قابل یقین نہیں ہو سکتی +

ضابط القوی۔ پس یہ عفریت جو حضرت سلیمان کے دربار میں تھا قبیلہ بنی عمالیق سے جو جن کہلاتے ہیں ہوگا اور یہ نام یا تو شہر عفرون کی نسبت سے اُس کا ہوگا یا اُس کا ذاتی نام اور یا اُس کی قوت اور شدت کی وجہ سے وہ عفریت کہلاتا ہوگا جس کا اشارہ لفظ قوی میں بھی ہے اور یہ تو عجائب پرستوں کی ایک خام خیالی ہے کہ وہ راکش یا دیو تھا +

عبرانی کتابوں میں عفرہ עפרה آدمی کا نام بھی ہے (۱۔ اخبار الایام ۴/۱۴) اور شہر کا نام بھی (قاضیوں کی کتاب ۶/۱۱، ۸/۲۷، ۹/۵) ایسے ہی عفرون עפרון بھی آدمی کا نام ہے۔ (پیدائیش ۲۳/۸، ۲۵/۹) اور شہر کا نام بھی (۲۔ اخبار الایام ۱۳/۱۹ یوشع ۱۵/۹) +

(۶) قال الذی عندہٗ علمٌ من الکتاب انا اتیک بہٖ قبل ان یرتد الیک[۵۱] طرفک فلما راٰہ مستقرًا عندہٗ قال ھذا من فضل ربی لیبلونی اشکر ام اکفر (نمل) +

ترجمہ۔ جس شخص کے پاس کتاب کا علم تھا وہ بولا کہ میں اس کو ایک طرفۃ العین میں لا دیتا ہوں پھر جب سلیمان نے اس کو اپنے پاس رکھا دیکھا تو کہا کہ یہ میرے خدا کے فضل سے ہے۔ میری آزمایش کو کہ میں شکر کرتا ہوں یا ناشکری +

تفسیر۔ وہ عفریت تو قوم عمالیق سے تھا اور یہ شخص اہل کتاب میں سے تھا اس نے کہا کہ میں بلقیس کے تخت کو بہت جلد منگوا دیتا ہوں غالباً اس کا تخت ایک معمولی طور کے بیٹھنے کی چوکی ہوگی جسے بلقیس ساتھ لائی ہوگی وہ اس نے بلقیس کے یہاں سے منگوا دی اور یہ بات غالباً بلقیس کی اطلاع سے ہوئی چنانچہ دوسری آیت سے صاف ظاہر ہوتا ہے۔ کہ جب ملکہ سبا کو وہ تخت دکھلا کے پوچھا گیا تمہارا تخت ایسا ہی ہے اس نے کہا۔ کانہٗ ھُوَ واوتینا العلم من قبلھا کہ گویا یہ وہی ہے اور ہم کو معلوم ہو چکا آگے سے۔ قصہ گو مفسروں نے محض ان سیدھی سادی باتوں کو افسانہ کا رنگ دینے کو بہت کچھ مبالغے کئے ہیں کہ بلقیس کا تخت حد سے زیادہ مثلاً ۸۰ گز لمبا تھا اور وہ اس کو سات کوٹھڑیوں میں سبا میں بند کر آئی تھی اور اس پر پہرے کھڑے تھے اور آصف وزیر سلیمان نے درحقیقت ایک طرفۃ العین میں اس طور سے منگا دیا۔ کہ اسم اعظم[۵۲] پڑھا اور وہ تخت زمین کے نیچے ہی نیچے چلا آیا اور سلیمان علیہ السلام کے قریب آکر زمین سے پیدا ہو گیا۔ قرآن کے مضمون میں کوئی ایسا مضمون خلاف مجرائے طبعی اور فہمانہ کے طور پر نہیں ہے۔ مگر قصہ خوانوں نے اپنی سے لغو اور بیہودہ حکایتیں بڑھا اور ملا کے

---

[۵۱] انہ اراد المبالغۃ فی السرعۃ کما یقول لصاحبک افعل ذالک فی لحظہ و ھذا قول مجاھد الخ۔ تفسیر کبیر رازی +

[۵۲] ذوق اسمار الٰہی میں سب اسم اعظم اس کو ہر نام میں عظمت ہے نہ ایک نام میں خاص +

اسی اصلی باتوں کو ایک مسخریہ بنا دیا ہے +

کشفِ ساق

(۷) قیل لہا ادخلی الصرح فلما رأت حسبتہ لجّۃ وکشفت عن ساقیہا قال انہ صرح ممرّد من قواریر۔ (نمل) +

توجمہ۔ کسی نے کہا اُس عورت کو اندر چل محل میں تو جب دیکھا اُس نے وہ سمجھی کہ پانی ہے اور گھبرائی (کہ کیونکر جاؤں) کسی نے کہا یہ تو ایک محل ہے اس میں شیشے جڑے ہیں +

تفسیر۔ کشف ساق سے کنایتاً گھبراہٹ مراد ہے کیونکہ جب کوئی ہنگامہ برپا ہو یا معرکہ جنگ میں شکست ہو ہلڑ مچے اور ہل چل اور بھاجڑ پڑے تو عرب کے لباس کے مقتضا سے پنڈلیاں کھل جائیں گی +

پس یہاں یہ ترجمہ بہت ہی مناسب اور چسپاں ہے۔ قرآن مجید میں ایک جگہ اور بھی کشفِ ساق کا ذکر ہے یوم یکشف عن ساقٍ (ن) اور یہاں قیامت کے ہَول اور گھبراہٹ اور ہڑاہڑ اور افراتفری مچ جانے سے یہی صاف اور صحیح معنی ہو سکتے ہیں کہ جس دن ہلڑ مچے۔ نہ یہ کہ حقیقت میں کسی کی پنڈلی کھُلجائے اور عرب کا ایسا محاورہ بھی ہے کہ جب لڑائی میں شدّت ہو۔ تو کہتے ہیں۔ کشفتِ الحرب عن ساقٍ۔ جو لوگ یہاں پر یہ معنی مراد لیتے ہیں کہ ملکہ سبا نے اپنی دونوں پنڈلیاں ننگی کر دیں تاکہ اُس پانی میں اُتر جاوے وہ صرف اس لغو قصّہ کی رعایت سے ایسا کہتے ہیں یعنی حضرت سلیمانؑ سے جنّات نے کہا تھا کہ ملکہ بلقیس ایک جنّیہ کے پیٹ سے ہے اور اُس کی پنڈلیوں پر بال ہیں اور اُس کے پَیر گدھے کے کھُر کی مانند ہیں تو اِس امر کی تحقیق کے لئے حضرت سلیمانؑ نے یہ سب سامان کیا تھا مگر حضرت سلیمانؑ کی نبوت اور حکمت پر نظر کرنے سے یہ قصّہ محض واہیات معلوم ہوتا ہے اور یقیناً جھُوٹ ہے یہ اُن کا بادشاہی سامان تھا۔ اور اس پانی کو دیکھکر ملکہ سبا گھبراتی تھی کہ کیونکر جاؤں اتنے میں کسی نے کہدیا کہ اس پانی پر آئینہ کا فرش ہے +

(۸)۔ اس مضمون میں ہم نے تفسیروں کی عبارتوں سے اور مختلف مفسّروں کے اقوال سے بحث نہیں کی۔ ہمیں ہندی سادہ و سرسری۔ صرف قرآن مجید کی عبارت اور اُس پر ضروری امر متعلق تھا لکھدیا ہے کیونکہ اس تحریر سے مقصود ہے کہ قرآن مجید میں جو ایسی باتیں ضمناً تفسیر کے لباس اور قصّہ خوانوں کی وجہ سے داخل سمجھی جاتی ہیں اُن سے مضمون قرآنی کو پاک کیا جاوے۔ اور جو سچّی اور سیدھی بات ہو وہی راست راست بیان کی جاوے اور جو کچھ اعتراضات منکروں

کی طرف سے ان مضمونوں پر وارد ہوتے ہیں اُن کو یہ بات صاف صاف دکھلا دینی چاہیئے۔ کہ اس قدر تو امر حق اور واقعی ہے اور اس قدر لغو اور جھوٹ ہے اور جس قدر جو مضمون قرآن میں ہے وہ تاریخی واقعات اور مجرائے طبعی کے موافق ہے۔ اگر تفسیروں میں جھوٹے قصّے اور خلافِ حقیقت حکائتیں بھری ہوں تو اس سے قرآن اُس کا ذمہ وار اور جوابدہ نہیں ہو سکتا ❖

بعضے بعضے ہوشیار اور حکیم مزاج مفسّروں کو بھی یہ بات معلوم تھی کہ یہ قصّے تفسیروں کے پیرایہ میں اعتراض کے قابل ہیں اور اُنھوں نے اپنے زمانہ کے علم و حکمت کے رنگ اور مقدور کے موافق اس کے جواب دینے اور اعتراض اُٹھانے پر کوشش بھی کی مگر پھر بھی اُنھوں نے جواب دینے میں ایک عمدہ اصول کو نظر انداز کر دیا وہ یہ کہ اُنھوں نے قرآن کے سچے مضمون اور تفسیروں کی جھوٹی کہانیوں میں تمیز نہیں کی الاّ کہیں کہیں ❖

امام فخر الدین رازی نے تفسیر کبیر میں سورۂ نمل کی تفسیر میں اُنھیں آیتوں کے ذیل میں لکھا ہے :۔

انّ الملاحدۃ طعنت فی ھٰذہ القصۃ من وجوہ۔ احدھا ان ھٰذہ الاٰیات اشتملت علیٰ انّ النملۃ والھدھد تکلما بکلامٍ لا یصدر ذلک الکلام الا من العقلاء و ذلک یجر بہ الی السفسطۃ فانا لو جوزنا ذلک لما امنا فی النملۃ التی نشاھدھا فی زماننا ان یکون اعلم بالھندسۃ من اقلیدس و بالنحو من سیبویہ وکذا القول فی القملۃ والصّئبان و یجوز ان یکون فیھم الانبیاء والتکالیف والمعجزات و معلوم ان من جوّزہ کان الی الجنون اقرب۔ وثانیھا ان سلیمان علیہ السلام کان بالشام فکیف طار الھدھد فی تلک اللطیفۃ من الشام الی الیمن ثم رجع الیہ ❖

والجواب عن الاوّل ان ذلک الاحتمال قائم فی اوّل العقل وانّما یدفع ذلک بالاجماع وعن الباقی ان الایمان بافتقار العالم الی القادر المختار یزید ھذہ الشکوک ❖

اور پھر دوسری جگہ لکھا ہے وھٰھنا سوال وھو انہ کیف یجوز والمسافۃ بعیدۃٌ عن ینتقل العرش فی ھذا الزمان وھذا تقتضی اما القول بالطفرۃ او حصول الجسم الواحد دفعۃ واحدۃً فی مکانین۔ جوابہ ان المھندسین قالوا کرۃ الشمس مثل کرۃ الارض مائۃ واربع وستین مرۃ ثم ان زمان طلوعھا زمان قصیر فاذا قسمنا زمان طلوع تمام القرص علی زمان العلم الذی بین الشام والیمن کانت اللمحۃ کثیرۃٌ فلما ثبت عقلا امکان وجود ھذہ الحرکۃ السریعۃ وثبت انہ تعالیٰ قادر علی کل الممکنات زال السّوال۔ (از نسخہ قلمی) ❖

بھلا وہ قصّے تو عجیب تھے ہی یہ جواب اُن سے بھی زیادہ عجائب و غرائب ہیں خیر اُس زمانہ میں شاید یہی جواب کافی ہوگا ❖

ہم نے جو ترجمہ اور مختصر سی تفسیر کر دی ہے اس سے سب قسم کے اعتراضات خواہ وہ علوم حکمیہ کی قسم سے ہوں یا تاریخی واقعات کی قسم سے رفع ہو جاتے ہیں اور سچا مضمون قرآن کا ثابت ہوتا ہے +

اَور مضامین حضرتِ سلیمانؑ کے جو سورۂ سبا۔ انبیا اور ص میں ہیں اُن پر پھر کبھی نظر کی جائے گی +

تسخیرِ ریح۔ جہازرانی۔ عین القطر یعنی صناعت سے پگھلا ہوا تانبا اور اُس کا مقام۔ جنّ و شیاطین۔ صُور کے ملک کے پہاڑی آدمی جو فنون اور دستکاری و جہازرانی میں بڑے صنّاع اور اُستاد کار تھے۔ بِاِذْنِ رَبِّہٖ۔ یعنی حورام کاریگر کا اپنے بادشاہ کی اجازت سے حضرتِ سلیمانؑ کا کام کرنا۔ اُسکی صنّاعیوں کی تفصیل صُحفِ سابقہ سے قرآن مجید کی تطبیق اور تصدیق اور انکشافاتِ جدید کی توقع

(۱) قرآن مجید میں تین جگہ فرمایا ہے کہ ہوا کو سلیمان علیہ السلام کے تابع یعنی مسخّر کر دیا تھا۔ ولسلیمان الریح غدوّھا شھرٌ ورواحھا شھرٌ۔ (سبا۔ رکوع ۲) ولسلیمان الریح عاصفۃ تجری بامرہٖ الی الارض التی بارکنا فیھا۔ (انبیا رکوع ۶) وسخّرنا لہ الریح تجری بامرہٖ رخاءً حیث اصاب (ص رکوع ۳) +

سورہ ابراہیم میں ہے وسخّر لکم الفلک لتجری فی البحر بامرہٖ وسخّر لکم الانھار وسخّر لکم الشمس والقمر دائبین وسخّر لکم اللیل والنھار +

ترجمہ۔ اور کام میں دی تمہارے کشتی کہ چلے دریا میں اُسکے حکم سے اور کام میں دیں تمہارے ندیاں اور کام میں دیئے تمہارے سورج اور چاند ایک دستور پر اور کام میں دیئے تمہارے رات اور دن +

ان آیتوں سے صاف کُھلتا ہے کہ قرآن میں تسخیر کا مضمون کس محاورہ پر آتا تھا۔ یہ عوام الناس کی تسخیر نہیں ہے جو پریوں کو تسخیر کرتے ہیں اور منتر پڑھتے ہیں۔ بلکہ جملہ اہل عالم کا ان چیزوں سے قدرتی

بطور پر متمتع ہونا ان چیزوں کا اُن کے مسخر ہو جانا ہے ورنہ کسی نے ہم میں سے کوئی پڑھنت پڑھکر کشتیوں اور دریاؤں کو اور چاند اور سورج اور رات اور دن کو مسخر نہیں کیا ہے +

(۲)۔ مفسرین تو یہ کہتے ہیں کہ حضرت سلیمانؑ ایک اُڑن کھٹولے[1] پر سوار ہو کر معہ سازوسامان وحشم وخدم اِدھر سے اُدھر اور اُدھر سے اِدھر یعنی ممالک شام وایران ویمن وفلسطین یا دمشق سے اسطخر اور فارس اور وہاں سے کابل کی سیر کیا کرتے تھے مگر مفسرین کا قاعدہ ہے کہ جب وہ کہینگے تو ایک انوکھی بات کہینگے جس کا کچھ پتہ ٹھکانا نہ ہو وہ اپنے خیال کی بلند پروازیوں سے وہم کے گھوڑے دوڑاتے ہیں + ؎

بیرے توسن کو صبا باندھتے ہیں
شعرا اپنی ہوا باندھتے ہیں

وہ کبھی تاریخانہ تحقیقات پر متوجہ نہیں ہوتے۔ وہ جو شام کی کسی لڑائی میں ایک بار شُتر یہود کے قصہ کہانیوں کا ال گیا تھا وہی اُن کا مایۂ بساط ہے حالانکہ حضرت سلیمانؑ کی تاریخی کتابیں جو یہود کے مجموعہ اربع عسریم کے صیغہ کتوبیم میں مدون ہیں۔ اگر اُن پر رجوع کرتے تو انہیں ان آیات کی تفسیر میں بادہوائی قصہ کہانی لکھنے کی ضرورت نہ پڑتی +

(۳) کتاب سلاطین اور اخبار الایام کے ملاحظہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت سلیمانؑ نے بنی اسرائیل میں اوّل اوّل جہاز رانی شروع کی اُن کے دو بڑے بڑے بیڑے بحر روم اور بحر ہند میں آسمان سے باتیں کرتے ہوئے ہوا کے رُخ پر چلتے تھے۔ اور چونکہ اُس زمانہ میں دخانی جہاز نہ تھے اور بادی جہاز بغیر تسخیر ہوا کام نہیں دیتے۔ اُن کی رفتار ایسی تھی کہ صبح سے شام تک اور شام سے صبح تک اس قدر مسافت طے کر جاتے تھے جو اُس زمانہ میں ایک مہینے کے سفر میں طے ہو سکتی تھی اور الی الارض التی بارکنا سے بھی اُن کی واپسی پر اشارہ ہے پس سلیمان علیہ السلام کے ان جہازوں کا چلنا اور ہوا کا مسخر ہونا ایک ہی بات ہے۔ قرآن کوئی تاریخ کی کتاب نہیں جس میں مفصل کیفیت لکھی جاتی بلکہ اس میں تو بسبیل تذکرہ فضایل سلیمان علیہ السلام اور انعامات الٰہی کے بیان میں اس بات پر اشارہ ہے جو تاریخ کی کتابوں میں مفصل لکھی ہوئی ہے +

(۴) سِفر الملوک اوّل (ب ۹) میں لکھا ہے (۲۶) پھر سلیمان بادشاہ نے عضیون جبر میں جو ایلوث کے نزدیک ہے دریائے قلزم کے کنارہ پر جو ادوم کی سرزمین میں ہے جہازوں کے بحر بنائے اور حیرام نے اُس بحر میں اپنے چاکر ملاح جو سمندر کے حال سے آگاہ تھے سلیمانؑ کے چاکروں کے ساتھ کر کے بھجوائے اور وے اوفیر کو گئے۔ اور کتاب سفر الایام ثانی (ب ۲) میں

[1] غبارہ کا احتمال ہو سکتا ہے مگر اس کا کوئی تاریخی ثبوت نہیں ہے +

حیرام کا قول بخطاب سلیمان منقول ہے (۱۶) ہم جتنی لکڑیاں تجھ کو درکار ہیں لبنان میں کاٹینگے اور اُنہیں بیڑا بندھوا کے سمندر پر سے تیرے پاس یافا میں پہنچاویں گے۔ پھر اسی کتاب کے باب آٹھ میں ہے۔ اُس وقت سلیمانؑ سمندر کے کنارے ادوم کے ملک میں عصیون جبر اور ایلوث کو گیا اور حورام نے اپنے نوکروں کے ہاتھ سے جہازوں کو اور ملاحوں کو جو سمندر کے حال سے آگاہ تھے اُس پاس بھیجا اور وے سلیمانؑ کے چاکروں کے ساتھ اوفیر کو گئے اور وہاں سے ساڑھے چار سَو قنطار سونا لیا اور سلیمانؑ بادشاہ کے پاس لائے +

پھر اسی کتاب کے نویں باب میں لکھا ہے۔ کہ بادشاہ کے جہاز حورام کے نوکروں کیساتھ طرسیس کو جاتے اور وہاں سے اُن پر تین برس میں ایک بار سونا اور روپا اور ہاتھی دانت اور بندر اور مور اُسکے لئے بھیجتے تھے۔ اس سے ثابت ہے کہ مقام عصیون جبر میں حضرت سلیمانؑ نے جہاز بنوایا تھا اور وہ جہاز اوفیر کو جاتا تھا اور دوسرا جہاز طرسیس کو جاتا تھا +

(۵) محققین نے اس امر میں اختلاف[۱] کیا ہے کہ اوفیر کس مقام پر تھا اس شہر کا نام صحیفہ ایوب $\frac{۲۲}{۲۴}$ میں بھی ہے۔ ترجمہ یونانی سبٹواجنٹ میں اوفرہ کی جگہ سفرہ لکھا ہے۔ بعضے تو ہاتھی دانت اور بندر اور طاؤس کے قرینہ سے اس کو ہندوستان کا کوئی شہر جو مغرب کے کنارہ پر ہوگا بتلاتے ہیں اور بعضے اُس کو افریقہ کا مشرقی کنارہ بتلاتے ہیں اور لفظ تکوہیم کا ترجمہ طوطوں کی ایک قسم کرتے ہیں نہ کہ طاؤس۔ اَوریسی نے اپنے جغرافیہ میں سفرا کو افریقہ میں قائم کیا ہے اور بطلیموس نے ایک سفرا عرب میں اور ایک ہندوستان میں لکھا ہے +

شاید طرسیس وُہی ملک ہے جو قرطاجنہ کے پاس افریقہ کے کنارہ پر ہے اور اب تونس[۲] کے نام سے موسوم ہے۔ مگر ان باتوں کی تحقیق خارج از بحث ہے اس لئے اوفیر اور طرسیس کی بحث میں جو جغرافیہ کے متعلق ہے کوئی قطعی بات نہیں کہی جاتی +

وَاَسَلْنَا لَهٗ عَيْنَ الْقِطْرِ[۳]۔ (سبا) +

(۶) شاہ ولی اللہ صاحب کا ترجمہ ہے " وروان ساختیم برائے او چشمۂ مس" اور شاہ

---

[۱] دیکھو ہارن کی تفسیر جلد ۳ صفحہ ۷۰۰۔ اور بسبط کی کتاب الکائنات (ج ۲ ص ۲۴۹ و ۵۰۰) اور خطبات الاحمدیہ تصنیف مولوی سید احمد خاں بہادر نجم الہند خطبہ جغرافیہ عرب +

[۲] تونس مدینة کبیرة محدثة بافریقة علی ساحل البحر عمرت من انقاض قرطاجنة وهی علی میلین هھنا وکان اسم تونس۔ طرسیس۔ ابو الفداء +

[۳] مشہور ہے کہ عربی زبان میں عین کے بہت معنی ہیں چنانچہ عین کے معنے گزیدہ ہر چیز ہے شخص و نفس ہر چیز بھی ہیں۔ صراح اور قاموس میں ہے دا لشی والسید پس یہ معنی ہو سکتے ہیں کہ ہم نے اس کیلئے عمدہ تانبا پگھلا دیا +

عبدالقادر صاحب کا ترجمہ ہے۔ "اور بہا دیا ہم نے اُسکے واسطے چشمہ پگھلے تانبے کا" مگر تانبا جو ایک
معدنی جوہر ہے وہ پگھلا ہؤا نہیں ہوتا بلکہ جملہ جواہر کانی یعنی معدنیات بجز پارے کے سخت اور
صلب ہوتے ہیں۔ قِطر کے معنی جمال قرشی نے صراح میں مس گے لکھے ہیں۔ اور فیروز آبادی مجد الدین
نے قاموس میں اسکے معنے (نحاس الذائب او ضرب منه) یعنی پگھلا تانبا یا اُس کی ایک قسم۔
اس میں قدرت کا بیان نہیں ہے کیونکہ فطرت میں تانبا پگھلا ہؤا نہیں ہوتا بلکہ صنعت کا بیان ہے
جس سے سمجھا جاویگا کہ حضرت سلیمان نے تانبے کے پگھلوانیکا[1] کارخانہ جاری کیا ہوگا۔ جو کہ
بیت المقدس اور بیت الملک وغیرہ عمارات شاہی کے مصرف میں آتا ہوگا +

(۷) پس جو کچھ اس میں علم حقایق اشیاء کی جہت سے اعتراض ہوتا ہے وہ تو رفع ہوگیا
اب اس پگھلے تانبے کے چشمہ کا تاریخی ثبوت باقی رہا اور وہ یہ ہے:-

سفر الملوک الاول جو ملاخیم کی پہلی کتاب ہے اور اردو ترجموں میں سلاطین کی پہلی کتاب
کہلاتی ہے اُس کے ساتویں باب کی ۱۳ اور ۱۴ - آیت میں ہے:-

پھر سلیمان بادشاہ نے صور سے حیرام کو بلا بھیجا اور وہ نفتالی فرقہ کی بیوہ عورت کا بیٹا تھا
اور اُس کا باپ صور کا آدمی ٹھٹیرا تھا اور وہ دانش اور عقلمندی اور حکمت سے کہ پتیل کے سب طرح
کے کام کرے معمور تھا۔ سو وہ سلیمان بادشاہ پاس آیا اور اُس کا سب کام کیا اور اسی باب میں
تانبے سے جو چیزیں بنائی گئیں اُن کی تفصیل بھی لکھی ہے اور پھر کتاب سفر الایام الثانی جو
اخبار الایام کہلاتی ہے اُس کی دوسری کتاب کے دوسرے باب کی ۱۳ و ۱۴ - آیت میں ہے "اور اب
میں حورام ابی ایک ہوشیار شخص کو جو کہ امتیاز کرنا جانتا ہے بھیجتا ہوں اور وہ دان کی بیٹیوں میں سے
ایک عورت کا بیٹا ہے پر اُس کا باپ صور کا ایک شخص ہے وہ سونے روپے اور پیتل اور لوہے اور
پتھر اور لکڑی اور ارغوانی اور آسمانی اور کتانی اور قرمزی اور ہر طرح کے نقشہ کا کام جانتا ہے اور
ہر ایک منصوبے کو جو اس سے پوچھا جاوے اُس کے ایجاد کرنے میں ماہر ہے +

اصل عبرانی میں نحاس کی جگہ נחשת (نحشت) ہے اور وہ ایک ہی لفظ ہیں جسکے
معنی تانبے کے ہیں +

اور کتاب دبری ہیمیم ۲ (۴/۱۶) میں נחשת מרוק نحشة مروق یعنی نحاس
مروق اور وہ یہی قطر۔ مِس گداختہ اور پگھلے تانبے کے بنے ہوئے برتن تھے ترجمہ عربی میں (نحاس
نقی) اور کتاب۔ ملاخیم میں ۷/۴۵ (נחשת ממרט) نحشة ممرط جس کا عربی میں ترجمہ
نحاس رومی ہے یعنی صاف بنایا ہؤا تانبا +

---

[1] اسلنا۔ اذبنا۔ جلالین +

(۸) یہود کی انہیں کتب مقدسہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ چشمہ تانبے کا یعنی وہ مقام جہاں تانبا پگھلایا گیا تھا اردن کے میدان میں گھنکھناتی مٹی میں سوکوث (ساخوت) اور صرطان (صاروانا) کے درمیان میں تھا دیکھو اخبار الایام ۲/۴ و سلاطین اول ۷/۴۶ +

مفسرین اس کو قدرتی چشمہ بتلاتے ہیں اور یہ خلافِ فطرت ہے اور اس کی جگہ ملکِ یمن میں بتلاتے ہیں اور یہ خلاف حقیقت ہے +

(کاریگران)

(۹) ومن الشیاطین من یغوصون لہ یعملون عملاً دون ذالک وکنا لھم حٰفظین (۲ انبیا) والشیاطین کل بنّاء وغواص۔ واخرین مقرّنین فی الاصفاد (ص ۳ع) ومن الجنّ من یعمل بین یدیہ باذن ربہ ومن یزغ منھم عن امرنا نذقہ من عذاب السّعیر۔ یعملون لہ مایشاء من محاریب وتماثیل و جفانٍ کالجوابِ وقدورٍ راسیاتٍ اعملوا اٰل داوٗد شکراً وقلیل من عبادی الشکور (سبا ۲ع ۱) +

ان میں کوئی اصطلاحی جن وپری اور خیالی شیاطین و دیو مراد نہیں اور نہ وہ ہوائی جنات ہیں جن کو تشکل باشکال مختلفہ کا اختیار ہے اور نہ وہ شیاطین ہیں جن کو شیطان پرستوں نے معبود باطل اور شفیع مان رکھا ہے بلکہ یہاں جن اور شیطان اُن کاریگروں اور اُستاد کاروں کو کہا ہے جن کو حیرام ۲ نے حضرت سلیمان کی درخواست پر بیت المقدس کی تیاری اور بنانے کے لئے بھیجدیا تھا اور نیز ان ملاحوں اور جہازی کام دینے والوں کو کہا ہے جن کو اسی حیرام ۲ بادشاہ صور نے حضرت سلیمان کے جہازوں پر کام کرنے کو بھیجدیا تھا۔ اور نیز ان غیر قوم کے آدمیوں کو کہا ہے جو بنی اسرائیل کی قوم سے نہ تھے اور غیر قوم کہلاتے تھے۔ جن کو تعمیر کے کام پر لگایا تھا۔ انہیں تینوں قسموں کے آدمیوں نے بیت المقدس اور شاہی تعمیرات اور جہازرانی کے کام کئے اور یہی لوگ جن اور شیطان اور بنّاء اور غواص +

(۱۰) جب سلیمان نے بیت المقدس (مسجد اقصےٰ) بنانے کی تیاری کی تو حیرام بادشاہ صور کو کہلا بھیجا کہ آپ کو معلوم ہے کہ حضرت داوٗد کی جو مراد بیت المقدس بنانے کی تھی وہ تو لڑائیوں کے شغل سے پوری نہیں ہونے پائی مگر اب میں چاہتا ہوں کہ اس کو پورا کروں الا میری قوم میں صیدانیوں کی طرح لکڑی کاٹنے کے کام جاننے والے نہیں ہیں (۱ سلاطین ب ۵ - ۲ اخبار باب ۲) چنانچہ حیرام ۲ نے ایک مرد عارف بھیجدیا جو معدنیات کے کام اور نقاشی وغیرہ میں استاد تھا (سفر الایام - ب ۲/۱۴) +

اور اپنے لڑکوں کو اجازت دی کہ جبل لبنان سے دریا تک ازر اور سرو کی لکڑیاں پہنچا دیں اور سلیمانؑ کے بنار (عمارت۔ بنانیوالے) اور حیرام کے بنا اور جبلیوں یعنی پہاڑی آدمیوں نے لکڑی اور پتھر تراشے (کتاب اوّل سلاطین ۵/۱۸و۱۸) +

(۱۱) پھر جب سلیمان علیہ السلام نے عصیون جبر کے مقام پر جہاز بنوایا تو حیرام ۲ بادشاہ صور نے بہت سے ملّاح جو فن جہازرانی کو خوب جانتے تھے بھیج دیئے (۱ سلاطین ۹/۲۷ ۲ اخبار ۸/۱۸) اور حورام نے اپنے نوکروں کے ہاتھ سے جہازوں اور ملّاحوں کو جو سمندر کے حال سے آگاہ تھے۔ اس پاس بھیجا۔ انہیں کو قرآن مجید میں غوّاص کہا ہے۔ وہ جواہرات اور سونا وغیرہ بھی لاتے تھے (۱ سلاطین ۹/۲۸ ۲ اخبار الایام ۹/۱۰) +

(۱۲) پھر اقوام غیر میں سے جو لوگ بقیۃ السیف کنعان میں بچ رہے تھے حضرت سلیمان نے اُن کا شمار کرکے (جو ڈیڑھ لاکھ سے زیادہ پائے گئے) اُن کو مصالح ڈھونے اور پہاڑ کھودنے کے کام پر لگایا (۲ اخبار الایام ۲/۱۷و۱۸) یہ بھی جنّ و شیطان کہلائے جو کہ اموریوں۔ حیثانیوں۔ فرزانیوں۔ حوائیوں اور یابوسیوں کی قوم سے تھے +

(۱۳) پس یہ تو سب انسان اور بنی آدم ہی تھے جن کو جنّ اور شیطان کہا ہے نہ کہ وہ جنّ اور شیطان جن کو عوام نے اپنے ذہن سے عجیب عجیب خواص اور کیفیتوں کی ارواح بنالیا ہے اَبْ یہ بات کہ جن آدمیوں کو عبرانی زبان کی کتب ملاخیم اور وبری ہیم میں בני (بنی۔ تعبیر کرنیوالے کتاب اول سلاطین ۵/۳۲ و ترجمہ عربی ۵/۱۸) +

اور ואנשי אניות ידעי הים انیشی انیوث یدع ہیم۔ ملّاح لوگ سمندر جاننے والے (کتاب اوّل سلاطین ۹/۲۷) اور גבלים جبلیم۔ پہاڑی (کتاب اوّل سلاطین ۵/۳۲ ترجمہ انگریزی ۵/۱۸) اور נכרים غیریم۔ اجنبی اور اغیار (جن کو عربی ترجمہ میں رجال الغربا لکھا ہے ۲۔ اخبار الایام ۲/۱۷) اور وہ لوگ صور اور صیدا اور جبل لبنان کے رہنے والے اور غیر قوم کے تھے اُن کو قرآن مجید کے عربی الفاظ میں جنّ اور شیاطین کیوں کہا +

(۱۴) اس کا جواب یہ ہے کہ یہ تعجب یا اعتراض معترض کے سبق ظن سے پیدا ہوتا ہے کیونکہ عام طور پر سب کے ذہن میں یہ بات سمائی ہوئی ہے کہ جنّ ایک خاص قسم کی ایسی مخلوق ہوا میں میں رہتی ہے اور شیطان بھی ایک وجود خاص ہے جو آدمیوں کو بہکاتا پھرتا ہے۔ اسلئے جب یہ الفاظ سننے میں آتے ہیں فوراً وہی خیالات پیش نظر ہو جاتے ہیں۔ اگر ان توہمات سے انسان خالی الذہن ہو تو نہ کچھ تعجب ہوگا اور نہ اعتراض کا موقع ملیگا البتہ زبان نہ جاننے سے جو دقت پیش آویگی وہ کتب لغات سے رجوع کرنے اور علم مطابقتِ السنہ کے پڑھنے سے دُور ہو جاویگی +

(۱۵) عرب کے محاورہ میں اُس شخص کو جو اُستاد فن یا بڑا کاریگر اور تیز و چالاک اور عارف اور حاذق ہو جن اور شیطان کہتے ہیں اس محاورہ کی تصدیق شیخ ابو زکریا یحییٰ بن علی الخطیب التبریزی کی شرح حماسہ سے ہوتی ہے جس کے صفحہ ۱۸۲ مطبوعہ ۱۸۲۰ء؁ میں لکھا ہے قال ابو العلاء[۱] کانت العرب تذکر الجن کثیرا و تشبھہ الرجل النافذ فی الامور بالجنی والشیطان فلذلک قالوا انفوت جنہ او اضعف و ذل الخ پس جس شخص کو یہود کی کتب مقدسہ میں برجلاً حکیماً عارف الفھم (سفر الایام الثانی ۲/۱۲) اور رجلاً حاذقا الصناعۃ النحاس ملھما حکمۃ و عقلاً (سفر الملوک الثالث ۷/۱۴) لکھا ہے اسی کو اور ایسوں ہی کو قرآن میں عرب کے محاورہ پر جنّ اور شیطان کہا ہے +

(۱۶) علاوہ ازیں ملک صور یا شہر صور اور جبل لبنان کے رہنے والے جن اس وجہ سے کہلائے ہیں کہ عربی میں جنان پہاڑ کو بھی کہتے ہیں (قاموس) پس جو لوگ لبنان پہاڑ کے رہنے والے عبری میں גבלים جبلیم کہلائے اُن کو عربی میں ـ جنّ ـ ترجمہ کرنا بہت ہی صحیح ہے ـ اس کے علاوہ جو چیز نظر نہ آوے اُس کو بھی جنّ کہتے ہیں (وکل مستور ـ قاموس) اور چونکہ یہ سب آدمی بنی اسرائیل سے غائب لُبنان کے پہاڑ پر لکڑی اور پتھر کا کام کرتے تھے اور وہاں سے بنے بنائے پتھر اور تراشی ہوئی لکڑیاں بھیجتے تھے اور بیت المقدس کے مقام پر نہ ہتوڑے کی آواز سُنی گئی اور نہ بہاوڑے کی (اسلاطین ۶/۷) اس لئے بھی اُن کو جنّ کہنا درست ہوا +

(۱۷) اور اُن کو شیطان کہنا بھی لغت کی راہ سے بہت درست ہے کیونکہ شیطان کے معنی مخالف اور دشمن کے ہیں خواہ وہ حقیقی وجود ہو جیسے آدمی یا حیوان خواہ کوئی ذہنی بات ہو جیسے مرض یا کوئی روح ـ چنانچہ صراح اور قاموس میں شیطان کے معنی میں لکھا ہے کل عات متمرد من الجن والانس والدواب فھو شیطان ـ اور معلوم ہے کہ بنی اسرائیل اپنے ماسوا جملہ اقوام کو اپنا مخالف اور دشمن جانتے تھے خواہ وہ مخالفت مذہبی ہو یا مُدنی و ملکی ـ جو لوگ کہ کنعان کے قدیم بت پرست قوم کے بقیۃ السیف رہ گئے تھے اور جن کو بنی اسرائیل نے ہلاک نہیں کیا تھا وہ یقیناً مذہبی اور ملکی طور سے اُن کے مخالف تھے اور صور یا جبل لُبنان کے رہنے والے بھی مذہبی مخالف تھے صور کا ملک حضرت داؤد کا فتح کیا ہوا ملک تھا اور گو بادشاہ صور اور سلیمان میں مصالحت تھی مگر قومی اختلاف صرف دو آدمیوں کے اتفاق سے رفع نہیں ہو سکتا ہے +

سلیمان کے زمانہ تک شیطان کی نوعیت اور اس کا کام ایسا نہیں سمجھا جاتا تھا جیسا کہ

---

[۱] ابو العلاء احمد بن عبد اللہ بن سلیمان المعزی ـ ج ع +

[۲] اوّل سلاطین ۹/۲۰ و ۲۱ +

عیسائیوں اور مسلمانوں کے عُرف میں ہے اس وقت تک اُس کو اصلی مخالف کی جگہ بولتے تھے +

پس اب کلام الٰہی کے معنی بہت صاف ہو گئے جس کو ہر ایک عاقل اور حکیم تسلیم کریگا۔ اور کتبِ سابقہ سے اسکے مضمون کی تصدیق اور تطبیق بھی عُمدہ طور سے ہو گی۔ والحمد للہ علیٰ ذالک +

(۱۸) سورۂ سبا کی آیت جو اوپر لکھی گئی وہ کسی قدر تفصیل کی محتاج ہے اُسکی تفسیر یہ ہے +

آیۃ۔ ومن الجنّ من یعملُ بین یدیہ باذن ربّہ +

ترجمہ۔ اور اُن پہاڑیوں میں ایک یا کئی آدمی سلیمان کے پاس کام کرتے اپنے مالک کی اجازت سے +

تفسیر۔ اور سب لوگ پہاڑوں پر شہر صور میں لکڑی اور پتھر کا کام کرتے تھے اور غوّاص وہاں سے آئے تھے وہ جہازوں پر سمندر میں کام کرتے تھے مگر ایک شخص حورام خاص سلیمان علیہ السلام کے پاس کام کرتا اور حیرام ثانی بادشاہ صور کی اجازت سے آیا تھا۔ یہ مضمون کتاب ملاخیم اور کتاب دبریہیم سے اچھی طرح ثابت ہے اس کے مقامات مناسب کی نقل دوسری دفعہ میں گذری ہے شاید اور بھی ایسے ہی صنّاع وہاں حاضر ہونگے +

(۱۹) یہ جنّ جبلی یا پہاڑی کاریگر بادشاہ صور کا بھیجا ہوا آیا تھا (اخبار الایام ثانی ۲/۱۳)

پس باذن ربہ سے مراد باذن ملک حیرام ہے اور مالک آقا کو رب کہنا ایک معروف بات ہے۔ بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ کے بڑے بھائی کو اُن کا رب کہا۔ اذھب انت وربّک فقاتلا انا ھٰھنا قاعدون (مائدہ ۴) +

حضرت یوسُف نے اپنے آقا کو رب کہا۔ ان ربی احسن مثوای (یوسف ۳ع) اور فرعون کو اسکے ملازم کا رب کہا اما احدکما فیسقی ربہ خمرا (ایضاً ۶ع) اور اذکرنی عند ربک کا (ایضاً) اور یہود اپنے اُستاد اور معلم کو ربّی کہتے ہیں جیسے ربی فجی اور ربی ہیمو اور ربی شلومون یوحائی۔ اور قرآن مجید میں بھی ان کو ربیّون (آل عمران) کہا ہے۔ اور فرعون نے اپنے آپ کو انا ربکم الاعلےٰ (نازعات) کہا یعنی راس و رئیس اور بڑا سردار +

(۲۰) آیۃ۔ ومن یزغ منھم عن امرنا نذقہ من عذاب السّعیر +

ترجمہ۔ اور جو کوئی ان پہاڑیوں میں ہمارے حکم سے پھر جاتا ہم اُس کی سزا کرتے +

تفسیر۔ یہ فقرہ کچھ محتاج تفسیر و تاویل نہیں ہے۔ اتنے بڑے جم غفیر اور جمع کثیر کے لئے کہ ہزاروں ہی تھے ضرور کچھ سیاست کے قاعدے مقرر ہوئے ہونگے اور اسی طور سے وہ سزا پاتے ہونگے +

(۲۱) آیۃ۔ یعملون لہ مایشاء من محاریب +

ترجمہ۔ سلیمان کے لئے جو وہ چاہتا بناتے تھے مثلاً قلعے یا بڑے بڑے مکانات یا شہر پناہیں +

تفسیر۔ حضرت سلیمانؑ نے بہت سے شہر آباد کئے تھے۔ مثلاً ملو۔ حاصور۔ مجدو۔ عزز بیت حوران۔ بعلوت۔ تدمور وغیرہ۔ اور شہر اورشلیم کی فصیل بنوائی اور ہر ایک شہر جس میں فصیل نہ تھی اس کی شہر پناہ بنوائی۔ یہی مراد قلعوں سے ہے (کتاب اوّل سلاطین $\frac{9}{15 و 17 و 19}$) +

(۲۲) ایۃ۔ وتماثیل +

ترجمہ۔ تصویریں +

تفسیر۔ شیروں اور بیلوں اور کروبیوں کی پوری پوری تمثیلیں بنائی گئی تھیں۔ جن کی خبر کتاب اوّل سلاطین باب ۷ ورس ۔ ۲۵ و ۲۹ و ۳۶۔ اور دوم اخبار الایام $\frac{4}{2 و 4 و 15}$ میں مفصل لکھی ہوئی ہے +

(۲۳) یہ آیت ہر ایک قسم کی تصویر اور تمثیل یعنی نقشے اور مجسّم کی جائز بلکہ مستحب ہونے کی قطعی دلیل ہے۔ اس کی بحث ہم نے جداگانہ کی ہے (دیکھو پرچہ تہذیب الاخلاق نمبری ۱۲ مطبوعہ یکم رمضان ۱۲۹۲ھ) صفحہ ۱۴۴ +

(۲۴) ایۃ۔ وجفانٍ کالجواب +

ترجمہ۔ اور لگن جیسے حوض +

تفسیر۔ ان بارہ بیلوں کے سر پر ایک بہت بڑا لگن حوض نما بنایا تھا جس کا دَور ۳۰ ہاتھ اور قطر ۱۰ ہاتھ اور بلندی ۵ ہاتھ کی تھی (کتاب اوّل سلاطین $\frac{7}{23}$ ۲ اخبار الایام $\frac{4}{2}$) + اور ایسے ہی ایسے اَور بھی بنے ہونگے +

(۲۵) ایۃ۔ وقدورٍ راسیات +

ترجمہ۔ اور دیگیں جمی ہوئیں +

تفسیر۔ ان دیگوں کا ذکر کتاب سلاطین اوّل $\frac{7}{43}$ اور کتاب اخبار الایام $\frac{4}{6 و 14}$ دوم میں اور یہ بھی کہ وہ عمدوں پر جمی ہوئی تھیں +

(۲۶) عیسائیوں نے ہمیشہ ان آیتوں کو ٹھٹھے میں اڑایا ہے وہ یہ کہتے ہیں کہ چونکہ لکھا ہے (کتاب اوّل سلاطین $\frac{6}{7}$) کہ جب بیت المقدس بنتا تھا تو ہتوڑے یا پھاوڑے یا کسی لوہے کے اوزار کی آواز نہیں آئی۔ یہاں سے لوگوں نے یہ قصہ بنا لیا کہ سلیمانؑ نے جنات اور پریوں اور دیووں کی مدد سے مسجد اقصےٰ بنوائی تھی اور یہی سے یہ قصہ قرآن میں بھی لیا گیا۔ مگر یہ سب اُن کی بالکل غلط خیالی ہے اُنھوں نے بھی سلیمان کے جنّ و شیاطین کو عرفی اور اصطلاحی

معنوں میں لیا ہے اور بنا فاسد بر فاسد کے طور پر اعتراض اور تشنیع شروع کی ہے۔ مگر الآن حصحص الحق۔ اب اصلی حقیقت ظاہر اور ثابت ہوئی اور قرآن مجید کے ان حقایق التحقیقات اور صوادق التصدیقات کی سچی تفسیر اور حقیقی تعبیر قطعی اور یقینی طور سے عیاں ہوئی اور طعن اور تمسخر یہ کرنیوالوں کی خرافات اور عامہ مفسرین کی لغویات سب باطل اور رد ہو گئیں۔ واللہ یحق الحق بکلماتہ وھو یھدی الی السبیل +

(۲۷)۔ یہ مضامین قرآن مجید سے دفع اعتراضات اور کتب سابقہ سے تطبیق اور دیگر تاریخی واقعات اور مسائل حکمیہ سے تصدیق کی غرض سے لکھے گئے ہیں اور گو ہم جانتے ہیں کہ بہت سے خفاش منش لوگوں کی آنکھیں تجلی انوار سے چکا چوند ہو جاویگی (یکاد البرق یخطف ابصارھم) مگر ہم کو اُمید ہے کہ مسلمانوں میں بہت سے ذی بصیرت اور مستعد اہل تحقیق اس طرف توجہ فرماوینگے کیونکہ ابھی بہت کچھ باقی ہے۔ ہاں ابھی قصہ سلیمان ہی میں کئی ایک مشکلات اَور بھی حل کرنی ہیں جس کے حل کرنے کی راہ کو جنات اور شیاطین کی اندھیری بادشاہت اور عوام الناس کے تیرہ و تاریک خیالات کو کلام الٰہی کی نورانی شعاعوں کی تاثیر سے منور کر دیا گیا ہے۔ ومن لم یجعل اللہ نورًا فمالہ من نور۔ اب یقین ہے کہ اکثر دُھندلی نظر والوں کے دل کی آنکھوں سے توہمات ظلمانیت کی پٹی کھُلجانے اور خیالاتِ سوداویہ کے پردے اُٹھ جانے سے اُن پر حقیقی آفتاب کی روشنی کالشمس فی کبد السماء ظاہر و مجلّٰی ہو جاویگی +

فکشفنا عنک غطاءک فبصرک الیوم حدید +

اب کھول دی ہم نے تجھ پر سے تیری اندھیری اب تیری نگاہ آج تیز ہے (ق ع ۲) +

دریائی گھوڑے۔ نمازِ عصر۔ گھوڑوں کا ذبح کرنا۔ آفتاب کا پلٹ آنا۔ انگشتری سلیمان۔ صخر دیو۔ بُت پرستی

(۱)۔ (۳۰) اذ عرض علیہ بالعشی الصافنات الجیاد +

(۳۱) فقال انی احببت حب الخیر عن ذکر ربی حتی توارت بالحجاب +

(۳۲) ردوھا علی فطفق مسحًا بالسوق والاعناق۔ (ص) +

ترجمہ۔ جب دکھانے کو آئے اُسکے سامنے تیسرے پہر کو گھوڑے خاصے بولا میں نے چاہی محبت گھوڑوں کی اپنے خدا کی وجہ سے یہاں تک کہ چھپ گئی اوٹ میں۔ سلیمانؑ نے کہا کہ پھیر لاؤ اُن کو میرے پاس پھر اُن کی پنڈلیاں اور گردنیں چھونی شروع کیں +

عام قصہ تو یہ ہے کہ حضرت سلیمان کے پاس ہزار دریائی گھوڑے جنکے پر لگے ہوئے تھے لائے گئے اُن میں سے نو سَو گھوڑوں کا جائزہ ہو چکا تھا کہ حضرت سلیمانؑ کو نماز کا خیال آیا مگر آفتاب غروب ہو چکا تھا نماز فوت ہو گئی تو اُنھوں نے افسوس کیا اور اُن گھوڑوں کو واپس منگا کر تلوار سے اُن کی پنڈلیاں اور گردنیں کاٹ ڈالیں اور سَو گھوڑے بچ رہے سو اب جو گھوڑے آدمیوں کے پاس نظر آتے ہیں اُنہیں بقیۃ السیف کی نسل ہیں !!! اور یہ کہ پھیر لانے کا حکم فرشتوں کو دیا تھا وہ آفتاب کو پھیر لائے اور اُنھوں نے نماز پڑھ لی !!!

(۴) یہ قصہ جیسا کہ بیان ہوُا بالکل جھُوٹ اور قصہ گویوں کی اکاذیب اور مفتریات سے بھرا ہوُا ہے اکثر تفسیریں ایسی ہی اکاذیب اور بیہودہ باتوں سے بھری ہوئی ہیں۔ ابن کمال نے خوب کہا ہے۔ کتبُ التفسیر مشحونۃ بالاحادیث الموضوعۃ کہ تفسیر کی کتابیں جھُوٹی حدیثوں سے بھری ہوئی ہیں (فیض القدیر شرح جامع الصغیر عبد الروف مناوی)

فی المقاصد قال احمد ثلث کتب لیس لہا اصل المغازی والملاحم والتفسیر الخطیب ھو محمول علی کتب مخصوصۃ فی ھٰذہ المعانی الثلثۃ غیر معتمد علیہا العدم عدالۃ ناقلیہا وزیادۃ القصاص فیہا فاما کتب التفسیر فمن اشہرھا کتابان للکلبی ومقاتل بن سلیمان (مجمع بحار الانوار مطبوعہ ۱۲۸۳ھ ص ۵۱۰)

اور شیخ محمد طاہر پٹنی نے مجمع بحار انوار کے خاتمہ میں مقاصد کے حوالہ سے لکھا ہے کہ امام احمدؒ نے لکھا ہے کہ تین علم کی کتابیں بے اصل ہیں اور وہ کتابیں مغازی اور ملاحم اور تفسیر کی ہیں۔ اور خطیب نے کہا ہے کہ امام احمدؒ نے ان علوم کی وہ خاص کتابیں مراد لی ہیں جو اُن کے بیان کرنیوالوں کے غیر معتبر ہونے کی وجہ سے غیر معتمد ہیں اور نیز اس وجہ سے کہ اُن میں قصہ گویوں نے قصّے بڑھا دیئے ہیں اور اس قسم کی کتابیں تفسیروں میں سے بہت مشہور تو کلبی اور مقاتل کی تفسیریں ہیں +

اور پھر لکھا ہے۔ کہ معین بن صیفی نے تفسیر جامع البیان میں لکھا ہے کہ امام محی السنۃؒ

وفی جامع البیان لمعین بن صیفی قد تذکر محی السنہ البغوی فی تفسیرہ من المعانی والحکایات ما اتفقت کلمۃ المتاخرین علی ضعفہ بل علی وضعہ (ص ۵۱۰) +

بغوی تو اپنی تفسیر میں ایسی باتیں اور حکایتیں لکھ دیتے ہیں۔ جن کے ضعیف بلکہ وضعی یعنی بنائے ہوئے ہونے پر سب متاخرین نے اتفاق کیا ہے +

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ تفسیر کی کتابوں میں اکثر جھوٹی روایتیں اور بے اصل حکایتیں اور قصہ گویوں کی بناوٹیں پائی جاتی ہیں۔ ہر ایک صاحب حمیت مسلمان کا یہ کام ہے کہ وہ خدا کے سچے اور مقدس کلام کو اُن لغویات سے پاک کرے اور ان جھوٹی باتوں کے رد کرنیں

اور اصلی سچے معنی بیان کرنے میں سعی بلیغ کرے۔ السعی منی و الاتمام من اللہ +

(۳) یہ بات واقعی ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو گھوڑوں کا بہت شوق تھا اور گھوڑوں کی ایک تعداد کثیر اُن کے ہاں جمع تھی چنانچہ اس کی تصدیق میں کتاب دومین کی فصل نویں آیت ۲۵ میں لکھا ہے۔ "وسلیمان چہار ہزار آخور بجہت اسپ ہا وعرادہ ہا داشت و دوازدہ ہزار سواران کہ ایشان را در شہرہای عرادہ دار و در اورشلیم نزد ملک گذاشت (آیت ۲۸) و از برائے سلیمان اسپ ہا را از مصر و تمامی ولایت ہا آوردند"۔ اور کتاب اول ملوک فصل دسویں آیت ۲۸ میں لکھا ہے۔ "وسلیمان اسپان از مصر آوردہ شدہ را داشت، وہمچنیں ریسمان کتانی کہ تاجران ملک آں را بقیمت معین گرفتند +

(۴) یہ بات کہ ان گھوڑوں کے ملاحظہ کرنے میں اُن کی نماز فوت ہو گئی تھی بالکل بے اصل ہے انی احببت حب الخیر عن ذکر ربی[۱] کے بہت صاف یہ معنی ہیں کہ میں گھوڑوں کو بہت چاہتا ہوں اور یہ چاہنا بوجہ خدا ہے نہ صرف اپنی خواہش سے۔ چنانچہ امام فخر الدین رازی نے کتاب اربعین فی اصول الدین (مسئلہ ۳۲) میں لکھا ہے کہ جب سلیمانؑ کو گھوڑے کھلائے جاتے تھے تو وہ فرماتے تھے کہ میں نے گھوڑوں کی محبت کی اور اس سے مراد یہ ہے۔ کہ انسان ایک چیز کو چاہتا تو ضرور ہے مگر یہ نہیں ہوتا کہ اسکے چاہنے کو بھی چاہے مگر جب اس نے اسکو چاہا اور چاہنے کو بھی چاہا تو اس سے محبت یعنی چاہنے میں مبالغہ مراد ہے۔ پھر فرمایا کہ عن ذکر ربی یعنی یہ محبت شدید بوجہ ذکر خدا اور خدا کے حکم سے حاصل ہوئی ہے نہ کہ اپنی ہی آرزو اور خواہش سے +

> ان سلیمان کان یقول عند عرض الصافنات الجیاد علیہ انی احببت حب الخیر و معناہ ان الانسان قد یحب شیأ ولکن لا یحب ان یحبہ فاما انا احبہ و احب ان یحبہ فذالک بدا مبالغۃ فی المحبۃ ثم قال عن ذکر ربی ای ھذہ المحبۃ الشدیدۃ انما حصلت بسبب ذکر ربی و عن امرہ لا عن الھوی و الشھوۃ +

اور شرح مواقف سید شریف جرجانی میں جو علم کلام کی بڑی مستند کتاب ہے اس کے سو قف چھ مقصد پانچ ورق ۲۰۲ میں لکھا ہے :-

کہ احببت حب الخیر سے محبت میں مبالغہ مراد ہے کیونکہ انسان کسی شے کو چاہتا تو ہے مگر یہ نہیں ہوتا کہ اس کے چاہنے کو بھی چاہے تو جبکہ اس نے اس کو چاہا اور اُس کے چاہنے کو بھی چاہا تو یہ کمال محبت ہے اور یہ جو فرمایا کہ عن ذکر ربی

> قولہ احببت حب الخیر مبالغۃ فی الحب فان الانسان قد یحب شیا لکن لا یحب ان یحبہ فاذا احبہ و احب ان یحبہ فذالک ھو الکمال

[۱] لفظ عن تعلیل کے واسطے بھی آتا ہے جس سے سبب کے معنی پیدا ہوتے ہیں۔ چنانچہ ما کان استغفار ابراھیم لابیہ الا عن موعدۃ اور ما نحن بتارکی الھتنا عن قولک +

فی المحبة وقوله عن ذکر ربی ای بسببه کما
یقال سقاه عن الغیمة ای لاجلها فالمعنی ان
ذالك الحب الشدید انما یحصل بسبب ذکره
ای بامره لا بالهوا وطلب الدنیا وذالك
لان رباط الخیل فی دینهم کان بامره کما فی
دیننا او هو مندوب الیه وقوله طفق مسحا
یمسح رسها واعناقها اکرامالها واظهارالشدة
شفقه علیها لکونها من اعظم الاعوان فی دفع
اعداء الدین وحمله علی القطع کما ذهب الیه
طائفة حیث قالوا المعنی انه علیه السلام
جعل یمسح السیف بسوقها واعناقها
ای یقطعها اما غضبا علیها بسبب ماجری علیه
واجلها واما التصدق بها ضعیف جدا ولا دلالة
له للفظ کما فی قوله وامسحوا برؤسکم وارجلکم ۔

یعنی خدا کے ذکر سے تو اس سے مراد ہے کہ خدا
کے سبب سے چنانچہ کہا جاتا ہے سقاہ عن الغیمۃ
جس سے مراد ہوتی ہے کہ اس کی وجہ سے تو معنی
یہ ہوئے کہ یہ محبت شدید بسبب ذکر یعنی بحکم الٰہی ہے
نہ کہ اپنی خواہش اور طلب دنیا کی وجہ سے کہ انکے
مذہب میں گھوڑے رکھنا خدا کے حکم سے تھا
جیسا کہ ہمارے مذہب میں ہے یا وہ مندوب ہوگا
اور طفق مسحا کے یہ معنی ہیں کہ سلیمانؑ ان کے سر
اور پنڈلیاں چھوتے تھے۔ ان کی تکریم کے لئے
اور شفقت کی وجہ سے کیونکہ وہ گھوڑے دین
کے دشمنوں کے دفع کرنے میں بہت مدد دیتے
تھے۔ اور جو لوگ اس سے کاٹنا مراد لیتے ہیں اور
وہ یہ بیان کرتے ہیں کہ سلیمان تلوار سے اُن کی
پنڈلیاں اور گردنیں کاٹتے تھے یا تو غصہ کی وجہ
سے اور یا ان کو قربانی کرتے تھے سو یہ بات بہت ضعیف ہے کیونکہ مسح کے لفظ میں اس پر کچھ
دلالت نہیں ہے جیسا کہ وضو کی آیت میں مسح کا ذکر ہے اور کاٹنا مراد نہیں ہے ۔

اور حتی توارت بالحجاب سے یہ معنی لینے کہ سورج ڈوب گیا محض خیالی ہیں۔ اس کا
اس میں کچھ ذکر نہیں اور ایسی بات بالکل سیاق کلام اور موضوع اور منشاء مقام سے بعید ہے بلکہ
انہیں صافنات کا ذکر ہے یعنی حضرت سلیمان علیہ السلام نے ان کا ملاحظہ کیا اور وہ اُن کے
آگے سے چلے گئے ۔

قال ردوھا۔ حضرت سلیمانؑ نے حکم دیا کہ ان کو پھر لے آؤ تو گھوڑے پھر لائے گئے۔
علامہ احمد بن خلیل نے تفسیر کبیر میں حتی توارت بالحجاب کی تفسیر میں کئی دلیلیں اسکے ابطال
پر قائم کی ہیں کہ یہاں آفتاب کا غروب ہونا مراد نہیں ہے اور سب کے آخر میں لکھا ہے۔ کہ

ثبت بما ذکرنا ان حمل قوله حتی توارت بالحجاب
علی تواری الشمس وان حمل قوله ردوها
علی ان المراد منه طلب رد الله الشمس بعد
غروبها فی غایة البعد عن اللفظ ۔

ہماری ان دلیلوں سے ثابت ہوا کہ حتی توارت
بالحجاب (یہاں تک کہ اوٹ میں چھپ گئے) کو
سورج کے چھپنے پر حمل کرنا اور ردوھا علی
(اسے پھیر لاؤ) سے سورج کا پھیر لانا سمجھنا

بہت ہی بعید ہے +

"فطفق مسحا بالسّوق والاعناق" اور سلیمان نے ان گھوڑوں کی گردنوں اور پنڈلیوں کو چھوا جیساکہ دستور ہے کہ ہر ایک ذی بصیرت گھوڑوں کا امتحان کرتے وقت اُس کی گردن پر مہربانی اور شفقت سے ہاتھ پھیرتا ہے اور اُن کی پنڈلیوں کی مضبوطی کو ہاتھ لگاکے دیکھتا ہے

انہ کان یمسح سوقھا واعناقھا بیدہ بکشف الغبار منھا حبًّا لھا وشفقۃ علیھا +

چنانچہ زہری اور ابن کیسان نے ایسا ہی کہا ہے کہ سلیمان علیہ السلام گھوڑوں کی پنڈلیوں اور گردنوں کو ہاتھ سے چھوتے تھے تاکہ ان سے گرد جھاڑ دیں اور یہ محبت اور شفقت کی وجہ سے تھا +

اور یہ بیشک معقول اور صاف معنی ہیں مگر ہمارے مفسّرین اس پر راضی نہیں ہوتے وہ اس کو فرماتے ہیں ھذا قول ضعیف (معالم التنزیل بغوی) اور یہ انہیں کے ضعف عقلی کی دلیل ہے +

(۵) جن لوگوں کو قصّہ گوئی اور عجائب پسندی کا زیادہ شوق ہے اُنہوں نے رُدُّوْھَا (پھیردو) سے یہ مراد لی ہے کہ حضرت سلیمانؑ نے فرشتوں کو حکم دیا کہ سورج جو کوہ قاف کی آڑ میں جا چھپا ہے اُسے پھیر لاؤ اور اس خلاف حقیقت مضمون کو بعض صحابیوں کی طرف افترا اور بہتان کے طریق پر منسوب کرتے ہیں + علاّمہ ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری شرح بخاری میں اس ردّ شمس کی نسبت لکھا ہے۔ کہ

انہ لم یثبت ذالک عن احد والثابت عند جمھور اھل العلم بالتفسیر ان ضمیر ردوھا للخیل (تفسیر کمالین ص ۳۸۰) +

اس مضمون کی روایت کسی سے ثابت نہیں ہے اور جمہور کے نزدیک بھی ثابت ہے کہ پھیر لانے سے گھوڑوں کا پھیر لانا مراد ہے +

(۶) "ولقد فتنا سلیمان والقینا علی کرسیہ جسدًا ثم اناب" (ص ع ۱۴) +

اور ہم نے سلیمانؑ کو آزمایا اور اُسی کے تخت پر ایک جسم ڈال دیا۔ پھر اُس نے اپنے حکم سے رجوع کیا +

اس آیت کی تفسیر میں مفسّرین کے اکاذیب اور قصّاص کے خرافات بیش از بیش ہیں جن کا یہاں نقل کرنا بھی تضیع اوقات ہے جس کو شوق ہو وہ تفسیر معالم التنزیل بغوی میں وہب ابن منبہ اور سعید بن مسیب کی روایتیں دیکھ لے اس کا خلاصہ شاہ عبد القادر صاحب نے بھی ترجمہ قرآن کے حاشیہ پر افادہ فرمایا ہے وہ یہ ہے "حضرت سلیمانؑ استنجے کو جاتے تھے تو انگشتری ایک خادمہ کو سپرد کر جاتے تھے اس میں لکھا تھا اسم اعظم ایک جن تھا صخر نام اُس خادمہ کو بہکا کر انگشتری لے گیا اپنی صورت بنائی سلیمانؑ کی سی تخت پر بیٹھکر لگا حکمرانی کرنے۔ حضرت یہ معلوم کرکے نکل گئے کہ مجھ کو مروا نہ ڈالے ایک گانوں میں چھپ کر رہے چھ مہینے بعد صخر تھا شراب کے نشہ میں انگشتری دریا میں گر پڑی ایک مچھلی نگل گئی وہ شکار ہوئی حضرت سلیمانؑ کے ہاتھ پیٹ میں سے انگشتری لیکر پھر

آئے اپنے تخت سلطنت پر۔ یہ جانچ ہوئی اس پر کہ اُن کے گھر میں ایک عورت تھی اپنے باپ مرے کو یاد کر کے رویا کرتی تھی اُس کو بنا دی جنھوں تصویر اُس کے باپ کی کہ بیِن پڑی وہ لگی پوجنے اُنھوں نے خبر نہ لی یا خبر پاکر تغافل کیا" +

(۷) یہ قصّہ بالکل موضوع اور مفترے ہے مگر مسلمانوں کا بنایا ہوا نہیں ہے اصل میں اُس کو یہود کے قصّاص اور شیاطین نے بنایا ہے الّا مسلمانوں نے اُس کو آمنّا اور صدقنا کہکر قبول کیا ہے۔ یہ قصّہ یہود کی کتاب تالمود میں مذکور ہے۔ اور علامہ جار اللہ زمخشری نے لکھا ہے کہ وہ روایت حضرت سلیمانؑ کی انگوٹھی اور دیو اور اُن کے گھر میں بُت پرستی ہونے کی ہے وہ یہود کی جھوٹی باتیں ہیں +

ما روی عن حدیث الخاتم والشیطان و عبادۃ الوثن فی بیت سلیمان فمن اباطیل الیھود (تفسیر کمالین ص ۳۸۰) +

اور تفسیر مدارک التنزیل نسفی میں بھی ہے لکھا ہے کہ انگشتری اور شیطان اور سلیمان کے یہاں بُت پوجے جانے کی روایت یہود کے باطل قصّوں میں سے ہے +

مایروی من حدیث الخاتم والشیطان و عبادۃ الوثن فی بیت سلیمان فمن اباطیل الیھود +

اور امام فخر الدین رازی نے کتاب اربعین فی اصول الدّین کے ۲۲ مسئلہ میں اسی قصّہ کی نسبت لکھا ہے :۔

فاما الحکایۃ الجنّیۃ التی یرویھا الحشویۃ فکتاب اللہ مبرا عنھا +

کہ جن کی حکایت جو عامہ ناس نے روایت کی ہے سو کتاب اللہ اس سے بری ہے +

اور ایسا ہی سید شریف جرجانی نے شرح موافقت (موقف ۶ مقصد ۵ ورق ۳۷۴) میں بھی لکھا ہے۔ پس یہ ثابت ہوا۔ کہ محقق مسلمانوں نے اس قصّہ کو بالکل جھوٹ اور افترا سمجھا ہے +

(۸) معقول پسند مفسّروں نے ایسا لکھا ہے کہ حضرت سلیمانؑ کبھی بیمار پڑے ہونگے اور چونکہ بیماریوں کو انبیا کے کلام میں خدا کی جانب سے آزمایش کہا جاتا ہے سو اسی میں اِس کا ذکر ہے یعنی حضرت سلیمانؑ اپنے تخت پر بیماری کی شدّت میں مثل جسم بیجان پڑے تھے اور تقدیر کلام اس طرح پر ہو گی۔ والقینا علی کرسیہ جسدا یعنی اُن کے تخت پر اُن کا جسم ڈال دیا مگر مبالغہ کی جہت سے (لا) حذف ہو گئی پھر بیماری سے اچھے ہوئے۔ اس کی خبر ثم اناب (پھر اُس نے رجوع کیا) میں ہے +

چنانچہ امام فخر الدین رازی نے کتاب اربعین فی اصول الدّین (مسئلہ ۳۲) میں یہ معنی بھی لکھے ہیں کہ خدا نے سلیمانؑ کی

ثانیا ان اللہ تعالیٰ امتحنہ بمرض شدید

فصل جسد الاحراك به مشرفا علی الموت کما یقال لحم علی وضم وجسد بلا روح علی معنی شدة الضعف والتقدیر القینا جسده علی کرسیه فحذف الهاء للمبالغة +

ایک بڑی مرض شدید سے آزمائش کی تو ایک جسم بے حرکت قریب مرگ ہو گئے جیسے بیمار کی نسبت کہتے ہیں کہ لکڑی پر گوشت پڑا ہے اور جسم بیجان یعنی شدت سے ضعیف ہے اور تقدیر کلام یہ ہو گی کہ اُن کے دھڑ کو اُن کے تخت پر ڈالا اور حرف (ه) مبالغہ کی وجہ سے حذف ہو گیا +

اور علامہ شمس الدین ابی العباس احمد ابن خلیل نے تکملہ تفسیر کبیر میں اُسی کے قریب لکھا ہے کہ

اقول لایبعد ان یقال انه ابتلاه الله تعالیٰ بتسلیط خوف او توقع بلاء من بعض الجانب علیه وصار بسبب قوة ذالك الخوف کالجسد الضعیف الملقی علی ذالك الکرسی ثم ازال الله عنه ذالك الخوف واعاده ذالك ما کان علیه من القوة وطیب القلب +

یہ کہنا کچھ بعید نہیں ہے کہ خدا نے سلیمانؑ کو کسی خوف یا بلا کے مسلط ہونے سے آزمایا اور سلیمانؑ اس کی وجہ سے ایسے ہو گئے تھے جیسے کوئی جسم ضعیف اِک تخت پر پڑا ہو۔ پھر خدا نے اُن پر سے وہ خوف زائل کر دیا اور جو قوت اور صحت ان میں تھی وہ پھر آگئی +

(۹) مگر در اصل جس قصہ پر اس آیت میں اشارہ ہے وہ کتاب ملاخیم میں مفصل لکھا ہوا ہے۔ چنانچہ کتاب اول ملوک کی فصل سوم میں حضرت سلیمانؑ کے ذکر میں لکھا ہے +

(۱۶) آنگاہ دو زن زانیه بنزد ملک آمده درحضورش ایستادند +

(۱۷) ویک زن گفت که اے خداوند من واین زن دریک خانه ساکنیم ودرآں خانه نزد او وضع حمل نمودم +

(۱۸) وواقع شد که بعد از وضع حمل من روز سوم این زن نیز زائید و باہم دیگر بوده دیگرے باما در خانه نبود بلکه سوائے ما دو نفر احدے دراں خانه نبود +

(۱۹) و پسر این زن وقت شب مُرد زیرا که او بر رویش خوابیده بود +

(۲۰) و وقت نیم شب برخاسته و پسر مرا از پہلوے من وقتیکه کنیزکت خوابیده بود از من گرفت و در بغل خود خوابانید +

(۲۱) وصبحدم وقتے که برائے شیر دادن پسرم برخاستم اینک مرده است وصبحدم اورا تشخیص نموده اینک پسرے که زائیده بودم نبوده است +

(۲۲) وزن دیگر عرض کرد که نے بلکه پسر زنده از من است و پسر مرده از تست وآں دیگرے گفت نے بلکه پسر مرده از تست و پسر زنده از من است وچنیں در حضور ملک مے گفتند +

(۲۳) پس ملک گفت کہ ایں یکے میگوید کہ پسر زندہ از من است وآں پسر مردہ از تست وآں دیگرے میگوید کہ نے بلکہ پسر مردہ از تست و پسر زندہ از من است +

(۲۴) و ملک گفت کہ شمشیرے را بمن آورید و شمشیر را نزد ملک آوردند +

(۲۵) و ملک فرمود کہ پسر زندہ را بدو حصّہ تقسیم نمائید و یک نیمہ باین بدہید و نیمہ دیگر بدیگرے +

(۲۶) وزنے کہ پسر زندہ از آن او بودہ درحالتے کہ رحمش بر پسر او اضطراب میکرد بملک متکلم شدہ گفت کہ اے خداوند پسر زندہ را باو بدہید والبتہ اورا مکشید امّا آں دیگرے گفت کہ نہ از آن من و نہ از آن تو باشد اورا تقسیم نمائید +

(۲۷) پس ملک جواب داد فرمود کہ پسر زندہ را باو بدہید و اورا البتہ مکشید کہ مادرش اوست +

(۲۸) و تمامی اسرائیل حکمے کہ ملک اجرا داشتہ بود شنیدہ و از ملک ترسیدند زیرا کہ دیدند کہ در قلبش حکمت خدائیست تا آنکہ حکم را جاری سازد +

پس اب قرآن کی آیت کو دیکھئے کہ اس میں صاف اسی قصّہ پر اشارہ ہے کہ القینا علیٰ کُرسیہ جسداً ثمّ اناب ہم نے سلیمانؑ کے تخت (عدالت) پر ایک لاش یا جسم (اسی زندہ یا مردہ لڑکے کا) ڈالا (سلیمانؑ کا حکم محذوف ہے) پھر اُس نے (اس حکم اوّل سے) رجوع کیا۔ یعنی پہلے اُس لڑکے کے چیرنے کا حُکم دیا تھا پھر اس حکم سے پھر کر اُس لڑکے کو زندہ اُس کی ماں کے حوالہ کردینے کا حکم دیا +

پس یہ ہے سچّی تفسیر کلام الٰہی کی نہ کہ وہ جن اور بھوت کے قصّے نہ وہ یہود کے اکاذیب و مفتریات اور مفسّرین کے اباطیل و لغویات۔ امام محی الدین بغوی نے تفسیر معالم التنزیل میں لکھا ہے (جلد ۴ صفحہ ۱۰) کہ سب سے زیادہ مشہور قول یہی ہے کہ جو جسم سلیمانؑ کی کُرسی پر ڈالا گیا تھا وہ صخر دیو تھا +

واشہر الاقاویل ان الجسد الذی اُلقی علیٰ کُرسیہ ھو الصخر الجنّی +

مَیں کہتا ہوں کہ سب سے زیادہ مشہور یہ بات ہے مگر سب سے زیادہ جھوٹ بھی یہی ہے اور سب سے زیادہ سچ اور صاف اور سیدھے اور معقول وہی معنی ہیں جو ابھی ہم نے بیان کئے اس میں حضرت سلیمانؑ کی حکمت اور عدالت کی عظمت بھی ظاہر ہوتی ہے نہ کہ وہ نامعقول قصّہ کہ سلطنت سلب ہوگئی اور ایک ناپاک دیو اُن کے تخت بادشاہت پر مسلط ہوگیا۔۔۔ اور سلیمانؑ معزول اور مخرج رہے وغیرہ ذالک من الخرافات جس سے سلیمان علیہ السلام کی بدنامی

اور حقارت اور ذلت ظاہر ہوتی ہے حالانکہ یہ قصہ قرآن مجید میں حضرت سلیمانؑ کے محامد اور فضائل کے ذکر میں ہے +

(۱۲) - اسی قصہ باطلہ یعنی حضرت سلیمانؑ کے گھر میں بُت پرستی کے متعلق روایت بھی ہے جو ملاخیم اوّل کے گیارھویں باب میں لکھی ہے کہ حضرت سلیمانؑ نے خلاف حکم خدا کے سات سو بیگمیں اور تین سو حرمیں اپنے لئے جمع کیں[ف] اور اُن کے باعث سے حضرت سلیمانؑ کا دل خدا سے پھر گیا اور انھوں نے اپنی اخیر عمر میں بُت پرستی اختیار کی +

قرآن مجید میں اسی نالائق اتہام اور جھوٹے بیان کے رد میں فرمایا ہے - ما کفر سلیمان ولکن الشیاطین کفروا - (بقر) +

یہ مضمون اگرچہ یہود کے اربع عشریم کی کتابوں میں سے ایک کتاب ملاخیم اوّل میں ہے مگر وہ مضمون یقیناً جھوٹ اور شدت کے مرتبہ کا کفر ہے - جس کو اشرار یہود نے افترا کر کے اس کتاب میں داخل کر دیا ہے +

واضح ہو کہ حضرت سلیمانؑ کے حالات کے بیان میں فی الحال دو کتابیں موجود ہیں - ایک تو ملاخیم کہلاتی ہے اور دوسری وبری ہیمیم - اب یہودیوں نے آسانی کے لئے اُن کے دو دو حصے کر دیئے ہیں اور اس لئے اُردو وغیرہ ترجموں میں کتاب سلاطین اوّل و دوم اور کتاب اخبار الایام اوّل و دوم کے نام سے معروف ہیں یہ بات یقیناً نہیں معلوم ہے کہ کتاب سلاطین ملاخیم کس کی تصنیف سے ہے یا کب تصنیف ہوئی +

یہ کتاب بعد زمانہ قید بابل عہد بخت نصر میں لکھی گئی - یعنی تخمیناً پانسو برس بعد حضرت سلیمانؑ کے تو یقیناً اور اس کے بعد اور جس قدر عرصہ ہوا ہو لکھی گئی ہے - یہ بات کہ اس کا مصنف بعد زمانہ قید بابل زندہ رہا اس سے ثابت ہے کہ وہ قید بابل سے یہود کے واپس آنے کا بھی ذکر کرتا ہے (دوم سلاطین باب ۲۵ - آیت ۲۱) اس کا مصنف یہ بھی کہتا ہے کہ اس کے زمانہ میں اسرائیل کے دس قبیلے ہنوز جلا وطنی میں تھے (دوم سلاطین باب ۱۷ - آیت ۲۳) اور نیز باب ۱۷ میں اُس نے یہود اور اسرائیل کی مصیبتوں پر کچھ تقریر کی ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ شخص ان مصائب کے بعد ہوا ہے (دوم سلاطین باب ۱۷ - آیت ۶ - ۲۴) اور برخلاف اس کے

[ف] یہ تعداد یقیناً غلط ہے - کتاب غزل الغزلات میں حضرت سلیمانؑ نے اُن کی تعداد ساٹھ بیگمیں اور ۸۰ خواصیں لکھی ہے - سو یہ بھی قطعی نہیں ہے - عبرانی کتابوں کے عددوں کا کبھی اعتبار نہیں ہو سکتا کیونکہ اُنکے عدد ہمیشہ حرفوں کی صورت میں لکھے جاتے تھے یعنی ابجد کے حساب میں اور چونکہ عبرانی حروف اکثر باہم مشابہ ہیں تو اس سے بڑی غلطی ہو جایا کرتی ہے کتاب سلاطین اور کتاب تواریخ کے باہم مقابلہ کرنے سے بڑا فرق پایا جاتا ہے +

بعضے نشان اس میں ایسے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ قبل زمانہ قید بابل یعنی عہد بخت نصر ہے۔ مثلاً اول سلاطین باب ۸۔ آیت ۸ سے ظاہر ہوتاہے کہ عہد نامہ کا صندوق ہنوز ہیکل میں موجود تھا اور پھر باب ۱۲۔ آیت ۱۹ سے ظاہر ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل کی بادشاہت ہنوز قائم ہے۔ پھر کسی جگہ باب ۶۔ آیت ۱، ۲ و ۳۸ میں زِیؔ זו اور بُول בול یعنی زیو اور تشرین کے مہینوں کا نام ہے حالانکہ قید بابل کے زمانہ سے ان کا یہ نام متروک ہوگیا تھا اور کبھی کبھی اس کا مصنف ایسا لکھتا ہے جیسا کوئی واقعات ہمعصر کو لکھے اور حاضر ماجرا ہو۔ ان وجہوں پر نظر کرنے سے یہود کا وہ دعویٰ کہ یہ کتاب عزرا نبی کی لکھی ہوئی ہے باطل ہوتا ہے اور ایسا پایا جاتا ہے کہ اصل میں مختلف قسم کی تحریروں یادداشتوں اور شاہی روزنامچوں سے اور زبانی روایتوں اور بعضی مشہور اور متواتر خبروں سے یہ کتاب تالیف ہوئی تھی +

اسی کتاب کے ہم مضمون ایک دوسری کتاب وبری ہیمیم ہے وہ بھی ایسی۔ ہے کہ اُس میں مختلف تحریروں سے اخذ کرکے لکھا گیا ہے اور کچھ تو قبل زمانہ بخت نصر کی ہے۔ اور کچھ بعد کی ہے +

بعضوں نے قیاس کیا ہے کہ اُسی شخص کی تصنیف یا تالیف ہے جس کی کتاب ملاخیم ہے مگر واقعات کی تاریخوں میں اور اُن کے بیان میں اور نسب ناموں میں اختلاف کثیر کی وجہ سے یہ خیال بالکل غلط نکلتا ہے۔ یہود کی رائے میں یہ کتاب حضرت عزرا نبی کی ہے جنہوں نے بعد قید بابل زکریا اور حجی نبیوں کی مدد سے اُس کو تالیف کیا یعنے اپنے زمانہ کی اور اگلی کتابوں سے اخذ کرکے اُسے مرتب کیا اور اس رائے کی تائید میں وہ یہ کہتے ہیں کہ اس کتاب کی طرز تحریر اور سیاقت کلام عزرا نبی کی عبارت سے بہت مشابہ ہے اور اس کتاب کی اخیر تین آیتیں عزرا نبی کے صحیفے کی پہلی تین آیتوں سے بہت قریب قریب ملتی ہیں۔ اور دوسرے یہ کہ اُسکا مصنف قید بابل کے بعد بھی زندہ تھا کیونکہ اُس نے قورش بادشاہ کے حکم کا ذکر کیا ہے اور اُس نے داؤد کا نسب نامہ زورو بابل تک لکھا ہے مگر اُس کے خلاف یہ امر ہے کہ اُس کے مصنف نے زورو بابل کا نسب نامہ بارہ پشت تک لکھا ہے۔ اس وقت تک حضرت عزرا زندہ نہ تھے۔ مگر ممکن ہے کہ یہ نسب نامہ الحاقی ہو اور ایسا اکثر ہوتا ہے پس یقین تو نہیں ہوسکتا مگر گمان غالب ہے کہ یہ کتاب حضرت عزرا کی تالیف اور مرتب کی ہوئی ہو +

اب دیکھئے کہ باوجودیکہ یہ دونوں کتابیں باہم شفیق ہیں اور جو تاریخی واقعات ایک میں ہیں وہ دوسری میں بھی ہیں مگر یہ قصہ موضوع و مفتریٰ ہے کہ حضرت سلیمانؑ نے سات سو جوروئیں اور تین سو حرمیں کیں اور ان کی وجہ سے بُت پرستی اختیار کی (کتاب اوّل سلاطین باب ۱۱

آیت ۱-۵۱) اس کتاب وری ہیم میں نہیں ہے اور چونکہ یہ کتاب غالباً حضرت عزرا نبی کی تالیف کی ہوئی ہے پس بظن غالب ایسا ہوا ہے۔ کہ اُنھوں نے اس قصہ کو باطل اور تہمت سمجھ کر چھوڑ دیا ہے +

اگر یہ بات نہ بھی ہوتا ہم اِس مضمون کا ایک دوسری کتاب میں جس کا موضوع اور منشاء وہی ہے جو اس کتاب کا ہے نہ پایا جانا اور ظاہر نظر میں اس مضمون کا بالکل خلاف حکمت سلیمان اور منافی منصب ثبوت ہونا کبھی صرف ایک غیر مستند روایت کے اعتبار پر لائق قبول نہ ہوگا +

فلمّا قضینا علیه الموت ما دلّهم علی موته الّا دابّة الارض تاکل منسأته فلمّا خرّ تبیّنت الجنّ ان لو کانوا یعلمون الغیب ما لبثوا فی العذاب المهین + (سبا ع۲)

"جب حضرت سلیمان مرگئے تو اُن کا مرنا جنوں کو نہ جتایا مگر گھن کے کیڑے نے جو اُن کا عصا کھا تا رہا پھر جب وہ گرے تو معلوم ہوا کہ اگر جن غیب کی خبر رکھتے ہوتے تو ذلّت کی تکلیف میں نہ رہتے۔" (سبا) +

(۱) تفسیریں تو اس سچے واقع کو بھی افسانہ و داستان کے ڈھنگ پر لیگئی ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ حضرت سلیمانؑ کے آگے روز ایک بوٹی حاضر ہوکر باتیں کرتی تھی ایک روز خرنوب نامی ایک بوٹی آئی۔ حضرت سلیمانؑ نے اُس کا مصرف پوچھا۔ اُس نے کہا کہ میں اس بیت المقدس کے خراب کرنے کو آئی ہوں۔ حضرت سلیمانؑ سمجھ گئے کہ اَب میری موت آگئی تو جنوں کو عمارت کا نقشہ بنا کر آپ شیشہ کے مکان میں در بند کر بندگی میں مشغول ہوئے بعد وفات کے برس دن تک جن بناتے رہے اور سلیمان اسی عصا پر مُردہ کھڑے رہے اور دستور تھا کہ اگر ہیکل یا عبادتخانہ میں کوئی جنّی آکر حضرت سلیمانؑ کے آگے کو گذر جاتا تھا تو وہ جل جاتا تھا۔ ایک روز جو آپ کے آگے کو جنّ گئے تو وہ نہ جلے اور گھن کے کیڑے سے عصا گرا اور سلیمانؑ کے گرنے سے اُن کی موت معلوم ہوگئی۔ جنّات نے دیمک کا بڑا شکریہ ادا کیا اور اُسی کی احسانمندی میں اُس کو اب تک گیلی مٹی پہنچاتے ہیں +

اصل بات اتنی ہے کہ حضرت سلیمان کی لاش دستور کے موافق مومیائی بنائی گئی تھی ن کنعانیوں وغیرہ گنواروں کو ان کی موت جب معلوم ہوئی جبکہ عصا میں دیمک لگجانے سے اش گر پڑی۔ اس کی تفصیل یہ ہے +

(۲) مصر میں مردوں کو حنوط کرنیکا ذکر۔ اہل مصر میں بہت قدیم الایام سے یہ دستور تھا۔ کہ

مردے کی لاش میں خوشبوئیاں بھر کے اس کو بجنسہٖ قائم رکھتے تھے اور مردے کے چہرے اور بشرے میں سرِمو فرق نہیں آتا تھا۔ قدیم مؤرخوں میں سے ھرودوٹس (مقالہ ۲ باب ۸۶-۸۸) اور ڈایوڈورس (مقالہ ۱۔ باب ۹۱-۹۲) نے مصریوں کی اس رسم کا مفصل بیان کیا ہے۔ تین طرح پر حنوط کرنے کا دستور تھا۔ اور اس کام کے کاریگروں کی ایک جماعت اور کارخانہ ہی جدا تھا۔ ایسی لاشوں کو ممی۔ مومیا اور ممی کہتے ہیں اور مصری زبان میں اس کا نام سوہ ہے +

(۳) بنی اسرائیل میں حنوط کرنے کی رسم۔ مصریوں میں رہنے سہنے کی وجہ سے یہی رسم بنی اسرائیل نے بھی اختیار کی تھی کہ بزرگ اور امیر آدمیوں کی لاش کو حنوط کرتے تھے۔ سب سے پہلے خود حضرت اسرائیل ہی کی لاش کی حنوط کی گئی۔ کتاب پیدایش کے پچاسویں باب میں ہے (۲) اور یوسف نے اپنے طبیب چاکروں کو حکم کیا کہ اس کے باپ میں خوشبوئی بھریں۔ (۳) طبیبوں نے اسرائیل میں خوشبوئی بھری اور اس پر چالیس دن گذرے کیونکہ جن پر خوشبو ملی جاتی ہے اتنے دن گذرتے ہیں اور مصری اس کے لیے ستر دن تک رویا کئے۔ پھر حضرت یوسفؑ بھی حنوط کئے گئے چنانچہ اسی باب میں لکھا ہے "(۲۶) یوسف ایک سو دس برس کا بوڑھا ہو کر مر گیا اور اُنہوں نے اُسمیں خوشبو بھری اور اُسے مصر میں صندق میں رکھا" اصل عبرانی میں خوشبو بھرنے کے لئے لفظ חנט (حنط) ہے۔ یہی لفظ عربی میں بھی ہے۔ جمال قرشی نے صراح من الصحاح میں لکھا ہے "حنوط پراگندگی از بوے خوش۔ تحنیط پراگندن حنوط مردہ را۔ تحنط خوشبوے شدن بحنوط الخ" مردے کے ساتھ خوشبویوں کا ذکر اَور بھی کئی جگہ ہے (مثلاً ۲۔ اخبار الایام ۱۶/۱۴ ۲۱/۱۹) یوحنا ۱۹/۴۰ +

(۴) لاش کو منظر عام میں رکھنے کا دستور۔ مصریوں میں تو یہ عام دستور تھا کہ مومیا کی ہوئی لاشوں کو ٹھیک زندہ آدمی کی طرح کھڑے رکھتے تھے اور اس مردہ کے عزیز و اقربا معین اوقات پر اُس کے دیکھنے کو بھی جاتے تھے۔ ایسے مبرن کی تصویریں رالنسن کے حاشیہ تاریخ ھرودوٹس میں نقل ہوئی ہیں۔ کتاب اعمال ۹/۳۷ سے مردے کی لاش کو بالاخانہ پر رکھدینے کی رسم معلوم ہوتی ہے اس کے علاوہ اسرائیلی مقبرے بھی ایسے ہوتے تھے جیسے حویلیاں اور مکانات جن میں کوٹھریاں اور دالان ہوتے تھے حتیٰ کہ ان میں مسافر راہگیر بھی تھک کر بیٹھ جاتے تھے اور چور بھی وہاں رہا کرتے تھے دیکھو کتاب تاریخ یہود صفحہ ۱۴۷ +

(۵) سلیمان کے آخر زمانہ کی بغاوتیں۔ یہ بات معلوم ہے کہ حضرت سلیمانؑ کے آخر زمانہ سلطنت میں کئی ایک بغاوتیں ہو چلی تھیں چنانچہ ہدد اور ریزون اور یربعام کے مفسدے

اور بغاوتیں کتب تواریخ میں لکھی ہوئی ہیں اور نیز رعایا سے بھی کسی قدر ناخوش ہو چلی تھی کیونکہ
ان بغاوتوں کی وجہ سے تجارت بند ہو چلی تھی اور نیز رعایا پر خراج بھی زیادہ تھا اور خصوصاً
قوم اجنہ کے آدمیوں پر کسی قدر سختی اور ذلت کی تکلیف تھی (دیکھو کتاب سلاطین اول کا گیارھواں
باب ورس ۱۴ و ۲۳ و ۲۶ - اور بارھواں باب ورس ۴ و ۷ و ۱۱ و ۱۴ - اور نواں باب ورس
۲۱ و ۲۲ - اور سورہ سبا رعذاب مھین) +

(۶) اکثر ارکان سلطنت کو یہ منظور رہو گا کہ اُن کی موت کا عام شہرہ نہ ہووے تاکہ بغاوتوں
کی وجہ اور رعایا کی فی الجملہ ناراضی اور بعض رجال جن کی سخت تکلیف سے ملک میں اور زیادہ سرکشی
نہ ہو جاوے اور اسی لئے حضرت سلیمانؑ کی وفات پر کسی قسم کی نوحہ وزاری و ماتم و سوگداری
کا کچھ مذکور نہیں ہے اور نہ اُن کے دفن کے جلوس اور سامان وغیرہ کا کچھ ذکر ہے حالانکہ بنی اسرائیل
میں بادشاہوں کی وفات پر بہت کچھ جزع و فزع و ساز و سامان ہوا کرتا تھا اور اُجرت پر رونے
والے بھی مقرر ہوا کرتے تھے اور کبھی کبھی لاش کے ساتھ باجا ہوا کرتا تھا اور عطریات کی مقدار کثیر
صرف ہوتی تھی (یرمیا $\frac{9}{17 و 18}$ ۲ - اخبار الایام $\frac{35}{25}$ ایوب $\frac{2}{8}$ واعظ $\frac{2}{5}$ عاموس $\frac{5}{19}$ متی $\frac{9}{24}$
اور اعمال $\frac{9}{39}$) - اس امر پر بعض ارباب تاریخ بھی متنبہ ہوئے ہیں اور لکھا ہے کہ حضرت سلیمانؑ پر
نوحہ وزاری کم ہوئی چنانچہ جاہان نے عبرانیوں کی سلطنت کی تاریخ میں (مقالہ ۴ فصل ۳۲ میں)
لکھا ہے - کہ "سلیمان ۹۷۵ء قبل عیسوی مر گئے اور باوجود اُن کی عظمت و شان کے اُن کا ماتم
تھوڑا ہی سا ہوا" - ص ۹۷ +

(۷) اِن سب قرائن حالات کو پیش نظر رکھ کے اس آیت کا مضمون یہ معلوم ہوتا ہے کہ
حضرت سلیمانؑ کی وفات کے بعد اُن کی لاش مومیا کی گئی کیونکہ خود بنی اسرائیل میں بھی ایسا ہوتا
تھا اور خصوصاً اس وجہ سے بھی کہ حضرت سلیمانؑ کے ایک بیوی فرعون مصر کی بیٹی تھی اُس نے
ضرور اس معاملہ میں سعی بلیغ کی ہوگی اور نیز ملک میں سرکشی اور بغاوت پھیل جانے سے ارکان
سلطنت نے بھی اُن کی موت کو چھپانا مصلحت اور مناسب سمجھا ہوگا اور اس نظر سے یہی ترکیب بہت
ہی خوب تھی کہ امرا و سلاطین و نیز حکما و انبیا کے دستور پر اُن کی لاش کو حنوط کر کے ایک جلوۃ
کے مکان میں جہاں اکثر لوگ دیکھ سکیں رکھدیا جاوے اور عصا کے سہارے اُسے کھڑا کر دیا
ہوگا - اتفاقاً دیمک یا گھن کے کیڑے نے اس کو کھانا شروع کیا اور جب وہ عصا ذرا بھی
نیچے سے خالی ہوا اُن کی لاش دھڑے سے گر پڑی +[1]

---

[1] زمانہ حال میں سید احمدؒ صاحب کی موت چھپانے کے لئے اُن کے مریدوں نے اسی طرح ان کا ڈھانچہ بنا کر پہاڑ
کی کھو میں بٹھا دیا تھا +

اور جو لوگ اُن کی موت سے واقف نہ تھے اُن کو اس دیمک کی وجہ بھی معلوم ہوگی۔ اور قوم جنّ کے آدمیوں کو معلوم ہوُا اور افسوس ہوُا۔ کہ اگر ہم علم غیب جانتے ہوتے تو اس تکلیف میں نہ رہتے +

(۸) بعضی روایتوں سے بھی اس مضمون کی جو ہم نے حضرت سلیمانؑ کی لاش کے حنوط یا مومیا کئے جانے کی نسبت لکھا ہے تائید ہوتی ہے۔ شیخ الاسلام امین الدین طبرسی نے تفسیر مجمع البیان میں اسی آیت کے ذیل میں لکھا ہے۔ روی انہ اطلعہ اللہ سبحانہ علی حضور وفاتہ فاغتسل وتحنط وتکفن والجنّ فی عملہم۔ کہ روایت ہے۔ کہ جب سلیمانؑ کی موت آئی تو خدا نے اُن کو خبر کر دی تو وہ نہائے اور حنوط کیا اور کفن پہنا اور جن اپنے کام میں تھے +

اور تفسیر مواہب علیہ معروف بہ تفسیر حسینی میں ہے۔ کہ "مقتضی اجل بسلیمان علیہ السّلام درآمد و طلب ودیعت روح کرد سلیمان علیہ السّلام کسان خود را وصیت کرد کہ مرگ مرا فاش نکنید و مرا بعد از مرگ بر عصائے من تکیہ دہید تا جن از کار خود باز نمانند وہم مسجد با تمام رسد پس چوں سلیمان ہم درگذشت او را بشستند و بر او نماز گذاردند و او را بر عصا تکیہ دادند دیواں از دور او را زندہ مے پنداشتند و بہماں کار کہ نامزد ایشاں بود قیام مے نمودند +

(۹) تفسیروں میں یہی قصّہ اسی طرز پر ہے مگر اُن کی روایتوں میں افسانہ آمیز تقریر کا رنگ ہے اور سچا واقعہ اور جھوٹی کہانی کی باتیں ملی ہوئی ہیں۔ ان کے نفس واقعہ صحیحہ مندرجہ قرآن کا طرز بیان بھی قصّہ گوئی کی طرف منجر ہے مگر اس پر جو اَور حاشیے لگائے گئے ہیں وہ خلاف حقیقت ہیں۔ مثلاً:۔

اس قصّہ کے متعلق ایک غلط بات یہ ہے کہ بیت المقدس بننے سے ایک سال پیشتر حضرت سلیمانؑ نے وفات پائی۔ چنانچہ اکثر تفسیروں میں ایسا ہی لکھا ہے مگر یہ بات تاریخی واقعات کے خلاف ہے کیونکہ بیت المقدس حضرت سلیمانؑ کی زندگی میں تمام بن چکا تھا۔ اور قرآن مجید میں اس مقام پر نہ بیت المقدس کی تعمیر کا ذکر ہے اور نہ ایک سال کا ذکر ہے +

ہمیشہ مخالفوں نے قرآن پر اس وجہ سے اعتراض کیا ہے۔ اس میں خلاف واقعہ سلیمانؑ کی موت کو طیاری بیت المقدس سے ایک پیشتر سال بتلایا ہے۔ حالانکہ یہ بالکل جھوٹ ہے اور یہ سب کچھ اعتراضات مفسرین کی لغو روایت کی بدولت ہوئے ہیں +

(۱۰) اب یہ بات کہ وہ جن کون تھے اور اُن کو تکلیف کیا تھی اس کا بیان یہ ہے کہ وہی غیر یم جو عدم موانست کی وجہ سے بنی اسرائیل کے محاورہ میں غیر اور اجنبی کہلائے۔ اور اُن کا

مناسب ترجمہ عربی میں یا اُس کے لائق مرادف اللفظ قرآن میں جنّ آیا ہے جو ملک کنعان کے اصلی باشندے تھے اور عبری کتب مقدسہ میں اُن کے مختلف قبیلے فلسطین اور عنقیم اور ایمیم اور زمزمیم مذکور ہیں اور اُن کے عذابِ تعیّن کا ذکر صحف سلیمان میں ہے اور اس طرح پر مضمون قرآن کی پوری تصدیق ہوتی ہے +

پہلے سلاطین کے نویں باب میں ہے (۲۰) لیکن وہ سارے گروہ جو اموری اور حتی اور فرزی اور حوی اور یبوسی سے باقی رہے اور اسرائیل نہ تھے (۲۱) ہاں اُن کی اولاد جو بعد میں باقی رہی جنہیں بنی اسرائیل نابود نہ کرسکے سو سلیمان نے اُن پر خدمت کی کرنگائی جو آج کے دن تک ہے۔ اور کتاب دوم اخبار الایّام کے نویں باب (۷ و ۸) میں بھی یہی مضمون ہے اور اصل کتاب عبرانی میں لفظ מס ہے جس کا ترجمہ کسی قدر غلط "خراج" ہوا ہے۔ مگر اس کا صحیح ترجمہ بدنی خدمت ہے خواہ وہ بیگار کے طور پر ہو یا اُجرت اور نوکری کے طور پر مگر بیشتر خدمتی کام کے لئے آتا ہے +

اور کتاب ۲۔ اخبار الایّام یا تواریخ کے دوسرے باب میں ہے (۱۷) اور اپنے باپ داؤد کے گننے کے موافق سلیمانؑ نے اسرائیل کے دیس میں سارے پردیسیوں کو گن اور وے ایک لاکھ ترپن ہزار چھ سو ٹھہرے (۱۸) اور اُس نے ان میں ستّر ہزار باربردار اور اسّی ہزار پتھر توڑنے والے پہاڑ میں ٹھہرائے اور اُن پر تین ہزار کروائی مقرر کیلے۔ کہ لوگوں سے کام لیویں +

پس یہی غیریم اور نیزوہ کاریگر لوگ جن تھے +

(۱۱) صور اور صیدا کے کاریگر جو لکڑی کے کام میں اُستاد کار تھے (اسلا ۵/۹) اور پتھر تراشنے والے ماہران فن (اسلا ۵/۱۸) اور جہازی کام دینے والے ملاحان پرفن (اسلا ۹/۲۹ حزقیل ۵/۱۸) اور غوّاصان نادر روزگار اور نیزوہ پردیسی اور اجنبی یعنی غیر قوم کے آدمی جو بوجھ اٹھانے اور پہاڑ کاٹنے کے کام میں لگائے تھے (۲ تواریخ ۲/۱۷ و ۸/۱) جن کو قرآن میں جن و شیطان کہا ہے یہ سب لوگ در اصل فنیقی [illegible] اور کنعانی تھے۔ اور جو معنی فلسطیم کے ہیں وہی معنی غیریم کے ہیں ملک فلسطین کے اصلی باشندے کنعانی تھے۔ انہیں کنعانیوں [illegible] کو یونانی زبان میں فنی لی کیس کہتے ہیں (دوسری جگہ صاف لکھا ہے۔ کنعان ارض فلشطیم (اصفیا ۲/۵) یہ قومیں جبکہ بنی اسرائیل اُن پر مسلط ہوئے غیریم یعنی پردیسی اور اجنبی کہلائے اور داؤد اور سلیمان کے زمانہ میں یہ بالکل مطیع اور منقاد ہوگئی تھیں اور اُن سے خدمتی کام لیا جاتا تھا (۲ صموئیل ۵/۸-۹ ۱۔ تواریخ ۹/۸-۱۴ اسلا ۹/۲

۲ - تواریخ ۲/۱۷ و ۱۸ و ۸/۷ و ۸) +

(۱۲) سپٹواجنٹ میں جو کہ یونانی زبانی کا ترجمہ توریت ہے وصحف انبیا میں ملک
کنعان کو جن کہا ہے یوشع ۲/۲ اور انجیل میں بھی جن آیا ہے (متی ۵/۵ لوق ۲/۵ ۲) اس کی وجہ
یہ ہے کہ یونانی زبان میں زمین اور ملک کو جی کہتے ہیں یہیں سے فارسی میں گیو گیتی اور گیہان
جہان بنا ہے اور جی کا مجرور مونث واحد جن ہے پس اس اعتبار سے یہ کنعانی لوگ بھی جنّ
کہلاتے ہونگے زمانہ نزول قرآن میں یہودیوں میں سے اصل تورات کا علم یا عبرانی زبان کم
رائج تھی سب یہود ترجمہ سپٹواجنٹ پڑھتے تھے۔ اس وجہ سے ان کنعانیوں کا نام عربی میں
جنّی آیا ہوگا جس کی جمع جن ہے اور قرآن مجید میں وہی لفظ آیا جو ان کے محاورہ میں تھا۔
یعنی جنّ اور صور وصیدونی بھی کنعانی تھے کیونکہ کنعان کے بڑے بیٹے کا نام صدون تھا۔ اور
صور وصیدا دونوں شہر سمندر کے کنارے پر تھے۔ ابوالفدار نے صیدون کو دمشق سے ۲۰ میل
کے فاصلہ پر بتلایا ہے۔ اگلے زمانہ میں یہ دونوں شہر آبادی کی کثرت سے ملے ہوئے تھے
اس کے آثار اب تک نمودار ہیں +

(۱۳) لفظ جنّ قرآن مجید میں متعدد جگہ آیا ہے اور ایسے ہی اس لفظ کے ماصدق علیہ
میں بھی تعدد ہے یعنی کئی طور پر مختلف حیثیتوں سے (بانحائے شتیٰ) بنی آدم زندہ اور مردہ پر اسکا
اطلاق ہوا ہے جس کی تفصیل اک جداگانہ آرٹیکل یا رسالہ کے مناسب ہے جو عنقریب شایع
ہوگا۔ مگر جنّات سلیمانی تو بجز اُن لوگوں کے جو بنی اسرائیل میں اغیار یعنی کنعان کے اصلی
باشندے اور صور وصیدا کے کاریگر پہاڑی وحشی تھے اَور کوئی قوم نہیں ہوسکتی۔ اور
خصوصاً وہ ہوائی جنّات جو عامہ ناس کے خیالات میں ہیں کہ وہ ہوائی جاندار ہیں کہ بہروپ
خوب بدلتے ہیں (الجن حیوان ہوائی یتشکل اشکالا کثیرۃ) وہ تو کسی طرح سلیمانی جن
کی مصداق ہو ہی نہیں سکتے اور ہم آگے چلکے مفسرین ہی کے اقرار سے ہاں انہیں مفسرین کے
اقرار سے جو جنّات کے بڑے ہوا خواہ ہیں ثابت کردیں گے کہ حضرت سلیمانؑ کے جنّات وہ عام
جنّات نہیں تھے بلکہ وہ ایک خاص مخلوق تھے فانتظر +

(۱۴) سلیمانی جنّات کو علم غیب کا دعوےٰ ہونا قرآن کے ان الفاظ سے تو نہیں نکلتا
اس لئے اس کی تفسیر میں مفسّروں نے اختلاف کیا ہے۔ تبیّنت الجن کے یہ معنی قرین
قیاس ہیں کہ اوروں کو معلوم ہوگیا کہ اگر جن علم غیب جانتے ہوتے الخ ایسا ہوگا۔ بنی اسرائیل
کو ایسا خیال ہوگا کہ یہ لوگ جو کاریگر اور اُستاد کار اور صنّاع ہیں ان سے حضرت سلیمانؑ کی
لاش کے خطوط کیئے جانے کی حکمت چھپی رہی اگر یہ علم غیب جانتے ہوتے تو اُن کے مرنے

پرسرکش ہوجاتے اور یہ بھی کچھ بعید نہیں کہ صور و صیدا کے آدمیوں یا بعضے کنعانی قبیلوں نے (جن کو جنّ کہا ہے) فن تنجیم یعنی اخترشناسی کا اظہار کیا ہو کیونکہ یہ علم نجوم کلدانیوں کی قوم کا نکالا ہوا ہے اور اسی خالدیہ یعنی ملک شام میں صور و صیدا و فلسطین داخل ہے۔ اور صور و صیدا کے آدمیوں کو جہازرانی کے لئے بھی اخترشناسی کی بڑی ضرورت تھی اور اُس زمانہ میں کمپاس اور قطب نما کی ایجاد نہیں ہوئی تھی۔ اس لئے ستاروں کی شناخت بہت ضروری تھی۔ اور قوم فونیقیا بھی نجوم میں ماہر تھی اور صوری و صیدونی سب فونیقی تھے +

"وحشر لسلیمان جنودہ من الجن والانس والطیر فھم یوزعون" (نمل ۱۷) +

اس مضمون کے ابتدا میں اس آیت کی تفسیر میں صرف اسی قدر بحث کی گئی تھی کہ حضرت سلیمانؑ کے پاس جنّ تھے چنانچہ اس کی تصدیق اُنہیں کی کتاب واعظ کے ۲ باب کے ۸ پسوق سے جس میں لفظ שדה (شدہ) اور שדות (شدوت) ہے کی گئی تھی اور اک عام طور سے بیان کیا گیا کہ یہ شدیا جنّ کون لوگ تھے۔ مگر اَب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت سلیمان کی فوج کی تقسیم ٹھیک ایسی ہی تھی جیسے کہ قرآن مجید میں مذکور ہے۔ ہر اک فوج سلیمانی اِک جُداگانہ نام اور خصوصیت سے مرسوم تھی +

حضرت داؤد نے جو کہ حضرت سلیمانؑ کے باپ تھے اپنی فوج تین قسم پر تقسیم کی تھی۔ ایک لشکر میں تو فلسطینی قوم کے آدمی تھے اُن میں کوئی شخص بنی اسرائیل میں سے نہ تھا۔ اور چونکہ بنی اسرائیل کا محاورہ تھا کہ اپنی قوم کے آدمیوں میں اور غیر قوم کے آدمیوں میں تمیز و تفریق کرتے تھے اور غیر قوم کے آدمیوں کو اِک خاص نام جس سے نفرت اور حقارت یا اُن کے کفر کا اشعار ہوتا ہو موسوم کہتے تھے جیسے ערלים (غیرلیم) یا גוים (گوئم) اور بربر اور اُمیئیں وغیرہ۔ یہی قسم فوج کی قرآن مجید میں "جنّ" کے نام سے آئی ہے۔ دوسری قسم خاص بنی اسرائیل کی قوم تھی جو قرآن میں "اِنس" کے نام سے اِس مقام میں آئی ہے۔ اور تیسری قسم کی فوج ایک خاص طور کی جماعت تھی جیسی باڈی گارڈ وہ ہمیشہ طیار رہتی تھی اور چھوٹی جماعت صرف ۶۰۰ بہادروں کی تھی اور وہ اس کام کے لئے مخصوص تھی جیسی عربی فوجوں کی قسم میں "طیر" ہوتی ہے۔ اُن کی تفصیل یہ ہے:۔

(۱) فوج جن۔ کریثی اور فلیثی قوم کے آدمی جو اجنبی قوم کے تھے۔ ان کا ذکر کتاب دوم صموئیل باب ۱۵ کی ۱۸-۱۹۔ آیتوں میں ہے اور اسی کتاب کے آٹھویں باب کی

۱۸-آیت اور بیسویں باب کی ۷- اور ۲۳- آیت میں بھی ان کا نام ہے - یہ دونوں قبیلے فلسطانیوں کی نسل سے تھے (دیکھو گزی نیوس کا عبرانی لغت جو کہ ابوالولید بن جناح القرطبی کی کتاب الاصول سے ماخوذ ہے ص ۴۱۷ و ۶۷۷ - اور ای وآلد کی عبرانی گرامر - ص ۲۹۷ - اور ہارن کی ۳ ج ص ۲۰۲) +

دوسری قسم فوج اسرائیل کے نام سے تھی اس میں سب بنی اسرائیل اور اہل کتاب تھے اُن کو لفظ انس سے تعبیر کیا ہے - ان کی تفصیل کتاب اخبار الایام باب ۲۷ میں (۱-۱۵) اور ۲ صموئیل باب ۸ کی ۱۶ - اور باب ۲۰ کی ۲۳ - آیت میں مذکور ہے +

بنی اسرائیل ہمیشہ اپنی قوم اسرائیل کو غیر قوم کے آدمیوں سے اپنے محاورات میں ممتاز کرتے تھے وہ ہمیشہ اپنے آپکو עם (جو اصل میں) עם יהוה (خدا کی قوم) اور עם קדוש (مقدس قوم) اور עם נושע בה (قوم محفوظ) ہے (خروج ۱۵ باب ۱۳ استثنا باب ۳۲ و ۳۶ و باب ۷ و ۶ و باب ۴ - ۲ وغیرہ) کہتے تھے - اور اپنے ما سوا کو גוים جس سے مراد عام لوگ اور مخالف تھے (زبور دوسرا باب ۱ و ۸ نواں باب ۶ و ۱۶ و ۲۰ و ۲۱ دسواں باب ۱۶ - اسٹھواں باب ۶ و ۹ - اُناسی باب ۶ و ۱۰ - ایک سو چھٹا باب ۴۷) کہا کرتے تھے - اُنہیں محاوروں کی رعایت اور مناسبت سے فوج اسرائیل اور فوج اقوام فلسطینی کو انس اور جن کی فوج سے اس آیت میں بیان کیا ہے +

بنی آدم کی ایسی تقسیم ہر ایک قوم اور اُمہ میں کسی کی رعایت اور لحاظ سے مثلاً مذہبی تفریق سے یا زبان کی تمیز سے یا رنگ کی تفریق سے یا ملک اور ولایت کی مباینت سے یا میل جول اور وحشت اور مخالفت کی نظر سے یا دوستی اور دشمنی کی راہ سے کر لیتے تھے - یونانی اور رومی اپنے ماسوا اور سب قوموں کو بربری یعنی جنگلی کہتے تھے اور عرب اپنے ماسوا سب کو عجم کہتے تھے - پھر خاص عرب میں دو تفریقیں تھیں - اہل الحضر اور اہل البدو بنی آدم کی دو تفریقیں کر رکھی تھیں - احمر اور اسود ہند میں قدیم آریا لوگ اپنے ماسوا آدمیوں کو دسو کہتے تھے +

تیسری قسم فوج کی طیر تھی جو داؤد کے بہادروں کے نام سے موسوم تھی הגבורים (کتاب اوّل سلاطین باب اوّل پسوق ۸) اُن کی تفصیل کتاب دوم صموئیل کے باب میں (۸-۳۹) اور کتاب اوّل اخبار الایام کے گیارھویں باب میں (۱۱-۴۷) +

یہ لوگ تعداد میں ۶۰۰ تھے اور پھر اُن میں دو دو سو کی ٹکڑیاں تھیں اور پھر اُن میں بیس بیس کی تفریقیں اور تقسیمیں +

فوج کی یہی تقسیمیں جو حضرت داؤد کے وقت میں تھیں حضرت سلیمانؑ کے وقت
میں بھی قائم اور موجود ہیں اور اس آیت میں بھی یہی مراد ہیں +

حضرت عیسٰیؑ مسیح ابن مریم رسول اللہ

اور

صلیب

وقولھم انا قتلنا المسیح عیسی ابن مریم رسول اللہ وما قتلوہ وما صلبوہ ولکن شبہ لھم وان الذین اختلفوا فیہ لفی شک منہ مالھم بہ من علم الا اتباع الظن وما قتلوہ یقینا۔ بل رفعہ اللہ الیہ۔ (نساء ع ۲۲ آیت ۱۵۶) +

ترجمہ۔ اور یہود کے اس کہنے پر کہ ہم نے مسیح عیسٰی ابن مریم رسول اللہ کو قتل کیا حالانکہ نہ اس کو قتل کیا ہے اور نہ صلیب دیکر مارا ہے لیکن ان کے آگے صورت بن گئی اور جو لوگ اس میں کئی باتیں نکالتے ہیں وہ اس جگہ شک میں پڑتے ہیں اُن کو اس پر یقین نہیں مگر اٹکل پر چلتے ہیں اور اُس کو مارا نہیں یقیناً بلکہ اس کو خدا نے اپنی طرف اُٹھا لیا +

(۲) حضرت عیسےٰ نہ تو تلوار سے یا پتھروں سے مار ڈالے گئے اور نہ صلیب پر مارے گئے لیکن اُن کے قتل کرنے والوں کو دھوکا ہوگیا یا اُن سے اصل بات پوشیدہ ہوگئی یا اُن کو حضرت عیسےٰ کی موت کا تشابہ ہوگیا حالانکہ وہ یقیناً نہیں مرے تھے البتہ وہ تین گھنٹہ تک صلیب پر اذیت سے لٹکتے رہے اور پھر اُتار لئے گئے۔ صلیب پر مصلوب ہونے سے جلدی کوئی شخص نہیں مرجاتا۔ بلکہ کئی روز تک لٹکنے سے دھوپ کی تپش اور بھوک کی شدت اور زخموں کی تکلیف سے البتہ مرجاتا ہے یہ معاملہ حضرت عیسےٰ کے ساتھ نہیں ہوا۔ اور جب وہ اُتار کے ایک قبر میں رکھے گئے تو اُن کو کہ وہ ابھی زندہ مگر غشی میں تھے بعض مخلص مومنین شب کو مقبرہ سے نکال کے گھر میں کہیں پوشیدہ لے گئے اور پھر حضرت عیسےٰ بعضے حواریوں کو زندہ نظر آئے مگر یہود کی عداوت اور رومیوں کے اندیشہ سے کہیں دیہات میں اپنے قرابت داروں کے ساتھ رہتے تھے پھر خدا نے اُن کو اُٹھا لیا یعنی اپنی موت طبعی سے مرگئے اور خدا کے پاس چلے گئے اور اُسکے داہنے ہاتھ جگہ پائی یہ دونوں باتیں مجازاً اور فضیلتاً کہی جاتی ہیں۔ جو لوگ سمجھتے تھے۔ کہ ہم نے اُن کو مار ڈالا قرآن مجید اُن کو جھٹلاتا ہے اور جو لوگ یہ سمجھتے تھے کہ اُنکی صورت کا ایک دوسرا آدمی پکڑا گیا اُن کو بھی قرآن مجید جھٹلاتا ہے اور

کہتا ہے کہ اُن کو علم قطعی نہیں ہے ۔ اٹکل پر چلتے ہیں اور پھر اصلی حقیقت تبلاتا ہے ۔ کہ اصل بات ایسی چھپ گئی یا پوشیدہ کی گئی ✦

(۳) اَب ہم انہیں مقدّمات کو مفصّل اور مدلّل بیان کرتے ہیں ✦

یہودیوں کی بے ایمانی اور سخت مکّاری اور شدید ریاکاری سے حضرت عیسٰی ابن مریم رسول اللہ پر اضلال کا اتہام لگایا گیا ۔ اور تکفیر کا فتویٰ دیا گیا ٹھیک ٹھیک جیسا کہ اس زمانہ میں یہود ھذا الامۃ کر رہے ہیں ۔ وہ حضرت عیسٰے کو مضل کہتے تھے (متی ۲۷/۶۳ یوحنا ۷/۱۲) ✦

(ب) ایسے شخص کی سزا یہود کی شریعت میں سنگساری سے قتل کرنے کی تھی (کتاب احبار ۲۴/۱۴ ومابعد کتاب استثنا ۱۳/۱ ومابعد) ✦

(۴) مگر حضرت عیسٰے پر کچھ صرف مذہبی جرم ہی قایم نہیں ہؤا تھا بلکہ بے ایمان یہودیوں نے اُن پر بغاوت کا جرم بھی ضمیمہ کر دیا تھا تاکہ حُکام وقت کو اُن کی سزا پر توجہ ہو ۔ یہی وجہ تھی کہ پلاطس نے حکم دیا ورنہ وہ یہود کے مذہبی الزامات کی کچھ پرواہ نہ کرتا اور اسی لیئے وہ سنگسار نہیں کیئے گئے جو کہ یہود کی شرعی سزا تھی بلکہ صلیب پر چڑھا کے مار ڈالنے کی تجویز ہوئی کیونکہ یہ رومیوں کی سزا تھی ✦

(۵) یہود کے کاہنوں نے جو موت کا فتویٰ دیا تھا وہ بغیر رومی گورنر کی منظوری کے نافذ نہیں ہو سکتا تھا اس لیئے ضرور ہؤا کہ پلاطس کے دربار میں حضرت عیسٰے کو لیجاویں ۔ اس حاکم نے تحقیقات کے بعد حکم دیا کہ میں اس شخص پر کوئی جرم نہیں پاتا مگر یہود نے پھر غل مچوایا (یہود وہاں حاضر نہ تھے یوحنا ۱۸/۲۸) اور اخیر کو اس حاکم کے دل میں یہ بات آئی کہ حضرت عیسیٰ مجرم سہی مگر عید فصح کے روز ایک مجرم چھوڑ دیا جاتا ہے اس لیئے اس نے یہود سے کہا کہ تمہاری عادت کے موافق میں اُن کو چھوڑ دیتا ہوں ۔ تب پھر یہودی چلّائے اور سب حاضرین سے کہلوایا کہ یسوع باربان چھوڑ دیا جاوے اتفاق سے اس مجرم کا بھی نام یسوع تھا اور باربان لقب تھا (دیکھو رینان کی تاریخ مسیح باب ۲۴ ص ۲۷۹ سنہ ۱۸۶۵ء) ✦

(۶) بالآخر حضرت عیسٰے کو مقام جلجہ میں لا کر صلیب سے باندھا صلیب دو لکڑیوں سے جو باہم منقطع ہوں بنی ہوتی ہے[۱] اور مصلوب کے دونوں ہاتھوں میں میخیں ٹھوک دیتے

[۱] حضرت عیسٰے کو صلیب پر پیاس کی شدت میں سرکہ ایک اسفنج کے ذریعے پلایا گیا تھا (متی ۲۷/۴۸ مرقس ۱۵/۳۶ لوقا ۲۳/۳۶ یوحنا ۱۹/۲۸-۳۰) رومی سپاہیوں کے پاس ہر موقعہ میں یہ شربت سرکہ کا ہمیشہ ساتھ رہتا تھا دیکھو تصنیفات اسپارطیانوس اور ولکاطیرس غلیکانوس اور یہ رومی پسکا نہایت صحت بخش اور مفید ہوتا تھا چنانچہ ڈاکٹر ہگزہام نے رسالہ حمیات کے بیان میں اسکی تصریح کی ہے ۔ اس شربت سے حضرت عیسٰے کو بہت کچھ تسکین ہو گئی ہو گی ۔ وللرحمان الطاف خفیہ ✦

تھے اور پیروں میں بھی میخیں ٹھوکتے تھے یا کبھی کبھی ہاتھ اور پیر رسّی سے باندھ دیتے تھے (ہارن کی کتاب جلد ۳ ص ۱۵۷) اور جو لکڑی عمودی شکل کی ہوتی تھی اس کے بیچ میں ایک لکڑی لگی رہتی تھی جو مصلوب کے بیٹھنے کی جگہ بن جاتی تھی ورنہ بغیر اس کے مصلوب کا دھڑ نیچے کو لٹک آتا اور میخوں سے ہاتھ نکل جاتے (یہ بات شیخ آرینیوس جو پہلی صدی میں تھا اور جسٹن جو دوسری صدی میں تھا اُن کے کلام سے معلوم ہوتی ہے ارنسٹ رینان باب ۲۵ ص ۲۸۰) حضرت عیسٰے کو بھی یہ سب اذیتیں اٹھانی پڑیں مگر یہ بات صاف معلوم نہیں ہوتی کہ اُن کے پیر چھیدے گئے تھے یا باندھے گئے تھے کیونکہ بعد واقعہ صلیب جب حضرت عیسٰے بعض عیسائیوں سے ملے تو لوک کی روایت میں ہے کہ اُنہوں نے اپنے ہاتھ اور پاؤں نشان کے لئے دکھلائے (لوک ۲۴/۳۹) مگر یوحنا کی روایت میں ہے (۲۰/۲۰) کہ ہاتھ دکھلائے۔ لوک نے بچشم خود نہ دیکھا ہوگا اور یوحنا نے شاید دیکھا ہو +

(۷) مصلوب کے لئے جہاں اور سختیاں تھیں وہاں ایک بڑی مصیبت یہ بھی تھی کہ وہ ہمارے زمانہ کی پھانسی کی طرح فوراً یا جلد نہیں مرجاتا تھا بلکہ تین چار دن تک اُس پر لٹکنے یا بندھے رہنے میں بھوک کی شدت پیاس کی سختی زخموں کی تکلیف اور دھوپ کی تپش سے مرتا تھا اور جو کوئی قوی مزاج کا آدمی ہوتا تھا وہ صرف فاقوں کا مارا مرتا تھا۔ یہ بات کہ صلیب پر تین یا چار دن تک موت نہیں آتی تھی پطرونیوس طبطوس کی شہادت سے کتاب سطیری کان ۱۱۱ وغیرہ) جو پہلی صدی عیسوی میں نفیرو شہنشاہ روم کا دوست تھا اور شیخ ازیجبوس کی شہادت سے (تفسیر انجیل متی مطبوعہ کوسیگارطن ص ۹۳ وغیرہ) جو تیسری صدی عیسوی میں مذہب عیسوی کا مستند اور معتمد بزرگ گذرا ہے ثابت ہے (دیکھو ارنسٹ رینان کا تذکرہ مسیح ص ۲۹۰) اور قوی مزاج آدمی کا صرف بھوک کے صدموں سے مرنا یوسی بیس پمفلی (جو قیصریہ میں اسقف اور تیسری اور چوتھی صدی میں تھا کی تاریخ کلیسیا ۸ سے ثابت ہے (ایضاً ص ۲۹۱) +

اس لئے جب پلاطس سے یوسف نے حضرت عیسٰے کے دفن کی اجازت مانگی تو وہ بہت متعجب ہوا کہ ایسی جلدی مرگئے (مرقس ۱۵/۴۴) ڈاکٹر ای کلارک نے تفسیر انجیل متی ۲۷/۳۵ میں لکھا ہے کہ ایسی کئی ایک مثالیں ہیں کہ شخص مصلوب ایسی شدت کے عذاب میں کئی دن تک زندہ رہا ہے (دیکھو ہارن کی تفسیر جلد ۳ صفحہ ۱۵۷ [illegible]) +

(۸) حضرت عیسٰے کے شاگرد تو سب بھاگ گئے تھے اور صلیب کے وقت کوئی حاضر ماجرا نہ تھا) ہاں دور کھڑی ہوئی کچھ عورتیں اور جو لوگ حضرت عیسٰے کو جانتے تھے دیکھ رہے تھے۔ (متی ۲۷/۵۵ و ۲۷/۵۶ مرقس ۱۵/۴۰ و ۱۵/۴۱ لوق ۲۳/۴۹) مگر یوحنا کی انجیل میں ہے ۱۹/۲۵ کہ وہ صلیب

کے پاس کھڑے تھے۔ مگر کتنے ہی پاس ہونگے تب بھی دشمنوں کے خوف اور سپاہیوں کے اہتمام کی وجہ سے دور ضرور ہونگے۔ یوحنّا نے آپ کو پاس بتلایا صرف اِس وجہ سے ہے کہ اُنھوں نے حضرت عیسےٰؑ کی بات سُن لی +

(۹) صلیب والا دن عید فصح کا دن تھا دوپہر کے وقت یہ واقع صلیب پیش آیا اور اب تھوڑی دیر کے بعد سبت شروع ہونے کو تھا اور سبت بھی کیسا کہ معمولی طور کا نہیں بلکہ ایک خاص طور کا جس میں اُن کو بڑا اہتمام اور مذہبی احترام تھا۔ اور یہ بھی شریعت یہود میں حکم تھا۔ کہ شخص مقتول (مرجوم) یا مصلوب کی لاش اُسی دن دفن کردی جاوے (کتاب استثنا ۲۱/۲۲ و ۲۳/۲ و یوشع ۲۹/۸ و ۱۰/۲۶ و تاریخ یوسیفس مؤرخ یہود کتاب ۴ وہ کتاب احادیث یہود یعنی مشنا دستہدریم ۶/۵) مگر یہود کے ہاں یہ دستور تھا کہ پہلے سنگسار کر کے مار ڈالتے تھے تب صلیب پر لٹکاتے اور اب جب سے کہ ان کی حکومت جاتی رہی اور رومیوں کا قانون جاری ہوا سنگساری کی رسم موقوف ہوگئی تو اب یہود کے حساب سے شخص مصلوب مرے یا نہ مرے مگر اُسی دن اُس کو صلیب پر سے اُتارنا چاہیئے۔ پس ان وجوہ سے یہودیوں نے نہ تو کچھ معاملہ صلیب میں اہتمام کیا بلکہ نہایت جلدی چاہی اور نہ بعد صلیب حضرت عیسےٰؑ کو صلیب سے متعلق رہنے دیا بلکہ حکام رومیہ سے درخواست کی۔ کہ حضرت عیسےٰؑ کی ٹانگیں توڑ کے اُتروالیں تاکہ اُن کی لاش سبت کو لٹکتی نہ رہجاوے (دیکھو یوحنا کی انجیل ۱۹/۳۱) یہ ٹانگیں تڑوانا بھی قتل کی غرض سے تھا کیونکہ اُن کو معلوم تھا۔ کہ مطلق صلیب پر لٹکانے سے کوئی مصلوب مرتا نہیں۔ اِلّا حضرت عیسےٰؑ کی ٹانگیں نہیں توڑی گئیں کیونکہ وہ تو ضعف یا غشی کے باعث سے مردہ معلوم ہوگئے ہی اور اسی پر اشارہ ہے۔ شُبّہ لہم (النساء ۱۵۶) میں +

فلو یہودی فیلسوف الکندری (سنہ ۲۰ قبل مسیح تا سنہ ۴۰ء) نے اپنی کتاب فلقیم (۱۰) میں لکھا ہے کہ یہود نے درخواست کی تھی کہ ہمارا مقدس سبت اس ناپاک لاش کے رہنے سے خراب نہ ہووے +

پس ان وجوہ سے بہت جلد حضرت عیسےٰؑ کو صلیب پر سے بظاہر مردہ و بباطن زندہ اُتار لیا گیا +

(۱۰) مگر اسی کے متعلق ایک واقعہ اور بھی گذرا کہ جب رومیوں نے ان اَور دو شخصوں کی جو حضرت عیسےٰؑ کے ساتھ مصلوب ہوئے تھے ٹانگیں توڑ دیں اور حضرت عیسےٰؑ کی ٹانگیں نہیں توڑیں تو ایک نے برچھی سے حضرت عیسےٰؑ کے پہلو میں ذرا چھید دیا شاید صرف اس غرض سے کہ اگر ہوش باقی ہوگا تو وہ متاذی ہوکر کوئی حرکت مذبوحی کرینگے۔ اس زخم سے خون اور پانی

جاری ہوا یہ بات صرف یوحنا کی انجیل میں ہے جو حضرت عیسےٰ کے بعید ہوں یا قریب ہونگے مگر خون کا نکلنا بے شک اُن کی زندگی کی دلیل ہے کیونکہ مردے کے جسم سے زخم یا نشتر دینے پر نہ خون نکلتا ہے نہ پانی۔ پس اس وقت حضرت عیسےٰ زندہ تھے اور اُسی وقت اُتار لئے گئے سب کام نہایت عجلت میں ہوا۔ یوسف جو ایک ذی عزّت مالدار اور کونسل ستھدریم کا ممبر تھا اُس نے لاش مانگ لی جو اُس کے حوالہ کر دی گئی۔ اس نے اور ایک اور مرد مومن نے دفن کا سامان کیا اور سب لوگ چلے گئے +

برچھی سے چھیدنے کا مضمون (یوحنا ۹/۳ و ۱/۳) گو ہمارے خلاف نہیں مگر ہم کو اس پر بہت شبہ ہے اور انجیل نویس متی مرق لوق اس بات کا بیان نہیں کرتے حالانکہ ایک امر عظیم اور ضروری تھا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بعد میں عیسائیوں نے صرف بعض پیشگوئیوں کو (زبور ۳۴/۲۰ زکریا ۱۲/۱۰) جمانے کے لئے یہ بات اپنی طرف سے بنا کر روایت میں شامل کر دی ہے +

جبکہ باوجود اجازت اور حکم کے بھی اُن کی ٹانگیں نہیں توڑی گئیں تو یہ امر خلاف قیاس ہے کہ کسی ایک سپاہی نے ایسی جرأت کی ہو کہ برچھی سے اُن کو چھید دیا ہو +

عیسائیوں نے یہ بات کہی ہے کہ وہ برچھی حوالی قلب میں جا لگی اور وہاں سے رقیق سفید رنگ کا مادہ نکلا مگر حوالی قلب کے زخمی ہونے پر اس کا مادہ اندر ہی کی طرف کو نکلتا اور اسفل کی جانب بہ جاتا نہ کہ فوارہ کی طرح باہر کو سیدھے سامنے کو پچکاری کی مانند جوش مارتا نکلتا اور تعجب کہ بہنے میں پانی اور خون الگ الگ رہے +

(۱۱) رومیوں کے دستور کے موافق ضرور تھا کہ مصلوب کی لاش پر صلیب لٹکتی رہے اور چڑیوں کا شکار ہو جاوے۔ یہی دستور اہل مصر کا بھی تھا دیکھو قرآن سورہ یوسف واما الاٰخر فیصلب فتاکل الطیر من راسہ (۱۳ ج ۵ ع) رومیوں کے اس دستور کی سند ہوریس لاطینی شاعر کے خطوط (جو حضرت عیسیٰ سے قبل پہلی صدی میں تھا) جو وینل (پہلی صدی ع) لوکن رومی شاعر پہلی صدی ع) پلاطوس شاعر (دو صدی قبل ع) پلنی (پہلی صدی) پلوطارس فیلوف (پہلی اور دوسری صدی) پطرونیرس (پہلی صدی) کے کلام سے ثابت ہے برخلاف اسکے حضرت عیسےٰ اُسی روز صلیب پر صرف ڈھائی تین گھنٹے رہنے پر یوسف کے حوالہ کر دیئے گئے +

(۱۲) دفن کرنے والوں نے بھی بڑی عجلت کی اور کامل طور سے اُنہیں دفن نہیں کیا اُنہوں نے ایک لحد میں حضرت عیسےٰ کو رکھکے دروازوں پر ایک چٹان یا پتھر کی سل رکھدی تھی تاکہ پرسوں کو عطریات لاکر قبر میں رکھینگے اور کل سبت کو تو کچھ ہو نہیں سکیگا +

اور وہ عورتیں بھی جو صلیب کے وقت دور کھڑی دیکھتی تھیں اُس وقت پاس سے حضرت عیسیٰ کی

لاش کا موقع خوب دیکھ گئیں (لوقا ۲۳/۵۵) اور اب سب لوگ چلے گئے نہ وہ دشمن خونخوار یہودی رہے اور نہ وہ رومیوں کا گارد رہا۔ کیونکہ یہ تو ہفتہ کے دن یہود کو سوجھی کہ مبادا اُن کی لاش کو اُنکے شاگرد چرا لیجاویں تب اُنہوں نے پلاطس سے ایک گارد مانگا کہ وہ پہرہ بٹھاوے اُس نے کہا کہ تمہارے پاس سپاہی ہیں اُن کو بھیجدو۔ اب دوسرے روز وہ احمق پہرہ بٹھانے گئے (متی ۲۷/۶۲ و ۲۷/۶۶) +

(۱۳) اتوار کو صبح کے وقت وہی عورتیں قبر پر آئیں اور پتھر کو ہٹا ہوا دیکھا اور حضرت عیسیٰ کو وہاں نہ پایا اور اُس وقت ایک یا دو شخص جو حاکم کے فرستادے یعنی فوج کے پیادے تھے (انجیل کے ترجموں میں اُن کو فرشتہ بنا دیا ہے) اُنہوں نے کہا کہ تم زندے کو مُردوں میں ڈھونڈھتے ہو اَب یہاں پر بہت سی مختلف روایتیں ہیں جو متی باب ۲۸ مرکس باب ۱۶ لوق باب ۲۴ یوحنا باب ۲۰ میں لکھی ہوئی ہیں۔ ان عورتوں نے پطرس اور یوحنا اور حواریوں کو خبر کی اور مشہور ہوگیا کہ وہ جی اُٹھے +

(۱۴) واقعہ صلیب کے بعد تین دفعہ حضرت عیسیٰ زندہ مگر مجروح اپنے حواریوں کو نظر آئے جن کی تفصیل یوحنا کی انجیل کے بیسویں اور اکیسویں باب میں ہے مگر مجدلینی کو حضرت عیسیٰ کا نظر آنا غلط ہے اس عورت کے قول کا کچھ اعتبار نہیں وہ شدت سے ضعیف العقل تھی اس کو سات جن لپٹے ہوئے تھے (لوق ۸/۲) یونانی زبان میں اس محاورہ سے مراد یہ ہے کہ مجنون تھی اور خود اُس کو شبہ تھا بلکہ اُس نے اس شخص کو باغ کا چوکیدار سمجھا اور درحقیقت ایسا ہی تھا مگر اس کے ذہن میں اور خیال میں حضرت عیسےٰ بسے ہوئے تھے اُس نے بعد میں یقین کر لیا کہ وہ حضرت عیسیٰ ہی تھے +

(۱۵) اسی زمانہ میں حضرت عیسیٰ کی موت کی نسبت بہت سے شبہے پیدا ہو گئے تھے۔ پلاطس نے جب اس سے دفن کی اجازت لی گئی تو تعجب کیا اور اپنے صوبہ دار سے جو صلیب کے اہتمام میں تھا پوچھا کہ کیا وہ مر گئے (مرق ۱۵/۴۴ و ۱۵/۴۵) +

اور بعد میں عیسائیوں کو خود یہ بات کھٹکتی تھی کہ ایسی جلدی مر جانا بالکل خلاف عادت تھا صلیب پر آدمی چار چار روز تک نہیں مرتے اس لئے اُنہوں نے حضرت عیسےٰ کے جلدی مر جانے کو بھی ایک معجزہ قرار دیا اور جی اُٹھنے کو بھی ایک معجزہ قرار دیا!!!۔ اُوریجوس نے (جو تیسری صدی عیسوی کے مشائخ میں تھے) تفسیر انجیل متی میں ایسی دفعی موت کو ایک معجزہ قرار دیا ہے۔ کئی مثالیں اس قسم کی معلوم ہوئی ہیں کہ اشخاص مصلوب کو موقع سے اُتار کے مجرب دواؤں سے معالجہ کیا اور وہ زندہ رہے +

چنانچہ ہیروڈوطس مورخ رومی اپنی تاریخ کی کتاب ۷ باب ۱۹۴ میں لکھتا ہے کہ سندکیس جو کہ صوبہ ایولیس کے شہر کیمی میں حاکم تھا جبکہ وہ بادشاہی قاضیوں میں سے ایک قاضی تھا تو اُس کو

دارا بادشاہ نے رشوت ستانی کے جرم میں مصلوب کر دیا تھا مگر درانحالیکہ وہ صلیب پر لٹکا ہوا تھا
دارا کو خیال آیا سند وکیس کی عمدہ خدمتیں بہ نسبت اِس امر کے جرم کے زیادہ ہیں اور کہا کہ میں نے
جلدی میں حکم دیدیا اور اُسی وقت حکم دیا کہ اس کو صلیب پر سے اُتار کے رہا کر دو پس سند وکیس
اس طرح دارا کے ہاتھ سے موت سے بچ رہا۔ اور یوسیفس یہودی مورّخ نے جو پہلی صدی عیسوی
میں تھا اپنی سوانح عمری کی دفعہ ۷۵ میں لکھا ہے کہ مجھے بادشاہ طیطوس قیصر نے ہزار سوار لے کر
قریالیوس کے ساتھ موضع ثقوا آ کے دیکھنے کو بھیجا کہ وہ جگہ فوج کے قیام کے لئے مناسب ہے یا نہیں
جب میں وہاں سے پلٹ کے آیا تو دیکھا کہ بہت سے قیدی مصلوب ہو گئے ہیں ان میں سے تین
آدمی میرے پہلے ملاقاتی نکلے اس بات سے میں بہت رنجیدہ ہوا اور آبدیدہ ہو کر بادشاہ کے
پاس جا کے عرض معروض کی بادشاہ نے فوراً حکم دیا کہ وہ مصلوب اُتار لئے جاویں اور ان کا
معالجہ کیا جاوے تاکہ وہ جی بچیں۔ اُن میں سے دو آدمی طبیبوں کے زیر معالجہ مر گئے مگر
تیسرا شخص بچ رہا +

بڑے سے بڑا قرینہ اُن کی یقینی موت کا یہی ہو سکتا ہے کہ یہود جو شدید دشمن تھے اور یہ سب کچھ
اُنہوں نے کیا وہ کیونکر بغیر قطعی اور یقینی قتل کئے باز آئے ہونگے یا اُنہوں نے کوئی دقیقہ اُٹھا رکھا
ہوگا مگر معلوم ہے کہ یہود کو اُس دن بہت تردد تھا وہ دن اُنکے یہاں روز عید فصح تھا اور اُس کے
تھوڑی دیر بعد سبت شروع ہونے کو تھا اور اُن کو خود اُس دن کسی فعل کے مباشر ہونیکی ممانعت تھی
وہ تو شاید صلیب گاہ پر بھی حاضر نہ تھے کیونکہ وہ اس مذہبی ممانعت سے کہ عید فصح کے دن کوئی کام نہ کرنا چاہئے
(کتاب خروج ۱۲/۱۶ لیویان ۲/۳ و ۲/۸) وہ لوگ پلاطس کے ایوان عدالت میں بھی داخل نہیں ہوئے تھے
اور عید کے باعث سے قربانیوں اور فطیری روٹیوں کی فکر میں تھے +

پس وہ تو ان شغلوں اور مذہبی اندیشوں اور شرعی مانعوں کی وجہ سے اسمیں کچھ اہتمام کر سکے +

(۱۶) کئی ایک قدیم فرقے عیسائی مذہب کے اس بات کے معتقد تھے کہ حضرت عیسیٰ قتل نہیں
ہوئے باسالیدیان اور سرن تھیان اور کورپوکری تیان وغیرہ عیسائی قدیم فرقے کہتے تھے کہ حضرت
عیسیٰ کی جگہ شمعون قرینی صلیب دیا گیا اور فرطیس نے (بطریق قسطنطنیہ نویں صدی) لکھا ہے کہ کتاب
سیلر الحواریلین جس میں بطرس یوحنا اندریو طامس اور پولوس کے حالات لکھے ہیں لکھا ہے کہ
حضرت عیسیٰ مصلوب نہیں ہوئے بلکہ ان کی جگہ کوئی اَور مصلوب ہوا۔ اور برنباس کی انجیل میں
لکھا ہے کہ یہودا اسخریوطی اُن کی جگہ مصلوب ہوا اور یہود کو یہ دعویٰ تھا کہ ہم نے یقیناً سنگسار
کر کے مصلوب کر دیا۔ مگر ان سب کے خیالات درست نہیں تھے اور قرآن نے ان کی تکذیب کی ہے
چنانچہ فرمایا ہے ان الذین اختلفوا فیه لفی شك منه مالهم به من علم الا اتباع الظن +

(۱۷) پس جبکہ ایک طرف حضرت عیسیٰ کی موت ثابت نہیں ہوئی اور دوسری طرف اُن کی لاش کا
قبر سے بہت جلد غائب ہوجانا ثابت ہے، تو اب کوئی اَور احتمال نہیں ہوسکتا مگر یہی کہ وہ قبر میں زندہ رکھے
گئے اور زندہ چلے گئے۔ ظن غالب ہے کہ اسی یوسف اور نقیدیموس نے اسباب میں کوشش کی
ہوگی۔ کیونکہ ان لوگوں کو یہ بات خوب ظاہر تھی کہ حضرت عیسیٰ پر موت طاری نہیں ہوئی کیونکہ
ایسی موت بالکل خلاف عادت تھی اُنہوں نے اپنی رسم کے موافق حضرت عیسیٰ کو نہلایا بھی نہ تھا
حالانکہ رومیوں یہودیوں اور مصریوں میں مردے کو نہلانے کی عام رسم تھی اور وہ جانتے تھے کہ وہ
فوت نہیں ہوئے اور یہ کہ اُن کو نکال لانے میں ایک معصوم نبی اور اولوالعزم رسول کی جان بچانی ہے
اور وہ دونوں اس میں کامیاب ہوئے۔ وَعَلَی اللّٰہِ اَجْرُہُم +

(۱۸) قرآن میں حضرت عیسےٰ کے مصلوب ہونیکے باب میں جو مضمون ہے اس کو ہمیشہ
عیسائیوں نے یہ سمجھا کہ وہ اُنہیں فرقوں سے لیا گیا ہے جو کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ کی جگہ کوئی دوسرا
آدمی مصلوب ہوا اور وہ الزام لگاتے ہیں کہ قرآن حقایق واقعی یعنی تاریخی واقعات کے خلاف
ہے مگر یہ اعتراض بیجا ہے۔ قرآن خود بتلاتا ہے کہ لوگ اس باب میں مختلف ہیں یعنی کوئی کہتا ہے کہ
حضرت عیسےٰ یقیناً صلیب پر مرے اور کوئی کہتا ہے کہ اُن کی جگہ دوسرا آدمی مارا گیا پھر کوئی کہتا
ہے کہ وہ شخص یوسف تھا اور کوئی کہتا ہے کہ یہودا تھا ان سب کی نسبت قرآن کہتا ہے ۔

ان الذین اختلفوا فیہ مالھم بہ من علم الا اتباع الظن +

پس قرآن نے تاریخی واقعات کو بھی ثابت رکھا اور سچی حقیقت بھی بیان کردی +

(۱۹) اب ہم ان مقدمات کے بعد قرآن کی اس آیت کی تفسیر لکھتے ہیں:۔

وقولھم انا قتلنا المسیح عیسیٰ ابن مریم رسول اللہ وما قتلوہ وما صلبوہ +

دو طرح سے آدمیوں کو مار ڈالنے کا دستور تھا ایک صلیب پر لٹکا رہنے دینے سے یہ سزا سنگین جرائم
کے مرتکبوں اور غلاموں کو دی جاتی تھی جو تین چار روز صلیب پر لٹکے ہوئے بھوک پیاس کی شدت اور
زخموں کے درد اور دھوپ کی تابش اور دوران خون کی سوء مزاجی سے مرجاتے تھے اور دوسری قسم دفعتاً
جان سے مار ڈالنے کی تھی اور وہ دو طرح سے تھی (۱) سنگسار کرنا اور (۲) تلوار سے قتل کرنا۔ اسلئے قرآن مجید
میں دونوں قسموں کی موت سے انکار ہوا ہے کہ نہ تو حضرت عیسےٰ کو پتھراؤ کر کے یا تلوار سے مارا اور نہ صلیب پر
چڑھا کے مارا۔ یہ بات یاد رہنی چاہیئے کہ یہود کا ایسا بیان ہے کہ پہلے حضرت عیسےٰ سنگسار کیئے گئے چنانچہ
یہود کی کتاب مشنا اور تالمود یروشلم اور تالمود بابل سنہدریم کے بیان میں ایسا ہی لکھا ہے (دیکھو اربنسط
رنیان کا تذکرہ مسیح باب ۲۵ ص ۲۸۴) اور عیسائیوں کا بیان ہے کہ وہ صلیب پر مارے گئے اس لئے
قرآن میں ان دونوں باتوں پر اشارہ ہے۔ ماقتلوہ وما صلبوہ۔ یعنی نہ قتل بذریعہ سنگساری ہوا اور نہ

قتل بذریعہ صلیب ہوا نہ یہ کہ وہ مطلق صلیب پر چڑھائے ہی نہیں گئے۔ کیونکہ مطلق صلیب کی نفی کچھ مفید نہیں ہے کیونکہ صلیب پر ہاتھوں میں میخ ٹھوکنے اور پیر باندھ دینا اور پھر تین گھنٹے بعد اُتار لینا مار ڈالنے کو کافی نہیں ہے بلکہ تصلیب کی نفی سے صلیبی مَوت کی نفی مراد ہے +

(۲۰) ولکن شبہ لہم۔ مگر صورت بنا دی گئی اُن کے لئے یعنی موت کی صورت بنا دی گئی اس طور کہ حضرت عیسےٰ اُن لوگوں کو جو صلیب کا اہتمام کر رہے تھے مردہ نظر آئے کیونکہ وہ تمام شب کے جاگنے اور صدمات کی برداشت اور میخوں کی اذیّت سے غشی یا بیہوشی میں آگئے تھے اس سے اُنھوں نے سمجھا کہ یہ مر گئے مگر چونکہ اِس وقت موسم اچھا تھا یعنی ابر چھا رہا تھا۔ (متی $\frac{۲}{۴۴}$ ۲۷، مارق $\frac{۱}{۵۴}$ ۱۵، لوق $\frac{۲۳}{۴۴}$) دھوپ کی تکلیف نہ تھی اور پھر وہ جلدی ہی اُتار لئے گئے تھے اس وجہ سے زیادہ صدمہ نہیں پہنچا +

(۲۱) حشویہ اور عامہ مفسّرین نے اس جملہ کی تفسیر میں یہ معنی لگائے ہیں کہ حضرت عیسےٰ کی صورت ایک اور شخص پر القا کی گئی یہ محض ایک سفسطہ ہے ورنہ ہم اپنے مخاطبوں یا مخالفوں کو ایسا ہی سمجھ سکتے ہیں کہ جب ہم اُن میں ایک شخص مخصوص کو دیکھیں اور وہ در اصل وہ نہ ہو بلکہ کسی اَور کی صورت اُس پر القا ہوئی ہو۔ اور اس سے تو معاملات پر سے اعتبار جاتا رہتا ہے اور نکاح و طلاق و ملک پر وثوق نہیں رہتا۔ اگر ہم شبہ کو مسیح کی طرف مسند کرتے ہیں جیسا کہ عامہ مفسرین کرتے ہیں تو یہ غلط ہے کیونکہ وہ مشبہ بہ ہیں نہ کہ مشبہ اور اگر اس خیالی اور غیر واقعی شخص کی طرف جو مقتول ہوا بتلاتے ہیں مسند کرتے ہیں تو اس کا کچھ ذکر قرآن میں نہیں ہے +

(۲۲) وان الذین اختلفوا فیہ لفی شک منہ مالہم بہ من علم الا اتباع الظن +

اور جو لوگ اس میں یعنی اُن کی صلیبی موت کی نسبت کئی باتیں نکالتے ہیں وہ اِس جگہ شبہ میں پڑتے ہیں اور کچھ نہیں اُن کو اُس کی خبر مگر اٹکل پر چلنا +

ہم نے دفعہ ۱۴ میں بیان کیا ہے کہ یہ اختلاف کیا تھا۔ یعنی ایک تو یہود کا قول کہ ہم نے قتل کیا دوسرے عام عیسائیوں کا عقیدہ کہ وہ قتل ہوئے تیسرے فرقہ باسالیدیان اور سرن تہیان کا قول کہ اُن کی جگہ یوسف شمعون قتل ہوئے چوتھے فرقہ کا قول کہ اُن کی جگہ یہوداسخریوطی قتل ہوا ان سب کو قرآن نے فرمایا ہے کہ اٹکل پر چلتے ہیں اس میں سے کسی بات کا اُن کو قطعی علم نہیں ہے چنانچہ حضرت مسیح کا صلیب پر نہ مرنا تو ہم نے مقدمات ۷، ۸، و ۹ میں ثابت کیا ہے اور کسی اَور کا اُن کی جگہ مصلوب ہو جانا ایک بے ثبوت بات ہے اور قراین اسکے خلاف ہیں۔ کیونکہ شمعون قرینی بعد میں عرصہ تک زندہ رہا اور عیسائیوں کی جماعت میں شامل اور شریک رہا۔ اور یہودا اسخریوطی کا حال بھی معلوم ہے کہ وہ بعد میں مرگیا +

(۲۴۳) وما قتلوہ یقیناً - اور اس کو اچھی طرح سے قتل نہیں کیا یعنی جیسا قتل کرنیکا حق تھا ویسا قتل نہیں کیا یا یقیناً قتل نہیں کیا اور کیونکر وہ یقیناً قتل ہو سکتے تھے حالانکہ وہ صرف تخمیناً تین گھنٹے صلیب پر رہے اور وہ موت کے لئے کافی نہیں ہے +

(۲۴۴) بل رافعہ اللہ الیہ - بلکہ خدا نے اُن کو اپنی طرف اُٹھالیا۔ خدا کی طرف جانا یا اُٹھالیا جانا ایسا ہی ہے جیسے حضرت ابراہیم نے فرمایا انی ذاھب الی ربی (صافات ۹۷) اور مہاجروں کی نسبت کہا ومن یخرج من بیتہ مھاجراً الی اللہ (نسا ۱۰۱) +

یہ بات تعظیم و تشریف و تفخیم کے طور پر کہی جاتی ہے نہ یہ کہ وہ درحقیقت آسمان کی طرف کو بادلوں میں اُڑتے ہوئے نظر آئے اور کسی آسمان پر جا بیٹھے ان باتوں کی ہمارے ہاں کچھ اصل نہیں ہے[۵۱] بعد میں حضرت عیسےٰ یقیناً مر گئے جس کی خبر قرآن مجید میں دوسری جگہ دی گئی ہے اذ قال اللہ یا عیسیٰ انی متوفیک ورافعک الی (آل عمران ۴۸) جس کی تفسیر میں مفسرین نے بہت کچھ پس و پیش کیا ہے بلکہ اُس کو بالکل اُلٹ دیا ہے وہ یوں پڑھتے ہیں - رافعک الی ومتوفیک - مگر اصلی قرآن کی تو یہ عبارت نہیں ہے اگر مفسرین نے کوئی قرآن بنایا ہو تو اُس میں ہو گی - پھر دوسری جگہ اور بھی صاف ہے - فلما توفیتنی کنت انت الرقیب علیہم (مائدہ ۱۱۷) کہ حضرت عیسیٰ جناب باری سے عرض کرینگے کہ جب تو نے مجھے وفات دی تب تو ان پر نگہبان رہا ان دونوں آیتوں میں وفات کا ذکر ہے اور یہ موت کی دلیل ہے اللہ یتوفی الانفس حین موتہا (زمر ۴۳) پس اُن کی وفات کی خبر بہت صاف ہے مگر یہ بات کہ وہ کب مرے اور کہاں مرے معلوم نہیں جیسے کہ حضرت مریم کا حال پھر کچھ نہ معلوم ہوا حالانکہ حضرت عیسےٰ نے اُن کو یوحنا حواری کے سپرد کیا تھا اور یوحنا حواری صاحب تصنیفات بھی تھے پھر بھی کچھ حال اُن کا نہیں لکھا اور حضرت مسیح تو دشمنوں سے پوشیدہ دور کے دیہات میں چلے گئے تھے +

واقعہ صلیب کے متعلق عام عیسائیوں کی اور جو کچھ دلیلیں ہیں وہ پھر کبھی بحث میں آوینگی +

---

[۵۱] صحیح بخاری کی ایک روایت جو کتاب بدءالخلق باب ذکر الملائکہ میں ہے اس میں بضمن قصہ معراج یہ مضمون ہے کہ حضرت عیسیٰ و یحییٰ دوسرے آسمان پر ملے - مگر یہ روایت تو بہت ہی مشتبہ ہے - ہدبہ راوی کی نسائی صاحب نے تضعیف کی ہے اور ہمام راوی کو کبھی کبھی حدیث بیان کرنے میں وہم ہو جاتا تھا اور خلیفہ راوی کبھی کبھی روایت حدیث میں خطا کرتا تھا اور سعید راوی شدت سے تدلیس کیا کرتا تھا اس کی عقل مختلط ہو گئی تھی اور ہشام راوی بھی کبھی کبھی تدلیس کرتا تھا اور انس راوی نے مالک بن صعصعہ سے جو قصہ معراج روایت کیا ہے اس میں عنعنہ ہے اور مالک قدیم زمانہ میں مر گئے (شاید انس سے ملاقات ہونے سے پہلے) اور نیز مالک نے ارسال کے طور پر وہ روایت بیان کی ہے +

ان راویوں کا حال کتب رجال میں ملیگا خصوصاً علامہ ابن حجر عسقلانی کی کتاب تقریب التہذیب مطبوعہ دہلی ۱۲۷۱ھ میں یہ باتیں ملینگی +

الخطبات الاحمدیہ فی العرب والسیرۃ المحمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم

اس کتاب میں ایک دیباچہ اور بارہ خطبے شامل ہیں۔ دیباچہ میں بحثیں ہیں، مذہب کیا چیز ہے؟ سچے مذہب کے پرکھنے کا سچا اصول کیا ہے؟ اسلام صحیح طور پر کن احکام کا مجموعہ ہے۔ اُن کتابوں پر بحث جو عیسائی اور مسلمانوں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے حالات پر لکھی ہیں۔ سر ولیم میور کی کتاب لائف آف محمد کا ذکر جس کے جواب میں یہ کتاب لکھی گئی ہے ٭

خطبہ اوّل۔ عرب کا جغرافیہ، عرب کے قبائل اور سلاطین پر محققانہ بحث، لفظ سراسن کی تحقیق، حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسمعیل کے حالات پر محققانہ بحثیں، حضرت ہاجرہ کی حُریت پر بحث ٭ **خطبہ دوم**۔ عرب جاہلیت کے رسوم و عادات، بت پرستی، حجر اسود اور خانہ کعبہ کا ذکر، زمانہ جاہلیت میں رسوم ازدواج ٭ **خطبہ سوم**۔ عرب جاہلیت کے ادیان پر بحث نہایت تفصیل سے، اسلام کی مناسبت دیگر الہامی مذاہب سے ٭ **خطبہ چہارم**۔ اسلام انسان کیلئے رحمت اور تمام انبیا کے مذاہب کی پشت و پناہ ہے، اسلام انسانی تمدن کے موافق ہے، کثرت ازدواج، طلاق اور غلامی پر محققانہ بحثیں، یہودیوں اور عیسائیوں کے مذہب کو اسلام سے کیا فائدہ پہنچا ٭ **خطبہ پنجم**۔ مسلمانوں کی مذہبی کتابوں پر محققانہ بحث ٭ **خطبہ ششم**۔ مذہبی روایتوں کے معتبر ہونے پر مدلل بحث ٭ **خطبہ ہفتم**۔ قرآن مجید کی جمع و ترتیب اور نزول پر بحثیں ٭ **خطبہ ہشتم**۔ خانہ کعبہ کی مفصل تاریخ ٭ **خطبہ نہم**۔ آنحضرت کے نسب نامہ پر محققانہ بحث، شجرہ نسب آنحضرت مع شجرہ نسب مصنف کتاب ٭ **خطبہ دہم**۔ بشارات نسبت آنحضرت کے جو توریت و انجیل میں ہیں ٭ **خطبہ یازدہم**۔ روایات شق صدر اور معراج کی تحقیق ٭ **خطبہ دوازدہم**۔ جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے بارہ برس تک کے حالات ٭

اس کتاب کے شروع میں مرحوم سرسید کی رنگین عکسی تصویر بھی ہے یہ کتاب نہایت خوشخط اور اعلیٰ درجہ کے کاغذ پر طبع کی گئی ہے ٭

قیمت بلا جلد (عہ) **قیمت** مجلد (سہ؍)

احکام طعام اہل کتاب

مسلمانوں کو یہود اور نصاریٰ کے ساتھ کھانا کھانے کے واسطے اسلامی احکام میں سرسید مرحوم نے نہایت معتبر احادیث اور قرآن پاک کی آیات جمع کر کے اس کی بحث کی ہے جو نہایت خوبی سے اس بات کو ثابت کیا ہے کہ قرآن پاک اور نبی عرب علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہمیں اس معاملہ میں کیا تعلیم دی ہے ٭ قیمت ۶؍

سرسید کے آخری مضامین

یہ وہ عالی قدر اور مقدس مضامین ہیں جو مرحوم سرسید نے ابتدائے یکم شوال ۱۳۱۴ھ لغایت ۱۵ ذیقعدہ ۱۳۱۵ھ تک نہایت افسوس کے ساتھ لکھے اور آخر کا مضمون لکھتے لکھتے ہی ہم سے دائمی مفارقت کر کے اپنے مالک حقیقی کی طرف تشریف لے گئے۔ راقم کو اس خیال سے کہ یہ گوہر بے بہا ضایع نہ ہو جاویں نہایت تلاش اور تجسس سے جمع کر کے طبع کرائے۔ یہ مضامین اسی قوم کے نام نامی پر معنون کئے جس کے واسطے وہ جگر گوشہ بتول آل رسول عمر بھر سر توڑ کوشش کرتا رہا۔ وطن سے بے وطن ہوا، خویش و بیگانے اپنے بیگانے کا مدت تیر ملامت بنا، سختیاں سہتا رہا، بُری بول سنتا رہا، کبھی سودائی بنا کبھی مجنوں، پر حرف شکایت لب تک نہ لایا۔ کہا تو یہی کہا کہ رب اھد قومی انھم لا یعلمون قوم کی یاد میں جیا، قوم کی دھن میں مرا اور حب قومی کے شغف میں فنافی القوم کے درجے کو پہنچا۔ اب میں دیکھتا ہوں کہ وہ قوم اس عنونہ کی کہاں تک قدر کرتی ہے ٭ قیمت ۔ ۔ ۔ ۔ عہ

الدعاء والاستجابۃ

اس رسالہ میں دعا اور اُسکے مقبول ہونے کی حقیقت بیان کی گئی ہے اور قرآن شریف سے تمام آیتیں یک جا جمع کر دی گئی ہیں اور نہایت محققانہ بحث ہے ٭ قیمت ۲؍

خلق الانسان

نئے فلسفہ دانوں نے انسان کی پیدائش کے متعلق آج کل کی نئی تحقیقات سے ثابت کیا ہے کہ انسان کیڑے سے پیدا ہوا ہے۔ لیکن آج سے تیرہ سو برس پہلے مسلمانوں کی پاک کتاب اس بات کو دنیا پر روشن کر چکی ہے۔ اسی مضمون کو سرسید نے قرآن سے لیکر نہایت فصاحت کے ساتھ لکھا ہے اور نئے فلسفہ دانوں کا خوب جواب دیا ہے اس کا مطالعہ ہر فرد بشر کیلئے ضروری ہے ٭ قیمت ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۲؍

النظر فی بعض مسائل الامام الہمام ابو حامد امام محمد غزالی علیہ الرحمۃ

اس میں آٹھ رسالے شامل ہیں جنمیں امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کے بعض مضامین پر محققانہ بحث کی گئی ہے جو ان کی کتابوں "المضنون بہ علی غیر اہلہ" "المضنون الصغیر" "المنقذ من الضلال" "الاقتصاد فی الاعتقاد" "التفرقہ بین الاسلام والزندقہ" وغیرہ سے لئے گئے ہیں' پہلے رسالہ میں خدا کی ذات پر بحث ہے' دوسرے رسالہ میں امام صاحب کی واردات قلبی کا بیان ہے' تیسرے رسالہ میں فلاسفہ کی اقسام اور ان کے علوم پر بحث کی گئی ہے' چوتھے رسالہ میں روح کی حقیقت پر بحث ہے' پانچویں رسالہ میں لوح و قلم کے معنوں کا بیان ہے' چھٹے رسالہ میں صراط اور میزان کے معنوں پر بحث ہے' ساتویں رسالہ میں ملائکہ جن اور شیاطین کی حقیقت پر بحث ہے' آٹھویں رسالہ میں امام صاحب کے رسالہ التفرقہ بین الاسلام والزندقہ پر ریویو ہے' جس میں اس امر پر بحث کی گئی ہے کہ کن باتوں سے تکفیر ہو سکتی ہے اور کن باتوں سے نہیں + قیمت ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۸ر

فضائل الامام من رسائل حجۃ الاسلام

یعنی مکاتبات حضرت امام محمد الغزالی رحمۃ اللہ علیہ کے جو اُن کی وفات کے بعد امام صاحب کے چھوٹے بھائی امام احمد الغزالی نے جمع کئے اور جن کو سرسید مرحوم نے نہایت کوشش سے ترتیب دیا اور صحت کے ساتھ مرتب کیا اور بعض مقامات پر نہایت دلچسپ بحث بھی کی ہے + قیمت ۸ر

الجن والجان علیٰ ما فی القرآن

اس کتاب میں لفظ جن اور انس پر بحث کی گئی ہے کہ آیات قرآن شریف میں جو یہ لفظ استعمال ہوئے ہیں انکے کیا معنے کئے جانے چاہئیں اس مضمون کے متعلق قرآن شریف کی تمام آیات جمع کر کے اور ماہیت لفظوں کی موقع بموقع اور جائے استعمال اور صرف نحو کے لحاظ سے نہایت مدلل بحث کر کے بعد اصل حالات لکھے ہیں + قیمت ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۵ر

ازالۃ الغین عن ذکر ذوالقرنین

سکندر ذوالقرنین کے حالات کے متعلق اور یاجوج ماجوج اور سد یاجوج ماجوج اور سد گریٹ وال اور حالات جو وانگ ٹی' ذکر تاریخ چین' چین کا رکن اور بنائے دیوار وغیرہ وغیرہ کے متعلق ہے سرسید احمد خان صاحب نے قرآن سے یہ مضمون لیکر نہایت ہی اصلی حالات لکھے ہیں ۔ اس کتاب کے تین آیات قرآنی اور ترجمہ مع ازدیاد مصنف کے ہے اور حاشیہ پر تفسیر کبیر عربی ہے + قیمت ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۵ر

تحریر فی اصول التفسیر

اس کتاب میں جناب نواب محسن الملک مولوی سید مہدی علی صاحب اور سرسید احمد خاں صاحب مرحوم کی خط و کتابت بابت تفسیر قرآن مرتبہ سرسید احمد خاں ہے نواب صاحب کو جس جگہ شبہ ہوا ہے یا انہوں نے جائز نہیں سمجھا اعتراض کئے ہیں' سرسید نے بھی تسلی کیلئے جواب لکھے ہیں۔ انہوں نے پھر جواب در جواب لکھا ہے ۔ غرضیکہ عجیب و غریب سلسلہ بحث ہے اس کے ساتھ سرسید احمد خاں نے مقاصد تفسیر لکھے ہیں ۔ جس شخص نے سرسید کی تفسیر پڑھی ہے ۔ اُس کا فرض ہے کہ اس رسالہ کا ضرور مطالعہ کرے تاکہ تفسیر میں اصل کیا ہے معلوم ہو جائے + قیمت ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۵ر

ترقیم فی قصۃ اصحاب الکہف والرقیم

اس رسالہ میں اصحاب کہف کے قصہ پر جو قرآن مجید میں ہے نہایت متانت اور سنجیدگی سے محققانہ بحث کی گئی ہے + قیمت ۵ر

المشتہران

ملک فضل الدین ملک چنن الدین ملک تاج الدین تاجران کتب قومی منزل نقشبندیہ
کوچہ ککے زیاں بازار کشمیری لاہور

جلد چہارم

تہذیب الاخلاق

یعنی مجموعہ مضامین

جناب نواب انتصار جنگ مولوی مشتاق حسین صاحب و

مسٹر سید محمود صاحب بیرسٹر ایٹ لا و

مولوی خواجہ الطاف حسین صاحب حالی و مولوی محمد ذکاء اللہ صاحب شمس العلماء و

فارقلیط صاحب

مندرجہ تہذیب الاخلاق ہفت سالہ

از ابتدائے سنہ ۱۲۸۷ ہجری لغایت سنہ ۱۲۹۳ ہجری مع دیباچہ

مرتبہ

ملک فضل الدین ملک چنن الدین ملک تاج الدین ککے زئی تاجران کتب

نقشبندیہ منزل کوچہ ککے زئیاں و بازار کشمیری

لاہور

دیباچہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تہذیب الاخلاق کی اشاعت کی ضرورت

جن لوگوں نے خواجہ نصیر الدین طوسی کی کتاب اخلاق ناصری پڑھی ہے وہ اس بات کو خوب جانتے ہیں کہ تہذیب الاخلاق کیا کتاب ہے اور حکمائے کرام و علمائے عظام کی مجلس میں وہ کس عزت اور عظمت کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہے۔ لیکن جن لوگوں کو اخلاق ناصری کے دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا ہم اُن کو بتائے دیتے ہیں۔ کہ آج سے قریباً نو سو برس (۹۰۰) پیشتر ترکستان کے شہر رَے میں جو ایک حکیم فاضل اور استاد کامل ابو علی مسکویہ خازن رازی گزرا ہے۔ یہ اُس کی تصنیف ہے۔ اس کتاب نے مضامین کی عمدگی۔ بیان کی خوبی۔ زبان کی اسلوبی کی وجہ سے ایسا حسن قبول حاصل کیا تھا۔ کہ خواجہ نصیر جیسے شخص نے جو اپنے زمانہ کا ایک نامور عالم اور مشہور فاضل تھا۔ جب قہستان کے حاکم امیر ناصر الدین عبد الرحیم کی پاس خاطر کتاب اخلاق ناصری مرتب کی تو فن اخلاق کے متعلق صرف اسی کتاب کے ترجمہ پر اکتفا کیا اور کسی جدید کتاب کے تصنیف کرنے کی ضرورت نہ سمجھی +

جس زمانہ میں یہ کتاب تصنیف ہوئی۔ اسلامی سلطنت کا آفتاب نصف النہار پر چمک رہا تھا گھر گھر علم و فضل کا چرچا تھا۔ رعایا اُس کو ترقی مدارج کا ذریعہ سمجھتی تھی۔ حکام اپنی سلطنت کی زیب و زینت کا باعث تصور کرتے تھے۔ اَور تو اَور صرف ابو علی سینا اور ابو ریحان بیرونی اس حکیم کے ہمعصروں میں دو ایسے باکمال ہو گزرے ہیں جن کا نام ایشیا اور افریقہ کی اسلامی قوموں میں عموماً اور یورپ کے تہذیب یافتہ ملکوں میں خصوصاً نہایت عزت اور توقیر کے ساتھ لیا جاتا ہے۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ فاتح اور

مفتوح قوم کی زبان - تمدن - معاشرت - علوم وفنون - حرفت وصنعت میں کسی قسم کی مغائرت نہ تھی
اس واسطے حکیم مذکور نے اس امر کو کافی سمجھا کہ وہ اپنی کتاب میں صرف نفس ناطقہ کی صفات سے
بحث کرے اور اُسکے فضائل اور رذائل کے بیان سے اُس کو مکمل کرے - لیکن اگر ابو علی ہمارے زمانہ
میں ہوتا اور دیکھتا کہ فاتح اور مفتوح قوم کی زبان میں اختلاف - دونوں قوموں کے تمدن اور معاشرت
کا طریق جُدا - ایک قوم کے علوم وفنون دوسری قوم کے علوم وفنون کے مقابلہ میں مثل تقویم پارینہ -
حرفت اور صنعت کا یہ حال کہ تکلفات کی چیزیں تو بجائے خود رہیں - چاقو قینچی بلکہ سوئی دھاگہ تک جو
ہمارے روزمرہ کے استعمال کی چیزیں ہیں ہم اُس میں غیر قوموں کے محتاج - تو کیا ان حالات پر ممکن
تھا کہ وہ علاوہ مضامین مذکورہ بالا کے ایسے مضامین درج نہ کرتا جو قوم کو تاریکیٔ جہالت کے تنگ
گڑھے سے نکلنے اور ترقی کے نورانی میدان میں قدم رکھنے کا ذریعہ ہوتے +

خدا کا شکر ہے کہ جب ایسی کتاب کی ضرورت پیش آئی تو اُس نے اپنے فضل وکرم سے ہمارے
زمانہ کے مناسب حال ایک اور ابو علی کو پیدا کر دیا - جو رسائیٔ عقل اور صفائی ذہن کے باعث قوم
کی ضروریات سے - زمانہ کی رفتار سے - ترقی کے موانعات اور اُسکی اصلاح کی تجاویز سے ایسا ہی آگاہ
ہے جو ایک مصلح قوم اور بہی خواہ ملک کو ہونا چاہیئے - وہ کون ؟ آنریبل ڈاکٹر سر سید احمد خاں
بہادر کے - سی - ایس - آئی - ایل ڈی - اس مرد خدا نے جب سے دنیاوی
زندگانی میں قدم رکھا - اور قوم کی موجودہ حالت کو دیکھکر معلوم کیا کہ یہی قوم ہے کہ ایک زمانہ میں
علم وفضل - حرفت وصنعت تجارت وحکمرانی میں ترقی کر کے اعلےٰ درجہ پر پہنچی ہوئی تھی یا اب یہی قوم
ہے کہ ترقیات کو اُس سے ایسی مغایرت ہے جو ایمان کو کفر سے - یا نور کو ظلمت سے - یا آبادی کو
ویرانہ سے - تو ان حالات سے اُس کا جی بھر آیا - اور ہمہ تن اُس کی حل مشکلات میں مصروف
ہو گیا - اور جو کچھ ہو سکتا تھا برسوں اُس پر سوچا کیا - دل اور دماغ سے - قلم اور زبان سے - مال اور
جان سے جو مدد مل سکتی تھی وہ ساری اُس پر صرف کری - اور آخر کو ایک سوسائٹی قائم کی - اخبار
جاری کیا - علمی کتابوں کے ترجمے کرا کر شائع کیے - مگر جب تھوڑے عرصہ کے تجربہ سے اُس کو
معلوم ہو گیا کہ یہ تدبیریں موجودہ حالات کے لحاظ سے غیر تسلی بخش اور ناکافی ہیں تو فاتح قوم کے
عروج اور اقبال مندی کا زندہ نمونہ دیکھنے کے واسطے لندن تک کا سفر اختیار کیا - اس کے حالات
کو نظر عبرت سے دیکھا - اُن کی ترقی کے اسباب کو جانچا - پھر ان سب اسباب کا موازنہ اپنی قوم
کے حالات سے کیا - اور اس تمام ترسفر کا نتیجہ یہ نکالا کہ " جو قوم دوسری قوم کے ماتحت

رہکر ترقی کرنا چاہے - عزت اور آرام سے زندگی لبسر کرنے کی خواہشمند ہو - غیر قوموں کے سامنے اولوالعزمی کا پھریرا بلند کرنا اُس کے مدنظر ہو اُس کو لازم ہے کہ فاتح قوم کی زبان اور اُن علوم کو سیکھے جو دنیا میں مفید اور بکار آمد ہوں - اور ایک قومی دارالعلوم قائم کرے جو اس ضرورت کے انصرام کا کفیل ہو +

اَبْ اس بزرگوار نے ہندوستان میں واپس آکر چاہا کہ جو تجارب عظیمہ اس لمبے چوڑے سفر میں حاصل کئے ہیں - قوم کو اُن سے آگاہ کرے - مگر قوم کو دیکھا کہ قومی سلطنت کا سایہ اُٹھ جانے سے علوم وفنون کی تحصیل چھوڑ بیٹھنے سے اُس پر ادبار چھاگیا ہے - خواب غفلت میں پڑی اینڈرہی ہے - نہ سرسری پکار سے اُس کی آنکھ کھلتی ہے اور نہ معمولی جھنجوڑے سے کروٹ بدلتی ہے - تب ایک شیریں کلام - بلند آواز - ان تھک طبیعت کو اُس پر متعین کیا - اس کی سریلی آواز میں وہ غضب کی طاقت تھی کہ جس دل میں گئی جادو کی طرح اثر کرگئی - جس گھر میں پہنچی مقناطیس کا کام کر دکھایا - سوتوں کو جگادیا - سستوں کو ہوشیار کردیا - مردہ تنوں میں روح پھونک دی - زندہ دلوں کو روح القدس کا اثر عطا کیا - وہ شیریں کلام کون تھا؟ مقدس تہذیب الاخلاق - جس کی اشاعت کا انتظام درپیش ہے +

آہا! یہ وہی تہذیب الاخلاق ہے :-

جس نے مسلمانوں کی حسن معاشرت کا بیڑا اُٹھایا +

جس نے اسلامیوں کے اصلاح تمدن کا بارگراں اپنے ذمہ لیا +

جس نے پاک مذہب سے رسم ورواج کے اوہام باطلہ کو دُور کردیا +

جس نے دنیا کو بتادیا کہ سچا اسلام ہر قسم کی دینی ودنیاوی ترقیات کرنے کو بہمہ وجوہ آمادہ ہے +

جس نے غیر مذہب والوں پر ثابت کردیا - کہ اسلام ہی وہ مذہب ہے جو انسانی فطرت کے مطابق ہے +

جس نے عام وخاص پر ظاہر کردیا - کہ مصلحان بنی آدم میں سے جس کی شریعت دنیا کی زندگی کے ساتھ وابستہ ہے وہ نبی عرب محمد صلعم کی ذات بابرکات ہے +

ہاں کتاب تو ایسی ہی ہے - مگر اب کہاں - کچھ تو پہلے ہی گنتی کے نسخے چھپا کرتے تھے - اور اَبْ بیس برس کی مدت نے اُس کو اَور نایاب کردیا - اگر کہیں اتفاقیہ کتبی ہوئی مل بھی جائے - تو پھر

عام کو اُس کی خریداری اور نفیس طبائع کو اُس کی گرانباری۔ متعذر۔ غریب آدمی عہ۱۸ روپیہ کہاں سے لائے۔ اور امیر آدمی اُس کی سات جلدوں کی ورق گردانی کا کس طرح متحمل ہو۔ پس سہولت اس کی مقتضی ہوئی ہے۔ کہ کُل اولڈ اڈیشن (عہد عتیق) پانچ حصوں میں شایع کیا جائے اور ہر حصہ کی قیمت دو روپے عہ۲ قرار پاوے۔ ترتیب مضامین کے لحاظ سے تفصیل حصص یوں ہے:۔

پہلے حصہ میں نواب محسن الملک محسن الدولہ مولوی سید مہدی علی خاں صاحب بہادر منیر نواز جنگ کے مضامین۔ قیمت تین روپیہ (عہ۳) +

دوسرے حصہ میں عالیجناب آنریبل ڈاکٹر سر سید احمد خاں صاحب بہادر کے۔ سی۔ ایس۔ آئی کے کُل مضامین۔ قیمت تین روپے (عہ۳) +

تیسرے حصہ میں نواب اعظم یار جنگ مولوی محمد چراغ علی خاں صاحب بہادر مرحوم کے مضامین۔ قیمت (عہ۲ عہ) +

چوتھے حصہ میں نواب انتصار جنگ مولوی مشتاق حسین۔ سید محمد محمود۔ مولوی الطاف حسین حالی۔ فارقلیط اللہ۔ شمس العلماء مولوی محمد ذکاء اللہ وغیرہ صاحبان کے مضامین۔ قیمت (۲۔۱۲۔۰) +

خادم قوم

خاکسار ملک فضل الدین ککے زئی تاجر کتب قومی و مالک اخبار اشاعت

لاہور۔ بازار کشمیری

مضامین مولوی مشتاق حسین صاحب انتصار جنگ بہادر

ہیئت جدیدہ

ہیئت جدیدہ اور معجزہ قرآنی

جس وقت ماہیت موجودات سے بحث کی جاتی ہے اُس وقت میں یہ کہنا بالکل فضول ہوتا ہے کہ متقدمین نے اُسکی نسبت ایسا اور ایسا کہا ہے خواہ اُن متقدمین میں کوئی بڑے سے بڑا حکیم اور نہایت سے نہایت دانا ہی آدمی کیوں نہ ہو علیٰ ہذا القیاس ایسے مقام پر نہ کسی مفسر کا قول معتبر ہو سکتا ہے نہ کسی محدث کا اور جبتک علم مناظر اور مرایا کے ذریعہ سے اشیائے موجودہ کی حقیقت کو ثابت یا باطل نہ کر دیں تب تک لب ہلانیکا موقع بھی نہیں ملتا اور یہ ایک ایسا مسلمہ اصول ہے کہ متقدمین اور متاخرین اہل اسلام رضی اللہ تعالےٰ عنہم اجمعین کا عملدرآمد برابر اسی پر چلا آیا یہاں تک کہ اگر بعض آیات قرآن شریف اور احادیث کے ظاہری اور لغوی معنی بادی النظر میں اُن کو صور محسوسات اور موجودات کے خلاف معلوم ہوئے تو اُنھوں نے ان آیات اور احادیث کی تاویل ہی کی اور یہ نہ کہا کہ نہیں جناب باری نے یوں فرمایا اور حدیث میں یہ آیا ہے اسلئے کہ ایسا کہنے میں اُن لوگوں کی نظروں میں جو موجودات کی ماہیئت کو اچھی طرح تحقیق کرنا چاہتے ہیں مذاہب اسلام کا ضعف ثابت ہوتا اور چونکہ اعمال کا ثمرہ نیت پر منحصر ہے اور اُن تاویل کرنیوالے مصنفوں کی نیت نہایت نیک تھی اسلئے خدا سے اُمید ہے کہ اگر کوئی غلطی بھی اُن سے کسی تاویل میں ہوئی تو اُس پر اُن سے مواخذہ نہ ہوگا +

لیکن چند روز ولسے ہندوستان میں ہمارے مسلمان بھائیوں کا ایسا حال ہوگیا ہے کہ جو بات کسی مفسر یا محدث یا فقیہ نے خود اپنی رائے اور اپنے قیاس سے کسی کتاب میں لکھدی گو یا وہ کیسی ہی ضعیف کیوں نہ ہو اور گو زمانہ حال کی تحقیقاتوں کے لحاظ سے وہ کیسی ہی خلاف قیاس کیوں نہ ہو اور گو اور مفسرین اور محدثین و غیرہ نے اُس سے اختلاف ہی کیوں نہ کیا۔ مگر مسلمانوں کی یہ جرأت نہیں ہوتی کہ کسی موٹی کتاب کی لکھی ہوئی بات کے خلاف کچھ کہہ سکیں اور رفتہ رفتہ اُن کی احتیاط نے یہاں تک اُن کو مجبور کیا کہ مولود شریف وغیرہ کتابوں کا لکھا ہوا بھی اُن کے ایمان اور اعتقاد کا ایک جزو ہوگیا کسی کی یہ ہمت نہیں ہوتی کہ اُسکے خلاف پر کچھ کہہ سکے اور اگر کسی نے ایسا ارادہ کیا تو بے تکلف

کفر اور الحاد کے فتوے اُس سے منسوب ہوتے ہیں +

ہم دیکھتے ہیں کہ الٰہیات کے علاوہ بہت ایسے علم ہیں کہ اُن کی تحقیقات اور تلاش اور صحت اور تکمیل کو خدا تعالےٰ نے بالکل انسان کی کوششوں پر ملتوی رکھا ہے مثلاً ہیئت اور طبعیات وغیرہ صدہا علم اسی قسم کے ہیں جن کے واسطے نہ آج تک کوئی نبی اُن کی تعلیم کے واسطے مبعوث ہوا نہ کوئی کتاب اس فن خاص میں خدا تعالےٰ نے آج تک کسی نبی پر نازل کی قرآن شریف میں یا حدیث میں ہیئت یا طبعیات کے متعلق کہیں کسی چیز کا نام آ گیا کہیں بر سبیل تذکرہ اور کہیں عام لوگوں کے فہم کے لائق کسی چیز کا کوئی مختصر بیان ہو گیا کہیں کوئی مجمل اشارہ کسی چیز کی طرف ہوا مگر حاشا کہ کسی مقام پر بھی اُن بیانات سے یہ بات مقصود بالذات مد نظر نہیں ہوئی کہ اُنکے ذریعہ سے عامہ خلایق کو ہیئت اور طبعیات کے علم کی تعلیم دیجاوے۔ کما قال اللہ تبارک و تعالیٰ۔ ویسئلونک عن الاھلہ یعنی اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) لوگ تجھ سے مہینوں کی حقیقت دریافت کرتے ہیں اور پھر فرمایا کہ قل ھی مواقیت للناس یعنی کہدے کہ مہینوں کے ذریعہ سے لوگ اپنے وقتوں کا حساب ٹھیک کر لیتے ہیں آج کسی ادنےٰ ہیئت دان سے اھلہ کی کیفیت دریافت کیجئے پھر دیکھئے کہ وہ کیسے زمین اور آسمان کے قلابے ملاتا ہے۔ حساب کے معاملہ میں پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اور اُس وقت میں اُس پر فخر کیا کہ ہم گنتی کو انگلیوں پر ٹھیک کر لیتے ہیں حاصل یہ ہے کہ اُس وقت میں حساب ریاضی اور طبعیات وغیرہ کی طرف کسی کو مطلق التفات بھی نہ تھا +

پس مسلمانوں کو مناسب ہے کہ اس نکتہ پر اچھی طرح غور کریں اور قرآن و حدیث کو ہیئت و ہندسہ اور طبعیات کیواسطے میدان مناظرہ نہ قرار دیں اور حقیقت موجودات کو گذشتہ منقولات سے باطل کرنیکے خیال خام میں نہ پڑیں۔ اور جو تاویلات مفسرین اور محدثین نے حقیقت موجودات کے باب میں وقت کی ضرورت سے کی تھیں اُن کو ہر وقت کی ضرورت کے لحاظ سے غور کی نگاہ سے دیکھیں اور جیسا اس میں شبہ نہیں کہ قرآن خدا کا کلام ہے ویسا ہی اس میں بھی شبہ نہیں کہ اللہ کا کلام کسی حقیقت نفس الامر کے خلاف بھی نہیں ہو سکتا اور بیشک مسلمان اگر تحقیق کو کام فرماویں تو اُن کو اس بات پر فخر کرنیکا موقع مل سکتا ہے کہ خدا تعالےٰ نے اپنے نبیؐ کے ذریعہ سے اُن پر کیسا کلام معجز نظام نازل کیا جس کا معجزہ ہر وقت میں تازہ ہے مندرجہ ذیل مثال سے اس دعوے کی بخوبی تصدیق حاصل ہوتی ہے +

جس وقت میں کلام اللہ نازل ہوا تمام دنیا میں یونانیوں کی ہیئت کے یہ مسئلے جاری تھے کہ ستارے آسمانوں میں جڑے ہوئے ہیں اور آسمانوں کی حرکت کے ساتھ ستاروں کو بھی گردش رہتی ہے چنانچہ ابتک بھی مسلمانوں کی عربی تعلیم میں وہی مرغی کی ایک ٹانگ پڑھائی جاتی ہے اور اُسی ستاروں کی حرکت تابع حرکت آسمان ہونیکے باب میں سینکڑوں لچر اور پوچ دلیلیں لائی جاتی ہیں اور جب کوئی نئی چال کا ستارہ

نیا دریافت ہوتا ہے اسکے لیئے ایک بڑا مجسم فلک بغیر دیکھے بھالے اور سمجھے بوجھے ماننا پڑتا ہے اور چونکہ زمانہ نزول قرآن میں کوئی شخص اس بات کا قائل نہ تھا اور نہ لوگ اس بات کو جانتے تھے کہ ستارے معلق ہیں اور ہر ایک انمیں سے جدا جدا دورہ طے کرتا ہے اسی واسطے قرآن شریف میں جہاں کہیں ستاروں کی گردش کا کوئی اتفاقیہ ذکر آگیا مفسرین نے اسکی تاویل اسی مروجہ ہیئت کی تطبیق کی نظر سے کی اور بمجبوری اس بات کو تسلیم کیا کہ ستاروں کی حرکت اس موقع پر ذاتی مراد نہیں بلکہ ان کی حرکت آسمانوں کی حرکت کے تابع ہے +

لیکن خدا غریق رحمت کرے مولوی عبدالقادر صاحب دہلوی کہ انھوں نے جب کلام اللہ کا ترجمہ لکھا اور اس مقام پر پہنچے وکل فی فلک یسبحون[1] - تو یہ لفظی ترجمہ تحریر فرمایا کہ ہر کوئی ایک ایک گھیرے میں پیرتے ہیں اور حاشیہ پر صاف یہ لکھا:-

"ستارہ ایک ایک گھیرا رکھتا ہے اسی اوپر تیرتا ہے معلوم ہوا کہ ستارے آپ چلتے ہیں یہ نہیں کہ آسمانوں میں گڑے ہیں اور آسمان چلتا ہے نہیں تو یہ نہ فرماتے" +

اور اس طرح پر تمام تفسیروں کو بالائے طاق رکھدیا اور یونانیوں کی ہیئت کے ایک بڑے حصہ کو اپنے خدا کے سچے کلام کے سامنے پس پشت ڈالدیا اور ان تمام مباحثوں کو بھی ختم کر دیا جو اس مقام پر ایک بیجا تاویل کے سبب سے استادوں اور طالب علموں میں پیش آتی ہیں اور اس بات کی ہرگز پروا نہ کی کہ مسلمان مجھکو اور مفسرین سے اختلاف کرنے کے باب میں کیا کہینگے +

اب اس بات سے قطع نظر کر کے کہ بطلیموس نے کیا کہا فیثاغورث کس طرف گیا بلکہ جناب باری کے کلام پر بغیر کسی تاویل کے نظر ڈالو تو کچھ شک نہیں رہتا کہ مولوی عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جو معنی اور مطلب اس مقام پر بیان کیا وہ آیت سے کیسی کچھ مناسبت رکھتا ہے بلکہ درحقیقت اسکے سوا اور کچھ معنی اس آیت کے ہو نہیں سکتے۔ اور یہ بات ظاہر ہے کہ یہ جدید ہیئت کہ تمام ستارے ایک ایک مرکز کے گرد گردش کرتے ہیں اور اپنا دورہ پورا کرتے ہیں اور ان کی حرکت کسی فرضی آسمان کے تابع نہیں ہے نزول قرآن سے بہت مدتوں بعد شائع ہوئی ہے تو یہ بات بہت صفائی اور استحکام کے ساتھ قائم ہوتی ہے کہ جو بات آج ہزاروں طرح کی دقتیں اٹھا کر اور مشکلات حل کر کے رصدگاہیں بنا کر آلات درست کر کر بڑی بڑی جانکاہیوں کے بعد انسان کو تحقیق ہوئی وہ ایک مدت دراز ہوئی جو خدا نے اپنے نبی برحق سے اور ان کے واسطہ سے تمام مسلمانوں سے صاف صاف ارشاد فرمادی تھی اور جسکی صحت اور اصلیت سے یونانیوں کی مغالطہ دہی کے سبب سے ہم ناواقف رہے پس یہ ایک بڑی سند اس بات کی ہے کہ جس خالق نے ستاروں کو اور انکی گردشوں کو پیدا کیا اسی کا یہ پاک کلام ہے جو اسکے نبی

[1] پارہ ۲۳- رکوع ۲- سورہ یٰس +

پر نازل ہؤا اور بیشک خدا کا کام اور خدا کا کلام مخالف نہیں ہو سکتا اب ہم دریافت کرتے ہیں کہ یہ قرآن شریف کا کیسا معجزہ ہے جس سے مسلمان درکنار کسی مذہب کا انصاف دوست آدمی بھی انکار نہیں کر سکتا +

جس غرض سے ہم نے اس مضمون کا لکھنا شروع کیا تھا اُس کو ہم بالفعل اسی پر ختم کرتے ہیں لیکن ایک اور نہایت عمدہ نصیحت جو ہم کو اس مضمون کے لکھنے سے حاصل ہوتی ہے اس کے ظاہر کرنے سے بھی ہم باز نہیں رہ سکتے +

جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ اس زمانہ میں جس میں ہم موجود ہیں لوگ تفسیر وغیرہ کے ایک فقرہ سے بھی تجاوز کرنیکو معصیت یا قریب معصیت سمجھتے ہیں اور پھر ہم یہ دیکھتے ہیں کہ مولوی عبد القادر صاحب نے خدا اُن کو اپنے جوار رحمت میں جگہ عنایت کرے اتنا بڑا اختلاف کیا اور ایک ایسے مسئلہ کو توڑا جو بہت سی صدیوں سے مسلم اور متفق علیہ چلا آتا تھا اور باینہمہ میاں صاحب مرحوم کا کسی کو شاکی نہ پایا تو ان نیک نیت مسلمانوں کی کوششوں کی ناکامیابی پر افسوس ہوتا ہے جو زمانہ حال کی تحقیقاتوں کے لحاظ سے اسی قسم کے اور خیالات رکھتے ہیں اور لوگوں پر اصل حقیقت کا منکشف کرنا چاہتے ہیں پس ہر طرح کی فکر اور غور کے بعد ہم کو کچھ کچھ ہر ایک فریق کی کارروائی میں قصور معلوم ہوتا ہے ہمارا کام تو حقیقت میں یہ ہونا چاہئے کہ جو بات ہم کسی سے سنیں اُس کو انصاف کی نظر سے دیکھیں اور تعصب اور پابندی رسوم بیجا کے لحاظ سے اُس سے متنفر نہ ہوں +

مرد باید کہ گیرد اندر گوش ورنوشتست پند بر دیوار

لیکن اس میں بھی شبہ نہیں اور درحقیقت ایک قدرتی بات سی ہو گئی ہے کہ ناصح کے چال چلن کو بھی نصیحت کے مؤثر غیر مؤثر ہونے میں بڑا دخل ہے پس ان لوگوں کو بھی جو صدق دل سے مسلمانوں کو راہ صواب پر لانا چاہتے ہیں اور ہر وقت ان کی اصلاح اور فلاح میں مستغرق رہتے ہیں یہ بات نہایت ضرور بلکہ فرض ہے کہ اپنا برتاؤ بھی وہ ایسا سنجیدہ رکھیں جس سے عوام متنفر نہ ہوں اور خواص کو محل شکایت نہ ہے اور یہ بات ایک مسلمان ناصح کو ہر طرح پر نصیب ہو سکتی ہے کہ جو باتیں خدا تعالے نے اس پر مثل نماز روزہ وغیرہ کے فرض کر دی ہیں اور جو عمدہ اصول مذہب اسلام میں ان کے واسطے ہزاروں لاکھوں مصلحتوں کے لحاظ مثل جمعہ اور جماعت وغیرہ کے قایم ہوئے ہیں ان کے ادا کرنے میں کاہلی کو کام نہ فرماویں اور جو کچھ کریں صدق دل سے بغیر ریاکاری کے کریں تاکہ خود بھی معصیت سے بچیں اور جن عمدہ باتوں پر وہ اپنی قوم کو متوجہ کرنا چاہتے ہیں اُس میں کامیاب ہوں +

توکّل

جن باتوں سے کسی قوم پر ادبار آتا ہے اور تمام ہمتیں پست اور قوتیں سست ہو جاتی ہیں اُن میں جہل عام

رسم ورواج کی پابندی اور جاہلانہ تقلید اور اپنے آپ کو ہمہ داں اور سب سے برتر سمجھنا اور تعصب بیجا اور اَور اسی قسم کی خرابیاں شامل ہیں اُن میں ایک حضرت توکل بھی ہیں جن سے خدا پناہ میں رکھے آج کل عرف میں جس کا نام توکل ہے وہ ایک ایسی بیماری ہے جس کا مریض کبھی اچھا ہی نہیں ہو سکتا اور یہ وہ زہریلا اژدہا ہے جس کا کاٹا پانی نہ مانگے اچھا خاصا صحیح و سالم اور تندرست انسان جس کو خدا نے اشرف المخلوقات بنایا ہے توکل کی شامت سے دن بدن ایسا زار و نحیف ہوتا چلا جاتا ہے کہ پھر اُسکی اصلاح ناممکن ہو جاتی ہے ہم دیکھتے ہیں کہ ہمارے ہندوستان کے مسلمان بھائی بھی اس آفت میں مبتلا ہیں +

ہندوستان میں ہزاروں مسلمان ہر شہر اور گانوں میں ایسے ہیں کہ جب اُن سے مسلمانوں کی اصلاح اطوار و اوضاع میں اس غرض اور نیت سے گفتگو کی جاتی ہے کہ یہاں کے موجودہ مسلمان بھی کیوں اپنی ترقی کی طرف متوجہ نہیں ہوتے اور کیوں ایسی کوششیں نہیں کرتے جیسے اُن کے اگلوں نے کی تھیں اور جو اب بھی اُن کے بھائی مصر اور ٹرکی بلاد اسلام میں کر رہے ہیں اور جو خراب رسم و رواج ہندوستان کی قدیمی قوموں کی شامت اعمال سے اُن میں مل جل گئے کیوں ان سے کنارہ کش نہیں ہوتے تاکہ وہ بھی دنیا میں ایک مہذب قوم کہلاویں اور مرنے کے بعد اپنا مقدس اور پاک اور خالص مذہب اپنے ساتھ لیجاویں اور دونوں جہان کی بھلائی حاصل کریں تو ان سب تقریروں کا جواب یہی ملتا ہے کہ "میاں یہ سب کہنے کی باتیں ہیں کسی کے کئے سے کچھ نہیں ہوتا خدا کو اگر منظور ہے کہ مسلمانوں کی عزت ہو تو ہر حال میں اُن کی عزت ہوگی اور اگر اُس کو ان کا ذلیل ہی کرنا منظور ہے تو لاکھ کوئی پیروی کرے مگر کیا ہوتا ہے اپنا تو خدا پر توکل ہے" +

اس میں کچھ شک نہیں کہ جیسا انہوں نے خیال کیا ہے ہوگا وہی۔ ع

بے رضائے تو یکے برگ نہ جنبد ز درخت

لیکن چونکہ انجام کا حال کسی کو معلوم نہیں اور یہ بات بھی انسان پر فرض ہو گئی ہے کہ اپنے حال کی اصلاح میں جہاں تک ممکن ہو کوشش سے دریغ نہ کرے اس لئے اُن متوکلوں کا یہ گمان اس بات کے لئے کافی حجت نہیں ہو سکتا کہ وہ اپنی اور اپنے اَور بھائیوں کی اصلاح حال میں بھی کوشش نہ کریں اسلئے کہ اس کا نام توکل نہیں ہے بالکل یہ محض ایک دھوکہ ہی دھوکا ہے مسلمانوں کے مذہب میں ایسے توکل کی کہیں اصل پائی نہیں جاتی اور نہ خدا نے مسلمانوں کو ایسے لغو توکل کی اجازت دی توکل جو مسلمانوں کے مذہب میں ہے وہ یہ ہے کہ انسان اپنی عقل اور طاقت کے موافق اپنے کاموں کی تدبیر کرے اور یہ یقین کرلے کہ یہ تمام تدبیریں کارگر اُسی وقت میں ہوں گی جبکہ خدا چاہے گا + ع

بر توکل زانوئے اشتر بہ بند

انسان عالمِ اسباب میں پیدا کیا گیا ہے جہاں تمام کارخانہ اول سے آخر تک بالکل اسباب پر قایم ہے
اور باوجود اسکے کہ خدا تعالےٰ جس کام کو چاہے بغیر اسباب کے موجود کر دیوے اُس کی عادت اس عالم میں اکثر
اسی طرح جاری ہے کہ تمام کاموں کیواسطے جو اُس کو کرنے منظور ہوتے ہیں مختلف اسباب پیدا کر دیتا ہے
جسکی بے انتہا مثالیں ہر لحظہ اور ہر ساعت ہماری نظروں کے سامنے سے گذرتی چلی جاتی ہیں پس نہ تمام
نظام عالم ہم کو اس بات پر مائل کرتا ہے کہ اس عالم میں ہم کو بھی جو کام کرنا ہو اول ہم اُسکے اسباب درست
کرنیکی فکر کریں اور پر اُسکے نتیجے کو خدا پر منحصر کریں آدمی کے تمام قوے اور ترکیب اعضا اور حواس اور دل اور
دماغ وغیرہ جس طرف خیال کیجیئے سب اس بات پر شاہد ہیں کہ بے شک و شبہ آدمی کو اپنے ہر کام کا سامان خود درست
کرنا چاہیئے اور ایسا نہ کرنے میں تمام وہ قوتیں عقلی اور جسمانی جو خدا نے انسان کو عطا فرمائی ہیں محض باطل اور لغو
ہو جاتی ہیں جس سے خدا کی صاف ناشکری نکلتی ہے پس بلحاظ اس بات کے کہ کل کو خدا کیا کریگا آج ہم کو
اپنے کاموں کے واسطے سامان درست کرنا چاہیئے +

دیکھو باوجود اس بات کے کہ خدا نے اپنے سچے نبی کی زبان پر اس بات کا وعدہ فرما دیا تھا کہ لوگ
کیسے ہی مزاحم کیوں نہ ہوں لیکن یہ مذہب اسلام مشارق اور مغارب میں روشن ہو کر رہیگا چنانچہ وہی آخر کار ہوا۔
لیکن باایں‌ہمہ رسول خدا اور صحابہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اُسکے پھیلانے میں کیسی کیسی کوششیں اور عرق ریزیاں
کیں اور کیسی کیسی کٹھن مصیبتیں اور تکلیفیں جھیلیں جن کا بیان نہیں ہو سکتا اور جو تمام مسلمانوں پر بخوبی روشن
ہیں پھر کیا کوئی مسلمان یہ کہہ سکتا ہے کہ اُن بزرگواروں میں توکل نہ تھا یا اُن کی یہ کوشش توکل کے منافی
تھی نہیں ہرگز نہیں پس ہماری آرزو اور خواہش اپنے ہندوستان کے مسلمان بھائیوں سے یہ ہے کہ وہ
اُس لغو توکل کو دل سے دور کر دیں جس کو شیطان نے لوگوں میں اُن کی ہمتیں اور قوتیں پست کر دینے کی
غرض سے پھیلا دیا ہے اور سچا توکل اختیار کریں اور جو بات اُن کو اپنی دنیا اور دین کی بھلائی کی معلوم ہو۔
اُس میں حتے الامکان جان و دل سے کوشش کریں اور تمام تر اپنی ہمتوں اور مالی و بدنی کوششوں کو اُسی
طرف مصروف کریں جس سے مسلمانوں کی قوم اور اُن کے مذہب کا تمام لوگوں کی نظروں میں ایک اعتبار
اور وقعت پیدا ہو جاوے اور اسلام کی سچی شعاعوں سے تمام ہندوستان منور ہو جائے اور جس طرح اُنکے
بھائی ٹرکی میں اور مصر میں قومی ترقی اور قومی فخر اور قومی عزت اور امتیاز حاصل کرنے میں کوشش کر رہے
ہیں وہ بھی اُس سے غافل نہ ہوں +

وعلی اللہ فلیتوکل المتوکلون ربنا آتنا فی الدنیا حسنۃ وفی الآخرۃ حسنۃ
وقنا عذاب النار۔ آمین ثم آمین اللھم آمین

آپ کام مہا کام

اپنے کرنے کے کام کو گورنمنٹ پر ڈالنا خوب نہیں

بلاشبہ ہر ایک منصف گورنمنٹ کا یہ فرض ہے کہ اپنی رعایا کے کاموں میں جہاں تک اُس سے ممکن ہو مدد کرے لیکن یہ ناممکن ہے کہ رعایا خود اپنی بھلائی کے کاموں میں مطلق کوشش نہ کرے اور شریک نہ ہو اور وہ تمام ذمہ واری گورنمنٹ کے ذمہ رہے اور گورنمنٹ اُس کا سرانجام کر سکے یہ بات کچھ ہندوستان ہی کی گورنمنٹ پر منحصر نہیں بلکہ تمام دنیا کی گورنمنٹوں کا یہی حال ہے اور درحقیقت خداوند تعالےٰ نے گورنمنٹ اور رعایا کو دنیا کے قدرتی انتظام کے برتاؤ کے واسطے مثل دو ہاتھوں کے بنایا ہے جس ملک کی رعایا ہر طرح پر شایستہ اور تربیت یافتہ اور اپنی عامل گورنمنٹ کی خیر خواہ ہے وہ عین اپنی ہی خیر خواہی اور اپنی ہی آزادی اور آرام کی حفاظت ہے اُس ملک کی رعایا کی نسبت انصاف سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ ملکی انتظام کا داہنا ہاتھ ہے اور جہاں یہ بات نہیں ہے اور رعایا کو وہ لیاقت حاصل نہیں وہاں جس قدر ترجیح گورنمنٹ کو دیجاوے وہ سب بجا اور حق بجانب ہے چنانچہ ہندوستان کا حال بھی آجکل ایسا ہی ہو رہا ہے اور یہاں لوگوں کی طبیعتیں اس قدر پست اور ہمتیں اس قدر سست ہو رہی ہیں کہ خود اپنی بھلائی کے کاموں میں نہایت کم شریک ہوتے ہیں اور ہر قسم کے کام کا دارومدار بالکل گورنمنٹ پر ہے تعلیم کا سا نازک معاملہ اور اہم مقدمہ لوگوں نے بالکل گورنمنٹ پر منحصر کر رکھا ہے۔ لکھنا سکھاوے تو گورنمنٹ سکھاوے۔ پڑھنا سکھاوے تو گورنمنٹ سکھاوے۔ شفاخانے گورنمنٹ قایم کرے زراعت کی ترقی کے وسیلوں کو صرف یہی نہیں کہ گورنمنٹ موجود اور مہیا ہی کر دے بلکہ یہ اُمید کی جاتی ہے کہ گورنمنٹ اپنے آدمیوں کی معرفت ہی ہل بھی چلوا دے تخم ریزی بھی وہی کرا دے۔ آبپاشی بھی وہی کرے غلّہ کو بھی گورنمنٹ ہی کاٹے وہی صاف کرے یہاں تک کہ وہی پیسے اور پکا دے اور نوالہ بنا بنا کر منہ میں دیتی جاوے یہی حال علیٰ ہذالقیاس اور دستکاریوں اور ہنر و فنون کا ہو رہا ہے اگر کسی کو یہ ولولہ ہوتا ہے کہ اس ملک کے باشندے بھی اور ملکوں کی سی دستکاریاں سیکھیں تو ساتھ ہی دل میں یہ خواہش اور گورنمنٹ کی طرف سے ذہن میں یہ شکایت پیدا ہوتی ہے کہ گورنمنٹ ہماری تعلیم کے لئے ایسے مدرسے اور کارخانے کیوں قایم نہیں کرتی جن میں اس قسم کی تعلیم ہو۔ چھاپہ خانوں کی ترقی اور اُنکا استحکام اب اسی پر رہگیا ہے کہ گورنمنٹ ہی کتابیں خرید کرے اور گورنمنٹ ہی اخبار مول لے غرض کہ ہندوستان میں ہمہ اد دست ہمہ از دست کا مصداق لوگوں نے ٹھیک ٹھیک اور بلاتشبیہ گورنمنٹ کو قرار دے رکھا ہے اور گو ہم

بشکر گزاری تمام تسلیم کرتے ہیں کہ گورنمنٹ نے جہاں تک ممکن ہوا ان کاموں کو مدد دی ہے اور حتی الامکان اپنے فرض کو ادا کیا ہے لیکن پھر آخر کہاں تک گورنمنٹ کی آمدنی محدود ہے اس لئے وہ بمجبوری اُسی قدر ذمہ واری کر سکتی ہے جہاں تک اُس سے ممکن ہے نہ اُس سے زیادہ +

اس بات کو بخوبی سمجھ لینے کے واسطے کیسی عمدہ ایک مثال حال ہی کے زمانہ کی موجود ہے کہ ایک سال گورنمنٹ نے یہ سمجھکر کہ اہل ہند کا انگلستان میں جانا اور تعلیم پانا نہایت عمدہ بات ہے اور اہل ہند کے لئے جو خود اپنی فلاح کے کاموں سے بے خبر ہیں نہایت نافع ہے پچاس ہزار روپیہ سالانہ اِس غرض سے منظور کیا کہ اُس صرف سے نو آدمی ہر سال مختلف علاقہ ہائے ہندوستان سے انگلستان کو تعلیم کے لئے جاویں چنانچہ ایسا ہی ہوا اور جو عمدہ نتیجہ اُس سے ظاہر ہوا وہ ظاہر ہے اور کاش اگر چند برس بھی یہ قاعدہ اور جاری رہتا تو ہر ادنےٰ اور اعلےٰ اُس کے فائدوں کی قدر کو بخوبی پہچاننے لگتا لیکن گورنمنٹ اپنے مقدور سے زیادہ کام نہیں کر سکتی آیندہ برس میں اُس کی آمدنی نے اس خرچ کے لئے کفایت نہ کی اور لاچار اس نے چند روز کے لئے یہ قاعدہ توڑ دیا +

علاوہ اسکے یہ بھی دیکھنا چاہیئے کہ گورنمنٹ نے ہر طرح رعایا کی بہبودی کے کاموں کے قایم کرنے میں کوشش کی لیکن چونکہ رعایا اُس میں خاطر خواہ شریک نہیں ہوئی اس لئے یہ کہنا کچھ نامناسب نہ ہوگا کہ گورنمنٹ کو اُن کاموں میں جیسی چاہئے تھی ویسی کامیابی حاصل نہیں ہوئی گورنمنٹ نے مدرسے بنائے شفاخانے قایم کئے ٹیکہ کا محکمہ گورنمنٹ نے قایم کیا لیکن لوگوں کی کوشش اور رعایا کی مدد اسکی طرف کافی نہ ہوئی علےٰ ہذا القیاس انہیں باتوں پر اَور باتوں کو قیاس کر لینا چاہیئے - شاید یہ کہا جا سکتا ہے کہ ان کاموں کا کامل طور پر نافع نہ ہونا رعایا کی نافہمی اور تعصب اور جہالت وغیرہ کا سبب ہوا لیکن یہ بھی ظاہر ہے کہ یہ جہالت اور تعصب بھی رعایا میں اسی واسطے پیدا ہوا اور ترقی کو پکڑ گیا کہ ان کاموں کے شروع ہونیمیں رعایا کی شرکت اور مشورت نہ تھی اور کچھ شبہ نہیں ہے کہ اگر رعایا ان سب کاموں میں شریک و مشورہ کار ہوتی یا خود اُن کاموں کو شروع کرتی اور اُس کا ولولہ بھی ان کاموں کی طرف لگا رہتا تو یہ تعصب وغیرہ جو اب پیدا ہوئے ہرگز نہ پیدا ہوتا پس غور کرنا چاہیئے کہ ایک کام جو نہایت عمدہ سمجھ کر گورنمنٹ نے بلا شرکت رعایا کے شروع کیا اُس میں صرف یہی ناکامیابی نہ ہوئی کہ زر کثیر صرف ہو گیا اور بڑی بڑی کوششیں بیکار ہو گئیں بلکہ اہل ہند کی تربیت کا زمانہ دراز ہاتھ سے جاتا رہا ان تمام واقعات سے ایک بہت اچھی نصیحت ہمارے واسطے یہ پیدا ہوتی ہے کہ جو کام ہم کو اَوروں کی بھلائی کے واسطے شروع کرنا ہو ضرور اُسمیں اُن لوگوں کو بھی جس طرح ہو سکے شریک کر لینا چاہیئے جن کے نفع کے واسطے وہ کام شروع کیا جاوے +

اس مقام پر ہمارا یہ مقصد نہیں ہے کہ ہم اس ناکامیابی کے الزام کو گورنمنٹ کی طرف منسوب کریں بلکہ ہماری غرض اپنے اہل وطن سے یہ ہے کہ اگر وہ خود اپنی فلاح کے کاموں میں توجہ نہ کرینگے اور سارا دار و مدار اپنا گورنمنٹ ہی پر رکھینگے اور گو گورنمنٹ نہایت نیک نیتی سے حتے الامکان اُن کی بھلائی میں کوشش بھی کرے لیکن اُن کی پوری بھلائی اُسکے ذریعہ سے ناممکن ہوگی +

جب ہم یہ بات اوپر ثابت کر چکے کہ ہر گورنمنٹ اُسی قدر توجہ کی متحمل ہو سکتی ہے جس قدر بوجھ اُٹھانیکی اُس میں طاقت ہے تو یہ بات بھی ضرور ہے کہ جب نیئے نیئے بوجھ جس میں بہت سا حصہ خود رعایا کو اپنے اوپر اُٹھانا چاہیئے تھا صرف گورنمنٹ پر ڈالے جاوینگے تو بلا شبہ گورنمنٹ کو بھی اُسی قدر اپنی طاقت بڑھانیکی فکر ہوگی مثلاً اگر اپنی تعلیم کا بندوبست ہندوستان کی رعایا خود آپ کر لیتی تو گورنمنٹ ہرگز اُن سے تعلیم کا چندہ طلب نہ کرتی۔ گورنمنٹ کوئی سونے کی کان نہیں ہے کہ جتنا سونا اُس میں سے چاہو کھود لو اور اُس میں کمی ہی واقع نہ ہو وہاں تو گنی ہوئی بوٹیاں اور نپا شوربا ہے روز کا کنواں کھودنا اور روز کا پانی پینا ایک سال کی آمدنی دوسرے سال کے لیئے بھی پس انداز نہیں ہوتی بلکہ جس قدر آمدنی میں کمی رہ جاتی ہے وہ کسی نہ کسی سبیل سے رعایا ہی سے وصول کی جاتی ہے اور انہیں تلوں میں سے تیل نکالا جاتا ہے ایک نہایت مدبر کا قول ہے کہ اگر شاہی خزانہ پر کچھ خرچ ڈالنا چاہتے ہو تو پہلے تم اُس روپیہ کو خزانہ میں رکھ لو پس ان حالات کے لحاظ سے بھی یہ کون خوبی کی بات ہے کہ جو کام خود ہمارے کرنیکے ہیں اُن کو ہم خود نہ کریں اور گورنمنٹ سے اُس کے انجام دینے کی درخواست کریں روپیہ کا روپیہ اپنا ہی صرف ہو اور تربیت یافتہ قوموں کے نزدیک نالایق کے نالایق ٹھہریں یکے نقصان مایہ و دیگرے شماتت ہمسایہ اور قطع نظر اس کے جب کوئی ایسا کام گورنمنٹ کی معرفت انجام ہوگا جو ہم کو خود کرنا تھا تو ضرور ہمارے اختیارات اُس میں کم ہو جاوینگے اور اُس وقت ہم کو اور ایک قسم کی مشکل پیدا ہوگی غرض جس پہلو پر دیکھیئے ہمیشہ ہم کو اپنے کرنیکے کام اَوروں پر ٹالنے سے سوائے ناکامیابی اور رنج اور رسوائی کے کوئی اور نتیجہ پیدا نہ ہوگا اور اس میں بھی شبہ نہیں کہ جس کام کو خود ہم کر سکتے ہیں اور خود ہمکو کرنا چاہیئے اُس کو دوسروں پر ٹالتے رہنے سے ہماری ہمتیں بھی پست اور سست ہوتی جاتی ہیں اور مہذب قوموں کے نزدیک ہم اپنے ایسے ہی ایسے افعال سے دن بدن ذلیل ہوتے جاتے ہیں +

دیکھو جب ہم بازاروں میں یا عام گذرگاہوں اور سڑکوں پر گذرتے ہیں اور موٹے مسٹنڈے فقیر ہمکو لپٹتے ہیں تو ہم کو اُن کی یہ نالائق حرکت کیسی بُری معلوم ہوتی ہے اور ہم اُن کو کس حقارت سے دیکھتے ہیں یہی حال ہماری گورنمنٹ اور اُسکے مہذب عمدہ واہل اور تربیت یافتہ قوموں کے نزدیک ہمارا سمجھنا چاہیئے کہ باوجود خود ہر قسم کی مقدرت رکھنے کے پھر ہر کام کا مدار گورنمنٹ ہی پر رکھتے ہیں +

بلاشبہ ہندوستان میں روز بروز اب لوگوں میں آپس کے اتفاق سے کام کرنیکا ولولہ پیدا ہوتا جاتا ہے اور اس آخر قرن میں جو موجودہ زمانہ پر منتہی ہوتا ہے بہ نسبت اس صدی کے اور پچھلے قرنوں کے اس ولولہ کو بہت ترقی ہوئی ہے جا بجا سوسئٹیاں اور انجمنیں قایم ہوتی جاتی ہیں لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ یہ تمام کام جس ولولہ سے شروع ہوتے ہیں اُس ولولہ کیساتھ اکثر غلطیوں میں مبتلا ہو جانیکے سبب سے انجام کو نہیں پہنچتے اور وہ غلطیاں اگرچہ اُن میں ایک یا دو قسم کی ہوتی ہیں لیکن اُن کے سبب سے رفتہ رفتہ اور دن بدن بہت سی غلطیاں پیدا ہو جاتی ہیں +

وہ غلطی جو اکثر ان کاموں میں اوّل ہی اوّل واقع ہوتی ہے یہ ہے کہ جو لوگ اُس کام میں شریک ہوتے ہیں وہ اُس کام کے بانیوں کی رعایت و مروّت یا دنیا کی شرم و حیا سے شریک ہو جاتے ہیں اپنے خاص شوق سے شریک نہیں ہوتے اور اسی لیئے چند عرصہ کے بعد لوگوں کو اُس کام میں مدد کرنا وبال جان معلوم ہونے لگتا ہے روپیہ کے وصول میں دقت پیش آتی ہے لوگ توجہ کم کرنے لگتے ہیں کام سست ہو جاتا ہے اور اُس کام کے بانیوں کی ہمتیں بہ مجبوری پست ہو جاتی ہیں لیکن بجائے اسکے کہ استقلال کے ساتھ کوئی اور تدبیر معقول اُسکے استحکام کی عمل میں لائی جاوے ایک اور غلطی اُس کے سبب سے پیدا ہو جاتی ہے جس کے سبب سے اس نوبت کارروائی میں اُس کام کے بانیوں کی طبیعت گورنمنٹ کی طرف مایل ہو جاتی ہے اور جس غیرت اور حمیت کے ساتھ وہ کام بلا استعانت گورنمنٹ شروع کیا گیا تھا وہ سب بالائے طاق دھرے رہجاتی ہے اور تیسرے فاقہ پر مردار بھی حلال سمجھکر بہ مجبوری گورنمنٹ کے آگے بے تکلف ہاتھ پھیلانے پڑتے ہیں اگر گورنمنٹ نے اپنی معمولی رحمدلی سے اُس وقت بیں دو قطرہ آب سے اُس نیم بسمل کام کی کچھ مدد کی تو کوئی دن کی زندگی اور نکل آئی ورنہ انا للہ وانا الیہ راجعون فاتحہ خیر پڑھکر اُس کے بانیوں نے بھی اُس کام سے ہاتھ کھینچا لیکن جو جان تازہ اُس وقت میں گورنمنٹ سے کسی کام کو عنایت ہوتی ہے ایک وہ دائم المریض آدمی کی مانند محض بے حلاوت ہوتی ہے نہ اُس طرف لوگوں کی اُمنگ اور نہ اُس میں کچھ ترقی کی اُمید ہوتی ہے +

لندن میں عید الفطر کی نماز

اب کی مرتبہ لندن میں بھی عید الفطر کی نماز ہوئی ۔ امام و مقتدی سب دس آدمی تھے حافظ احمد حسن صاحب سفیر جناب نواب صاحب بہادر سابق والی ٹونک نے نماز پڑھائی مقتدیوں میں سید محمود صاحب مولوی سید احمد خاں صاحب بہادر کے صاحبزادہ اور مرزا خدا داد بیگ صاحب جو تحصیل علم کیواسطے لندن میں وارد ہیں اور اور لوگ شامل تھے ۔ پس یہ ایک ایسی خبر ہے جس سے مسلمانوں کو نہایت خوش ہونا چاہیئے +

جو خام اعتقاد مسلمان لندن جانے ہی کو خلاف شان اسلام سمجھتے ہیں وہ اب خیال فرمائیں کہ مذہب اسلام

نہ کہ جانے پر موقوف ہے اور نہ لندن جانے پر۔ نیت صحیح اور قلب استوار ہر مقام پر شرط ہے اب یہ وقت ہے کہ ہندستان سے رُوسا مسلمان ان تعصبات کو جو بعض غلط فہمیوں کے سبب سے اُن میں چلے آتے ہیں چھوڑ دیں اور اپنی اولاد کو اعلےٰ درجہ کی تعلیم حاصل کرنے کے واسطے بے تکلف انگلستان کو بھیجیں جیسا ٹرکی اور مصر کے مسلمان کر رہے ہیں۔ اطلبوا العلم ولو کان بصین +

شیریں زبانی

شیریں زبانی بھی انسان کے واسطے ایک نہایت عمدہ صفت ہے اور تہذیب انسانی کا ایک بڑا رکن ہے یہ وہ جوہر ہے جس کے ذریعہ سے انسان بغیر استعانت زور اور زر کے دوسرے انسانوں کی طبیعت پر غالب آ سکتا ہے اور اپنے خیالات کو دوسروں کے ذہن میں بٹھلا سکتا ہے فصاحت اور بلاغت بلکہ ہر قسم کے صنائع اور بدائع جو انسان کے کلام کے بڑے بڑے رکن ہیں اور جن کے سبب سے آدمی بڑا قابل اور بڑا فصیح اور ادیب یا ایک بہت بڑا شاعر مشہور ہو سکتا ہے ان سب کمالات کا صلہ اکثر اوقات صرف زبانی مدح و ثنا سے کافی طور پر ادا ہو جاتا ہے لیکن وہ کلام جس سے انسان کسی قدر کچھ کام نکال سکتا ہے اور دوسروں کو اُس کے ذریعہ سے اپنی طرف متوجہ کر سکتا ہے وہ درحقیقت اُس قسم کا کلام ہوتا ہے جس میں شیرینی ہو میٹھا بولنا دشمنوں کو بھی دوست بنا لیتا ہے اور برخلاف اُسکے تلخی سے اپنے بھی بیگانے ہو جاتے ہیں اور بہت سے کئے کرائے کام ملیا میٹ اور گئے گذرے ہو جاتے ہیں +

زبان شیریں انسان کی وہ ذاتی صفت ہے جو اُس کو ہر موقع پر ہر درجہ کے لوگوں کے ساتھ چھوٹا ہو یا بڑا اعلےٰ ہو یا ادنےٰ۔ ہمقوم ہو یا غیر قوم۔ ہم مذہب ہو یا غیر مذہب۔ دوست ہو یا دشمن۔ امیر ہو یا فقیر سب سے یکساں برتنی چاہئے۔ عمدہ ترین انسانوں میں وہ انسان ہے کہ جو لوگ اُس کو برا کہیں اُن سے بھی وہ نہایت نرمی اور ملائمت سے کام کرے اور دوسروں کی جہالت اور ناشایستگی کے مقابلہ پر اپنی تہذیب کو ہاتھ سے نہ جانے دے لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ بڑے بڑے حلیم الطبع آدمی بعض اوقات اس انسانی حد سے آگے کو قدم بڑھا جاتے ہیں چنانچہ ہمارے بعض مسلمان بھائیوں نے کسی غیر مذہب والے یا کسی خاص فرقہ کے مقابلہ پر جو کتابیں تحریر فرمائیں اُن میں بھی ان صاحبوں نے اس عمدہ صفت کو اکثر فروگذاشت کیا ہے یہ سچ ہے کہ بعض اوقات کسی غیرت یا غصہ یا جوش میں آدمی کو اس بات کا خیال نہیں رہتا لیکن اس میں بھی شبہ نہیں کہ کسی قدر بلکہ اکثر اُس کا یہ بھی سبب ہوا ہے کہ اُن بزرگواروں نے کسی فضول اور غیر مہذب شخص کے مقابلہ پر ویسی ہی فضولی سے پیش آنے کو معیوب خیال نہیں کیا ورنہ یہ ممکن نہ تھا کہ وہ عارضی غصہ یا جوش کتابوں کی صورت پکڑ کر ایک قوم کے اخلاق کا جزو ہو جاتا +

عمدہ غرض اور اعلےٰ مقصد ان تصنیفات کا یہ ہونا چاہیئے تھا کہ جن کے سمجھانے اور قایل کرنیکی غرض سے وہ کتابیں تحریر ہوئی تھیں وہ اُن کو انصاف کی نظروں سے دیکھتے مگر یہ جب ہی ہوتا ہے جب وہ کتابیں نامناسب الفاظ سے پاک وصاف ہوتیں اور طرز بیان اُن کا نہایت شستہ اور لطافت کے ساتھ ہوتا حالانکہ اب اُن کتابوں سے سوائے اسکے اور کوئی فایدہ بظاہر مترتب نہیں ہو سکتا کہ خود وہ مصنّف یا اُنکے اور چند ہم مذہب آپس ہی میں اُن تصنیفات کو دیکھکر خوش ہوں اور باہم ایک دوسرے کو واہ واہ اور مرحبا کہہ لیں پس کس قدر افسوس کی بات ہے کہ ہمارے ان معزز بھائی مسلمان مصنفوں نے اپنی نہایت عمدہ محنتوں اور تحقیقاتوں کو تلخی اور سختی کلام سے صرف داغ ہی نہیں لگایا بلکہ اُن محنتوں کو بالکل بیکار کر دیا اور اس سے بھی بڑھکر جو نقصان مسلمانوں کو ان تصنیفات سے ہوا وہ یہ ہے کہ ہمارا اخلاق بھی غیر قوموں کے نزدیک ایسا ہی معیوب سمجھا گیا جیسا ہمارے نزدیک اُن نامہذب لوگوں کا اخلاق تھا جن کے جواب میں بلکہ درحقیقت اُن کے جلانے کے واسطے ہم نے یہ کتابیں لکھیں +

بھلا ان اہل تصنیفات سے جو یہ غلطی ہوئی اُس کو ناسمجھی سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ ان تصنیفات کا حال جواب ترکی بترکی ہے حالانکہ ہم کبھی اس جواب کو تسلیم نہ کرینگے لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ بعض وہ باہمت مسلمان جو اس بات کا بیڑا اٹھاتے ہیں کہ ہم اپنے مسلمان بھائیوں کی اصلاح میں جہاں تک ممکن ہوگا کوشش کریں گے اور اس لیئے اُن پر فرض ہے کہ جو حرف اُن کے منہ سے نکلے اور جو لفظ اُن کے قلم سے لکھا جاوے اُس کے ہر ایک پہلو پر خوب غور کر لیں کہ اُس سے کوئی ناحق کی ناراضمندی تو مسلمانوں کو نہ ہوگی اُن صاحبوں کا بعض اوقات یہ حال ہوتا ہے کہ وہ بھی جادہ اعتدال سے تجاوز کر جاتے ہیں اور فرط محبت اور جوش ہواخواہی میں آکر بعض دفعہ ایسے نامناسب لفظ اُن کی زبان اور قلم سے سرزد ہو جاتے ہیں جن پر عام لوگ پئے نہیں لیجا سکتے اور اُن عوام کے سامنے خواص کا تاویلیں کرتے کرتے ناک میں دم آجاتا ہے ہم یہ تسلیم کرتے ہیں کہ ناصح جتنا دلسوز ہوگا اُسی قدر اُس کی نصیحت کے فقرے تلخ ہونگے لیکن ایک دانا ناصح یقیناً اپنے جوشوں کو ضبط ہی کریگا اور بلاشبہ وہ جس مطلب کو اپنے اچھے لفظوں میں بیان کر سکتا ہے اُس کو بُرے لفظوں میں بیان نہ کرے گا +

ہم مسلمانوں کے اعتقاد کے بموجب ابتدائے آفرینش سے آج تک اس دنیا میں کوئی ایسا دانا اور دلسوز ناصح پیدا نہیں ہوا اور نہ آیندہ ہونے کی اُمید ہے جیسے ہمارے رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم ہوئے پھر دیکھو کہ اُس خدا نے جو بڑی حکمتوں والا اور تمام مخلوق کے قلوب پر حادی اور متصرف ہے اپنے رسول سے اس معاملہ میں جس پر ہم یہ گفتگو کر رہے ہیں کیا ارشاد فرمایا ہے +

ل‍ہ قال تبارک وتعالیٰ۔ ادع الی سبیل ربک بالحکمۃ والموعظۃ الحسنۃ وجادلھم بالتی ھی احسن +

یعنی جن لوگوں کی اصلاح مدنظر ہے اگر فی الواقع اُن میں کوئی الزام کی بات ہے تو اُسکے بیان کرنے کا مضائقہ نہیں لیکن طرز بیان ایسا ہونا چاہئے کہ اُس سے لوگوں کو آزردگی نہ ہو چنانچہ کچھ شبہ نہیں کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ارشاد کی تعمیل نہایت خوبی اور خوش اسلوبی سے کی۔ تمام حدیث کی کتابیں اس کی شاہد حال ہیں کہ جو مطالب اُن میں بیان کئے گئے ہیں کیسے معتدل اور ملایم اور شیریں لفظوں میں ادا ہوئے اور گو یہ صحیح ہے کہ جن لوگوں کی قسمت میں ہدایت نہ تھی اُن کو ہدایت نصیب نہ ہوئی لیکن یہ الزام شاید رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر کسی نے نہیں لگایا کہ معاذاللہ وہ مغلوب الغضب تھے یا اپنے جوش میں آکر ایسے سخت لفظ کہہ جاتے تھے کہ سامعین کو ناگوار خاطر ہوتے تھے اور اس لیئے وہ لوگ اُنکے ذریعہ سے ہدایت پانے سے باز رہے پس ہمارے مسلمان بھائیوں کو مناسب ہے کہ جو نہایت سچا اور عمدہ راستہ اُن کے نبیؐ نے خود اختیار کیا اور اوروں کو بھی اُسی پر چلنے کی نصیحت کی اُسی راستہ پر قایم رہیں +

اس بات پر بھی اچھی طرح غور کرنا چاہئے کہ خدا نے یہ مذکورہ بالا نصیحت اپنے ایسے نبی کو فرمائی تھی جن کو شر شیطان سے ہر طرح محفوظ رکھا تھا وائے برحال ہم گنہگاروں کے کہ کیسی بُری طرح سے اُسکے پھندے میں پھنسے ہوئے ہیں یہ اُسی شیطان کا فریب ہے کہ ہم کو کسی غیر مذہب یا ہم مذہب کے کسی نامہذب شخص کے مقابلہ میں لاکر ہم سے بھی ویسی حرکتیں کرانے لگتا ہے جیسی اُس غیر مہذب شخص میں تھیں اور پھر اُس کا نام ہمارے خوش کرنیکی غرض سے کبھی جواب ترکی بہ ترکی ٹھیراتا ہے کبھی اُس کو جواب دنداں شکن کے نام سے تعبیر کراتا ہے کبھی ہم کو ہماری ان بیجا حرکتوں پر ثواب کا اُمیدوار کرتا ہے اور کبھی اُن غیر معتدل بلکہ نامناسب الفاظ کو جو ہم سے تقریر یا تحریر میں ناسمجھی کی راہ سے سرزد ہوتے ہیں اپنی قوم کی فرط محبت سے منسوب کرتا ہے اور پھر خود ہی وہ آفت روزگار دوسروں کے دلوں میں ان الفاظ اور فقرات کے سبب سے ایک رنج پیدا کر دیتا ہے اور اس حیلہ و نیرنگ سے باہم عداوت کرا دیتا ہے بڑے بڑے اتفاقوں اور محبتوں کو طرفۃ العین میں درہم برہم کر دیتا ہے اور بڑے بڑے عالی ارادوں کو جو عام کے فائدہ کیواسطے کئے جاتے ہیں بالکل پریشان کر دیتا ہے +

علم اخلاق میں یہ بات عقلاً اور نقلاً ہر طرح سے ثابت ہو چکی ہے کہ تعلیم اور فہمایش ہمیشہ نرم لفظوں میں چاہیئے اور اُس کے برخلاف کبھی وہ کارگر نہ ہوگی اور تمام عقلاء روزگار اور انبیاء علیہم السلام کا عملدرآمد اسی پر رہا لیکن اکثر اوقات انسان اپنے جوش یا غصہ سے مجبور ہو جاتا ہے اور زور تحریر یا زور تقریر تمام مصلحت پر

ل‍ہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بولا لوگوں کو اپنے رب کی راہ پر پکی باتیں سمجھا کر اور اچھی طرح نصیحت کر کر اور الزام دے ان کو جس طرح بہتر ہو۔ (رکوع اخیر پارہ ۱۴) +

غالب آجاتا ہے چنانچہ ان شیطانی وسوسوں اور آفتوں سے محفوظ رہنے کے واسطے خداتعالےٰ نے اپنے کلام پاک میں نبی کی معرفت ہم کو یہ ارشاد فرمایا ہے +

سلہ "قل لعبادی یقول التی ھی احسن ان الشیطان ینزغ بینھم ان الشیطان کان للانسان عدو امبینا ربکم اعلم بکم ان یشا یرحمکم او ان یشا یعذ بکم" +

کبھی کبھی یہ بھی ہوتا ہے کہ ایک شخص کے ذہن میں یہ بات جم جاتی ہے کہ میں نے جو کچھ سمجھا ہے سب سچ سمجھا ہے اور جو کچھ میں کہہ رہا ہوں اور کر رہا ہوں وہی بالکل سچ ہے اور اس لئے وہ اَور آدمیوں کو جو اسکی رائے سے ناواقف یا برخلاف ہوتے ہیں خواہ مخواہ حقارت سے دیکھنے لگتا ہے اور اسی حقارت کی نظر سے کوئی کوئی سخت اور نامناسب لفظ بھی ان لوگوں کی نسبت اُسکی زبان یا قلم سے نکلجاتا ہے اور یہ علدرآمد بالآخر باہمی نزاع اور برہمی کا سبب ہوجاتا ہے پس خداتعالےٰ نے اپنے اس کلام پاک میں اس قسم کے خیالات کی بھی روک تھام فرمائی اور ارشاد کیا کہ ان باتوں کو تمہارا پروردگار ہی خوب جانتا ہے جس کا علم ہر طرح پر کامل ہے تم اپنے خیالات کے لحاظ سے ایک دوسرے کی نسبت ایسے نامناسب الفاظ نہ کہو جو باہمی رنجش کا سبب ہوجاویں اور شیطان کو جو ہمیشہ اسی فکر میں رہتا ہے اپنا موقع ہاتھ آوے اعمال کی بھلائی اور برائی پر جزا اور سزا دینا یہ خدا ہی کا کام ہے چنانچہ اَور ایک مقام پر بھی خداتعالےٰ نے اس کی تصریح فرمائی ہے +

سلہ "قل کل یعمل علیٰ شاکلته + فربکم اعلم بمن ھو اھدیٰ سبیلا" +

پس میری غرض اور میرا التماس عموماً اپنے تمام مسلمان بھائیوں سے اور خصوصاً ان اہل ہمت سے جو علم کلام کے لوگ ہیں اور جو اپنی قوم کو اپنی عمدہ نصیحتوں سے مہذب بنانا چاہتے ہیں یہ ہے کہ اپنے کلام کو دوست سے ہو یا دشمن سے اعلےٰ سے ہو یا ادنےٰ سے نہایت شیرینی اور لطافت اور نرمی سے استعمال میں لاویں اور سخت اور درشت الفاظ سے جس قدر ہو سکے کنارہ کریں اور جو قانون کارخانہ قدرت کے بنانے والے نے ہمارے لئے مقرر کردیا اُس کو اپنے کسی جوش و خروش کا تابع نہ کریں اور جو عمدہ اور نہایت عمدہ مذہب اُن کو خوش قسمتی سے نصیب ہوا ہے اُس پر بہت سچائی اور نیک نیتی سے قایم رہیں کہ یہی سچی شایستگی ہے اور یہی سچی تہذیب ہے اور دونوں جہان کی ہر قسم کی خوبیاں سب اس میں موجود ہیں +

سلہ یعنی اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کہدے میرے بندوں کو کہ بات وہی کہیں جو بہتر ہو بیشک شیطان جھڑپ کرا دیتا ہے آپس میں بیشک شیطان انسان کا دشمن صریح ہے تمہارا رب بہتر جانتا ہے تم کو اگر چاہے تم پر رحم کرے اور اگر چاہے تم پر عذاب کرے (پارہ ۱۵۔ رکوع ۵) +

سلہ کہدے اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہر کوئی اپنی اپنی وضع پر عمل کرتا ہے سو یہ بات کہ کس نے اچھی راہ اختیار کی تیرا رب ہی خوب جانتا ہے (پارہ ۱۵۔ رکوع ۸) +

تقویٰ

وخیر الزاد التقویٰ

ہمارے اخبار ۲۷ ذیحجہ میں ایک مختصر فہرست اُن مراتب کی چھپی تھی جن میں مسلمانوں کو تہذیب کرنا چاہئیے لیکن میری دانست میں اُس میں ایک بڑا امر فروگذاشت ہوا یعنی تقوے جو مسلمانوں کی موروثی ملک ہے اور اب ہندوستان کے مسلمانوں میں پہلے زمانہ کی بہ نسبت اُسکی نہایت کمی ہے اس زمانہ میں اکثر تقوے اتنی بات پر ختم ہوتا ہے کہ پیجامہ ٹخنوں سے نیچا نہ رہے اور ناچ رنگ وغیرہ کی مجلس میں شریک نہ ہوں (خیر خدا اس کو بھی اور قایم رکھے) +

کسب حلال جس کی نسبت یہ کہنا بجا ہے کہ وہ ایک زمانہ میں مسلمانوں کا خمیر تھا اب اُس کی طرف سے ایسی غفلت برتی جاتی ہے کہ خدا محفوظ رکھے۔ سود سی شے جسکے لینے والوں کی نسبت خدا یوں ارشاد فرماوے کہ "فاذنو بحرب من اللہ ورسولہ" یعنی اُٹھ کھڑے ہو خدا اور اُسکے رسول سے لڑنے کے واسطے اب وہ ہندوستان کے مسلمانوں میں ہماری شامت اعمال سے ایسا عام ہو گیا کہ کھاتے پیتے مسلمان شاید فیصدی دس بھی اس بلاے عالمگیر سے محفوظ نہ ہونگے اور روپیہ سینکڑہ کے سود سے نالش عدالت میں کرنا یہ تو اب کچھ عیب ہی نہیں رہا دو وقت کی نماز قضا ہونیکا کبھی اتنا ملال نہ ہو جتنا ایک سود کی نالش ڈسمس ہونیکا بڑے بڑے موٹے موٹے حافظ اور بڑی بڑی نیچی ڈاڑھیوں والے مولوی جو وہابیت میں بھی ماشاء اللہ دم بھرتے ہیں اس لقمہ حرام کی چاٹ اور مال و دولت کی طمع خام میں مبتلا ہیں +

رونا تو اس بات پر آتا ہے کہ اپنی ان حرکات کے سبب سے کبھی ماتھے پر پسینہ نہ آوے مگر جب کسی مسلمان کو کسی اہل کتاب کے ساتھ ہم طعام دیکھیں تو حمیت اسلامی جوش میں آجاوے اور بغیر نعوذ باللہ اور توبہ توبہ کے اُس مسلمان کمبخت کا نام نہ لیں فاعتبروا یا اولی الابصار +

معاش کے اور ذریعوں کا بھی یہی حال ہو رہا ہے۔ نوکروں میں چوری اور رشوت۔ زمینداروں میں زیادہ ستانی و شوق ریاست۔ سوداگروں میں دغابازی اور حرفت دن بدن ترقی پر ہیں فقط ہذا القیاس لیکن میرے نزدیک جبتک مسلمانوں میں سے یہ خرابیاں رفع نہ ہونگی تب تک کبھی اُن کی قوم کو بھی ترقی اور عزت نصیب نہ ہوگی کیسے ہی پھولوں اور پھولدار درختوں سے اپنے گھروں کو رشک گلزار ارم کیوں نہ بناویں اور جاکٹ پتلون کیوں نہ پہنیں اور میز و کرسی پر چھری کانٹے سے طلائی نقرئی نہایت شفاف اور چمکدار برتنوں

میں کیوں نہ کھاویں اور کیسا ہی اپنے طریق زندگی کو آجکل کی مہذب اور روشنضمیر قوموں کی مانند اعلےٰ اور عمدہ کیوں نہ بناویں پس مسلمانوں کو چاہیئے کہ اوّل اپنا تقوےٰ درست کریں اُسکے بعد قومی ترقی کا نام لیں ورنہ ٹھیک اس آیت کے مصداق ہوں گے "قل ھل ننبئکم بالاخسرین اعمالا الذین ضل سعیھم فی الحیوٰۃ الدنیا وھم یحسبون انھم یحسنون صنعا" +

سید محمد محمود صاحب سلمہ اللہ تعالےٰ

سید محمد محمود صاحب مولوی سید احمد خاں صاحب بہادر سی ایس آئی کے چھوٹے صاحبزادہ کا سالانہ امتحان کریسٹ کالج یونی ورسٹی لندن میں بڑی کامیابی کے ساتھ ہوا عام امتحان میں جو تمام علوم میں ہوا اُن کا نمبر دسواں رہا اور خاص انگریزی زبان دانی میں تمام کالج میں صرف ایک اور طالب علم اس قابل نکلا کہ اُسکے جواب اور سید محمد محمود صاحب کے جواب برابر وقعت کے تھے اس لیئے دونوں کا نام اوّل نمبر میں لکھا گیا باقی تمام طالب علموں سے سید محمد محمود خاص اُن کی ملکی زبان میں فائق رہے + ع

بریں مژدہ گرجاں فشانم رواست

یہ ایک ایسی مبارک خبر ہے کہ اُسکے سبب سے نہ فقط مولوی سید احمد خاں صاحب بہادر کو اور نہ صرف سید محمد محمود صاحب کے دوستوں ہی کو خوشی ہے بلکہ درحقیقت یہ ایک ایسی مبارک خبر ہے جسکے لحاظ سے تمام اہل ہند کو عموماً اور مسلمانوں کو خصوصاً خوش ہونا چاہیئے جو عزت اور فخر سید محمد محمود صاحب کو اس موقع پر حاصل ہوا شاید اس سے پہلے کسی اہل ہند کو نصیب نہیں ہوا تھا یہ نام آوری اس نام آوری سے کچھ کم نہیں ہے جو فیضی اور ابوالفضل نے ایرانیوں کے نزدیک اُن کی خاص زبان فارسی کی قابلیت کے لحاظ سے حاصل کی تھی یہ ایک کافی وجہ ثبوت اس بات کی ہے کہ مسلمانوں کی طبیعتوں میں ابھی تک وہ مادہ باقی ہے جسکے سبب سے اُنہوں نے پہلے بہت کچھ شہرت اور نیانامیاں حاصل کی ہیں اور جسکے لحاظ سے غیر قومیں اُن کا نام مدت تک بہت تعظیم اور ادب سے لیتی رہیں +

ہندوستان کے مسلمان بلاشبہ اپنی بدقسمتی سے نئے علوم و فنون کے حاصل کرنے میں اپنے اور اہل وطن سے کچھ پیچھے رہ گئے ہیں جس کا نتیجہ اب تک بھی بہت ہی مضر ہوا ہے اور اگر یہی غفلت خدانخواستہ چند روز اور رہی تو جس قدر مادہ مسلمانوں کی طبیعت میں ابھی تک موجود ہے اور جو شوق اور محنت سے بہت کچھ ترقی پاسکتا ہے وہ بالکل ملیامیٹ ہو جاویگا جن بادشاہوں کی لیاقت اور اولوالعزمی کی یادگاریں بڑے بڑے قلعے اور عمارتیں روئے زمین پر موجود ہیں اُن کی اولاد اب اسی قسم کی غفلتوں سے گداسی کھو دکھو دکر اپنا گذارہ کرتی ہے اُنکے برتاؤ اُنکے رنگ اور روغن اُن کی بول چال سے ہرگز یہ معلوم نہیں ہوتا کہ یہ لوگ کسی ایسے بڑے خاندان کی بقایا ہیں مسلمانوں کو

چاہیئے کہ عبرت پکڑیں اور جو عمدہ موقع اُنکے واسطے خدا کی عنایت سے اب موجود ہے اُس کا شکر کریں اور اُس کا شکر یہی ہے کہ اُس سے فائدہ اُٹھاویں اور اپنی اولاد کی طرف ہوشیاری سے متوجہ ہوں +

مسلمانوں کے علم کی ترقی ابتدا میں یونانیوں کے علوم سے شمار ہوتی ہے اور اب یورپ کی قوموں کے علوم ایسے کامل اور صاف طریقہ سے شائع ہوئے ہیں کہ اگر مسلمان غور اور دانائی کو کام میں لاویں تو یونانیوں کے علوم کی بہ نسبت یورپ کے موجودہ علوم و فنون سے بہت زیادہ فائدہ حاصل کر سکتے ہیں جن قوموں سے ہم کو علم حاصل کرنیکی ضرورت ہے وہ ہماری خوش قسمتی سے خود ہم کو علم دینے کے واسطے آمادہ ہیں۔ کتابوں کی افراط چھاپہ خانوں سے درجہ کمال کو پہنچ چکی ہے اور پہنچتی جاتی ہے سفر کا ذریعہ ریل اور جہاز نے بہت ہی سہل کر دیا ہے کوئی روک ٹوک سوائے اپنی کم ہمتی اور بیجا تعصبات کے باقی نہیں ہے پس ایسے وقت میں نہایت ضرور ہے کہ ہندوستان کے مسلمان رئیس اپنی اولاد کو اعلے تعلیم کے واسطے انگلستان کو بھیجیں +

ایک بڑا قوی مانع ہندوستان کے مسلمانوں کو اس ارادہ میں مذہبی نقصان کا خیال ہے اور بلاشبہ ہر عاقل مسلمان پر یہ فرض ہے کہ کسی ظاہری بڑی سے بڑی منفعت کے لحاظ سے اپنے مذہب کا تھوڑا سا نقصان بھی گوارا نہ کرے لیکن سید محمد محمود صاحب سلمہ اللہ تعالےٰ کی کارروائی سے وہ شبہ بھی کامل طور سے جاتا رہتا ہے جہاں تک مجھ کو علم ہے مَیں نہایت اطمینان سے یہ بات بیان کرتا ہوں کہ سید محمد محمود کیمبرج کی یونیورسٹی میں تمام ممنوعات شرعی سے محترز ہیں نمازیں پڑھتے ہیں اور روزے رکھتے ہیں اور اچھے مسلمانوں کی مانند بہت خوشحالی سے بسر کرتے ہیں۔ ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند +

میرے نزدیک جو عزت سید محمد محمود صاحب کو اپنی علمی لیاقت کے سبب سے حاصل ہوئی اور آئندہ کامل طور سے حاصل ہونیوالی ہے اُس سے بہت بڑی عزت اور افتخار اُن کو خدا کی عنایت سے اُن کے عمدہ چال چلن کے لحاظ سے حاصل ہوا ہے اللھم زد فزد +

اعتدال

انسان جس طرح تمام مخلوقات میں اشرف اور سب سے زیادہ صناع اور عقلمند پیدا ہوا ہے اُسیطرح تمام دنیا میں شاید اُس سے زیادہ کوئی اَور مخلوق حاجتمند بھی نہیں ہے انسانیت اور خوشی اور ایمان کے ساتھ زندگی بسر کرنے کے واسطے انسان کو اپنی اُس دشوار گذار منزل میں جو شکم مادر سے شروع ہو کر لب گور پر ختم ہوتی ہے بے انتہا غرضیں اور ضرورتیں متعلق ہوتی ہیں اور وہ اکثر باہم ایسی مختلف ہوتی ہیں کہ اگر ایک مقصد کے حاصل کرنے میں حد معین سے زیادہ کوشش کیجاوے تو دوسرے مقصد کے فوت ہو جانیکا قوی اندیشہ ہوتا ہے

پس اُس حد معین سے تجاوز نہ کرنے اور اُس کو نگاہ رکھنے کا نام اعتدال ہے +

کوئی کام خواہ وہ تمدّن اور معاشرت سے علاقہ رکھتا ہو یا معاد اور آخرت سے ایسا نہیں پایا جاتا جسمیں اعتدال کی ضرورت نہ ہو تمام قوے جو خدا نے انسان کو عطا فرمائے ہیں اور جن کی بدولت انسان دونوں جہان میں ہر قسم کی خوشی اور آسایش اور آرام حاصل کر سکتا ہے وہ سب کے سب درحقیقت اعتدال ہی کی بدولت شگفتہ اور شاداب رہ سکتے ہیں پس قدرت کا یہ ایک ایسا سچا اور مستحکم اصول ہے کہ دنیا کا تمام کارخانہ اسی پر قایم ہے اور یہی حکمت تھی کہ مذہب اسلام میں اعتدال کی نسبت نہایت تاکید ہوئی اور کچھ شبہ نہیں کہ دنیا کے تمام مذاہب میں مذہب اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جس کی کوئی بات اعتدال سے خارج نہیں ہے اس مذہب کا کوئی کام خواہ عبادت ہیں خواہ معاملات میں ایسا نہیں پایا جاتا جس میں اعتدال نہ ہو فرائض جو خدا نے مسلمانوں کے واسطے مقرر کیے وہ سب معتدل ہیں فرائض کے علاوہ اور تمام نیکیوں اور عبادتوں کا بھی یہی حال ہے تمام عبادتیں اسی وقت تک عبادت ہیں جب تک انسان کے قوے معطل و بیکار نہ ہو جاویں اور اُسکے بعد رہبانیت ہے ولا رھبانیۃ فی الاسلام یہی حال مالی عبادت کا ہے خیرات و مبرات اسی حد تک ٹھیک ہے جہاں تک انسان خود مفلس اور درماندہ اور نان شبینہ کو محتاج نہ ہو جاوے راہ خدا میں گھربار لٹا لنگوٹی باندھ کاسہ چوبی لے دھونی رما جنگل میں جا بیٹھنا مذہب اسلام کا منشا نہیں۔ کما قال اللہ تعالیٰ عزّ و جل ولا تجعل یدك مغلولۃ الی عنقك ولا تبسطها كل البسط فتقعد ملوما محسورا [1] +

یہی حال مسلمانوں کے دنیاوی برتاؤ کا ہے ہمارے معاملات دنیا کو بھی مذہب اسلام نے نہایت سہل کر دیا ہے تمام ستھری اور پاک چیزیں ہمارے واسطے حلال ہیں اور یہی نہیں کہ اُن کے استعمال کی فقط اجازت ہی دی ہو نہیں بلکہ اُن کے مطلق ترک کو بھی منع فرمایا تاکہ مسلمان حلال اور طیب چیزوں سے حظ اُٹھانے میں محروم نہ رہیں۔ "یاایها الذین آمنوا لا تحرموا طیبات ما احل اللہ لکم ولا تعتدوا ان اللہ لا یحب المعتدین وکلوا مما رزقکم اللہ حلالا طیبا واتقوا اللہ الذی انتم به مؤمنون [2] +

یہی حال اور تمام باتوں کا ہے دنیا میں وہ تعلق جو ایک انسان کو دوسرے انسان سے عموماً ہوتا ہے اور جس سے انسان کے حظ زندگی کا بہت بڑا حصہ متعلق ہے وہ وہ تعلق ہے جو میاں اور بی بی میں ہوتا ہے

---

[1] اور نہ رکھ اپنا ہاتھ اپنی گردن سے بندھا ہوا اور نہ کھول دے اُس کو نرا کھولنا پھر تو بیٹھ رہے الزام کھایا ہارا (پارہ ۱۵۔ رکوع ۳) +

[2] اے ایمان والو مت حرام ٹھیراؤ ستھری چیزیں جو اللہ نے تم کو حلال کیں اور حد سے مت بڑھو اللہ نہیں چاہتا زیادتی والوں کو اور کھاؤ اللہ کے دیئے سے جو حلال ہو ستھرا اور ڈرتے رہو اللہ سے جس پر یقین رکھتے ہو۔ (پارہ ۷۔ رکوع ۱) +

اس تعلق کے مستحکم اور خوشگوار کرنے کے واسطے جو احکام مذہب اسلام میں ہیں جب اُس کل مجموعہ پر نظر کیجائے تو کوئی منصف آدمی بھی گو کسی مذہب کا کیوں نہ ہو مطلق اعتراض نہیں کر سکتا +

میں اس مضمون میں اُن کمبخت اور ناخدا ترس مسلمانوں کی حمایت کرنا نہیں چاہتا ہوں جنہوں نے اپنا برتاؤ خلاف احکام خدا اور رسول کے قایم کر کے نہ فقط اپنی عاقبت خراب کی ہے بلکہ اپنی اُن ناشایستہ حرکات کی بدولت غیر مذہب والوں کی نظروں میں جو صرف ہمارے اعمال کی بھلائی برائی پر بظاہر مذہب اسلام کی بھلائی اور برائی کو قیاس کرتے ہیں مذہب اسلام کو حقیر کر دیا ہے میں اس وقت صرف اُن احکام سے بحث کرتا ہوں جو مذہب اسلام نے مسلمانوں کے برتاؤ کے واسطے نہایت اعتدال کے ساتھ مقرر کیئے ہیں +

کثرت ازدواج جسکی بدولت غیر مذہب والے مسلمانوں پر طعنہ کرتے ہیں جس طرح مسلمانوں کے مذہب کے بموجب جائز کیا گیا ہے ہرگز لایق اعتراض نہیں بلکہ بالکل قانون قدرت کے مطابق اور نہایت ضروری ہے اول تو مذہب اسلام نے یہ نہیں کیا کہ ایک نکاح کی قید کو توڑ کر زیادہ نکاح جائز کر دیئے ہوں بلکہ ایک غیر محدود تعداد نکاح کو جو قبل اسلام کے رائج تھا بہت کچھ گھٹا کر محدود کر دیا ہے اور درحقیقت ایک سے زیادہ نکاح کی اجازت مذہب اسلام نے کسی مسلمان کو اُس وقت تک نہیں دی جب تک شدید ضرورت نہ پائی جاوے۔ فرض کرو کہ اگر ایک بی بی سے اولاد نہ ہوتی ہو اور عورت ہی میں کوئی نقصان ہو تو مرد اگر اولاد کی خواہش میں جس سے کوئی دل خالی نہیں ہے دوسرا نکاح نہ کر سکے تو کس قدر مایوسی کی بات ہے۔ علیٰ ہذا القیاس اگر اولاد کی محرومی مرد کے کسی نقصان سے ہو تو عورت کو یہ اجازت ہے کہ قاضی کے حضور میں مرد سے طلاق دلانے کے واسطے نالشی ہو۔ فرض کرو کہ کسی مرد کی خواہش اور قوت ایسی بڑھی ہوئی ہو کہ اُس کو دوسری بی بی کی حاجت ہو تو کیا گناہ ہے اگر وہ دوسرا نکاح کرے رہی یہ بات کہ عورت کو ایسی اجازت کیوں نہ ہوا اُس کا یہ حال ہے کہ اس معاملہ میں مرد ہی کو ترجیح دینا ضرور تھا ایسی اجازت میں نطفہ کچھ مستحق نہ ہوتا میراث میں نہایت جھگڑا پڑتا قطع نظر اُسکے مرد اور عورت کی بناوٹ یہی بات چاہتی ہے کہ مرد کو ترجیح کا حق حاصل ہو عورت پر ہر مدت حمل میں اور بعد وضع حمل ایک مدت مدید ایسی گذرتی ہے کہ وہ مقید ہو جاتی ہے برخلاف مرد کے کہ وہ ہر وقت آزاد رہتا ہے تمام دنیا میں اور اُن ملکوں میں بھی جہاں عورتوں کے حقوق مردوں سے کچھ کم تسلیم نہیں ہوتے ابتک روپیہ پیدا کرنے اور گھر کا انتظام قایم رکھنے اور کاروبار چلانیکا کام اکثر بلکہ عموماً مردوں ہی سے متعلق ہے پس یہ تمام ترکیب اعضا اور لیاقتیں اور ذمہ واریاں جو مردوں میں ہیں بلاشبہ اس لایق ہیں کہ اُن کو عورتوں پر ترجیح حاصل ہو +

باایںہمہ اس ترجیح سے ہمارا مطلب یہ نہیں ہے کہ عورتوں کے حق میں ناانصافی اور بیرحمی اور ظلم جائز رکھا جاوے یہ تمام باتیں مذہب اسلام کے بالکل برخلاف ہیں مسلمانوں کے مذہب میں فریقین کو نہایت

تاکید ہوئی ہے کہ ایک دوسرے کے ساتھ بہت پیار اور محبت سے رہیں۔ مردوں کو یہ نصیحت ہے کہ عورتیں اگر کوئی تلخ بات بھی کہیں تو اس پر صبر کریں۔ مرد جب دوسرا نکاح کرے تو اُس پر فرض ہے کہ نفقہ اور محبت اور باری میں غرض کہ جملہ باتوں میں اپنی سب بیبیوں میں مساوات اور عدل کو نگاہ رکھے اور اعلےٰ قدر مراتب سب کی خاطر اور تواضع اور دلداری کرتا رہے۔ اس موقع پر یہ اعتراض ہو سکتا ہے کہ ممکن ہے کہ ایک بی بی کا حسن وجمال مرد کو دوسری بی بی کی نسبت اپنی طرف زیادہ مائل کرلیوے اور اُس حالت میں مرد اعتدال قایم نہ رکھ سکے اور بلاشبہ یہ بات صحیح ہے لیکن مذہب اسلام پر یہ اعتراض اس لئے وارد نہیں ہو سکتا کہ اُس میں نکاح آخر کی اجازت مرد کو اُسی حالت میں ہے جبکہ مرد اعتدال کر سکے ورنہ وہ فعل معصیت میں داخل ہوگا اور در حقیقت یہ قید اعتدال بین الزوجتین کی ایسی سخت ہے کہ ہر آدمی اُس کو پورا نہیں کر سکتا پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے جو عدل اور مساوات اپنی بیبیوں میں برتی یہاں تک کہ ہر ایک کے حجرہ پر مٹی تول تول کر ڈالی اس سے عام مسلمانوں کو تعدد نکاح کی مشکلات سے مطلع کر دیا اور یہ ایک منجانب اللہ اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ حتی الامکان ایک ہی بی بی پر قناعت کرنا چاہئے چنانچہ اکثر ایسا ہی ہوتا ہے فیصدی پانچ مسلمان بھی ایسے نہیں ہیں جو ایک سے زیادہ بیبیاں رکھتے ہوں ؛

لیکن چونکہ سچا مذہب ایسا ہونا چاہئے تھا جس میں ہر ایک موسم اور ملک اور ضرورت اور ہر ایک مزاج کی رعایت ملحوظ ہو اِس لئے یہ بات ضرور تھی کہ مرد ایک نکاح سے زیادہ کے واسطے ایک مناسب حد تک مطلقاً منع نہ کیا جاویں تاکہ اُن مضرتوں کا بھی علاج باقی رہے جو ایسی منع کی حالت میں پیش آتیں نیپولین بوناپارٹ اگر مسلمان ہوتا تو کبھی اس وقت میں نہ پڑتا جو اُس کو اپنی پہلی بی بی جوزی فین سے اولاد نہ ہونے اور مریا لوئیا شہنشاہ اسٹریا کی دختر سے دوسرا نکاح کرتے وقت پیش آئی۔ نیپولین نے مجبور ہو کر اُس قانون پر عمل کیا جو کارخانہ قدرت کے موافق اور مسلمانوں کے مذہب کے مطابق تھا ؛

طلاق اُن سب ناراضمندیوں کا آخر علاج ہے جسکے سبب سے کوئی گھر اور خاندان معرض پریشانی اور تباہی ہو ہم پوچھتے ہیں کہ انسان آخر بشر ہے میاں اور بی بی میں اگر کوئی ایسا رنج پیدا ہو گیا جس کا تدارک اَور طرح پر نا ممکن ہے تو کیا یہ مناسب ہے کہ دونوں اُسی مایوسی اور پُر رنج حالت میں اپنی زندگی بسر کریں یا یہ مناسب ہے کہ دونوں اُس رنج سے خلاص ہوں اور خوشی حاصل کرنیکی فکر کریں۔ مرد اگر کسی بی بی سے نہایت آزردہ ہو اور عدل قایم نہ رکھ سکتا ہو تو وہ اپنی بی بی کو طلاق دیکر اُس رنج سے خلاصی پا سکتا ہے بی بی دوسرا نکاح کر کے اُس مایوسانہ حالت سے نکل سکتی ہے تاہم مذہب اسلام نے اس بات کی بہت کچھ روک تھام کی ہے کہ طلاق کی رسم عام نہ ہو جاوے اور ایسا مستقل رشتہ بات کی بات میں یا غصہ کی حالت

میں منقطع نہ ہو جاوے اس لئے ایک یا دو مرتبہ اگر لفظ طلاق منہ سے نکل بھی جاوے تو بھی پھر رجعت ہو سکتی ہے اور تیسری دفعہ کی محتاج رہ جاتی ہے اور طلاق مغلظہ کے بعد اگر میاں بی بی پھر آپس میں راضی بھی ہو جاویں تو وہ اُس وقت تک کافی نہیں جبتک کہ بی بی نے کسی غیر شخص سے نکاح کر کے طلاق نہ پائی ہو یہ اس لئے کہ طلاق کوئی ہنسی کھیل نہ ہو جاوے اور مرد یہ خوب سمجھ لے کہ طلاق کے موثق ہو جانیکے بعد پھر کسی طرح وہ اپنی بی بی کو نہیں پا سکتا اس لئے کہ عورت کا دوسرے مرد سے نکاح کرنا اور پھر طلاق پانا نہایت شاذ ہے ؛

الغرض میاں اور بی بی کے تعلقات کو جیسا عمدہ مسلمانوں کے مذہب نے قایم کر دیا اور جس قدر رعایت اس بات کی کہ گھروں کے فساد دُور ہوں زنا اور بدکاری سے مرد اور عورت دونوں محفوظ رہیں اور بدسلوکی و بداخلاقی پاس نہ آنے پاوے نبی اُمی کی بدولت مسلمانوں میں برتی گئی ممکن نہیں کہ مسلمان اُس کا شکریہ ادا کر سکیں اور نا ممکن تھا کہ بڑے بڑے عقلمند فی زمانہ اور ماہران فن اصول قوانین بھی باہمی مشورتوں سے ایسے مختصر اور عام فہم لفظوں میں اور ایسی آسانی سے ایسے اصول قایم کر سکتے مگر افسوس ہے کہ اکثر مسلمان اپنے عمدہ مذہب کی اصلی خوبیوں کی طرف خیال نہیں فرماتے اور ایسی ایسی وحشیانہ اور ظالمانہ حرکات کے مرتکب ہوتے ہیں جو بالکل خدا اور رسُول کے حکم کے برخلاف ہیں اور جن کی نسبت ضرور ایک دن اُن سے بازپُرس ہونی ہے اور اپنے اُن نامعقول افعال کو جن کے بیان کرنے سے شرم آتی ہے مذہب اسلام کے مطابق خیال کرنے سے مذہب اسلام کو داغ لگاتے ہیں اُن بیکس لڑکیوں کو جن کے کمبخت ماں باپ مصیبت اور قحط کے دنوں میں بیچ ڈالنے کے حیلہ سے چھوٹ جاتے ہیں شرعی لونڈیاں سمجھا گیا ہے کہ یہ غیرت کی بات نہیں ہے اور کیا یہ مسلمانوں کی رسوائی کا باعث نہیں ہے اور کیا یہ آفت اس لائق نہیں ہے کہ مسلمان اُس سے اجتناب کریں اور اعتدال سے نہ گذریں ؛

حاصل یہ کہ مذہب اسلام کے بموجب تمام برتاؤ ادنے سے لیکر اعلےٰ تک نہایت اعتدال کے ساتھ ہے اور جب اُس سے تجاوز کیا جاتا ہے تب ہی خرابی پیدا ہوتی ہے بہت کم لوگ ہیں جو اپنے معاملات میں اعتدال برتتے ہوں اور خصوصاً ہندوستان میں تو افراط اور تفریط کوئی حد ہی باقی نہیں رہی نکاح کے علاوہ جس کا اوپر ذکر کیا گیا اور بہت سی باتوں میں بے اعتدالیاں ہوتی ہیں اور پھر مشکل یہ ہے کہ اُن بے اعتدالیوں کو بے اعتدالی نہیں سمجھا جاتا ؛

اب آج کل اس بات کا بہت کچھ چرچا ہو رہا ہے کہ مسلمانوں کو شایستگی اور تربیت حاصل کرنا چاہئے

اور بڑے بڑے لوگ اسباب میں ساعی ہیں اور بڑے بڑے پڑھے لکھے اُن اولوالعزم لوگوں کی کوششوں کے برخلاف ہیں اور ایک بڑا مناظرہ اور منافشہ قایم ہوا ہے لیکن میں دیکھتا ہوں کہ وہی ایک اصول جس پر تمام باتوں کا دارومدار ہے یعنی اعتدال دونوں فریق اُسی کو بھولے ہوئے ہیں +

ایک فریق تو شائستگی کے نام سے نفرت کرتا ہے اور اُس میں کوشش کرنے کو ضلالت اور ارتداد بلکہ کفر کے قریب تک نوبت پہنچا دیتا ہے اس فریق نے دنیاوی ترقی کو مذہب اسلام کے بالکل برخلاف سمجھا ہے اس فریق میں سے فیصدی ننانوے آدمی خود دنیا میں مبتلا ہیں مگر بات کا منہ سے نکالنا عیب جانتے ہیں خود ہر قسم کی کوشش مال و دولت اور نام و عزت کے حصول کے واسطے کرتے ہیں۔ لیکن اس بات کو گوارا نہیں کرتے کہ کوئی شخص اُس کو باقاعدہ حاصل کرنے کے واسطے کوشش کرے اور اَوروں کو بھی وہ قواعد سکھلاوے +

دوسرے فریق نے برخلاف اُسکے یہ سمجھا کہ شائستہ قوموں سے ملنے اور میل و ملاپ قایم رکھنے سے اپنی قوم بھی شائستہ اور مہذب ہو سکتی ہے اور یہ خیال اُن کا بالکل درست تھا لیکن اُنہوں نے جو طریقہ اس مقصد کے حصول کیواسطے اختیار کیا اور اب تک بھی بعض بڑے بڑے نامی مسلمان بعض وقت اُسی کی پیروی کرتے ہیں وہ ایسا خراب تھا کہ اُسکے سبب سے اصل مطلب بھی فوت ہو گیا اور بجائے اسکے کہ سچے مسلمانوں کو اس مقصد کے حصول کی طرف کچھ رغبت ہوتی اور زیادہ نفرت ہو گئی اور دن بدن وہ نفرت ترقی پکڑتی جاتی ہے اور یہ ایک بڑی خرابی کی بات ہے اور کچھ شک نہیں کہ یہ تمام خرابیاں صرف اسی وجہ سے پیدا ہوئیں کہ مذکورہ بالا فریقین نے حد اعتدال سے بڑھا کر قدم رکھا +

مشہور بات ہے کہ بڑے بڑے قاضی القضات اور لمبی ڈاڑھیوں والے وہ مولوی صاحب و قبلہ جو ہندوستانی ناچ و رنگ میں شریک ہونیکو نہایت ذلیل اور بیحیائی سمجھتے ہیں (اور بالکل سچ سمجھتے ہیں) انگریزی ناچ و رنگ کی مجلسوں میں بے تکلیف شریک ہوتے ہیں اور اُس کو مصلحت وقت سمجھتے ہیں +

سلطان عبدالعزیز خاں سلطان روم کی نسبت کہا جاتا ہے کہ وہ اسی مصلحت کے لحاظ سے مع اپنے رؤسا اور اُمراء کے اُس بال میں (یعنی انگریزی ناچ و رنگ میں مجلس میں) شریک ہوا جو سفیر انگلستان نے شاہزادہ ولیعہد بہادر انگلستان کے قسطنطنیہ میں تشریف لانے کے وقت اپنے اظہار مسرت کے واسطے دیا تھا +

اب اس موقع پر دو سوال پیدا ہوتے ہیں۔ اوّل یہ کہ ایسے ناچ و رنگ کی مجلس میں بموجب مذہب اسلام کے شریک ہونا جائز ہے یا نہیں۔ دوم یہ کہ اگر ناجائز ہے تو موجودہ وقت کی مصلحت کے لحاظ سے اُس میں شریک

ہونا جائز ہے یا نہیں شق اول کی نسبت تو مجھ کو اس لئے کچھ زیادہ بحث کرنا ضرور نہیں ہے کہ جو صاحب
ان ناشائستہ حرکتوں کے مرتکب ہوتے ہیں ابھی تک اُنہوں نے خود بھی اُس کو شرعاً مباح نہیں فرمایا ہے
شق ثانی کے لحاظ سے میں تسلیم کرتا ہوں کہ مصلحت اندیشی بلاشبہ ایک عمدہ بات ہے لیکن دیکھنا چاہیئے
کہ مذہب اسلام میں اتنی گنجایش ہے یا نہیں کہ مسلمان اپنے تمام افعال مذہب کی پابندی سے کر سکیں اور کوئی
خرابی پیدا نہو مجھ کو ایک بات یاد آئی دہلی میں جب مولوی عبدالقادر صاحب نے اس جہان سے حلت فرمائی تو اُس
خاندان کے دستور کے مطابق اُن کا جنازہ صندوق میں رکھا گیا اور اوپر سے اُس پر شامیانہ تنا مولوی محمد اسمٰعیل
صاحب شہید علیہ الرحمۃ نے جو ایک بےنظیر شخص گذرے ہیں مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب قدس سرہ العزیز سے اس
بات کی درخواست کی کہ صندوق اور شامیانہ کی شرع میں کچھ اصلیت پائی نہیں جاتی یہ دونوں بدعتیں موقوف
کی جاویں مولانا صاحب نے شامیانہ تو موقوف کر دیا اور صندوق کی نسبت یہ جواب کہلا بھیجا کہ اسکی اصل ہے
حضرت یعقوب عَلَیْہِ السَّلام کے جنازہ کو اُن کے بیٹوں نے صندوق میں رکھا تھا۔ یہ جواب سنکر مولوی اسمٰعیل صاحب سے
نہ رہا گیا اور اُنہوں نے علانیہ یہ فرمایا کہ کیا مذہب اسلام اب اس قدر تنگ ہوگیا کہ اُس میں جنازہ اُٹھانے تک
کے بھی پورے پورے احکام نہیں ملتے جو ہم اور انبیاء سابق علیہم الصلوٰۃ والسّلام کی شریعت کی طرف
رجوع لاویں شاہ صاحب اپنے بھتیجے کی یہ بات سُنکر پسینا پسینا ہو گئے اور مشہور ہے کہ اُس دن کے بعد
سے یہ سب رسمیں اُس خاندان میں سے موقوف ہو گئیں +

جو صاحب مصلحت وقت کے حیلہ سے انگریزی ناچ ورنگ کی مجلسوں میں باوجود ممانعت شریعت کے
بے تکلف شریک ہوتے ہیں اُن کا مطلب معاذاللہ یہ ہوتا ہے کہ مذہب اسلام میں کوئی ایسا قاعدہ مقرر نہیں
ہے جسکے ذریعہ سے مسلمان غیر قوموں سے اپنا معاملہ اتفاق کیساتھ قایم رکھ سکیں اور اپنا اعتبار اور اعزاز
غیر قوموں کی نظروں میں پیدا کر سکیں ان مصلحت دشمن مسلمانوں کی نسبت یہ کہنا مناسب ہے کہ یا وہ پکے
مسلمان نہیں یا اُنہوں نے مسلمانوں کے مذہب کی تمام خوبیوں کو اچھی طرح نہیں سمجھا ہے پس ایسی رائے
رکھنے والوں پر سوائے افسوس کے اور کیا کہا جا سکتا ہے اسمیں کوئی مولوی ہو یا کوئی قاضی القضات یا
کوئی سلطان وقت ہم کو ان میں سے کسی کی خلاف شرع مصلحت اندیشی کی تقلید کرنا نہ چاہیئے +

مسلمانوں کے مذہب میں جس قدر اُن باتوں کی تقید ہے جن کے ذریعہ سے غیر قوموں میں مسلمانوں
کا اعتبار اور اعزاز قایم رہے ایسی شاید اَور کسی مذہب میں نہو یہی نکتہ ہے جس کی نسبت حافظ شیرازی
فرماتے ہیں۔ ؎

درمیانِ شرع حکمت بابزاراں اختلاف | نکتہ ہرگز نشد فوت از دلِ دانائے تو

دغا اور فریب سے بچنا ہمارے مذہب کا تمغہ ہے ایک مرتبہ کسی صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا گھوڑا چھوٹ گیا اور وہ صحابی خالی توبرہ اُس کو دکھلا دکھلا کر اُسکے پکڑنیکی فکر میں ہوئے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن صحابی سے پوچھا کہ اس توبرہ میں کچھ ہے اُنہوں نے جواب دیا کہ کچھ نہیں ہے آپنے ارشاد کیا کہ اُس میں کچھ دانہ یا گھاس ضرور ڈال لو ورنہ یہ فعل دغا اور فریب سے سمجھا جاویگا پس خیال کرو کہ جس مذہب کے بانی نے جانوروں کیساتھ ایسی ایسی خفیف باتوں میں بھی دغا اور فریب نہ کرنیکی یہاں تک احتیاط کی اُس نے انسانوں کے آپس میں کس قدر اُس کی تاکید کی ہوگی پس یہ ایک ایسی عمدہ صفت ہے کہ اُس کی بدولت ہم غیر قوموں سے بہت اچھی طرح ملاپ قایم کرسکتے ہیں ہم کو چاہیئے کہ ہم اُنکے سامنے جھوٹ نہ بولیں اپنی غرض کے واسطے اُن کو دھوکہ نہ دیں گو اپنا نقصان ہی ہوتا ہو بات جب کہیں سچی کہیں اور کام جو کریں صفائی دل اور نیک نیتی سے کریں وفائے عہد جس کی نسبت اللہ تعالے مسلمانوں سے ارشاد فرماتا ہے اوفوا بالعهد ان العهد كان مسئولا مسلمانوں کیلئے مذکورہ بالا مقصد کے حصول کیواسطے نہایت عمدہ قانون ہے جو زمانہ مسلمانوں کے عروج اور کمال کا زمانہ گذرا اُس میں بھی مسلمان اپنی اسی یکرنگی اور وفائے عہد کے سبب سے دنیا کی تمام قوموں کی نظروں میں معزز اور ممتاز تھے مسلمان کبھی اپنے دشمنوں کو اس بات کا موقع نہ دیتے تھے کہ وہ مسلمانوں کی نسبت اس قسم کا الزام لگا سکیں +

حضرت ابوعبیدہ بن الجراح جو شام کی لشکرکشی میں مسلمانوں کی فوج کے سردار تھے اُنہوں نے ایک عیسائی حاکم سے صلح کی اور یہ عہد کرلیا کہ اہل عرب عہدنامہ کی مدت تک تمہاری سرزمین میں دست اندازی نہ کرینگے عیسائیوں نے اس قرارداد پر پورا پورا عمل ہونیکے واسطے اپنی صد پر ایک مینار تعمیر کرایا اور اپنے حاکم کی تصویر اُس پر قایم کردی اہل عرب جب اُس تصویر تک پہنچتے تھے تو ایفائے عہد کی غرض سے آگے نہ بڑھتے تھے ایک دفعہ کسی اتفاق سے اُس تصویر کی آنکھ میں کچھ نقصان آگیا عیسائیوں نے اُس کی شکایت کی کہ اہل عرب نے اس آنکھ کو ناقص کردیا ہے اور یہ ایک نقض عہد ہے حضرت ابوعبیدہ یہ بات سُنتے ہی کانپ گئے اور اُن شکایت کرنے والوں کے سامنے اپنی دونوں آنکھیں کردیں کہ اگر تمہارے گمان میں یہ کام ہماری طرف سے ہوا ہے تو جونسی آنکھ تمہاری تصویر کی ناقص ہوگئی ہو وہی آنکھ تم میری ناقص کردو کہ یہ تکلیف مجھ کو نقض عہد کے الزام عاید ہونے سے آسان تر ہے عیسائیوں نے مسلمانوں کے سردار کی اس ہمت پر آفرین کی اور اُس فعل سے باز رہے +

اب خیال کرنا چاہیئے کہ جو وقار حضرت ابوعبیدہ بن الجراح اور اُنکے ساتھی مسلمانوں کا رضی اللہ تعالے عنہم اجمعین اس عمدہ صفت کے ذریعہ سے اُس وقت کے عیسائیوں میں ہوا کیا سلطان روم اور اُس کے

امراء اور رؤسا کا وہی اعتبار اپنے اس فعل کا مشروع کے ذریعہ سے حال کی غیر قوموں کی نظروں میں ہو سکتا ہے۔ حاشا کہ اُس کا عشر عشیر بھی نہیں ہو سکتا۔ سلطان نے اگر یہ غلطی کی تو بہت برا کیا۔ اور مسلمانوں کو ہرگز اُس کی تقلید مناسب نہیں ہے ہم نے جب اپنے مذہب کے خلاف کام کر کے غیر قوموں میں اپنا اعتبار بھی پیدا کیا تو ہم کیا فیض کو پہنچ سکتے ہیں جن قوموں کے خوش کرنے کے واسطے یہ وتیرہ اختیار کیا وہ بھی تو نادان نہیں جب وہ دیکھیں گی کہ ہم خلاف شرع کام اُن کی خوشامد سے کرتے ہیں تو وہ بھی ہم کو حقارت سے دیکھینگی اور جو رسوائی ہم کو دنیا میں اور مسلمانوں کی نظروں میں اور عاقبت میں خدا اور رسول کے سامنے ہوگی وہ اُس پر مستزاد ہے +

جو کام ہم اختیار کریں ضرور ہے کہ اُس میں ہر پہلو اور ہر جانب کا خیال کریں اور خصوصاً اپنے مذہب کی طرف سے ہر قسم کی احتیاط کریں دنیا کی اصلاح مسلمانوں کے مذہب کے برخلاف نہیں ہے بلکہ عین مقصود شارع ہے کچھ شک نہیں کہ خدانخواستہ اگر تمام مسلمان مفلس قلاش ہو جاویں تو مسلمانوں کے مذہب کی بھی رونق باقی نہ رہیگی یہ سب اُسی وقت ہے جب کسی ترقی دنیاوی سے ہم کو اپنے مذہب میں کسی نقصان کے آنیکا اندیشہ نہ ہو پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے اعوذ باللہ من الغنی المطغی واعوذ باللہ من الفقر المکب یعنی اے اللہ مجھ کو پناہ میں رکھ ایسی دولت اور ثروت سے جس سے آدمی گمراہ ہو جاتا ہے اور اے اللہ میں پناہ مانگتا ہوں ایسی تنگی اور محتاجی سے جس سے آدمی چلا اُٹھے خود خدا تعالےٰ نے ہم کو یہ دعا تعلیم فرمائی ہے ربنا اٰتنا فی الدنیا حسنۃ وفی الاٰخرۃ حسنۃ وقنا عذاب النار۔ پس یہ کون کہتا ہے کہ ہم کو اپنی دنیا کی اصلاح کی طرف متوجہ ہونا ضرور نہیں ہے مگر ہاں اُس میں صرف اس قدر متوجہ ہوں کہ اپنے نماز روزہ کی طرف سے بھی غافل نہ ہو جاویں +

ہر ایک مسلمان اس بات سے بخوبی واقف ہے کہ جوں جوں مسلمانوں کے قبضہ میں ملک زیادہ آنے لگے مسلمانوں کی عزت اور اسلام کی رونق زیادہ ہوتی گئی اور پھر یہ بھی ظاہر ہے کہ جب خلفاء راشدین کی خلافت کا زمانہ گذر گیا اور کچھ دنوں بعد مسلمان بادشاہوں نے غیر قوموں کی دیکھا دیکھی شاہانہ ٹھاٹ درست کئے اور عیش و آرام میں اس درجہ مستغرق ہوئے کہ مذہب کی طرف سے غافل یا کاہل ہو گئے وہی مفتوحہ ملک اُنکے قبضہ سے رفتہ رفتہ نکلنے شروع ہو گئے۔ پس سنے یہ کیفیت صرف مسلمانوں کی بیان کی اور حقیقت میں تمام قوموں اور سلطنتوں کا یہی حال ہوا جب اُن قوموں اور سلطنتوں میں اپنے اپنے مذہب کے برخلاف کام ہونے لگے اُن سلطنتوں میں زوال آگیا پس مسلمانوں کو ہر ایک ترقی اختیار کرتے وقت اپنے مذہبی ارکان کی طرف سے بہت ہوشیار رہنا چاہئے۔ ع

سنبھلکے رکھنا قدم دشت خار پر مجنوں　　کہ اس نواح میں سودا برہنہ پا بھی ہے

عام محبّت

یعنی غیر مذہب والوں کے ساتھ محبّت اور دوستی

آج کل ہندوستان کے مسلمانوں کے بعض مسائل نصفیہ اکثر اس مصلحت پر مبنی ہوتا ہے کہ غیر مذہب والوں کے ساتھ دوستی اور محبت شرعاً ممنوع ہے۔ بہت سی باتیں جن کو ہماری سہل شریعت نے مباح کر دیا ہے وہ اسی مصلحت کے لحاظ سے مذموم بلکہ ناجائز سمجھی جاتی ہیں غیر مذہب والوں کے ساتھ کھانا اور پینا جو فی نفسہ مباح ہے اسی ایک مصلحت کے سبب سے متروک ہو رہا ہے یہاں تک کہ بعض مقدس مزاج اور محتاط طبیعتیں غیر مذہب والوں کے ساتھ آمد و رفت اور نشست و برخاست کو بھی پسند نہیں کرتیں۔ علما اسلام کا یہ حال ہے کہ وہ دنیا اور مافیہا کے حالات سے تو مطلق آگاہی نہیں رکھتے اُن کو یہ کچھ نہیں معلوم کہ اَور ملکوں میں کیا ہو رہا ہے اور ضرورت وقت کے لحاظ سے ہم کو کیا کرنا چاہئے وہ نیک نیتی سے یہ سمجھے ہوئے ہیں کہ اگر غیر مذہب والوں سے اس قسم کی راہ و رسم جاری کی جاوے تو اس بات کا قوی اندیشہ ہے کہ عوام اہل اسلام جو اپنے مذہبی مسائل سے ناواقف یا کم واقف ہوتے ہیں وہ غیر مذہب والوں کی صحبت میں خراب اور اپنے دین و مذہب سے منحرف ہو جاویں گے اس لئے وہ بالقصد مسلمانوں کو مباحات شرعیہ کے عمل میں لانیکی اجازت نہیں دیتے اور خود اس لئے انکا استعمال نہیں کرتے کہ جو بات باپ دادوں سے نہیں ہوئی اُس پر جرأت کرنا مشکل ہے اور جن عالموں کی ثابت قدمی اس مشکل پر غالب بھی آسکتی ہے وہ اس لئے ان مباحات سے کنارہ کر جاتے ہیں کہ ہم کو کرتا ہوا دیکھکر عوام بھی ویسا ہی کرنے لگیں گے اور پھر وہی خرابی پیش آوے گی جس کا اندیشہ ہے۔ حالانکہ یہ اندیشہ بالکل غلط اور اس غلطی کا یہ علاج اور زیادہ غلط ہے عوام کا عقیدہ جن کا عمل بالکل یؤمنون بالغیب پر ہے اس قدر پختہ ہوتا ہے کہ بعض اوقات ہدایہ اور صدرے پڑھنے والے طالب علموں کو اپنے بعض مذہبی مسائل کیطرف تزلزل ہو جاتا ہے مگر عوام کو کبھی خواب میں بھی کوئی تشویش لاحق نہیں ہوتی اور یقیناً یہی کیفیت اُن کی غیر مذہب والوں کی صحبت میں بھی باقی رہیگی پس عوام کے خوف سے اپنے مسائل کو آزادی سے بیان کرنیں تامل کرنا بلکہ ٹال جانا اور اُس کو اپنے وہمی اندیشہ کا علاج خیال کرنا حقیقت میں سخت الزام کی بات بلکہ گناہ اور معصیت میں داخل ہے اور اپنی شریعت میں ایک قسم کی تحریف ہے ✦

اور ایسے عالموں اور عابدوں سے بھی زمانہ خالی نہیں ہے اور اُن مباحات سے صرف اس غرض سے متمتع نہیں ہوتے کہ ہمارا تشخص اور تقدس صاحبان دِل کے دلوں میں جو اُنکے مایہ توکل ہیں اُنکے باعث

رونق ہیں قایم رہے - اس اخیر گروہ کی ذلت تو اب خدا کی عنایت سے روز بروز کامل ہوتی چلی جاتی ہے امراء بھی اب اُن کو حقارت کی نظر سے دیکھنے لگے ہیں اور اہل مذاق نے اپنی اصطلاح میں اُن کا لقب تحصیلدار رکھ لیا ہے جو اوقات معین پر دورہ کرتے ہیں اور اپنا نذرانہ معینہ وصول کر لیجاتے ہیں - اس مضمون میں ان تحصیلداروں کے اعمال و افعال سے کچھ بحث نہیں ہے بلکہ گفتگو اول الذکر فرقوں کے خیالات سے ہے +

پس واضح ہو کہ محبت کی دو قسمیں ہیں - ایک محبت من حیث الدین اور یہ وہ محبت ہے جو مسلمانوں کے باہم صرف تو حد مذہب کے لحاظ سے ہوتی ہے - ایک مسلمان عالم اور دیندار جس کو پہلے ہم نے کبھی نہ دیکھا ہو اسی محبت کے سبب سے ہمارے نزدیک واجب التعظیم ہوتا ہے - اسی جوش مذہبی کے سبب سے اُس دیندار اور عالم کی محبت ہمارے دل میں اثر کر جاتی ہے - پس یہ محبت مسلمانوں کو صرف مسلمانوں سے ہو سکتی ہے اور مسلمانوں ہی پر منحصر نہیں جو دنیا میں جس قدر اہل مذاہب ہیں اُن سب کی یہی کیفیت ہے کسی مذہب کا آدمی دوسرے مذہب والوں سے محبت اور من حیث الدین پیدا نہیں کر سکتا +

دوسری قسم کی محبت وہ ہے جو امور معاشرت اور روزمرہ کے دنیاوی برتاؤ کے واسطے خدا نے آفرینش عالم کے ساتھ پیدا کی ہے اور وہ ایسی ضروری شے ہے کہ نظام عالم کے بڑے بڑے ارکان اُسی پر منحصر ہیں ماں باپ کو اپنے بچوں سے بھائی کو بھائی سے میاں کو بی بی سے اور بی بی کو میاں سے اپنے خانداں والوں سے اپنے ہم محلہ سے اپنے شہر والوں سے اپنے ملک والوں سے اپنے ہمجنسوں سے اور اپنے مددگاروں اور اپنے محسنوں سے جو محبت ہر انسان کو ہوتی ہے وہ اسی دوسری قسم کی محبت ہوتی ہے - البتہ محبت من حیث الدین اکثر اس محبت من حیث المعاشرت سے شامل ہو جاتی ہے برخلاف اسکے اگر ہم یہ دعوے کریں کہ ماں باپ کو اپنے بچوں سے اس لیئے محبت ہوتی ہے کہ بظن غالب آخر کو وہ اولاد اپنے ماں باپ کے مذہب کی پیروی کرینگے تو اس بات کی کیا وجہ ہوگی کہ چوپایوں اور پرندوں میں بھی جو کچھ مذہب نہیں رکھتے ایسی ہی محبت پائی جاتی ہے جیسی انسانوں میں ہوتی ہے اس سے صاف ظاہر ہے کہ محبت من حیث المعاشرت ایک دوسری قسم کی محبت اور ایک قدرتی اثر ہے جو محبت من حیث الدین سے بالکل علحدہ ہے لیکن یہ دونوں محبتیں باہم ایک دوسری کے مخالف اور ضد نہیں ہیں - ایک جوش مذہبی جو انسان کے دل میں پیدا ہوتا ہے محبت من حیث الدین کو تو پیدا کر دیتا ہے لیکن محبت من حیث المعاشرت کو جو فی نفسہ ایک جدا شے ہے منقطع نہیں کرتا اور نہ اُس سچے جوش مذہبی میں یہ تاثیر ہوتی ہے کہ وہ کسی محبت من حیث المعاشرت کو ہم مذہبوں یا غیر مذہبوں سے منقطع کر سکے +

غالباً میرے اس اخیر بیان سے کہ جوش مذہبی محبت من حیث المعاشرت کو جو کسی غیر مذہب والے کیساتھ

ہو منقطع نہیں کر سکتا کمتر شخص اتفاق کریں گے - اس وقت بیشتر لوگوں کی رائے یہی ہے کہ جوش ایمانی ایسی محبت کو دل میں جگہ نہیں دے سکتا وہ لوگ جوش ایمانی اور محبت من حیث المعاشرت کو جو غیر مذہب والوں سے ہو دو متضاد خاصیتیں تبلاتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ ان میں سے ایک کے ایجاب سے دوسری کا سلب لازم آتا ہے لیکن جہاں تک میں نے غور کیا ہے اور جہاں تک مجھ کو تجربہ ہوا ہے میرے نزدیک ان کے اس دعوے کے لئے کوئی دلیل موجود نہیں ہے - ایک جوش جو آجکل کے مسلمانوں کے اعتقادوں کے بموجب محبت من حیث المعاشرت کو غیر مذہب والوں سے منقطع کرتا ہے وہ حقیقت میں کوئی ایمانی جوش نہیں ہے وہ اُن متعصبانہ خیالات کا جوش و خروش ہوتا ہے جن کو نور ایمانی سے کچھ لگاؤ نہیں ہوتا لیکن غلطی سے لوگ اُس کو مذہبی جوش سمجھنے لگے ہیں اور میں خود بھی پہلے ایک عرصہ تک جبتک خدا کے احکام پر غور سے نظر نہیں کی تھی ایسا ہی سمجھتا تھا لیکن جب اُس کو غور سے اور انصاف سے دیکھا تو اس جوش و خروش کو دھوکہ کے سوا اَور کچھ نہ پایا اور ان لغو خیالات کی بنا ایک بڑی باریک غلطی پر نکلی چنانچہ اس مضمون میں ہم اُسی غلطی کو مفصّل بیان کریں گے +

غیر مذہب والوں کے سر میں سینگ نہیں ہوتے جن کی خلش سے ہم اُن سے نفرت کریں کوئی غیر مذہب شخص اگر علانیہ ہمارے مذہب یا ہمارے دین کے پیشواؤں کی نسبت دشنام دہی کرے تو بلاشبہ ہمارے دل کو سخت کڑوا معلوم ہوگا اور ممکن نہیں کہ ہم ایسے شخص سے محبت من حیث المعاشرت قائم رکھ سکیں یہ نفرت ہمکو اسکی بے تہذیبی کی وجہ سے پیدا ہوگی نہ اُس کی مغایرت مذہبی سے کوئی غیر مذہب شخص اگر فی الواقع ہم سے ذاتی نفرت کرتا ہو اور ہماری طرف سے اُس کو دلی عناد اور تعصب ہو تو ہمارے دل میں بھی اُس کی طرف سے سچی محبت کا اثر نہیں ہو سکتا اور اس لئے ہم بھی اگر اُس کے ساتھ ویسا ہی برتاؤ کریں جیسا وہ ہمارے ساتھ کرتا ہے تو کوئی زبان یا قلم ہم کو ملزم نہیں ٹھہرا سکتا اور اگر ہم سچائی اور راستبازی کا استعمال کریں اور اپنے ظاہری برتاؤ کو اپنی دلی کیفیت سے مطابق کریں تو یہ نہایت بہتر اور مردانہ کارروائی میں داخل ہے وان تصبروا وتتقوا فان ذالک من عزم الامور ان مذکورہ بالا کیفیتوں میں سے جب کوئی کیفیت نہ پائی جاوے اور کسی شخص پر سوائے دوسرے مذہب میں ہونیکے اَور کوئی الزام نہ ہو تو اُس سے بیٹھے بٹھائے کی ناحق عداوت کی وجہ اسکے سوا شاید اور کچھ نہ ہوگی کہ وہ ہمارے سچے مذہب کو جھوٹا سمجھتا ہے اور جس مذہب کو ہم بُرا جانتے ہیں وہ اُس کو اچھا جانتا ہے لیکن انصاف اور عقل کے نزدیک یہ وجہ ہرگز اُس سے نفرت اور عداوت کرنیکے واسطے کافی نہیں ہے - دوسرے شخص نے اگر ہمارے مذہب کو بُرا سمجھا تو ہم نے بھی اُسکے مذہب کو ایسا ہی خیال کیا ہے - ہمکو اگر یہ طیش ہے کہ اُس

دوسرے نے ہمارے سچے مذہب کو بُرا خیال کیا ہے تو اُس دوسرے شخص کو بھی ایسا ہی طیش ہوگا غرض کہ یہ ایک رائے کا اختلاف ہے عداوت اور دشمنی کی کوئی وجہ اُس سے پیدا نہیں ہوتی +

ایک شہر جس کی آب و ہوا در حقیقت نہایت عمدہ اور صحت بخش ہو کوئی دوسرا شخص اگر غلطی سے اُس کو ناقص خیال کرے یا کوئی مریض کسی نہایت نافع دوا کے استعمال کرنے سے اس خیال خام سے باز رہے کہ دوا مضر ہے تو ایسی ناسمجھیوں پر بلاشبہ افسوس پیدا ہوگا نہ عداوت اور بغض ہمارا یہ خیال کہ وہ نادان شخص اُس عمدہ آب و ہوا کے مقام کو کیوں ناقص بتلاتا ہے اور وہ مریض کیوں ایسی اچھی دوا کو استعمال نہیں کرتا یا ہمارا یہ خیال کہ کوئی غیر مذہب والا شخص ہمارے اس عمدہ مذہب کی پیروی کیوں نہیں کرتا بالکل ایک سے خیالات ہیں پس کوئی وجہ نہیں کہ اول دو خیالوں سے ہم کو ایسی بےچینی پیدا نہ ہو جو عداوت کے درجہ تک پہنچ جاوے اور یہ اخیر خیال ہم کو ایسا بے آرام کر دیوے کہ ہم ایک لمحہ بھی کسی شخص کو غیر مذہب کی پیروی میں ترچھی نگاہوں بغیر نہ دیکھ سکیں +

یہ بےچین حالت اگر در حقیقت نور ایمانی اور جوش مذہبی سے کچھ علاقہ رکھتی تو ہماری بہ نسبت انبیا کرام صلوات اللہ علیہم اجمعین اس حالت میں مستغرق رہنے کے زیادہ سزاوار تھے حالانکہ خدا نے قرآن شریف میں اس حالت کو پسند نہیں کیا بلکہ اُس سے منع کیا ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ عز وجل۔ وان کان کبر علیک اعراضہم فان استطعت ان تبتغی نفقا فی الارض او سلما فی السماء فتاتیہم بآیۃ ولو شاء اللہ لجمعہم علی الھدیٰ فلا تکونن من الجاھلین یعنی اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اگر تم کو کافروں کا اعراض کرنا ناگوار ہے تو اگر تم سے ممکن ہو تو زمین میں کوئی سرنگ یا آسمان میں کوئی سیڑھی لگاؤ اور وہاں سے کوئی نشانی اُن کے واسطے لے آؤ۔ اور اگر اللہ چاہتا تو اُن سب کو ہدایت دیتا پس تم نادان نہ بنو +

اس بےچینی کے علاوہ ایک بڑا سبب اس نفرت کا یہ بھی ہے کہ اکثر مسلمان یہ خیال کرتے ہیں۔ کہ "ہم کو خدا تعالیٰ نے غیر مذہب والوں کے ساتھ دوستی اور محبت کرنے کو قطعاً منع کر دیا ہے جس طرح فرمایا خدائے پاک نے لا تتخذ الکافرین اولیاء من دون المؤمنین یا فرمایا۔ کہ لا تتخذ والیھود والنصاریٰ اولیاء یا ارشاد ہوا لا تتخذ وا عدوی وعدکم اولیاء۔ اسی طرح اور اکثر آیتیں اسی تاکید میں موجود ہیں جن کا صاف یہ مطلب ہے کہ مسلمانوں کو غیر مذہب والوں سے دوستی اور محبت کرنا بالکل منع ہے خواہ وہ یہودی ہوں یا نصاریٰ یا مشرک تحقیقت میں یہ خیال بہت سے مسلمانوں کے دلوں میں اثر کر گیا ہے اور علماء زمانہ نے اُس کو اور بھی غطربود کر دیا اب سچی بات کا زبان سے نکالنا

تک نہایت مشکل ہو گیا ہے +

مسلمان اگر غور و انصاف سے دیکھیں تو وہ صاف اِس بات کو معلوم کرینگے کہ اگر درحقیقت مذہب اسلام کے مسائل کا ایسا ہی حال ہو جیسا اُن کا خیال ہے تو مذہب اسلام سے زیادہ مسلمانوں کے حق میں کوئی دوسری آفت اور وبال نہ ہوگا جن غیر قوموں اور غیر مذہب والوں کیساتھ مسلمانوں کو بمقتضائے ضروریات بشری اپنا کاروبار جاری کرنا پڑتا ہے یا آیندہ پڑے یا جو غیر قومیں مسلمانوں پر حکمرانی کریں اُن کو مسلمانوں کی طرف سے رفاقت کی کیا اُمید ہوگی اور کس بھروسہ پر وہ صفائی دل سے مسلمانوں کیساتھ معاملات میں راستبازی کرینگی اور وقت پر اُن کی ضرورتوں کے سرانجام میں اُنکی مددگار ہونگی ہمارے عالموں نے ایسی ضرورتوں کے لحاظ سے ایک شرعی حیلہ یہ تصنیف کر لیا ہے کہ ضرورت کے واسطے غیر مذہب والوں سے ضروری ملاپ جائز ہے - یہ راز اگر اسرار تصوف کی طرح سینہ بسینہ چلا آتا تو شاید کچھ کام کا بھی ہوتا لیکن جب اُس سے کتابیں مرتب ہوئیں اور چھاپی گئیں اور اُس کی بنا قرآن پاک کی اس آیت پر قایم ہوئی کہ الا ان تتقوا منھم تقاۃ تو اب وہ راز مخفی نہیں رہ سکتا - ع

نہاں کے ماند آں رازے کزو سازند محفلہا

غیر قومیں کوئی احمق یا غافل نہیں ہیں جو ہمارے داؤ میں آجاوینگی وہ ایسی اندھی نہیں ہیں کہ جب مسلمان اپنی ضرورتوں کے وقت اُنکے سامنے خوشامد اور جھوٹے اظہارات محبت اور دوستی سے پیش آویں تو وہ ان کی اس منافقانہ کارروائی سے نفرت نہ کریں اور ہمارے اس خود غرض اور ذلیل طریقہ کے سبب سے ہم کو وہ ذلت کی نظروں سے نہ دیکھیں - یاد رکھنا چاہیئے کہ جبتک مسلمان صفائی قلب سے کسی قوم سے نہ ملینگے تبتک وہ قوم ہرگز ہمارے شریک حال نہیں ہو سکتی نہ وہ ہمارے کسی کام میں مدد کر سکتی ہے اور نہ ہم سے صفائی کے ساتھ مل سکتی ہے +

اب خیال کرنا چاہیئے کہ جو حالت مسلمانوں کی ہندوستان میں اور نیز اور ملکوں میں بالفعل ہے وہ کس قدر غیر قوموں اور غیر مذہب والوں کی امداد اور دستگیری کی محتاج ہے اور جب یہ بات بھی ہمارے ایمان میں داخل ہے کہ خدا کو یہ سب کیفیت جو مسلمانوں پر اب طاری ہے یا آیندہ طاری ہوگی سب کچھ روز ازل سے معلوم تھی اور اُس پر بھی ہم ایمان لائے ہیں کہ اب اور کوئی نبی ہماری شریعت کی اصلاح کیواسطے یا کوئی دوسری شریعت لیکر نہ آویگا اور ہماری شریعت اب ہر طرح کامل اور مختتم ہے اور اُس شریعت کے وہی احکام صحیح فرض کئے جاویں جن سے ہم نے اوپر اختلاف کیا ہے تو گویا زبان حال سے ہم اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ خدا کو باوجود اس تمام عظم و شان کے اتنی بھی لیاقت نہیں ہے جو وہ اپنے پیارے

مسلمانوں کیواسطے ایسی شریعت مقرر کرتا جسکے احکام ہر وقت کی تبدیلیوں کے لحاظ سے اُن کی بقا عزت وآبرو اور اُن کی تمام ضروریات کے سرانجام کے واسطے کافی اور وافی ہوتے۔ اگر یہ نہیں تو دوسری بات یہ تسلیم کرنی پڑے گی کہ خدا نے ہم کو دھوکہ میں رکھا اور ہم کو ایک ایسی شریعت میں پھانسا جسکے احکام خود بخود ایک وقت میں ہماری تباہی اور بربادی کا موجب ہو جاویں تمام اقوام میں ہماری دشمن ہو جاویں اور ہر شخص حقارت کی نظر سے ہمارے اوپر تھوتھو کرے۔ نعوذ باللہ منہا +

مگر الحمد للہ کہ نہ ہمارا خدا ایسا بے وقوف ہے اور نہ ہماری شریعت غرہ مصطفویہ ایسی مہمل شریعت ہے۔ ع

ہر چہ ہست از شامتِ ناسازیٔ اندام ماست
ورنہ تشریف تو بربالائے کس کوتاہ نیست

ہمارا خدا جس نے اپنے سچے بنی کے ذریعہ سے اپنے پُرحکمت احکام ہماری ہدایت اور عمل کیواسطے بھیجے سب سے زیادہ دانا اور بینا اور حکیم ہے اس حکیم مطلق نے جو شریعت ہمارے واسطے مقرر کی وہ جیسی وسعت میں کامل ہے ویسی ہی برتاؤ میں سہل ہے اپنے برتاؤ کے لحاظ سے جیسی وہ شریعت ایک بہت عمدہ موسم میں کسی جوان آدمی کی جوانی کے مناسب حال ہے ویسے ہی ایک نامناسب موسم میں وہ ایک پیر ضعیف مرد کی ضعیفی کے مناسب ہے اپنی وسعت کے لحاظ سے وہ تمام گذشتہ شریعتوں سے فراخ تر ہے اُسکی ہر حکمت اور نہایت آسان احکام کا یہ قدرتی اثر ہے کہ مسلمان ہر ایک انقلاب کی حالت میں خوشی سے بسر کریں مذہب اسلام کا ہرگز یہ منشا نہیں ہے کہ کسی قوم یا مذہب والے کی طرف سے دل میں عداوت اور کینہ اور بغض قایم کیا جاوے جو بالکل انسانیت کے برخلاف ہے قرآن شریف کی تمام مذکورہ بالاآیات کا مطلب یہ ہے کہ جو غیر مذہب والے مسلمانوں سے دین کے معاملہ میں لڑتے ہیں اور مسلمانوں کو اُنکے گھروں سے نکالا ہے اُن سے محبت اور دوستی نہ رکھنا چاہیے اُن سے صرف اس قدر معاملت جائز ہے جس سے اپنا بچاؤ رہے اور یہ اخلاق انسانی کا ایک ایسا معتدل حصول ہے جس سے کسی مذہب کا آدمی انکار نہیں کرسکتا۔ یہ کسی طرح جائز نہیں ہوسکتا کہ دو لشکر جو آپس میں مقابل ہوں اُن میں سے ایک گروہ کے بعض لوگ دوسرے گروہ والوں سے دوستانہ راہ ورسم جاری کریں اور اپنے لشکر کی سب خبریں دوسرے لشکر والوں کو پہنچاویں اور لشکر کے ضعف اور غنیم کی قوت کا باعث ہوں۔ پس جہاں جہاں مسلمانوں کو غیر مذہب والوں کی دوستی سے منع کیا گیا ہے وہ سیاسی قسم کی دوستی اور محبت ہے نہ وہ دوستی اور محبت جو من حیث المعاشرت ایک انسان کو دوسرے انسان سے لازمی ہے +

فرمایا اللہ پاک نے قرآن بزرگ میں لا ینہاکم اللہ عن الذین لم یقاتلوکم فی الدین ولم یخرجوکم من دیارکم ان تبروھم وتقسطوا الیہم ان اللہ یحب المقسطین انما ینہاکم اللہ عن الذین قاتلوکم فی الدین واخرجوکم من دیارکم وظاھروا علیٰ اخراجکم ان تولوھم ومن یتولہم فاولٰئک ھم الظالمون "یعنی اللہ تعالیٰ تم کو اس بات سے منع نہیں کرتا کہ جو لوگ تم سے دین کے معاملہ میں نہیں لڑے اور جنہوں نے تم کو تمہارے گھروں سے نہیں نکالا انکے ساتھ تم احسان اور انصاف کرو بیشک اللہ انصاف والوں کو دوست رکھتا ہے - اللہ جس بات سے تم کو منع کرتا ہے وہ یہ ہے کہ جو لوگ دین میں تم سے لڑے اور تم کو تمہارے گھروں سے نکالا تم کو تمہارے گھروں سے نکالنے میں اوروں کی مدد کی اُن سے دوستی کرو اور جو لوگ اُن سے دوستی کریں گے وہ ظالم ہیں" یہ آیت تمام آیات ترک موالات اور ترک رفاقت وغیرہ کی صاف صاف تفسیر ہے جسکے سامنے کسی اَور تفسیر کی حاجت نہیں ہے +

پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر مذہب والوں کے تحائف قبول کئے اُن کی دعوتیں منظور کیں جو بالکل محبت کے مقدمات ہیں - خدا نے ہم کو یہ اجازت دی کہ جن غیر مذہب والوں سے تمہاری دینی لڑائی نہیں ہے اُن سے ملو اور اُن کے ساتھ اچھا سلوک کرو - ہم کو اپنے مذہب کی رُو سے لازم ہے کہ جہاں ہم محکوم ہوں وہاں اپنے حاکم کی اطاعت کریں اور جہاں غیر قوموں پر حاکم ہوں وہاں اپنے محکوموں کی واجبی رعایت کریں اُن کی شراب کی ایسی ہی حفاظت کریں جیسی اپنے سرکہ کی اور اُنکے سوروں کی ایسی ہی نگہداشت کریں جیسی اپنے دنبوں کی - ہم کو یہ بھی تاکید ہے کہ جب ہم کسی سے عہد کریں تو مضبوطی سے اُس پر قایم رہیں کہ یہ سب باتیں مجموع من حیث المجموع باہم محبت اور دوستی کو مستحکم کرتی ہیں +

خدا نے خود ہم کو اس بات سے مطلع فرمایا ہے کہ نصاریٰ تمہارے ساتھ زیادہ دوستی کریں گے کما قال ولتجدن اقربھم مودۃ للذین اٰمنوا الذین قالوا انا نصاریٰ ذٰلک بان منھم قسیسین ورھبانا وانھم لا یستکبرون بعض دوستیاں اس قسم کی بھی ہیں کہ گویا ایک فریق دوستی کا اظہار کرے لیکن دوسرے فریق کو اُس سے کنارہ ہی کرنا اولے ہے لیکن خدا نے نصاریٰ کی اُس دوستی کی علت بھی بیان فرمادی تاکہ کسی کو شبہ نہ رہے کہ وہ دوستی کس قسم کی ہوگی اور فرمایا کہ وہ اس واسطے تمہارے دوستدار ہونگے کہ اُن میں عالم ہیں اور درویش ہیں اور وہ غرور نہیں کرتے یعنی اُن کی طرف سے یہ دوستی تمہاری نسبت کمال تہذیب کے سبب سے ہوگی جیسا عام دستور ہے کہ ایک مہذب انسان دوسرے مہذب انسان سے محبت اور دوستی سے پیش آتا ہے - پھر کیا مسلمان ایسے نامہذب اور وحشی ہو جاوینگے کہ جو فرقہ اُن کا دوست ہو اور دوست بھی ایسا دوست جس کی دوستی کی خبر خدا نے ہم کو دی اُس کیساتھ بھی وہ نفرت سے پیش آویں

کیا مسلمان کبھی انگلستان اور فرانس کے نصاریٰ کے اُن احسانات کو بھول سکینگے جو کریمیا کی لڑائی میں اُن کی طرف سے مسلمانوں کی سلطنت اعظم نہیں نہیں بلکہ مسلمانوں کی مذہبی عزت برقرار رکھنے اور مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں اسلام کا جھنڈا قایم رکھنے کے واسطے برتی گئی۔ اس لڑائی میں ہمارے یہ مددگار جن کو خدا جزائے خیر دے خاص اپنے مذہب یعنی روسیوں کے مقابلہ پر جنہوں نے ظلم پر کمر باندھی تھی کندھے سے کندھا اور سینہ سے سینہ ملا کر لڑے اور جہاں ہمارا خون گرا وہاں اُنھوں نے اپنے خونوں کی بھی دھاریں بہادیں اور ہمارے دشمنوں کو مغلوب کیا اور حرمین شریفین پر جن کا نام لے کر ہمارے عالم وجد میں آجاتے ہیں ہمارا قبضہ قایم رکھا۔ اگر یہ سب اس لیئے ہؤا کہ سلطان روم خلد اللہ ملکہ اپنے ان مددگاروں سے نہایت صفائی اور خلوص کے ساتھ دوستانہ ملا۔ بخارا میں اس کے برخلاف اور علمارنا عاقبت اندیش کی مرضی کے مطابق کام ہوا غارت ہوگیا پھر کیا مسلمانوں پر یہ فرض نہیں ہے کہ جب کبھی خدانخواستہ او نصیب اعدا کوئی موقع آوے تو جہاں ہمارے ان مددگاروں کے پسینا گرنیکا احتمال ہو وہاں اپنے خون کے نالے بہاویں۔ اب ہم اپنے عالموں سے دریافت کرتے ہیں کہ کیا ایسے ایسے معاملات کے بعد بھی دو مختلف قوموں کے باہم سچی محبت اور دوستی نہیں ہو سکتی مگر افسوس جو شخص یہ بھی نہ جانتا ہو کہ انگلستان اور فرانس کی مدکیسی اور کریمیا کسی جانور کا نام ہے یا کسی زبان کا لغت ہے اور کجا روس اور کجا مکہ و مدینہ۔ وہ کیا خاک ان باتوں کا جواب دے سکتا ہے ع

ایں از صدرے واز شمس بازغہ نے آید

خدا نے ہم کو اجازت دی کہ ہم اہل کتاب عورتوں سے نکاح کریں پس جو اولا اُن عورتوں سے ہوگی کیا وہ اپنی ماؤں سے دلی پیار اور محبت نہ کرے گی معہذا جس قدر استحقاق بیبیوں کے خاوند پر ہماری شریعت کے بموجب ہیں اور جیسی کچھ رعایت اور محبت اور حسن اخلاق ہم کو مسلمان بیبیوں کے ساتھ برتنا چاہئے وہ سب ہم کو اُن اہل کتاب بیبیوں کی نسبت برتنا ضرور ہوگا ورنہ ہم گنہگار ہونگے پھر کیا یہ ہو سکتا ہے کہ وہی خدا غیر مذہب والوں سے ایسے ایسے رشتوں اور قرابتوں کو جن میں محبت ثواب اور ترک محبت گناہ ہو ہمارے لئے جائز کرے اور خود ہی ہمارے واسطے اَور قوموں کو ہمارا دوست ٹھہراوے اور پھر وہی خدا ہم کو یہ حکم دے کہ تم اُن سے بغض و عداوت کرو یہ خدائی کا ہیکو ہے یونانیوں کی فلکیات یا لڑکوں کا کھیل ہے۔ وَھٰذا بہتان عظیم ؎

گر مسلمانی ہمین است کہ واعظ گوید

وائے گر درپس امروز بود فردائے

مسلمانوں کو یہ بات بھولنا نہ چاہئے کہ قرآن شریف تمام کتب سماوی کا مصدق ہے جس میں انجیل کی اخلاقی

ہدایتیں بھی شامل ہیں اور یہ بھی اُن کو معلوم ہے کہ جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے ایک بڑی غرض یہ بھی تھی کہ اخلاق انسانی اپنے حد وکمال کو پہنچ جاوے مسلمان اس نبی برحق کی اُمت میں ہیں جس کی تعریف میں خدا ارشاد فرماتا ہے۔ وانک لعلی خلق عظیم اور جس کا خطاب رحمۃ للعالمین ہے ہمارا مذہب تمام نیکیوں کا سرچشمہ اور ہر ایک قسم کے انسانی اخلاق کا مکمل اور متمم ہے پس مسلمانوں کو چاہیئے کہ گذشتہ خیالات پر صلوات کہکر آیندہ ٹھیک ٹھیک خدا اور رسول کی مرضی اور منشا کے مطابق کام کریں۔ ہمارا کمال اسی میں ہے کہ کوئی مسلمان ہو یا غیر مسلمان۔ دوست ہو یا دشمن سب کے ساتھ ہم سلوک اور محبت سے پیش آویں اور جس محبت سے ابتک ہم اپنی ناسمجھی کے سبب سے محروم رہے آیندہ اُسکے حصول کیواسطے بدل کوشش کریں اور اُس کہربائی اثر کو کام میں لاویں جو ہمارے سچے مذہب نے ہم میں غیروں کو اپنی طرف مائل کرنیکی غرض سے رکھدیا ہے۔ اب مسلمانوں کو ضرور ہے کہ جس زمانہ برانداز مصلحت کے اثر نے ہماری شریعت کے وسیع دائرہ کو دو غیر مساوی حصوں میں تقسیم کر کے ایک بہت چھوٹا حصہ ہماری بسر زندگانی کے قیدخانہ کیواسطے خاص کر دیا ہے کہ اُسی میں چاہیں ہم مریں چاہیں ہم زندہ رہیں اُس مصلحت خلاف کو درمیان سے اُٹھا کر اور تنگ قید سے آزاد ہو کر اپنی شریعت کے پورے دایرہ کی وسعت میں خوشی اور خورمی سے گلگشت کریں اور ان خداداد نعمتوں پر اپنے خدا کا شکر ادا کریں +

مہمان و میزبان

مہمانی اور میزبانی کی خوبیاں اور برکتیں ایسی صریح اور صاف ہیں کہ اُن کے بیان کی کچھ حاجت نہیں ہے آپس میں محبت اور ارتباط بڑھانے کے واسطے یہ رسم بہت ہی مُوثر ثابت ہوئی ہے۔ اس رسم سے غیر بھی اپنے ہو جاتے ہیں بلکہ دشمن بھی دوست بنجاتے ہیں اور اُسی کے جاری نہ رہنے سے قریب تر عزیزوں کی قدرتی محبت میں بھی کمی آجاتی ہے۔ پس جو شے اس قدر مفید ہو مناسب ہے کہ وہ ہر ایک قسم کے نقصانات اور خرابیوں سے پاک و صاف رہے ورنہ اُسکے تمام فائدے برباد ہو جاوینگے لیکن جس طریقہ پر اس عرصہ میں ہم لوگوں میں مہمانی اور میزبانی ہوتی ہے وہ کچھ مفید نہیں ہے بلکہ اعتراض کے قابل ہے اور کچھ شبہ نہیں کہ موجودہ رسم و رواج کے سبب سے اکثر اوقات مہمان اور میزبان دونوں کو تکلیف ہوتی ہے اس لئے ضرور ہے کہ مسلمان موجودہ طریقہ مہمانی اور میزبانی پر غور کریں اور جس قدر اصلاح اس میں ضروری ہو وہ عمل میں لاویں +

اب ہم اُن خرابیوں کا بیان کرتے ہیں جو قابل اعتراض ہیں سب سے بڑی غلطی جو اکثر مسلمانوں کیطرف سے ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ وہ اپنے میزبان کو پہلے سے اپنے آنیکی خبر نہیں کرتے حالانکہ اس بیخبر وارد ہونے سے

میزبان کو بڑی تکلیف ہوتی ہے اور خود مہمان کو بھی تکلیف اُٹھانی پڑتی ہے علاوہ اسکے اس طرح پر بیخبر کسی کے مکان پر بطور مہمان کے وارد ہونا خلاف تہذیب بھی ہے +

اکثر یہ ہوتا ہے کہ گھر والے کھانے سے فارغ ہو جاتے ہیں اُسکے بعد مہمانوں کی آمد ہوتی ہے اور اُس وقت ایک تازہ تشویش پیش آتی ہے اِدھر تو کھانیکا کچھ سرانجام نہیں ہوتا اور اُدھر یہ خیال ہوتا ہے کہ مہمانوں کے واسطے کھانے میں دیر نہ ہو۔ نوکر چاکر جن کو دوبارہ پھر چولھا جھونکنا پڑتا ہے جُدا دل میں ناخوش ہوتے ہیں اور اگر کبھی رات کو ناوقت یہ مہمان داری پیش آگئی تو اَور زیادہ مصیبت آتی ہے اور یہ آفت خاص کر اُن مقامات میں زیادہ آتی ہے جو ریل کے اسٹیشنوں سے قریب ہیں اب یہ ہوتا ہے کہ رات کے گیارہ بارہ بج گئے ہیں یا رات ڈھل گئی ہے اور پچھلا پہر ہے سب لوگ اپنے آرام کی نیندیں لے رہے ہیں کہ یکایک دروازہ پر سے آوازیں آنی شروع ہوئیں (کواڑ کھولو کواڑ کھولو) پھر بعض سونیوالے ایسے غافل سوتے ہیں کہ مشکل سے جاگتے ہیں یا دروازہ سے بہت فاصلہ سے ہوتے ہیں یا جاڑوں کے موسم میں مکانوں کے اندر کواڑ بند کر کے سوتے ہیں ایسی صورت میں بیخبر آنیوالے مہمان کو گھڑیوں پکارتے پکارتے اور چلاتے چلاتے اور کواڑ کھٹکھٹاتے اور زنجیریں ہلاتے گذر جاتے ہیں اور جب ان تمام مشکلات کے بعد کواڑ کھلے اور صاحب خانہ بھی بڑی بےلطفی اور تکلیف کے ساتھ جگایا گیا تو اب خیال کر لینا چاہئے کہ اُس غریب پر اُس وقت کیا گذرتی ہوگی۔ پھر کبھی یہ ہوتا ہے کہ مکان مختصر ہے یا اُس میں پہلے سے اور مہمان فروکش ہیں اور مکان میں زیادہ جگہ نہیں ہے یا صاحب خانہ کسی ایسی تشویش میں ہے کہ اُس کو اپنے مہمانوں سے باطمینان وخوشی ملنے کی فرصت نہیں ہے ان تمام باتوں کے لحاظ سے ضرور ہے کہ اپنے آنے سے قبل اپنے میزبان کو حتی الامکان اطلاع دیجاوے اور نہایت صفائی قلب اور دوستی کی بات یہ ہے کہ اگر کسی وقت میزبان یہ اطلاع دے کہ مجھکو ملنے کی فرصت نہیں ہے تو بغیر کسی ملال خاطر کے اپنے ارادہ کو ملتوی کرنا چاہئے میں نے بعض اوقات یہ بھی دیکھا ہے کہ ایسے میزبان نے اپنی تکلیف بچانے کے واسطے یا مہمان کے آرام کی نظر سے مہمان کو کسی اَور مکان میں اُتارا تو مہمان نے دل میں بہت ہی بُرا مانا حالانکہ میزبان کا یہ برتاؤ کسی طرح اعتراض کے لایق نہیں ہوتا بلکہ بڑی عمدہ بات خیال کی جاتی ہے +

بعض لوگوں کا یہ خیال ہوگا کہ جن خرابیوں کا ذکر اس مضمون میں ہے وہ صرف اُس حالت سے متعلق ہیں جبکہ مہمان اور میزبان میں باہم نہایت دوستی نہ ہو مگر یہ خیال غلط ہے اسلئے کہ یہ ایسے امور ہیں جو بطور واقعات کے پیش آتے ہیں جن میں زیادہ دوستی ہوتے یا نہ ہونے کو کچھ مداخلت نہیں ہے +

کبھی اس بیخبر آنیکا نتیجہ یہ بھی ہوتا ہے کہ اصل مقصود فوت ہو جاتا ہے جس سے ملنا مقصود ہوتا ہے وہ

مکان پر نہیں ملتا اور زیادہ افسوس اُس وقت ہوتا ہے جب یہ معلوم ہوتا ہے کہ آج ہی یا ابھی آپکے تشریف
لانے سے تھوڑی ہی دیر بعد فلاں مقام کو سوار ہو گئے اور تب حسرت کے ساتھ وہاں سے لوٹ جانا
ہوتا ہے اور یہ ایک کافی سزا اپنے بلا اطلاع آنیکی اُس وقت آنیوالے کو مل جاتی ہے +

اس بنجیر آنیکے علاوہ چند اَور خرابیاں بھی بیان کے لایق ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ بعض میزبانوں
کے مزاج میں تکلیف اسقدر ہوتا ہے کہ اُن کا مہمان بھی تنگ آجاتا ہے ان تکلفات کی وجہ سے کھانا اکثر
دیر میں ملتا ہے اور تکلیف ہوتی ہے اور میزبان کو بھی زیادہ عرصہ تک اپنے عزیز مہمان کا قیام ناگوار معلوم ہونے
لگتا ہے اور اُسکے آنیکی وہ ساری خوشی اُسکی موجودگی ہی میں جاتی رہتی ہے +

سعدی علیہ الرحمۃ کسی مقام پر اپنے ایک دوست کے ہاں مہمان ہوئے اُنکے دوست نے بہت اہتمام سے اُنکی
مہمانداری کی بہت تکلف کے کھانے پکوائے اور بڑی شان کے ساتھ دسترخوان چنا گیا۔ شیخ نے جب یہ
سامان دیکھے تو بے اختیار اُس کی زبان سے یہ نکلا۔ ہائے دعوت شیراز۔ صاحب خانہ یہ سمجھا کہ دعوت کے
اہتمام میں کچھ کمی رہی اسلیئے اُس نے دوسرے تیسرے وقت میں پیش از پیش اہتمام کیا لیکن ہر مرتبہ شیخ نے
وہی افسوس ظاہر کیا آخر شیخ نے جب دیکھا کہ اب میزبان کو بہت تکلیف ہوتی ہے تو اُس نے اپنی اقامت
کو مختصر کیا اور میزبان سے رخصت ہوا کچھ عرصہ بعد اُنکے اُس میزبان کا گذر شیراز میں ہوا اور شیخ کے ہاں
اُترا اور دل میں اس بات سے بہت خوش تھا کہ اب شیراز کی دعوتوں کے اہتمام دیکھنے میں آوینگے جب
کھانیکا وقت آیا تو شیخ گھر میں گیا اور وہاں سے وہی روزمرہ کا سیدھا سادھا کھانا لے آیا اور اپنے دوست کے
سامنے رکھدیا اور کہا کہ بسم اللہ کیجیے۔ اُس وقت شیخ کے دوست کو بہت ہی حیرت ہوئی اور اُس نے آہستہ
آہستہ کھانے کی طرف ہاتھ بڑھایا اور کھانا شروع کر دیا۔ شیخ نے اُس کی حیرت کو دیکھکر کھانا کھا چکنے
کے بعد اُس سے کہا کہ اے دوست دعوت شیراز سے میرا یہی مطلب تھا۔ تم نے میرے واسطے بہت سا تکلف
کیا جس کا نتیجہ یہ تھا کہ اگر میں زیادہ قیام کرتا تو تم کو سخت ناگوار گذرتا اور میری مہمانی خوشی کی جگہ ملال سے
مبدل ہو جاتی اسلیئے میں نے اُس وقت مجبور ہو کر اپنی مدت اقامت کو مختصر کیا اور جس غرض سے میں وہاں
گیا تھا وہ بھی پوری نہیں ہوئی نہ میں اچھی طرح وہاں ٹھہر سکا نہ سیر کر سکا اور جلدی سے رخصت ہوا یہاں اب آپ
جس قدر مدت آپکا جی چاہے قیام کریں جتنے روز دل آپ رہینگے میری خوشی بڑھتی جاویگی +

میرا مطلب اس حکایت سے یہ نہیں ہے کہ اپنے دوستوں کی مہمانی کے زمانہ میں اُن کی خوشی خاطر کے لئے
مطلق توجہ نہ کی جاوے نہیں بلکہ میرا یہ مطلب ہے کہ جو کچھ کیا جاوے ایسے اعتدال سے کیا جاوے جو آیندہ
نبھ سکے اور مہمان کے قیام سے سوائے خوشی کے دوسری بات حاصل نہ ہو +

ان تکلیفات کے علاوہ ایک اور اہتمام بھی جو اکثر عمل میں آتا ہے مہمان اور میزبان دونوں کے لئے سخت تکلیف کا باعث ہوتا ہے اور وہ مہمان اور میزبان کا ساتھ کھانے پر اصرار کرنا ہے اگر اتفاق سے اُنمیں سے کوئی باہر کو چلا گیا اور آنے میں دیر ہوئی تو دوسرے صاحب اُنکے منتظر رہتے ہیں اور کھانا نہیں کھاتے اور جب زیادہ دیر ہوتی ہے تو جی میں نہایت تنگ ہوتے ہیں۔ تلاش کے واسطے چاروں طرف کو آدمی دوڑائے جاتے ہیں اور جب بڑی سی دیر کے بعد دوسرے صاحب آئے تب کھانا نصیب ہوتا ہے اگر اتفاق سے کسی صاحب خانہ نے بلا انتظار اپنے مہمان کے کھانا کھا لیا اور مہمان صاحب بعد کو آئے تو بہت کم مہمان اس مزاج کے ہوتے ہیں جو میزبان کے اس برتاؤ سے بُرا نہ مان جاتے ہوں۔ میں نے خود ایک دفعہ دیکھا ہے کہ ایک مہمان جو باہر کو گئے ہوئے تھے جب وہ ایک بجے تک بھی نہ آئے اور صاحب خانہ نے ظہر کی نماز بھی پڑھ لی تب مجبور ہو کر بلا انتظار مہمان کے کھانا کھا لیا اُس کے بعد مہمان صاحب سیر کر کے بھوکے پیاسے واپس تشریف لائے اور تھک کر بیٹھ گئے اور فرمانے لگے کہ آج تو مر مٹے جس سے صاف معلوم ہوتا تھا کہ بھوک بھی اُن کو لگی ہوئی ہے اور بشرہ سے بھی ایسا ہی ظاہر ہوتا تھا لیکن جب اُنہوں نے یہ سُنا کہ صاحب خانہ نے کھانا کھانے میں میرا انتظار نہیں کیا تو نہایت ہی بُرا مانا یہاں تک کہ کھانا بھی نہ کھایا اور یہ عذر کر دیا کہ میں بھی کھانا کھا چکا ایک دوست ملگئے تھے اُنہوں نے بغیر کھانا کھلائے نہ اُٹھنے دیا اب غور کرنا چاہیے کہ ان حماقتوں کا کیا نتیجہ ہوگا کہ اس مہمانی اور اس میزبانی سے کچھ محبت اور خوشی بڑھ سکتی ہے +

ایک اور خراب طریقہ یہ ہے کہ مہمان کو کوئی موقع تخلیہ اور آرام کا نہیں ملتا اور یہ خرابی دو وجہ سے پیدا ہوتی ہے اوّل اس لئے کہ ہمارے مکانات کا طرز خراب ہوتا ہے۔ دوم ملنے جلنے کا طرز بھی اچھا نہیں ہے۔ ہمارے مکانات اس طرح پر علیحدہ علیحدہ حصوں میں تقسیم نہیں ہوتے کہ ہر ایک شخص کے لئے بغیر اسکے کہ اَوروں کو تکلیف ہو آرام کے ساتھ تخلیہ ممکن ہو ایک ہی کھلا ہوا مکان ہوتا ہے وہی اپنے بیٹھنے اُٹھنے کا وہی مہمانوں کے قیام کا۔ اگر کوئی بیمار ہے تو اُسی مکان میں ہے چبوترہ کے نیچے نال بھپکا بھی اُسی کے سامنے چڑھا ہوا ہے ایک طرف کو مُلّاں لڑکے بھی اُسی مکان میں پڑھا رہے ہیں وغیرہ وغیرہ اور اسلئے صاحب خانہ مجبور ہوتا ہے اور اپنے مہمان کے لئے کوئی موقع تخلیہ کا آسانی سے موجود نہیں کر سکتا اس خرابی کا دور کرنا بالفعل غربا اور متوسط الحال شخصوں کے اختیار سے باہر ہے لیکن امرا کو اس طرف توجہ کرنا ضرور ہے چنانچہ بعض امرا اپنے نو تعمیر مکانوں میں اس قسم کی رعایتیں اب ملحوظ رکھتے ہیں یا اُنکے متعدد مکانات ہوتے ہیں جن کی وجہ سے یہ دقتیں اُن کو کمتر پیش آتی ہیں لیکن اکثر امراء کو اب تک بھی اس طرف توجہ نہیں ہے اور اُن کی پچاس پچاس ہزار اور ایک ایک لاکھ روپیہ کی عمارتیں ابتک بھی

اکثر اُسی پرانے نقشہ پر بنائی جاتی ہیں جن میں نہ سردی کا آرام نہ گرمی کا نہ مہمان کے لیے کوئی تخلیہ ممکن نہ اپنے لیے پس اگر امراء اس طرف توجہ کریں تو آخر کار متوسط الحال شرفاء بھی اُن کی پیروی کریں اور رفتہ رفتہ غرباء بھی حتی الامکان اُنہیں کی تقلید کرنے میں ساعی ہوں +

ایک اور تکلیف مہمان اور میزبان کے طرز ملاقات سے پیدا ہوتی ہے جس وقت مہمان کسی اپنے دوست یا عزیز و قریب کے مکان پر وارد ہوا صاحب خانہ اور اُسکے عزیز و اقارب اور دوست و آشنا سب اُس مہمان غریب کے گرد ہوئے اور گھڑیوں اور گھنٹوں بلکہ پہروں اُسکے پاس بیٹھنا شروع کیا ایک صاحب اُٹھکر تشریف لیگئے تو دو صاحب اور موجود ہوئے غرض ہر وقت یہ جلسہ اُس کے پاس رہنے لگا اب جتنا کوئی مہمان کسی کو عزیز ہوا اُسی قدر بہ اہتمام زیادہ ہوتا ہے اور زیادہ عزیز کی مٹی زیادہ خوار ہوتی ہے۔ بہت ہی کم ہم سے اول ایسے بے تکلف مہمان ہوتے ہیں جو اس حجم غفیر کا کچھ ادب اور لحاظ نہیں کرتے اور اپنے آرام میں خلل نہیں ڈالتے اور میزبان بھی ایسے بہت کم ہیں جو اپنے مہمان کی تکان راہ اور صعوبات سفر کے لحاظ سے اُسکے آرام و آسایش کا خیال کرتے ہوں اور بخوشی خاطر اُن کو ایسا موقع دیتے ہوں کہ جبتک وہ چاہیں آرام کریں اور خط و کتابت وغیرہ کا جو کچھ شغل وہ چاہیں تخلیہ میں اطمینان کے ساتھ کر سکیں۔ ایک اور بڑی مشکل یہ ہے کہ مہمان بھی چونکہ ہماری ہی جنس سے ہوتے ہیں اور اسی قسم کے تپاک اور طرز ملاقات کے عادی ہوتے ہیں۔ اس لیے ایسا بھی اکثر ہوتا ہے کہ اگر کوئی میزبان یا میزبان کا کوئی عزیز و قریب اپنے مہمان کے پاس زیادہ حاضر نہ رہے تو مہمان صاحب بھی بُرا مان جاتے ہیں اور حماقت سے یہ سمجھکر کہ ہماری کچھ قدر و منزلت نہ ہوئی خود اپنی نظروں میں حقیر اور تھوڑے تھوڑے ہونے لگتے ہیں اس لیے صاحب خانہ اپنے مہمان کے سر پر ہر وقت ایک بک بک کرنیوالا پہرہ متعین کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ اب دیکھنا چاہیئے کہ یہ کیسی کچھ وقت اور تکلیف کی بات ہے۔ اور چونکہ ہم خواہ بہ حیثیت مہمان اور خواہ بہ حیثیت میزبان اس قسم کی تکلیفیں جھیلنے کے عادی ہو رہے ہیں اور اپنے بیش بہا وقت کو رائگاں کھونے میں نہایت مشاق ہیں اس لیے یہ برتاؤ ہم کو کچھ زیادہ ناگوار نہیں گذرتا ورنہ وہ شخص جو اپنے وقت کی کچھ بھی حفاظت کرتا ہو ایک دن کیواسطے بھی کبھی کسی کے ہاں اس طرح مہمان ہو کر یا ایسے کسی طعنہ شاہ کا میزبان ہو کر خوش نہیں رہ سکتا +

مہمانی اور میزبانی کی ان تمام مذکورہ بالا مصیبتوں کے علاوہ اور بہت سی ایسی ہی بیہودہ باتیں ہیں جو ہم لوگوں میں رائج ہیں اور جن کے بیان کرنے کے واسطے ایک مستقل رسالہ مرتب ہونا چاہیئے اس لیے میں اُن کی طول و طویل تفصیلوں میں پڑنا ضروری نہیں سمجھتا اور میں خیال کرتا ہوں کہ اگر وہ بڑی بڑی خرابیاں جن کا میں نے اوپر ذکر کیا رفع ہو جاویں تو اور چھوٹی چھوٹی خرابیاں بھی جو اُنہیں بڑی خرابیوں سے پیدا

ہوتی ہیں خودبخود رفع ہو جاویں گی لیکن ختم مضمون پر اُس تازہ مصیبت کا تذکرہ البتہ مناسب ہے جو مہمان کو رخصت کے وقت فرمان واجب الاذعان آمدن بہ ارادت و رفتن بہ اجازت سے پیش آتی ہے +

مہمان نے اب ڈرتے ڈرتے اور نگاہیں نیچی کر کے صاحب خانہ سے رخصت ہونیکی اجازت چاہی مگر صاحب خانہ نے صاف انکار کیا۔ مہمان ہرچند منت کرتا ہے اور اپنی سخت سخت ضرورتیں بیان کرتا ہے لیکن صاحب خانہ راضی نہیں ہونے اُس مجلس میں اور جس قدر صاحب موجود ہوتے ہیں وہ بھی اپنا فرض یہی سمجھتے ہیں کہ صاحب خانہ کی تائید کریں وہ بھی مہمان کو قیام کرنے پر مجبور کرتے ہیں اور اُس نے کسی کے گھنٹے میں ایک متنفس بھی ایسا نہیں دکھلائی دیتا جو خدا لگتی ہوئی کہے اور مہمان کی بیکسی پر بھی رحم کرے کوئی صاحب فرماتے ہیں کہ ابھی آپ کہاں جاوینگے کوئی فرماتے ہیں کہ خاں صاحب کا کہنا نیچے نہ ڈالئے خاں صاحب ف رخصت سے جدا تیوری چڑھائے ہوئے فرماتے ہیں کہ کبھی نہ کبھی تو آپ تشریف لائے اور آتے ہی جانیکی سنائی آپکے اس آنے سے نہ آنا بہتر تھا دنیا کے کام چلے ہی جاتے ہیں یہاں آپ کب کب آتے ہیں المختصر یہاں تک اُس مہمان کو تنگ کیا جاتا ہے کہ وہ سخت رنج میں مبتلا ہو جاتا ہے اور اپنے دل میں کہتا ہے کہ آہی میں کس عذاب میں آگیا اور کیونکر اس سے نجات ہوگی اور اپنے آنے پر نہایت افسوس کرتا ہے اور قہر درویش برجان درویش ایک مقام کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ پھر کیا یہ قیام فریقین میں کچھ محبت اور خوشی کو بڑھا سکتا ہے۔ نہیں ہرگز نہیں بڑھا سکتا۔ بلکہ برعکس اُس کے دلوں کو رنجیدہ کر دیتا ہے +

اگر کوئی سخت بے حیا مہمان ہوا اور اُس نے نالائقی سے اپنے شفیق میزبان کے اصرار پر کچھ خیال نہ کیا اور سمجھانیوالوں کی بات بھی نہ مانی اور چلنے کا ارادہ مصمم کر لیا تو اب یہ جنجال کسی طرح اُس کا پیچھا نہیں چھوڑتا کہ کھانا کھا کر جانا ہوگا اور یہ اصرار خاصکر اُن مقامات میں مہمانوں کو مصیبت میں مبتلا کرتا ہے جہاں ریل کے اسٹیشن قریب ہیں اور مسافروں کو ریل کے ذریعہ سے سفر منظور ہوتا ہے اکثر یہ ہوتا ہے کہ اثناء سفر میں کوئی دوست اپنے دوست سے ملنے کے واسطے جو کسی اسٹیشن سے قریب ہوتا ہے اُترا اور یہ ارادہ کر لیا کہ دوسرے وقت کی ریل میں چلا جاؤں گا ایسے مسافروں سے بھی جب وہی معمولی تکلف آمیز جھگڑے اور قصے پیش آتے ہیں تو اُن کو سخت حیرانی ہوتی ہے +

اُدھر ریل کے وقت میں صرف ایک گھنٹہ یا ڈیڑھ گھنٹہ باقی ہے یہاں صاحب خانہ کے ہاں نوکر بازار سے گوشت لیکر بھی نہیں لوٹا مہمان کہتا ہے کہ برائے خدا مجھ کو رخصت کیجیے لیکن صاحب خانہ اس میں اپنی نہایت ذلت سمجھتے ہیں کہ بغیر کھانا کھائے یا کھانا ساتھ لئے مہمان گھر سے رخصت ہو۔ اب نوکر بھی بازار سے آگیا اور ریل کا وقت بھی بہت نزدیک پہنچا اور مہمان پر ایک سخت اضطراب کی حالت طاری ہوئی

کبھی وہ اپنے اس خوف کو کہ ریل چلی جاوے گی اور میں رہ جاؤں گا شرم سے ضبط کر کر چپکا ہو رہا اور کچھ دیر کے بعد گھبرایا اور کئی دفعہ چلنے کے قصد سے اٹھنا چاہا مگر صاحب خانہ نے نہ اٹھنے دیا آخر جب وقت بہت ہی نزدیک آگیا اور صاحب خانہ کو بھی کچھ ندامت سی ہوئی تو وہ بھی جلدی سے اٹھے نوکر بازار کو پھر بھاگا کچھ مٹھائی بازار سے آئی کچھ آدھا کچا آدھا پکا کھانا میزبان صاحب گھر میں سے لائے اور بہزار سرعت و شتابی مہمان نے دس پانچ لقمہ کھائے اور تھوڑا سا کھا کر اٹھ کھڑا ہوا۔ میزبان صاحب اب بھی مصر ہوئے کہ آپنے کچھ نہ کھایا اور کھایئے غرض جس طرح سے ہوا وہ کمبخت مہمان صاحب خانہ سے رخصت ہوا سڑک پر دوڑ کر خدمتگار نے پان دیا اب مہمان صاحب بھاگم بھاگ اسٹیشن کو چلے راستہ میں ریل کی آواز سنائی دی اور بھی اوسان خطا ہوئے گاڑی والہ سے تقاضا ہوا کہ جلدی چلو اور کچھ دور پہنچکر انعام کا بھی وعدہ کیا گیا اُس نے بھی بے تحاشہ گاڑی دوڑائی اور ریل چھوٹنے سے بھی پہلے اسٹیشن پر پہنچا دیا اور کرایہ اور انعام لیکر علیحدہ ہوا اسٹیشن کے مزدور چلائے کہ پہلی گھنٹی ہو چکی ہے جلدی چلو ٹکٹ گھر میں پہنچکر جلدی سے ٹکٹ لیا اتنے میں دوسری گھنٹی بھی ہوئی میاں اور مزدور دوڑے جب ہی اسٹیشن کے اندر کے چبوترہ پر آئے تیسری گھنٹی ہوئی سیٹی بجی اور ریل نے آہستہ آہستہ آگے کو بڑھنا شروع کیا اب مہمان کمبخت حیران کھڑا ہے اور حسرت کیساتھ ٹرین کی اُس نرم نرم رفتار کو دیکھ رہا ہے اسباب والے مزدوروں نے سمجھایا کہ میاں آپ ہی نے دیر کر دی جانا تھا تو گھڑی بھر پہلے سے آئے ہوتے اب چلو دوسرے وقت کی ریل پر جانا یہ سنکر مہمان غریب لوٹا اور پھر گاڑی کرایہ کر کے میزبان صاحب کے مکان پر آیا۔ راستہ میں سو سو طرح کے غمگین خیالات نے اُس کو رنجیدہ کیا جب مہمان صاحب مکان پر آئے تو میزبان صاحب دور سے دیکھتے ہی بے اختیار ہنس پڑے اور فرمانے لگے کہ کہئے ریل پر ہو آئے آپنے تو کمال کر دیا کہ تھوڑی ہی دیر میں پہنچ بھی گئے اور پھر چنے بھی آئے ہم تو پہلے ہی کہتے تھے کہ آج نہ جاؤ ہمارا کہنا نہ مانا یہ اس کی سزا ہے ؛

اب ہم اپنے ابنائے جنس سے اس طریق مہمانی اور میزبانی پر انصاف چاہتے ہیں اور دریافت کرتے ہیں کہ آیا یہ طریقہ تبدیل اور ترمیم کے لایق ہے یا نہیں کیا ایسے برتاؤ کی حالت میں کوئی مہمان خوشی سے کسی اپنے دوست کے پاس آنیکا ارادہ کریگا۔ یہ کونسی آدمیت ہے کہ اپنے عزیز مہمان کی تمام ضرورتوں کی طرف سے آنکھیں بند کر کر قیام پر جاہلانہ اصرار کیا جاوے ایسی مصیبت کی حالت میں سفر کرنیوالوں کو انواع و اقسام کی تکلیف ہوتی ہے وہ اپنے کوچ و مقام کا کوئی انتظام اپنے اختیار سے نہیں کر سکتے نہ اپنے وقتوں کی تقسیم پر قادر ہو سکتے ہیں اور اسکے علاوہ بہت سے ہرج اور نقصان جو اس قسم کی مزاحمت سے پیدا ہوتے ہیں اور ہو سکتے ہیں اُن کی وجہ سے بجائے ملاقاتوں کی خوشی کے ایک قسم کا ملال اور رنج پیدا ہو جاتا ہے

پس ہمارے خواہش یہ ہے کہ ہمارے اس مضمون کے پڑھنے والے ہمارے اس مضمون پر انصاف سے غور کریں اور جو رسم ورواج اصلاح کے قابل ہیں اُس میں مناسب اصلاح کریں تاکہ مہمانی اور میزبانی کی خوشیاں اَور زیادہ ہوں اور مہمان یا میزبان کسی کو تکلیف نہ ہو اور وہ اصلاحیں جیسا ہم نے اوپر مفصل بیان کیا ہے مفصلہ ذیل مراتب میں ہونا چاہیئے +

اوّل حتی الامکان بلا اطلاع کسی کے ہاں آنے سے احتراز کرنا چاہیئے گو باہم کیسی ہی بے تکلفی اور یگانگت ہو جہاں تک ممکن ہو اس قدر پہلے اطلاع دیجاوے کہ جواب بھی آسکے ورنہ کم سے کم ایک دن پہلے میزبان کو اطلاع ہو جاوے اگر بدرجہ مجبوری یہ بھی نہ ہوسکے تو رات کے وقت حتی الوسع کسی کے مکان میں پہنچنے سے کنارہ کیا جاوے مگر جب ایسی کوئی سخت ضرورت پیش آجاوے +

دوم - دعوت میں اس قدر تکلف نہ کرنا چاہیئے جس سے اپنے عزیز مہمان کا قیام آخرکار ناگوار معلوم ہونے لگے بیچ بیچ کی چال ہمیشہ بہتر ہوتی ہے۔ وَخَیْرُ الْاُمُوْرِ اَوْسَطُهَا +

سوم - یہ خیال بھی کہ میزبان و مہمان عموماً ساتھ ہی کھانا کھاویں ترک کرنا چاہیئے کھانے کے معمولی وقت پر اگر کوئی فریق غیر حاضر ہو تو اُس کی حاضری کا انتظار نہ کیا جاوے اور فریق غیر حاضر کو دوسرے فریق کی اس کارروائی سے آزردہ نہ ہونا چاہیئے +

چہارم - تخلیہ کے موقع کا بھی جہاں تک ممکن ہو خیال رکھنا چاہیئے تاکہ مہمان اور میزبان دونوں کو آرام ہو ہر وقت کے پاس اُٹھنے اور بیٹھنے سے تکلیف بھی ہوتی ہے اور ملاقاتوں سے بھی جی گھبرا جاتا ہے اور امرا طرز عمارت کا بھی خیال کریں +

پنجم - آمدن بارادت ورفتن باجازت کے غلط اصول کو بھی منسوخ کرنا چاہیئے اور دونوں باتیں آنے والے ہی کی مرضی پر منحصر کرنی چاہئیں تاکہ ہر شخص اپنے کوچ و مقام کا انتظام ٹھیک ٹھیک کرسکے +

انسان کی زندگی

انسان کی زندگی کی ٹرین بھی ریل کی ٹرین سے مشابہ ہے

ایک نوّے ۹۰ برس کا صوفی مشرب بڈھا جس کو اپنے اس فانی زمانہ کی بہ نسبت ہمیشہ کے آنیوالے زمانہ کا زیادہ دھیان رہتا تھا ایک رات ریل میں سوار ہوا اُسکی ٹرین راستہ میں متعدد اسٹیشنوں پر ٹھہرتی اور

مسافروں کو اُتارتی اور سوار کرتی ہوئی پچھلی رات میں جبکہ چاندنی پھیکی پڑتی جاتی تھی اُس اسٹیشن پر پہنچی جہاں وہ بڈھا مسافر اُترنے کو تھا جب ہی ٹرین اسٹیشن میں داخل ہوئی انجن کی نرم نرم رفتار اور ٹرین کی سیرلی آواز سے ملی ہوئی یہ صدائیں اُسکے کان میں آئیں "ٹکٹ کھولو ٹکٹ کھولو" وہ بڈھا مسافر اُن آوازوں کو سُنکر چونک پڑا اور گذشتہ نوّہ برس کا زمانہ ایک دفعہ اُور اس کی نظروں کے سامنے پھر گیا اُس نے خیال کیا کہ اسی طرح مرنے کے بعد ایک دن لوگوں سے اُن کے اعمال کا حساب طلب ہوگا پھر جتنا جتنا وہ پیرمرد خیال کرتا اور فکریں دوڑاتا تھا اُسی قدر اُس کو یہ معلوم ہوتا تھا کہ انسانوں کی زندگی کا اور ریل کا بالکل ایک ساحال ہے۔ دونوں ٹرینیں ایک سی کیفیت سے منزلیں طے کر رہی ہیں +

اُس نے خیال کیا کہ جس طرح ریل کے مسافر ایک حد یا میعاد معین تک کا ٹکٹ لیکر سوار ہوتے ہیں اور مقام مقصود پر پہنچکر اُتر جاتے ہیں اسی طرح انسان ایک محدود زندگی خدا کے ہاں سے لیکر اس دنیا میں آتے ہیں اور وقت معینہ پر دنیا سے سدھارتے ہیں +

جس طرح ٹرین راستہ میں مختلف اسٹیشنوں پر ٹھہرتی ہے اور بہت سے مسافر وہاں سے اُترتے ہیں بہت سے سوار ہوتے ہیں اسی طرح ہر نئے دن میں جو انسانوں پر گذرتا ہے اور جس کو انسانوں کی زندگانی کا اسٹیشن کہنا چاہیئے بہت سے آدمی مرتے ہیں اور بہت سے نئے پیدا ہوتے ہیں +

جس طرح مسافر کو راستہ میں بہت سے خطرے پیش آتے ہیں اور ہر وقت اس لئے اُس کو ہوشیاری کرنی پڑتی ہے کہ چور اور رہزن اُسکے مال و متاع کو نہ لیجاویں اسی طرح اپنی زندگی میں ہر عاقل انسان کو اس لئے ہوشیار رہنا پڑتا ہے کہ شیطان وقت بے وقت اُسکے ایمان کو برباد نہ کر دے +

ریل جس وقت کسی اسٹیشن پر پہنچتی ہے اُس اسٹیشن کے اُترنیوالے اپنی گٹھری بغچہ سنبھالکر ہوشیاری سے اپنے اپنے ٹکٹوں کو دیکھ لیتے ہیں۔ اسی طرح انسان اپنے آخر وقت میں تائب ہوکر اَوروں کی خطائیں بخش کر اور اپنی خطائیں بخشوا کر مرنے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں اور ٹکٹ دیکھ لینے کی جگہ اپنے اپنے مذہبی خیالات کو تازہ کر لیتے ہیں۔ مسلمان کلمہ طیبہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللہِ کا اقرار کرتے ہیں +

جس طرح ریل کے مسافر گاڑی کھلتے ہی ٹکٹ دیکر اسٹیشن سے باہر چلے جاتے ہیں اسی طرح وہ انسان جو بہت ہوشاری سے آخر وقت تک اپنا ایمان سلامت لے جاتے ہیں جب ہی اپنی منزل پوری کر لیتے ہیں فرشتے اُس کا نامہ اعمال اور احوال دیکھکر اُن کو زندگی کی تکالیف سے آزاد کر دیتے ہیں اور

جنت کے دروازے اُن پر کھول دیتے ہیں +

اگر کسی مسافر نے غفلت سے اپنا ٹکٹ کھو دیا تو ریل سے اُترتے ہی پکڑا گیا ریل والوں نے اُس کو چور سمجھ کر گرفتار کیا پہرہ متعین ہؤا اُس کے ساتھ کے مسافر ٹکٹ دیتے جاتے ہیں اور جلدی جلدی اسٹیشن سے باہر چلے جاتے ہیں اور وہ گرفتار بلا سب کو حسرت سے دیکھتا ہے بعض دولتمند بھی آئے جنہوں نے اپنا ٹکٹ گما دیا تھا اُن کو بھی ریل والوں نے روکا سپاہیوں نے اُن کو بھی ذلیل کرنا چاہا لیکن اُنہوں نے کہا کہ ہمارے پاس اَور دام موجود ہیں تب سپاہیوں نے اُن سے زیادہ مزاحمت نہ کی اور اُن کو اسٹیشن ماسٹر کے پاس لے گئے آدمی نامی گرامی تھے اسٹیشن ماسٹر نے اُن کو دیکھتے ہی پہچان لیا اور اُن کی بڑی سی عزت کی لیکن اس بات پر اُن کو بہت شرمایا کہ آپ سے ایسی غفلت بڑے تعجب کی بات ہے اس قدر زیور جاکر اور ریل بیگ اور منی بیگ اور پاکٹ بکیں آپ کے ہمراہ تھیں کیا ان میں آپ اپنے ٹکٹ کو محفوظ نہیں رکھ سکتے تھے اور ٹکٹ کچھ بوجھل بھی نہ تھا آپ اپنی جیب میں بھی اُس کو رکھ سکتے تھے غرض کہ اسٹیشن ماسٹر نے اُن کو بہت ہی شرمایا اور آخر میں فرمایا کہ ابھی آپ میں پوری تہذیب نہیں ہے جب آپ پورے مہذب ہو جاوینگے تو پھر کبھی ایسی غفلت نہ کرینگے۔ مسافروں نے آخر کار اور نقد دام اپنے پاس سے اسٹیشن ماسٹر کو ادا کئے اور تھوڑی مزاحمت کے بعد وہ بھی رخصت ہوئے +

مگر وہ بیچارہ مسافر جس نے ٹکٹ بھی کھو دیا ہے اور اَور دام پاس نہیں سخت بیکسی کی حالت میں ہے حسرت سے اپنے ساتھیوں کو آسانی سے چلے جاتے ہوئے دیکھتا ہے اور اپنی خوار اور ذلیل حالت پر آٹھ آٹھ آنسوؤں سے رو رہا ہے بہت ہی کڑوے کڑوے خیالات اُسکے دل پر گذرتے ہیں مگر جب ہی اپنے کئے پر پشیمان ہے اور چپ بیٹھا ہؤا ہے روپیہ پاس نہیں جو دولتمند غافلوں اور کاہلوں کی طرح وہ بھی رہائی پاتا۔ اُس نے اپنا جبّہ ریل والوں کے سامنے پیش کیا کہ اس کو لیلو اور مجھے آزاد کر دو لیکن اُس میں ستّر بہتّر سوراخ تھے کسی نے بھی اُس طرف التفات نہ کیا پھر اُس نے اپنی پھٹی پُرانی میلی کچیلی دستار اپنے سر پر سے اُتار کر ریل والوں کے قدموں پر ڈالی کہ اس کو قبول کرو اور برائے خدا مجھے چھوڑ دو مگر کسی نے یہ بھی نہ جانا کہ کون بکتا ہے اور کیا بکتا ہے آخر اُس نے اپنی جیب ٹٹولی اور اُس میں سے کچھ منصوری پیسے نکالے اور ریل والوں کے سامنے پیش کئے کہ اب اسکے سوا میرے پاس اَور کچھ نہیں ہے ریل والوں نے دو پیسے اُس سے لے لئے مگر وہ بھی رہائی کے لئے کمتی نہ ہوئے اور آخر کار اسی علت میں وہ مجسٹریٹ کے ہاں سے قید ہؤا اور کچھ میعاد تک جیلخانہ کے عذاب اور ذلتیں بھگتنے کے بعد اُس نے اُس رسوائی سے نجات پائی +

یہی حال بجنسہ ان لوگوں کا ہوتا ہے جو اپنی زندگی میں اپنے ایمان کی کچھ حفاظت نہیں کرتے نہ اپنے جیتے جی کچھ ایسے کام کر جاتے ہیں جو آخرت میں اُن کی نجات کا ذریعہ ہوں۔ جب وہ لوگ خالی ہاتھوں اس دنیا سے سدھارتے ہیں تو جاتے ہی پکڑے جاتے ہیں ہر طرف سے پھٹکار ہوتی ہے عذاب کے فرشتہ متعین ہوتے ہیں وہ اپنے اُن ساتھیوں کو دیکھتا ہے جو زندگی میں اپنے ایمان کی طرف سے ہوشیار تھے انکے نامہ اعمال طرفۃ العین میں معائنہ ہوتے ہیں اور وہ جنت میں داخل ہوتے چلے جاتے ہیں۔ پھر بعض ایسے لوگ آتے ہیں جنھوں نے دنیا میں بہت سے عمدہ کام کئے تھے بہت سی نیکیاں اپنے ساتھ لائے تھے اپنی قوم کے لئے ایسے ایسے مدرسے بنا گئے تھے جن کی بدولت دین و دنیا میں اُس کو عزت ہو عامہ خلائق کی بھلائی میں اُنھوں نے عمریں صرف کر دی تھیں مگر ادائے فرائض میں اُن سے کچھ قصور ہو گیا تھا اپنی غفلت اور کاہلی سے نماز روزہ کو اچھی طرح ادا نہیں کیا تھا فرشتوں نے اُن کو بھی پکڑ اجکڑا اور چاہا کہ ان کو بھی اَور گنہگاروں کی طرح ذلیل کریں مگر آواز آئی کہ خبردار یہ میرے خاص بندے ہیں ان کو میرے پاس لاؤ تب فرشتے اُن کو خدا کے پاس لے گئے خدا کی عظمت و جلال دیکھ کر ان انسانوں کا رنگ فق ہو گیا بدن کانپ گیا پاؤں ڈگمگا گئے اور زبان لڑکھڑانے لگی تمام اعضا میں رعشہ سا آگیا تب خدا نے اُن سے ایک پُر رعب آواز کیساتھ ارشاد کیا کہ بیشک تم نے اپنی زندگی میں اس قدر ذخیرہ اپنی نجات کا اکٹھا کر لیا ہے کہ وہ آج تمہاری ان تقصیرات کا جن میں فرشتوں نے تم کو پکڑا کافی معاوضہ ہو گا۔ آج میں اپنا وعدہ ان الحسنات یذھبن السیات بھی کرونگا اور تم کو تمہاری کوششوں کا پورا صلہ دونگا لیکن مجھ کو تم سے بہت ہی بڑی شکایت ہے تم میرے خاص بندوں میں تھے اور ہمیشہ اس بات کی اُمید کرتے تھے کہ ایک دن خدا کے سامنے عزت سے حاضر ہونگے تم سے ادائے فرائض میں قصور اور کاہلی ہونا نہایت افسوس کی بات ہے تم میں سے ہر ایک کی کاہلی نے میرے اور بندوں کو بھی کاہلی کی تعلیم دی اور اپنے اس کردار سے میرے بہت سے بندوں کو اپنی بکارآمد کوششوں میں شریک ہونے اور اپنی عمدہ نصیحتوں پر عمل کرنے سے باز رکھا۔ کیا تم نے یہ جان لیا تھا کہ مجھ کو تمہاری یہ کاہلی کچھ خوش معلوم ہوتی ہو گی کیا تم نے دنیا میں کسی ایسے بادشاہ کا دربار نہ دیکھا تھا یا اُسکے حال سے واقف نہ ہوئے تھے جس نے اپنے درباریوں اور اپنے نوکروں اور اپنی رعایا کے واسطے کوئی ضابطہ بادشاہ کی تعظیم بجالانیکا مقرر کر دیا ہو کیا تم یہ جانتے تھے کہ اگر کوئی شخص یا کوئی اعلےٰ رتبہ کا امیر اُس بادشاہ کی تعظیم اُس طریقہ سے بجا نہ لاتا تو اُس بادشاہ کا قہر وغضب کس قدر مشتعل ہوتا کیا امیر اُس بادشاہ کا گو اُس کی ذات سے کیسی ہی عمدہ عمدہ خدمتیں ظہور میں آئی ہوتی یہ جرأت کر سکتا تھا کہ بغیر حکم بادشاہ کے اپنی کاہلی سے اُسکی مقررہ تعظیم میں کچھ قصور کرے پھر کیا

تمہارے پاس میرا کوئی فرمان آگیا تھا یا کوئی فرشتہ تمہارے کان میں کہہ گیا تھا کہ تمہارا روزہ نماز تمہاری خوشی پر منحصر ہے یا تم کو اس قدر عقل نہ تھی جو یہ سمجھتے کہ احکم الحاکمین ہماری اس کاہلی سے ناخوش ہوتا ہوگا اگر کوئی عام آدمی ایسی غفلت میں گذارتا تو مجھ کو اُس سے اس قدر شکایت نہ ہوتی اور ایک خفیف سا عذاب اُس کو دیکر چھوڑ دیتا لیکن تم میرے برگزیدہ بندوں میں سے تھے تمہاری ان کج ادائیوں سے مجھ کو بہت رنج ہوا ہے +

پھر خدا نے اُن سے سوال کیا کہ آیا تم کو یہ اُمید تھی یا نہیں کہ خدا کے ہاں ہم عزت سے حاضر ہونگے تب اُنھوں نے بہت دبی ہوئی اور روتی ہوئی آواز سے جواب دیا کہ ہاں اے باریتعالی ہمکو تیرے رحم اور فضل سے ایسی ہی توقع تھی تیرے عنایت سے ہم کو ایسا ہی بھروسہ تھا اور ہم تیری ایسی عنایت کے بھروسہ پر اپنے ارادوں میں اس قدر ثابت قدم رہ سکے۔ پھر خدا نے اُن سے پوچھا کہ کیا تم کو عامہ خلائق اور قومی بھلائی میں ساعی ہونے میں انبیاء کرام سے بھی کچھ زیادہ دعوےٰ تھا جواب دیا کہ حاشا ثم حاشا اُن کی خاک پا کے برابر بھی کبھی رتبہ نہیں ہوا پھر خدا نے اُن سے پوچھا کہ کیا انبیاء کے صحابیوں سے تمہارا درجہ ان کوششوں کے لحاظ کچھ بڑھا ہوا تھا۔ جواب دیا کہ نہیں ہماری کیا مجال تھی کہ ہم تیرے اُن مقدس بندوں کی برابری کا دعویٰ کرتے خدا نے فرمایا کہ پھر تمہاری بصارت کی قوت کہاں کھو لی گئی تھی جب ہمارے نبی اور ہمارے انبیاء کے صحابہ باوجود عامہ خلائق اور اپنی امت کی اصلاح حال میں اس قدر کوشش بلیغ اور سعی موفورہ کرنیکے کبھی ایک لحظہ کیواسطے بھی ہمارے فرائض کے ادا میں کاہل نہ پائے گئے۔ تیروں اور تلواروں کے طوفان میں بھی اُنھوں نے نماز روزہ کو نہ چھوڑا۔ سخت سے سخت مصیبت میں بھی وہ ہمیشہ ان فرائض کے ادا میں ثابت قدم رہے تو تم نے کیا سمجھ لیا تھا جو ہمارے خاص ان فرائض کے بجالانے میں کوتاہی کی۔ انبیاء اور صحابہ کا اس قسم کے ادائے فرائض میں ثابت قدم رہنا ہی ایک بڑا ثبوت اس بات کا تھا کہ خدا کے بندوں کو اُسکے بجالانے میں کاہلی مناسب نہیں۔ علاوہ اس کے میں نے قرآن میں بھی صدہا مقام پر بالتخصیص نماز کی تاکید کی اُسکی خوبیاں بتلائیں اُس کے فائدوں کو جتلایا مگر باایں‌ہمہ تم نے میرے اُن احکام کی کچھ قدر نہ کی آج تم کس مُنہ سے اپنے کاموں کا صلہ مجھ سے چاہتے ہو۔ تب یہ گنہگار کچھ جواب نہ دے سکے اور بے اختیار رو دیئے اور اپنے کئے پر بہت ہی پشیمان ہوئے اور بڑی عاجزی اور زاری سے عرض کیا کہ الٰہی ہم کو اپنے کاموں کا کچھ دعوےٰ نہیں ہے تو محض اپنے کرم اور فضل سے چاہے ہم کو بخش دے اور چاہے نہ بخش دے بیشک ہم گنہگار ہیں مگر تیری ذات غفور الرحیم ہے اور تیری اس صفت پر جو تیری عین ذات ہے ہمیشہ ہم کو سچا یقین رہا ہے آج اُسی سے ہم کو اپنی نجات کی توقع ہے۔ تب اُس غفور الرحیم نے بڑے جوش میں آکر صمدیہ کہ میں نے تمکو

بخشا اور یہ بھی فرمایا کہ تمہاری خدمتیں جو اسلام کے حق میں ہوئیں سب میں نے قبول کی ہیں یہ خدمتیں جن کی تمہاری بدنصیب قوم نے کچھ قدر نہ کی ایسی بڑی عظمت کی ہیں کہ اُن میں سے ہر ایک خدمت تمہاری ایسی ایسی سو کاہلیوں کا تلافی ہو سکتی ہے لیکن شکایت اس بات کی تھی کہ تم میرے خاص بندے تھے تمہارا رتبہ میرے ہاں بہت بڑھا ہوا تھا اس لئے تم کو اپنا کام بہت احتیاط سے کرنا مناسب تھا۔ سچ ہے جن کے رتبے ہیں اُن کو سوا مشکل ہے +

جو لوگ اپنے ساتھ بہت سی نیکیاں لائے تھے وہ باوجود اپنی غفلت اور قصور کے بھی اسی طرح سے خوشی خوشی جنت کو تشریف لے گئے اور پھر وہاں جو جو کچھ اُن کی خاطر و مدارات ہوئی وہ بیان میں نہیں آسکتی مالا عین رات ولا اذن سمعت۔ ولا خطر علیٰ قلب بشر +

مگر وہ بیچارہ غریب مسافر جو بالکل خالی ہاتھوں آیا مشکیں بندھی ہوئی قیامت کے اُس ہولناک میدان میں دم بخود کھڑا ہے۔ ؎

اے تہی دست رفتہ در بازار

ترسمت باز ناوری دستار

دنیا میں کوئی ایسا نیک کام نہیں کیا جس کی عوض میں اُس عذاب اور ذلت سے رہائی ہوتی مدرستہ العلوم مسلمانان میں خلوص نیت سے کبھی ایک ٹکا نہیں دیا جسکے بدلے نجات ملتی۔ آخر جب وہ بہت گھبرایا تو اپنے دنیا کے اُن کاموں کو اُس نے یاد کیا جن کو وہ نیک جانتا تھا اُس نے فرشتوں سے کہا کہ میں نے دار الحرب سے ہجرت کی اور مکہ معظمہ میں اقامت اختیار کی تھی کیا اس کا کچھ ثواب بھی آج مجھ کو نہ ملیگا فرشتوں نے جواب دیا کہ وہ ہجرت خدا کیواسطے نہ تھی پری رویاں ماہ وش لونڈیوں کے اشتیاق میں ایک وحشیانہ حرکت تھی لوگوں کی نظروں میں اُس بیہودہ کام سے تم نے اپنی عزت پیدا کی لیکن خدا کو تو تمہاری نیت کا حال معلوم ہے +

پھر اُس نے کہا کہ میں نے بیسیوں دفعہ بھنڈارہ کیا اور راہ خدا میں فقیروں کو کھلایا کچھ اُس کا حساب دیکھو۔ فرشتوں نے جواب دیا کہ وہ تمہاری ایک بیجا فضول خرچی تھی اُن تمام بھنڈاروں میں کسی ایک مستحق کو بھی کھانا نہیں پہنچا البتہ ایک کُتا کو تم نے پلاؤ کی بچی ہوئی ہڈیاں ڈالدی تھیں اُس کا کچھ تھوڑا سا ثواب ملا ہے جس سے تمہارے عذاب میں کچھ تخفیف ہو گئی ہے۔ اُس بھنڈارہ میں سب کے سب ایسے لوگ تمہارا مال کھا گئے جنہوں نے بھنگ و بوزہ کے سوا نماز روزہ کی کچھ بھی حقیقت نہیں جانی پھر فرشتے اُس کو ایک اونچے ٹیلہ پر لے گئے وہاں سے اُس نے کچھ لوگوں کو دیکھا جو نہایت ہی سخت عذاب میں مبتلا ہیں یہ شخص اُن کو دیکھکر ڈر گیا فرشتوں نے کہا کہ یہی وہ فقیر ہیں جو تمہارے بھنڈارے میں حاضر تھے راہ خدا میں

اگر کچھ دینا تھا تو مدرسۃ العلوم مسلمانان کے طالبعلموں کیواسطے کچھ انعام اور وظائف مقرر کئے ہوتے اگر اُس کو بُرا جانتے تھے تو دیو بندھی کے مدرسہ کے طلباء کی خدمت کی ہوتی تم نے تو کچھ بھی نہیں کیا جس کام میں سو آدمیوں نے تمہیں واہ واہ کہی اُسی کو تم نے پسند کیا پھر ثواب کہاں سے ملتا +

پھر اُس بدنصیب نے فرشتوں سے کہا کہ میں نے فلاں فلاں مولوی صاحب اور خواجہ صاحب اور مفتی صاحب اور ملاں صاحب وغیرہم کی خدمت کی تھی بہت سا روپیہ ہر سال یہ لوگ میری سرکار میں سے لیجاتے تھے اور وہ سب مجھ سے کہا کرتے تھے کہ یہی دینا خدا کی راہ کا دینا ہے اُس حساب کو دیکھو اُس میں ضرور تم کو مغالطہ ہوا ہے غالباً اس حساب میں بہت سا ثواب ملیگا۔ فرشتوں نے جواب دیا کہ میاں دیوانہ ہوئے ہو ہم کو بھی تم نے اپنی سرکار کا کوئی محرر سمجھا ہے جو ہم سے غلطی ہو جانیکا گمان کرتے ہو اس حساب میں بھی خاک تمہارا یافتنی نہیں ہے سب حساب ہمارا دیکھا ہوا ہے جس وقت تم روپیہ دیتے جاتے تھے ہم اُسی وقت دیکھتے جاتے تھے۔ کیا خدا نے تم کو ان سب لوگوں کا نام بتلا دیا تھا کہ ان کا دینا ثواب ہے یا جو کچھ یہ کہیں وہ سب سچ ہے۔ ان سب پیٹ کے پاپیوں نے تم کو دغا دی اُنہوں نے دین کے پردہ میں دنیا کمائی تمہارے خوش کرنے کے واسطے بہت سے فتوے تمہاری مرضی کے مطابق لکھدیئے جن فتوے کو وہ درحقیقت غلط جانتے تھے اُس پر بھی اُنہوں نے تمہاری خاطر سے مہریں کر دیں مدرسۃ العلوم مسلمانان میں روپیہ دینے کو بُرا بتایا کہ اُن کی روزی میں خلل نہ پڑے اور خود رقمیں کی رقمیں ہضم کر گئے اور کبھی ڈکار تک نہیں لی خواہ ہزاروں روپیہ کے مالک تھے مگر زکوٰۃ کا پیسہ ہمیشہ لیتے رہے میت کے وارثوں کو ہمیشہ اس بات کا یقین دلایا کہ میت کا اسباب ہم سے لوگوں کو دینے سے میت کی روح کو ثواب پہنچے گا کیا ایسے فریبی اور دغا بازوں کا دینا اللہ کی راہ کا دینا ہے۔ اللہ کی راہ میں عالموں کی خدمت کرنی تھی تو مدرسۃ العلوم مسلمانان میں مسلمان عالم مدرسوں کی تنخواہوں کے واسطے سرمایہ دیا ہوتا دیوبند اور علیگڈھ ہی کے عربی مدرسے میں کسی مدرس کی تنخواہ کی کفالت کی ہوتی یہ کہکر فرشتے اُس بدنصیب کو پھر ایک اونچے ٹیلہ پر لے گئے وہاں سے اُس نے دیکھا کہ کچھ لوگ ایک آتشی گڑھے میں پڑے ہوئے ہیں او خدا کا عذاب اُن پر نازل ہو رہا ہے۔ وہ روپیہ جو اُنہوں نے دغا اور فریب سے حاصل کیا تھا سانپ اور بچھوؤں کی صورت میں اُنکے بدن سے لپٹا ہوا ہے اور ان موذی جانوروں نے کاٹ کاٹ کر تمام تن کو چھلنی کر دیا ہے مگر اُن کے ہاتھ کی انگلیوں پر سب سے زیادہ تکلیف ہے وہ زہریلے جانوروں کے ڈنگ کے اثر سے پانی پانی ہو کر بہ جاتی ہیں اور پھر دوبارہ یہی مصیبت برداشت کرنے کے واسطے تازہ جھلی پاکر اپنی اصلی حالت پر آجاتی ہیں۔ یہ شخص اُن کی مصیبت اور عذاب کو دیکھکر ڈر گیا اور خوف کے مارے کانپنے

لگا اور کچھ نہ پہچان سکا کہ یہ کون لوگ ہیں تب فرشتوں نے اُس کو تبلادیا کہ یہی وہ مولوی صاحب اور
خواجہ صاحب اور مفتی صاحب اور ملاں صاحب ہیں جو دغا دیکر تجھ سے ہر سال رقمیں کی رقمیں لیجاتے تھے
اور تجھ کو دھوکا دیکر اس صرف کو خدا کی راہ کا صرف بتلادیتے تھے اُن کی صورتیں اب مسخ ہو گئی ہیں اس لئے
تو ان کو پہچان نہیں سکتا پھر اُس نے پوچھا کہ ان کی انگلیوں پر کیوں ایسا عذاب ہے فرشتوں نے کہا کہ
اُنہوں نے بالکل بدنیتی اور تعصب کی راہ سے نہ مغالطہ یا اختلاف رائے کی وجہ سے ان انگلیوں سے
مدرستہ العلوم مسلمانان میں نہ چندہ دینے پر مہریں کی تھیں اور اس ذریعہ سے انہوں نے تمام مسلمانوں کو
ذلت اور ادبار میں پڑے رہنے کی تدبیر کی تھی اور اُن کی دینی اور دنیاوی ترقیات میں ہارج ہوئے تھے
اس لئے خدا نے اُن کی اُنگلیوں پر زیادہ سخت عذاب نازل کیا ہے پھر اُس بدنصیب نے فرشتوں سے پوچھا
اُنہیں لوگوں پر کیا منحصر ہے مدرستہ العلوم کی نسبت تو اور بھی بہت سے عوام آدمیوں کی رائے مخالف تھی
فرشتوں نے جواب دیا کہ وہ بھی انہیں حضرات کے بہکانے سے تھے علاوہ اسکے ابھی اُن لوگوں کا معاملہ تیری
آنکھوں کے سامنے گذر چکا ہے جنہوں نے نماز روزہ میں کاہلی کی تھی اور تو نے دیکھا کہ خدا اُن پر کس قدر
غصہ ہوا وہ کیا بات تھی وہ بھی یہی بات تھی کہ وہ لوگ خدا کے خاص بندوں میں تھے اُن سے ایسی حرکت
کا ہونا نہایت ناپسندیدہ تھا علیٰ ہذا القیاس یہ لوگ جو عالم اور فقیہہ اور ملاں اور مفتی اور مجتہد کہلاتے تھے
اور اُنہوں نے علم حاصل کیا تھا دین کی کتابیں پڑھی تھیں ہر طرح کی سمجھ رکھتے تھے اُن کا کام یہ تھا
کہ لوگوں کو نیک کام پر رغبت دلاتے نہ یہ کہ اُلٹا اُنہوں نے اور اُن کو گمراہ کیا اسی لئے خدا نے ان پر سخت
عذاب نازل کیا ہے اور نہیں معلوم کہ کبتک اُن پر یہ عذاب قایم رہنا ہے +

تب وہ بدنصیب گنہگار جو خالی ہاتھوں خدا کے ہاں آیا بہت پچتایا اپنے اور تمام کاموں کو جن پر اُس کو
بہت بھروسہ تھا اس طرح اُڑتی ہوئی خاک کی طرح برباد ہوتا ہوا دیکھکر بہت رویا مگر پھر کچھ یاد کرکے اور
ہمت باندھکر سنبھل بیٹھا اور ایک زندہ آواز کے ساتھ فرشتوں سے اُس نے کہا کہ میں نے اپنے جیتے جی
بہت سی مسجدیں راہ خدا میں تعمیر کرائی ہیں اُن کا حساب کہاں ہے جن زمینوں پر میں نے مسجدیں بنوائیں
وہ مجھ کو کچھ بہکانے نہیں آئی تھیں جو اینٹیں اور مصالح میں نے اُن مقدس اور پاک عمارتوں میں صرف
کیا تھا اُس بے زبان نے کچھ اس کام کے واسطے میری خوشامد نہ کی تھی یہ کام میرا اس طرح اکارت ہوگا
فرشتوں نے وہ سب حساب اُس کو دکھلادیا جن مسجدوں میں ہزارہا روپیہ صرف ہوا تھا اور جن پر اُس
کمبخت کو بہت ناز تھا وہ بالکل راہ خدا کے حساب میں سے خارج کردی گئیں تھیں اُن میں سے کسی کی
نسبت تو یہ لکھا ہوا تھا کہ گاؤں کے ٹھاکروں سے بیدخلی کاشت پر نزاع ہوا تھا اُن کو رنج دینے

کے واسطے یہ مسجد اُن کے مندر کے پاس بنائی گئی ہے ہم سے اس مسجد سے کچھ واسطہ نہیں اور کسی کی نسبت حساب میں یہ یادداشت تحریر تھی کہ اس پر ایک بڑا کتبہ قایم کیا گیا تھا جس پر اسکے بنانیوالے نے اپنے آپ کو حاتم دوراں اور حامی دین و ایمان لکھوایا تھا اور اُس سے یہ غرض تھی کہ میرا نام نیک اسکے ذریعہ سے دنیا میں قایم رہے چنانچہ جبتک وہ مسجد زمین پر قایم رہی اُس کا وہ مقصد دنیا میں حاصل ہا ہمارے حساب سے اُس کو کچھ سروکار نہیں ہے البتہ چند چھوٹی چھوٹی مسجدوں اور بعض پُرانی مسجدوں کی مرمتوں کو راہ خدا کے حساب میں شامل کیا گیا تھا اور اُن کا ثواب بھی جاری تھا فرشتوں نے اُس بدنصیب سے کہا کہ صبح اور شام ایک ایک جام ٹھنڈے پانی کا جو تجھکو ملجاتا ہے وہ اسی ثواب کی وجہ سے یہ سنکر وہ بدنصیب پھر رونے لگا اور اپنی زندگی کی حالت پر بہت افسوس کیا مگر تھوڑی سی مزاحمت کے بعد اُس نے بھی اُس مفلس مسافر کی طرح جس کو اپنا ٹکٹ گم ہونے کی بدولت کچھ روز وں جیلخانہ میں رہنا پڑا عذاب سے رہائی پائی +

پھر جس طرح ریل کی ٹرین میں گاڑیاں مختلف درجہ کی ہوتی ہیں کوئی شاہی گاڑی ہے اور کوئی امراء شاہی کی۔ کوئی اوّل درجہ کی کوئی دوم درجہ کی کوئی درمیانی درجہ ہے اور کوئی سب سے آخر کا درجہ۔ اسی طرح انسانوں کی زندگی کی ٹرین کا حال ہے وہ بھی مختلف درجوں میں منقسم ہے شاہی گاڑیوں سے انبیاء صلواۃ اللہ علیہم اجمعین کی زندگی مراد ہے جنہوں نے اپنی تمام عمریں اپنی امت کی اصلاح حال میں صرف کیں اُن سے گالیاں سنیں پتھر کھائے مگر ہمیشہ اُن کو دعائے خیر سے یاد کیا اور بڑے استقلال مگر ملائمت اور نرمی کے ساتھ اپنا کام کرتے رہے +

اس کے بعد امراء شاہی کی گاڑیوں کے مقابلہ میں نبیوں کے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی زندگی ہے جو بالکل انبیاء کے قدم بقدم چلے اور جن کاموں کی بنیاد اُن کے نبی ڈال گئے اُس کو اُنہوں نے ویسے ہی استقلال اور تحمل کے ساتھ پورا کیا +

ریل کے اوّل درجہ کی گاڑیوں کی مناسبت میں اُن عالی رتبہ لوگوں کی زندگی ہے جنہوں نے عام مخلوق اور اپنی قوم کی بھلائی میں اپنا وقت اپنا آرام اپنا مال صرف کیا اور کر رہے ہیں جن کی بھلائی چاہتے ہیں وہی بُرائی پہنچانے پر مستعد ہیں جن کیساتھ دوستی کرتے ہیں وہی دشمنی سے پیش آتے ہیں جن پر اپنی جان قربان کرتے ہیں وہی گلے کا ہار ہوتے ہیں جن کی حمایت کرتے ہیں وہی مخالفت پر کمر کستے ہیں۔ جنکے اسلام کو مضبوط کرنا چاہتے ہیں وہی کفر کے فتوے سناتے ہیں اور یہ خدا کے شیر اپنی قوم سے بُرا بھلا سُنتے ہیں اور خوش ہیں کفر کے فتوے سنتے ہیں اور پھولے نہیں سماتے قوم کی پست ہمتیاں اور نالائقیاں دیکھتے ہیں مگر ہمت نہیں ہارتے میرے نزدیک اسی درجہ انسانوں کو وارثِ انبیاء کہنا صحیح

ہے فلسفہ اور منطق اور ریاضیات اور ادب وغیرہ میں لاجواب ہونے اور صاحب جبہ و دستار بنجانے سے انبیاءؑ کا ورثہ نہیں مل سکتا۔ فربھی چیزے دیگر آماس چیزے دیگرست +

ریل کے دوم درجہ کی گاڑیوں کے مقابلہ میں فی زمانناً اُن لوگوں کی زندگی ہے جو اوّل درجہ کے لوگوں کی مدد کر رہے ہیں اور اُنکے ارادوں کی تکمیل میں ساعی ہیں ایسے لوگوں کا وجود بھی بہت ہی غنیمت ہے بڑی خوشی کی بات تو یہ ہے کہ اس درجہ کے لوگ ایسی ترقی کریں جو اس ٹرین بہت سی اوّل درجہ کی گاڑیاں اُن کے واسطے زاید لگانی پڑیں ورنہ کم سے کم اس قدر کوشش اُن کو ضرور کرنا چاہیئے کہ اگر وہ پہلے درجہ کے لوگ جن کی عمر خداوراز کرے اور اُن کو ابھی مدت تک صحیح و تندرست رکھے جس وقت اپنی منزل پوری کر کے اپنی گاڑی میں سے اُتریں اور ازل کے اسٹیشن ماسٹر کو اپنا ٹکٹ حوالہ کریں تو یہ دوسرے درجہ کے لوگ اُنکے جانشین ہو جاویں اور اس ٹرین کی اُن معزز گاڑیوں کو خالی نہ چھوڑیں +

درمیانی درجہ تھوڑے روزوں سے ریل کی ٹرین میں شامل ہوا ہے یہ اُن لوگوں کی زندگی کے ٹھیک ٹھیک مناسب ہے جو کچھ تھوڑے روزوں سے زمانہ کے حالات پر غور کرنے لگے ہیں اور اپنے آپکو پست حالت سے نکالنے کی فکر میں ہیں لیکن بے استطاعتی یا کم ہمتی سے ابھی اوپر کی معزز گاڑیوں میں جانے سے جھجکتے ہیں مگر اُمید ہے کہ وہ سب اعلےٰ درجہ میں رفتہ رفتہ ترقی کرینگے +

سب سے اخیر درجہ ریل کا جو آپ تیسرا درجہ کہلاتا ہے اُن عام انسانوں کی زندگی ہے جن کی اصلاح اور ترقی میں معزز گاڑیوں والے کوشش کر رہے ہیں اور تھوڑے بہت فاصلہ سے اُن کے ساتھ ساتھ اس ٹرین میں اپنی زندگانی طے کر رہے ہیں اُن کی دلی خواہش یہ ہے کہ اس ذلیل درجہ میں سے سب لوگوں کو نکالکر معزز درجہ کی مختلف گاڑیوں میں سوار کر دیں لیکن مجبوری یہ ہے کہ خود اس قدر مقدور نہیں رکھتے جو سب کے لئے اعلےٰ درجہ کا ٹکٹ لے دیویں اور اس ذلیل درجہ کے بیٹھنے والے صرف ہمت نہیں کرتے +

غرض کہ جہانتک غور کیجئے ریل کی ٹرین اور انسانوں کی زندگی بہت سے حالات کے لحاظ سے یکساں طریقہ سے چل رہی ہے یہاں تک کہ ہم درحقیقت کسی ملک کی ریل کی ٹرین کو دیکھکر یہ دریافت کر سکتے ہیں کہ اس ملک کے انسانوں کی زندگی کس طرح پر بسر ہوتی ہے ہمارے ملک کی ٹرین میں سب سے پست درجہ میں مسافروں کی بہت کثرت ہوتی ہے جس کا نتیجہ ملک کی حالت کے ٹھیک مناسب ہے یعنی سب تباہی اور ذلت میں مبتلا ہیں معزز درجہ کی گاڑیوں میں بیگانہ ملکوں کے کالی کرتی والوں کے سوا اس ملک کے سفید پوش بہت ہی کم نظر آتے ہیں چنانچہ ظاہر ہے کہ ہمارے اس تمام علی غول میں بہت کم ایسے ہیں جو درحقیقت اصلی عزت کے مستحق ہیں +

اب میں اپنے مسلمان بھائیوں سے بمنت عرض کرتا ہوں کہ وہ اس خراب اور ذلیل حالت سے بڑے بڑے درجوں میں ترقی کرنیکی فکر کریں اور جو لوگ اس عمدہ کام میں اُن کی دستگیری کر رہے ہیں اُن کی نصیحتوں کو تمام تر شکر گذاری کے ساتھ سُنیں اور اُن پر عمل کریں۔ والسّلام +

تہذیب و شایستگی

اصل شایستگی خیال کی شایستگی ہے

ہمارے اس زمانہ میں شایستگی اور تہذیب پر بہت بحث ہو رہی ہے اور مسلمانوں میں اُس کی نسبت ایک گرم مباحثہ قایم ہے اور لوگوں کی مختلف رائیں ہو رہی ہیں کوئی طرز لباس کو شایستگی پر بہت کچھ مؤثر سمجھتا ہے اور کوئی کھانا کھانے کے طریقوں کی تبدیلی کرنا چاہتا ہے کسی کو ایک بات مہذب اور شایستہ معلوم ہوتی ہے دوسری اُسی کو نامہذب اور ناشایستہ ٹھہراتا ہے۔ کوئی اپنی گھیتلی جوتی اور جبہ و دستار میں خوش ہے کہ شایستگی را ہمچنیں شاید۔ کوئی انگریزی بوٹ چڑھائے اپنے کوٹ و پتلون پر عش عش ہے کہ تہذیب ہمیں یک معنی دارد۔ مگر میری دانست میں یہ سب قصے اور بکھیڑے ہیں اور اصل شایستگی خیال کی شایستگی ہے +

تہذیب و شایستگی کا عمدہ اور اعلےٰ منشا یہ ہے کہ انسان اس طرح پر اپنی زندگی بسر کرے جس سے اپنی ذات بھی ہمیشہ آرام اور خوشی اور تندرستی کے ساتھ رہے اور دوسروں کو بھی اُس سے فایدہ پہنچے اور ایسے وسیلے بہم پہنچائے جاویں جن سے ہر قسم کی مشکلات پر غالب آنا سہل اور ہر قسم کی خوشی اور راحت حاصل ہونا آسان ہو جاوے۔ پس جس انسان کے دماغ میں ایسی قوت ہو کہ وہ ان تمام باتوں پر قادر ہو سکے اُسی کو ہم شایستہ کہہ سکتے ہیں اور اسی کا نام خیال کی شایستگی ہے باقی وہ امور جو طرز معاشرت اور طریق تمدن سے علاقہ رکھتے ہیں وہ انسان کی بسر زندگانی کے لیسے خارجی اسباب ہیں جن پر ایک شایستہ اور مہذب آدمی ملک کے مختلف موسموں اور آب و ہوا وغیرہ کے لحاظ سے اس بات پر غور کر سکتا ہے کہ ان امور میں سے کس امر سے مجھکو آرام ملیگا اور کس سے میں بخوبی تندرست رہ سکتا ہوں اور کونسی چیز میری خوشی کو بڑھا سکتی ہے اور نیز کونسا کام دوسروں کے لئے مفید ہو سکتا ہے۔ اور یہ جو رائے قایم ہو اُس پر ہر عاقل انسان کو عمل کرنیکا حق ہے لیکن خیال کی شایستگی اور درستی سے پہلے اُن امور میں سے کسی کو تقلیداً اختیار کرنا اور کسی کو ترک کرنا انسان کو شایستہ نہیں بنا سکتا +

جس آدمی کا خیال شایستہ ہے اُسکے تمام کام خود بخود ایسی عمدہ ترتیب سے انجام پاتے ہیں جس سے وہ تمام

خوشیاں اور آرام جو تہذیب و شایستگی کا نتیجہ ہیں بالضرور حاصل ہوں۔ نامہذب آدمی کے تمام کام ہمیشہ بے ترتیب
ہوتے ہیں جن سے زندگی اور تلخ ہو۔ مہذب آدمی کی مثال بالکل انسان کی تندرستی کی سی ہے۔ جب تک
انسان تندرست ہوتا ہے اُسکے تمام اعضا اپنے اپنے موقع سے وہ تمام کام خود بخود کرتے رہتے ہیں جو انسان
کی راحت اور خوشی بڑھانے کا ذریعہ ہوں اور رنجوں اور تکلیفوں کو دور کریں۔ جن آدمیوں کا خیال شایستہ
نہیں ہوا ہے اور وہ کسی شایستہ اور مہذب قوم کی چند رسموں اور دستوروں کی تقلید ہی کو شایستگی سمجھتے
ہیں اُن کی مثال بالکل ایک ایسے مریض کی سی ہے جو تندرستوں کی سی حرکتیں کرنا چاہتا ہو۔ مگر کسی طرح
اُس مریض کی یہ حرکتیں ایک تندرست آدمی کی کاموں کے برابر نہیں ہوسکتیں۔ اسی طرح جن لوگوں کے ابھی
خیال شایستہ نہیں ہوئے اُنکے بعض تقلیدی طریقے اُن کو مہذب اور شایستہ نہیں کرسکتے +

پس مسلمانوں کو لازم ہے کہ سب سے پہلے اپنے خیالات کو عمدہ کریں اور اگر اُن کے خیال عمدہ ہوگئے تو
سب قسم کی ترقیاں خود بخود اُن میں ہوجاویں گی ورنہ تقلیدی شایستگی سے کچھ کام نہیں چل سکتا۔ کبھی ایسی
ٹہنی سے پھولوں کے کھلنے کی توقع نہیں ہوسکتی جس کا سلسلہ ایک مستحکم جڑ تک نہیں پہنچتا گو دیکھنے والوں
کی نظروں میں وہ کیسی ہی سرسبز اور شاداب معلوم ہوتی ہو +

اور خیالات اُس وقت تک عمدہ نہیں ہوسکتے جبتک دوسروں کے خیال سے معاوضہ نہ کیا جاوے۔
جس طرح مال و دولت پھیر بدل سے بڑھتا ہے اسی طرح خیال کی بھی ترقی ہوتی ہے جب آدمی تعصب کو چھوڑ کر
دوسروں کی رائے اور دوسروں کے خیال پر غور کرتا ہے اور اپنے خیالات سے دوسروں کو مطلع کرتا ہے اور پھر
دونوں رایوں اور دونوں خیالوں کا باہم مقابلہ ہوتا ہے اور ایک خیال صحیح اور دوسرا خیال غلط یا ایک کامل
اور دوسرا لایق اصلاح معلوم ہونے لگتا ہے تب رفتہ رفتہ انسان کا خیال ترقی کرنے لگتا ہے اور جب یہ
ترقی کامل ہوجاتی ہے تو انسان مہذب اور شایستہ کہلانے کا مستحق ہوتا ہے +

انسان کے خیال کی ترقی بالکل اس طرح سے ہوتی ہے جس طرح کوئی شخص درجہ بدرجہ سیڑھیوں پر
چڑھتا ہے اور کسی بلند زینہ کو طے کرتا ہے فرق صرف یہ ہے کہ زینہ کو طے کرتے وقت انسان خود بھی
دیکھتا ہے کہ کس قدر دوری میں طے کرچکا ہوں اور کس قدر دوری ابھی باقی ہے خیال کی ترقی میں انسان کو
خود اچھی طرح معلوم نہیں ہوتا کہ میں نے کس قدر ترقی کی لیکن اور دیکھنے والوں کو معلوم ہوجاتا ہے +

انسان ایک وقت میں ایک عمدہ اور نہایت عمدہ کام کو اس قدر بُرا جانتا ہے اور اپنے نزدیک اُسکی بُرائی کا
ایسا قطعی فیصلہ کرلیتا ہے کہ اُس رائے کے برخلاف تذکرہ کرنا بھی فضول سمجھتا ہے خیال کی یہ حالت اُس وقت
ہوتی ہے جب تک وہ ترقی کے زینہ پر قدم نہیں رکھتا +

مگر جب ایسی گفتگوئیں اُس کے سامنے برابر جاری رہتی ہیں تو یہ شخص اُن کو سُن سُن کر پیچ و تاب کھاتا ہے اور اپنی مخالف رایوں کو رد کرنے لگتا ہے بہت سے دلائل اپنے خیال کی تائید میں پیدا کرتا ہے۔ اور بڑی جد و جہد سے اپنی مخالف رایوں کے جواب دینے کی فکر میں پڑ جاتا ہے۔ یہ حالت خیال کی ترقی کی پہلی سیڑھی ہے ✦

جب کوئی آدمی اس سیڑھی پر چڑھ گیا ہے تو اب وہ ایک ایسے مباحثہ میں پڑا جہاں بالضرورت موافق اور مخالف رائیں اُس کو دیکھنی پڑتی ہیں کچھ عرصہ تک وہ پہلی ہی سیڑھی پر قدم مضبوط گاڑے ہوئے کھڑا رہتا ہے مگر آخرکار اُس کا خیال اس بات پر غور کرنے لگتا ہے کہ ان دونوں رایوں میں سے کون سی صحیح ہے اور کون سی غلط۔ یہ حالت خیال کی ترقی کی دوسری سیڑھی ہے ✦

سچائی کا یہ ذاتی وصف ہے کہ اگر انسان اُس پر بغیر کسی تعصب کے غور کرتا رہے تو بیشک اُس کو سچائی کا اقرار کرنا پڑتا ہے اور میں یہ کہتا ہوں کہ اگر سخت سے سخت تعصب کے ساتھ بھی کسی بات پر برابر غور اور مباحثہ جاری رہے تو بھی ایک نہ ایک دن سچائی غالب ہو رہیگی گو بہت دیر کے بعد۔ پس جن رایوں پر انسان دوسری سیڑھی پر کھڑا ہوا غور کرتا ہے اگر اُن میں سے وہ رائے جس کو وہ پہلے برا جانتا تھا درحقیقت سچ ہوتی ہے تو بلاشبہ انسان اُس کو اپنی استعداد کے موافق خواہ جلد خواہ بدیر قبول کر لیتا ہے اور یہاں وہ انما یستجیب الذین یسمعون کا مصداق بنتا ہے یعنی بات کو قبول وہی کرتے ہیں جو سُنتے ہیں۔ یہ حالت خیال کی ترقی کی تیسری سیڑھی ہے ✦

اس سیڑھی پر پہنچکر آدمی اُس رائے کو جسکے برخلاف ایک دن گفتگو تک کرنا فضول خیال کرتا تھا۔ غلط سمجھنے لگتا ہے اور کچھ مدت تک وہ اسی تیسری سیڑھی پر کھڑا رہتا ہے وہ اوروں کو چوتھی سیڑھی پر چڑھتے ہوئے دیکھتا ہے مگر خود ارادہ نہیں کرتا وہ اپنے ساتھیوں کو ایک کام کرتے ہوئے دیکھتا ہے جس کو وہ صحیح تسلیم کر چکا ہے مگر اس پر عمل کرنے کو وہ اچھا نہیں جانتا۔ وہ اہل کتاب کے ساتھ مواکلت کو اب بُرا نہیں جانتا اُس کو مستحق عذاب الٰہی نہیں سمجھتا اور آخرکار اُسکی منفعتوں کا بھی اقرار کرنے لگتا ہے مگر نہ آپ اُسکے کرنیکی جرأت رکھتا ہے نہ دوسروں کے اس عمل کو پسند کرتا ہے مگر کچھ دنوں کے بعد وہ چوتھی سیڑھی پر چڑھتا ہے یہاں بھی اُس کام کو اختیار نہیں کرتا جس کو خود اچھا جان چکا ہے مگر اتنا فرق ہو جاتا ہے کہ یہاں پہنچکر وہ دوسروں کو بھی اُس کام کی وجہ سے برا نہیں سمجھتا اُن کو ملامت کرنا چھوڑ دیتا ہے جو حقارت اور نفرت اُسکے دل میں اُس کام کے اختیار کرنے کے سبب سے اَوروں کی طرف سے ہوتی ہے وہ اب باقی نہیں رہتی۔ ہمارے بعض دوستوں کا قول ہے کہ جن لوگوں کے خیال کی ترقی اس چوتھے درجہ تک ہو جاتی ہے وہ تہذیب و

شائستگی کی یونیورسٹی یا دارالعلوم میں داخلہ کا امتحان پاس کرتے ہیں +

اسکے بعد جب آدمی دوسروں کو وہ کام کرتے ہوئے دیکھتا ہے جس کا مفید ہونا اُس کو تسلیم ہے اور اُنکا وہ فعل اُس کو ناگوار بھی نہیں معلوم ہوتا تو تھوڑی دیر دم لیکر اب وہ پانچویں سیڑھی پر آتا ہے یہاں وہ اس تردد میں پڑتا ہے کہ میں بھی اس کام کو کروں یا نہ کروں۔ دوسروں کو مفید مفید کام کرتے ہوئے دیکھکر جی بہت للچاتا ہے مگر جرأت نہیں پڑتی عقل بالکل آگے چلنے کی رغبت دلاتی ہے مگر مصلحت[۱] دامن نہیں چھوڑتی۔ اس پانچویں سیڑھی پر بڑی بےچینی سی گذرتی ہے صبح کو ارادہ ہوتا ہے کہ آج تو مسلمان ہو ہی جایئے مگر شام پھر ویسی ہی تاریک آتی ہے جیسی گذری ہوئی شام تھی شام کو یہ قصہ ہوتا ہے کہ کل ہرچہ بادا باد۔ مگر صبح کو آفتاب کا قہرناک چہرہ پھر ویسی ہی ہیبت طاری کر دیتا ہے +

لیکن آخرکار ہمت مرداں مدد خدا ایک دن یہ مشکل مقام بھی طے ہو جاتا ہے اور خدا کا نام لیکر آدمی اُن کاموں کو خود کرنے لگتا ہے جن کو وہ ایک دن نادانی اور ناسمجھی سے برا سمجھتا تھا اور اب بہت سے مباحثوں اور گفتگوؤں اور غور و تامل کے بعد اُن کو نہ صرف بُرائی سے بری خیال کرتا ہے بلکہ اُنکے مفید اور نہایت مفید ہونے پر کامل یقین کر لیتا ہے۔ یہ حالت انسان کے خیال کی چھٹی سیڑھی ہے +

اس سیڑھی پر قدم رکھتے ہی آدمی کو معلوم ہوتا ہے کہ اب وہ زینہ ختم ہو گیا اور اب وہ ایک ایسے بلند اور خوش فضا سطح پر پہنچ جاتا ہے جس کی خوبیاں بیان سے باہر ہیں اور ہر ایک سیڑھی پر جتنی جتنی دیر ٹھہرنے کا اتفاق ہوا تھا اُس پر افسوس کرتا ہے۔ اب وہ دیکھتا ہے کہ اُس نہایت ہی دلکش میدان میں جابجا صاف اور شیریں چشمے اور نہریں جاری ہیں سبزہ نے تمام میدان پر فرش زمردین بچھا دیا ہے مختلف قسم کے پھول اور پودے اور درخت جدا لطف دکھلا رہے ہیں۔ مرغان خوش الحان اپنی اپنی بولیوں میں اپنے پروردگار کی یاد میں مصروف ہیں۔ وہاں اگر کوئی ناہموار مقام بھی ہے تو نہایت ہی دلچسپ دکھلائی دیتا ہے اور وسط میں ایک چشمہ کے کنارہ پر نہایت خوبصورت ایک مینار ہے اور اُسپر موٹے موٹے طلائی حرفوں میں عربی خط سے یہ عبارت لکھی ہوئی ہے +

دنیا میں خدا کی یہ رحمت خاص اُن مسلمانوں کے واسطے ہے جو چھوں سیڑھیاں طے کر کے یہاں تک پہنچ جاویں +

میں نے ایک مقابل کے اونچے ٹیلے پر چڑھکر اس تمام کیفیت کو دیکھا میں نے دیکھا کہ اُس گلستان ہمیشہ بہار میں جابجا نہایت ہی قرینہ کے ساتھ بہت ہی پرتکلف بہت سے تخت اور آرام چوکیاں بچھی ہوئی

---

[۱] یہ ایک ہنسی ہے اُن لوگوں کی جو کسی کام کی خوبی کو عقلاً تسلیم کرتے ہیں مگر مصلحت کا عذر کرتے ہیں۔ حالانکہ عقل اور مصلحت بالکل ایک ہے +

ہیں۔ بہت سے لوگ مجھ کو اُن تختوں اور آرام چوکیوں پر بیٹھے ہوئے معلوم ہوئے لیکن نہ میں اُن لوگوں کی صورت پہچان سکا نہ اُن کی بولی کچھ میری سمجھ میں آئی۔ عقل سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یہ لوگ مصر اور قسطنطنیہ اور ٹونس وغیرہ کی طرف کے مسلمان ہیں جو ان چھئوں سیڑھیوں کو طے کر چکے ہیں اور اب خدا کی رحمت کے مزے لوٹ رہے ہیں ✦

میں اُن بہت سے شخصوں میں سے صرف دو شخصوں کو پہچان سکا جن کے تخت میدان کے کنارہ پر اُس مقام پر بچھے ہوئے تھے جہاں وہ زینہ ختم ہوتا ہے ایک تخت پر میں نے سید احمد خاں کو دیکھا کہ تہذیب الاخلاق کی بہت سی نفیس نفیس اور سنہری جلدیں اُنکے سامنے رکھی ہوئی ہیں اُن میں سے وہ کسی کسی جلد کو اُٹھا کر کوئی کوئی مضمون ہندوستان کے مسلمانوں کو سنا رہے ہیں اور جس عمدہ مقام پر وہ خود موجود ہیں اور جس کی خوبیاں وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں اُس کو بڑی دلسوزی اور محبت کے ساتھ اُن لوگوں کو سمجھاتے ہیں جو اُس زینہ کے نیچے گروہ در گروہ نہایت بے ترتیبی اور بے سروسامانی کی حالت میں اپنی زندگی بسر کر رہے ہیں اور زبان حال سے یہ کہتے جاتے ہیں۔ یالیت قومی یعلمون ✦

میں نے اُس ٹیلہ پر سے دیکھا کہ کوئی مسلمان جسکے کان میں سید احمد خاں کی آواز پہنچی ایسا باقی نہ رہا تھا جس نے اپنی جگہ سے حرکت نہ کی ہو میں نے دیکھا کہ تمام مسلمان پہلی آواز پر اُٹھ کھڑے ہوئے اور اُس خیال کی ترقی کے زینہ کی طرف کو دوڑے اور جیسی جس کی استعداد اور قوت تھی ویسی ہی اُس نے ترقی کی بعض ضعیف الجثہ اور کم ہمت یا نابینا اور لولے لنگڑے ابھی پہلی سیڑھی تک بھی نہیں پہنچے ہیں باقیوں میں کوئی پہلی سیڑھی پر ہے کوئی دوسری سیڑھی پر کسی نے تیسری سیڑھی تک ترقی کر لی ہے اور کوئی چوتھی سیڑھی پر پہنچ گیا ہے اور بعض جو بہت ہی عقلمند اور ذکی اور چست و چالاک تھے وہ پانچویں سیڑھی تک بھی پہنچ گئے ہیں۔ جو لوگ پانچویں سیڑھی پر پہنچ گئے ہیں اُن کو سید احمد خاں ہاتھ بڑھا کر اپنی برابر اوپر لے لیتے ہیں چنانچہ میرے دیکھتے دیکھتے اُنھوں نے پانچویں سیڑھی پر سے ایک شخص کا ہاتھ پکڑ کر اوپر کو کھینچ لیا اور وہ بھی اُس پر فضا میدان کی راحتوں اور خوشیوں کا لطف حاصل کرنے لگا اور سید احمد خاں کی برابر اپنی آرام چوکی سے ہاتھ لگا کر کھڑا ہو گیا میں نے جب غور سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ آہا یہ مولوی سید مہدی علی صاحب ہیں جو اپنی چستی اور رسائی عقل سے بہت جلد چھئوں سیڑھیاں طے کر گئے اُن کو میں اس عمدہ مقام میں پہنچا ہوا دیکھکر بہت ہی خوش ہوا۔ مولوی سید مہدی علی صاحب نے بھی ایک جلد سید احمد خاں کے سامنے سے اُٹھالی اور اُنھوں نے بھی اُسکے مضامین بآواز بلند اُن لوگوں کو سنانے شروع کیے جو یا زینہ طے کر رہے تھے یا زینہ کے نیچے اُس پر چڑھنے کی فکر میں کھڑے ہوئے تھے ✦

مَیں نے ایک اَور مولوی صاحب کو بھی دیکھا جو چوتھی سیڑھی سے پانچویں سیڑھی پر چڑھنے کی تیاری کر رہے تھے اور عنقریب پانچویں سیڑھی پر پہنچنا چاہتے تھے۔ مگر اُنہوں نے مجھے دور سے اشارہ سے منع کیا کہ میرا نام ابھی کسی سے نہ لینا اُنہوں نے بھی سید احمد خاں کی ہاں میں ہاں ملانا شروع کر دی اور جو بات وہ سید احمد خاں سے قریب ہونے کی وجہ سے اچھی طرح سنتے اور سمجھتے تھے اُس کو نیچی سیڑھیوں والوں کو سمجھانے لگے +

پہلی اور دوسری سیڑھیوں والوں کی کیفیت دیکھکر مجھ کو بے اختیار ہنسی آئی میں نے دیکھا کہ وہ سید احمد خاں کی آواز سُنتے ہی دوڑے اور کوئی پہلی اور کوئی دوسری سیڑھی اُس زینہ کی طے کر گیا گویا سید احمد خاں کے منشا کی پوری تعمیل میں مصروف ہیں لیکن باایں ہمہ وہ سید احمد خاں سے مخاطب ہو کر زبان درازیاں کرتے جاتے ہیں اُن میں سے کوئی کہتا ہے کہ سید احمد خاں کی ایک مت سنو کوئی کہتا ہے بالکل اُس کے برخلاف کام کرو یہ کہتے جاتے ہیں اور اوپر کو چڑھتے جاتے ہیں۔ سید احمد خاں بھی اُن کی اس حالت کو دیکھکر مسکرا پڑے اور کہنے لگے کہ کیسے پاگل آدمی ہیں جس کام کو کرتے جاتے ہیں اُسی کو بُرا کہتے ہیں جس راستہ کو بند کرتے ہیں اُسی طرف کو چلتے جاتے ہیں مگر تا بکے تین سیڑھیاں اُن کو بھی طے کرنا باقی ہیں سمجھدار ہوتے جلد طے کر لیتے نادان ہیں بدیر طے کریں گے +

یہ مزے مزے کی باتیں دیکھکر میں اُس ٹیلہ پر سے اُتر آیا اور اُس وقت سمجھا کہ سید احمد خاں کے تہذیب الاخلاق نے ہندوستان کے مسلمانوں میں کیا اثر پیدا کیا ہے اور آیندہ کیا اثر پیدا کرے گا +

مدرسۃ العلوم مسلمانان

اور

جناب حاجی مولوی سیّد علی بخش خاں صاحب بہادر

اور

جناب مولوی سیّد احمد خاں صاحب بہادر

چند روز ہوئے جو جناب حاجی مولوی علی بخش خاں صاحب بہادر نے اخباروں میں یہ مشتہر فرمایا ہے کہ مولوی سید احمد خاں صاحب بہادر نے اُنکے ساتھ وعدہ خلافی کی اور جن شرطوں پر جناب ممدوح

نے مدرستہ العلوم میں آٹھ سو روپیہ چندہ دینے کا وعدہ فرمایا تھا کمیٹی خزنتہ البضاعۃ نے اپنے اجلاس ۵ اگست ۱۸۷۳ء میں اُن کے برخلاف کارروائی کی اور اس لئے جناب ممدوح اب نہ مدرستہ العلوم میں شریک ہونگے اور نہ چندہ مشروطہ دینگے ÷

میں نے جناب ممدوح کی تحریر کو اول سے آخر تک دیکھا۔ میری دلی تمنا یہ تھی کہ میں اس تحریر کے چھپنے سے پہلے بخ کے طور پر جناب ممدوح کی خدمت میں کچھ عرض کرتا اور اگرچہ جناب ممدوح نے مجھ کو اس بات کا موقع بھی دیا لیکن افسوس ہے کہ مجھ کو اپنے عہدہ کے کاموں سے اُس عرصہ میں مطلق فرصت نہ ملی اور یہ تحریر جناب ممدوح نے مشتہر فرمادی۔ میں نے پہلے یہ سُنا تھا کہ جناب موصوف کو بعض امور کی نسبت کچھ شکایت ہے لیکن میں یہ نہ سمجھا تھا کہ اتنی لمبی شکایت ہوگی یا وہ سید احمد خاں صاحب اور کمیٹی خزنتہ البضاعۃ پر اس قدر سخت الزام عاید کرینگے جیسا اُن کی اس تحریر سے معلوم ہوتا ہے بہرحال اَب مَیں نے اُن کی تحریر کو اول سے آخر تک دیکھا اُن کی تمام تر تحریر کا خلاصہ یہ ہے کہ سید احمد خاں صاحب نے اُن سے دو شرطیں کی تھیں اور اُنہیں شرطوں پر جناب موصوف نے آٹھ سو روپیہ چندہ لکھا تھا پہلی شرط یہ تھی کہ سید احمد خاں صاحب اور اُن کی کمیٹی خزنتہ البضاعۃ کا کوئی ممبر تعلیم مذہبی میں مداخلت نہ کرے بلکہ مذہبی تعلیم کی کمیٹی جُدا قایم ہو اور اُس میں اور ایسے لوگ شریک کئے جاویں جن پر عام مسلمانوں کو اطمینان اور اعتماد ہو اور سید احمد خاں اور ممبران موجودہ کمیٹی خزنتہ البضاعۃ کبھی اس مذہبی کمیٹی میں شریک نہ ہوسکیں۔ دوسری شرط یہ تھی کہ اس مذہبی کمیٹی کے ممبروں کی تعداد اور اُن کا انتخاب اور اُس کمیٹی کی کل سربراہی یہ سب کچھ جناب حاجی صاحب موصوف کے یدِ قدرت میں رہے جس کو وہ اپنے نزدیک مسلمان اور لایق اعتماد سمجھیں اُس کو شریک کریں جن پر اُن کو اطمینان نہ ہو اُن کو شریک نہ کریں ÷

پھر جناب ممدوح رقم فرماتے ہیں کہ کمیٹی خزنتہ البضاعۃ نے بالکل ان شرطوں کے برخلاف کارروائی کی نہ تو مذہبی کمیٹی کے ممبروں کا مقرر کرنا اور اُن کا منتخب کرنا جناب مولانا صاحب کے اختیار میں چھوڑا گیا اور جو مذہبی کمیٹی قایم ہونی تجویز ہوئی اُس میں سید احمد خاں صاحب اور اُن کی کمیٹی کی مداخلت قایم رہی اور اکثر وہی لوگ اُسکے ممبر ہونے قرار پائے جو پہلے سے کمیٹی خزنتہ البضاعۃ کے ممبر ہیں۔ واذا فات الشرط فات المشروط۔ جب جناب مولانا کی شرطوں کو کمیٹی نے پورا نہ کیا تو جناب موصوف کو بھی چندہ ادا کرنے سے انکار ہوا جس کا ادا ہونا اُنہیں شرطوں کے پورا ہونے پر منحصر تھا ÷

مگر میرے نزدیک جناب مولانا ممدوح کی یہ کُل شکایت اور اُن کا یہ کُل خیال غلط ہے اور اُن کا یہ عذر چندہ دینے کے لئے کسی طرح کافی نہیں ہے اور نہ کبھی سید صاحب نے اور مولانا صاحب سے کبھی ایسی شرطیں

جن پر جناب مولانا صاحب کی شرکت مدرسۃ العلوم میں منحصر ہوں قرار پائیں اور نہ ان شرطوں پر جناب ممدوح نے کبھی اپنے چندہ کا دینا منحصر کیا اس لئے مَیں مناسب سمجھتا ہوں کہ اس معاملہ میں کچھ لکھوں اور اُمید ہے کہ جناب ممدوح میری اس جرأت کو معاف فرماوینگے اور جو کچھ میں عرض کر رہا ہوں اُس کو ویسی ہی انصاف کی نظر سے دیکھینگے جس کی مجھ کو اُن سے اُمید ہے۔ مگر افسوس یہ ہے کہ میں اس وقت ایک گاؤں میں مقیم ہوں اور کوئی کاغذ مدرسۃ العلوم کے متعلق یہاں میرے پاس نہیں ہے اور اِس لئے میں اُس تمام خط و کتابت میں سے جن کا حوالہ اس مضمون میں دینا ضروری ہے بعض بعض عبارتوں کو بجنسہٖ نقل نہیں کر سکتا لیکن چونکہ وہ سب کاغذ میرے بخوبی دیکھے ہوئے ہیں اس لئے غالب ہے کہ مَیں کوئی ایسی غلطی نہ کروں گا جس سے اصل مطلب میں کچھ خلل واقع ہووے +

جس عرصہ میں مولوی سید احمد خاں صاحب بہادر اور مولوی حاجی علی بخش خاں صاحب بہادر کے باہم گورکھپور میں یہ مصالحت واقع ہوئی میں بھی گورکھپور میں موجود تھا اور ہر ایک مجلس اور مشورہ میں شریک ہوتا تھا بلکہ خود مَیں ہی اس باہمی مصالحت کا محرک ہؤا تھا اور اسی لئے جب میں نے اوّل ہی یہ سُنا کہ جناب حاجی صاحب ممدوح کو شرائط صلح کی عدم تعمیل کی نسبت کچھ شکایت ہے اور چندہ دینے اور مدرسۃ العلوم میں شریک ہونے سے انکار کرتے ہیں تو مجھ کو حد سے سوا افسوس ہؤا + ؎

علوجاہ کی تدبیر جو ہم لوگ کرتے ہیں
ہماری سعی باطل دیکھ کر تقدیر ہنستی ہے

خیر وہ تو جو ہؤا سو ہؤا۔ مگر اب اصل مطلب کی طرف متوجّہ ہونا چاہیئے +

میں نے جب ابتداءً جناب حاجی صاحب بہادر کی خدمت میں گورکھپور میں مدرسۃ العلوم کا تذکرہ چھیڑا اور اُن سے یہ خواہش کی کہ وہ بھی اب مدرسۃ العلوم میں شریک ہو جاویں اور اُس کی ترقی میں کوشش فرماویں تو جناب مولوی صاحب ممدوح نے بہت سے گلے اور شکوے کئے اور بہت دیر تک اِس باب میں گفتگو فرمائی۔ یہ گفتگو بہت لمبی تھی مگر خلاصہ کلام یہ ہے کہ جناب ممدوح نے فرمایا کہ "میں صرف اس وجہ سے ابتک مدرسۃ العلوم میں شریک نہیں ہؤا کہ مجھ کو اُسکے طالبعلموں کی مذہبی تعلیم کی طرف سے کبھی اطمینان نہیں ہؤا اور ہمیشہ اس بات کا خوف رہا کہ جس قسم کے عقاید سید احمد خاں صاحب کے ہیں ویسے عقاید کی تعلیم اس مدرسہ میں طالب علموں کو بھی ہو گی"۔ مَیں نے عرض کیا کہ نہیں آپ ایسا خیال نہ فرماویں اور سید احمد خاں صاحب کا کبھی یہ ارادہ نہیں ہؤا ہے۔ چنانچہ میں نے خود ہی اُن کے سامنے یہ تجویز پیش کی کہ اگر اس طرح سے مذہبی کمیٹی بالکل جُدا قائم ہو اور اِس میں صرف ایسے لوگ شریک ہوں جن پر عموماً مسلمانوں

کو اعتماد اور بھروسہ ہو تو آپ کی خاطر جمع ہو جاویگی یا نہیں۔ فرمایا کہ ہاں لیکن سید احمد خاں اور کوئی ممبر کمیٹی
خزنتہ البضاعۃ کا اُس میں شریک نہ ہو۔ میں نے عرض کیا کہ سید احمد خاں آپکے نزدیک قصوروار ہیں وہ شریک
نہ ہوں لیکن اَور ممبران کمیٹی خزنتہ البضاعۃ نے کیا قصور کیا ہے جو وہ عموماً ناقابل شرکت کمیٹی مذہبی قرار پاویں
صرف اتنی بات سے کہ کوئی شخص کمیٹی خزنتہ البضاعۃ کا ممبر ہے دائرہ اسلام سے خارج نہیں ہو سکتا۔
مَیں نے اُن سے عرض کیا کہ کیا آپ جملہ ممبران کمیٹی سے واقف ہیں کیا آپکے نزدیک سب بددین اور
مرتد ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ کمیٹی خزنتہ البضاعۃ میں ایسے ایسے بھی ممبر ہیں جو شاید سید احمد خاں صاحب کے
ہاتھ کا چھوا ہوا پانی بھی نہ پئیں اور آج تک اُنہوں نے ہمیشہ سید احمد خاں کی باتوں کو محض لغو سمجھا ہے
اور کبھی اُن کی بات کا جواب تک نہیں دیا۔ ایسے لوگوں نے کیا قصور کیا ہے جو آپ اُن کو مذہبی کمیٹی
میں شریک ہونے سے منع کرتے ہیں۔ اُن میں ایسے لوگ بھی ہیں جن کی دینداری اور تقویٰ پر ہماری طرف
تمام مسلمانوں کو اطمینان ہے پس اگر یہ شرط لگائی جاوے تو وہ لوگ اپنے دل میں کیا کہینگے اور کوئی وجہ نہیں
ہے کہ جب عام مسلمانوں کو اُن کی دینداری پر بھروسہ ہے تو وہ کیوں مذہبی کمیٹی میں شریک نہ ہوں پھر میں نے
جناب ممدوح کے سامنے محمد عبد الشکور خاں صاحب رئیس بھیکم پور ضلع علیگڈھ اور نواب محمد محمود علی خاں
صاحب رئیس چھتاوری ضلع بلند شہر کا نام لیا کہ یہ لوگ بھی کمیٹی خزنتہ البضاعۃ کے ممبر ہیں اپ ان لوگوں
سے واقف ہیں فرمایا کہ نہیں میں انکے حالات سے واقف نہیں ہوں لیکن جناب ممدوح علیگڈھ کے
ضلع میں عرصہ تک رہ چکے ہیں اس لئے میں نہیں سمجھتا کہ اُس وقت اُن کا یہ انکار کس مصلحت پر مبنی تھا)
میں نے عرض کیا کہ بس اب آپ جب اُن کے حالات تک واقف نہیں تو اُن کو ناقابل اعتماد کیونکر تسلیم
کئے لیتے ہیں۔ مجھے خوب یاد ہے کہ جناب ممدوح اُس وقت کچھ اس تقریر سے کنارہ کرنا چاہتے تھے۔
لیکن میری یہ گفتگو اس قدر صاف صاف تھی کہ کوئی شخص اُس سے انکار نہیں کر سکتا تھا اَور بھی جو لوگ
وہاں بیٹھے اُنہوں نے بھی مجھ سے اتفاق کیا اور اُن میں سے جن کو جرأت ہوئی اُنہوں نے کچھ
دبی دبی آواز سے اپنے اُس اتفاق رائے کو ظاہر بھی کر دیا (اس مقام کی باریکی اور خوبی کو گورکھپور والے
ہی خوب سمجھینگے) آخر مولانا صاحب ممدوح کو بھی سوائے تسلیم کے اَور کچھ نہ بن پڑا اور اُنہوں نے فرمایا کہ
ہاں اگر مسلمانوں کو کسی ممبر کمیٹی خزنتہ البضاعۃ پر بھی اعتماد ہو تو اُس میں کیا عُذر ہو سکتا ہے پس اُن کا
یہ فرمانا تھا کہ سب قصہ ختم ہو گیا اس لئے کہ مجھ کو خوب معلوم تھا کہ ابتدا سے سید احمد خاں صاحب بہادر
کی بھی رائے تھی کہ متواتر کمیٹیوں میں یہ ذکر ہوا تھا کہ مذہبی کمیٹی جدا قایم ہو گی +
میں اس مجلس سے بہت خوش خوش اُٹھا اور سید احمد خاں صاحب سے یہ سب کہانی بیان کی

جن کو میری اس گفتگو کا خیال تک بھی نہیں تھا اور اُن کے بلا کسی قسم کے ایماء اور اطلاع کے ہیں میں نے خود اس بات سے کہ مسلمانوں کے آپس میں اس قسم کی نا اتفاقی قایم رہے دق ہو اس تحریک میں سبقت کی تھی سید صاحب نے نہایت خوشی سے ان سب باتوں کو منظور کیا۔ اسکے بعد چند اَور تحریکیں وغیرہ ہوئیں جن کا بیان مَیں خلاف راز داری سمجھتا ہوں اسکے بعد جناب ممدوح نے اپنا ابتدائی باضابطہ خط لکھا جس کا مضمون اب وہ یہ بیان فرماتے ہیں کہ "سید احمد خاں اور کمیٹی خزنۃ البضاعۃ کا کوئی ممبر مذہبی کمیٹی میں شریک نہ ہوں" +

اگر میری یاد نے خطا نہیں کی ہے تو اس خط کا مسودہ بھی خود میرے سامنے لکھا گیا تھا ایک میز پر شمع کے سامنے ایک شخص لکھتا جاتا تھا جس کا میں نام نہ لوں گا اور جناب مولانا صاحب ممدوح بتلاتے جاتے تھے اُن کی زبان سے پھر وہی لفظ نکلا کہ سید احمد خاں اور ممبران کمیٹی خزنۃ البضاعۃ کی مداخلت کمیٹی مذہبی میں نہ ہو۔ مَیں نے پھر قلم کو روکا اور پھر عرض کیا کہ یہ بات ایک دفعہ طے ہو چکی ہے اور یہ ہو نہیں سکتا چنانچہ جناب ممدوح نے یہ لکھنا موقوف کیا اور صرف یہ الفاظ قایم رہے کہ سید احمد خاں اور اُن کی کمیٹی خزنۃ البضاعۃ تعلیم مذہبی میں کچھ مداخلت نہ کرے اور تعلیم مذہبی کے واسطے علیحدہ ایک کمیٹی قایم ہو۔ الخ +

پس جب اس قدر بحث و گفتگو کے بعد ممبروں کا لفظ جناب مولانا صاحب کی شرط اور اُنکے خط میں سے خارج کیا گیا اور صرف سید احمد خاں صاحب اور کمیٹی خزنۃ البضاعۃ کے (جس میں جناب ممدوح کے نزدیک ملحدین اور مرتدین بھی شامل تھے) عدم مداخلت کی شرط باقی رہی تو اب میں نہایت ادب کے ساتھ جناب ممدوح سے یہ دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ آیا اُن کا یہ فرمانا سچ ہے کہ کمیٹی خزنۃ البضاعۃ سے اُن کی مراد بالانفراد اُس کمیٹی کے ہر ایک ممبر سے تھی۔ اور اگر جناب موصوف اب بھی یہ فرماوینگے کہ ہاں یہی مراد تھی تو میں آسمان کی طرف دیکھکر اور ایک آہ بھر کر چپ ہو رہوں گا اور اُن سے کچھ نہ کہوں گا اس لیئے کہ وہ میرے نزدیک ہر طرح واجب التعظیم ہیں اُن کو روضہ منورہ جناب رسالتمآب سے سید الحاج کا معزز خطاب عنایت ہوا ہے مگر یہ ضرور کہوں گا کہ سخن فہمی عالم بالا معلوم +

لیکن ابھی انصاف دنیا کے پردہ سے بالکل اُٹھ نہیں گیا ہے اس مضمون کے پڑھنے والے خود انصاف کرینگے کہ جناب سید الحاج صاحب کا کمیٹی خزنۃ البضاعۃ کی عدم مداخلت کی شرط سے اب یہ استدلال کرنا کہ اس کمیٹی کا کوئی ممبر اس شرط کے بموجب مذہبی کمیٹی میں شریک نہیں ہو سکتا اور ان کا بیدھڑک مشتہر کر دینا کہ ہم سے صاف یہ شرط ہو گئی تھی کہ اُس کمیٹی کا کوئی ممبر مذہبی کمیٹی میں

شریک نہ ہو آیا صحیح ہے یا جناب سید الحاج صاحب کی دیانت اور دینداری پر ایک بہت بڑے الزام کا موجب ہے اور جو شخص سید احمد خاں صاحب کی طبیعت اور جناب سید الحاج صاحب کے اقتدار اعظم سے آگاہ ہیں کیا وہ اس بات کو سُنکر بے اختیار ہنس نہ پڑینگے کہ سید صاحب نے ایک جناب مولوی حاجی علی بخش خاں صاحب بہادر کے شریک کرنیکی غرض سے آنکھوں پر ایسی ٹھیکری رکھ لی ہوگی کہ محمد عبد الشکور خاں صاحب اور نواب حاجی محمد محمود علی خاں صاحب اور مولوی حافظ محمد اسمٰعیل صاحب اور مولوی محمد سمیع اللہ خاں صاحب اور اپنی کمیٹی خزنتہ البضاعۃ کے اور اکثر دیندار اور پرہیزگار ممبروں کے ارتداد اور الحاد کو قبول کرلیا ہو جس کی وجہ سے جناب سید الحاج صاحب کمیٹی خزنتہ البضاعۃ کے کسی ممبر کو بھی مذہبی کمیٹی میں شریک کرنا نہیں چاہتے تھے اور نہ اب تک اُس پر رضامند ہیں +

مجھے یقین ہے کہ ہر ایک شخص جس کو خدا نے کچھ بھی عقل دی ہو گی اس مضمون کے پڑھنے کے بعد ایک لمحہ بھر بھی کبھی اس بات کا یقین نہیں کریگا کہ جناب سید الحاج صاحب کے اس عذر میں کچھ بھی سچائی اور راستبازی شامل ہے +

اب میں دوسری شرط اور اُس کے نقص کی نسبت کچھ بیان کرنا چاہتا ہوں اور پھر اپنے اُسی دعوے کا اعادہ کرتا ہوں جو میں شروع مضمون میں بیان کر آیا ہوں کہ جناب مولانا صاحب کی شرکت مدرسۃ العلوم کے لئے ہر گز یہ شرط قرار نہیں پائی اور نہ اس شرط پر کبھی جناب ممدوح کا چندہ ادا ہونا منحصر ہوا تھا +

یہ بات کہ مذہبی کمیٹی کے ممبروں کا تعین اور اُن کا انتخاب صرف جناب مولانا صاحب کی رائے پر منحصر ہو اُن شرطوں میں سے کوئی شرط نہیں تھی جن کو جناب ممدوح نے اپنی طرف سے منظوری کے لئے پیش کیا تھا پھر اُس کی تعمیل کمیٹی خزنتہ البضاعۃ یا سید احمد خاں صاحب کے ذمہ کس طرح واجب قرار پاسکتی ہے جناب سید الحاج صاحب بہادر بھی خدا کی عنایت سے ایک عدالت کے قاضی القضاۃ ہیں کیا اُنکے نزدیک کبھی کسی مدعی کو اُس کے دعوے سے زیادہ کی ڈگری دی جاسکتی ہے +

یہ بات سید احمد خاں صاحب کی نہایت صفائی قلب کی تھی کہ جب اُنہوں نے جناب سید الحاج صاحب کی زبان سے یہ سُنا کہ میری مخالفت مدرسۃ العلوم سے اب تک صرف اسلام کی خیر خواہی کے لحاظ سے تھی تو اُنہوں نے فوراً اس بات کا یقین کرلیا کہ ایسا شخص ضرور مسلمانوں کی خیر خواہی کرے گا اور اُنہوں نے اُس وقت اپنے نزدیک جناب ممدوح کو ہر طرح اس کام کے لایق سمجھا اور اُن کی پیش کی ہوئی شرطوں کو بتمامہ منظور کر کے نہایت گرمجوشی سے اپنی طرف سے یہ فقرہ اور مستزاد کیا کہ "اس مذہبی کمیٹی ممبروں کی تعداد ان کا ابتداً منتخب کرنا یہ بھی سب آپ ہی کے ذمہ ہے اور میں اور ممبروں سے

اُس کی منظوری طلب کرتا ہوں"۔ دو ممبر جو وہاں موجود تھے (اور جن میں سے ایک میں بھی تھا) اُنھوں نے بھی اسی خیال سے اُس وقت سید صاحب کی رائے سے اتفاق کیا اور یہ سوچے کہ ہمیں خدا کسی طرح مسلمانوں کے اس باہمی اختلاف کو دُور بھی کرے جو ہماری قومی ترقی کے کاموں میں حارج ہے لیکن وہاں مضمون اس کے بالکل برخلاف نکلا۔ ؎

مازیاراں چشم نیکی داشتیم خود غلط بود آنچہ ما پنداشتیم

اور ممبروں کے پاس سے جو جواب آئے اُن میں اکثروں نے سید صاحب کے اس طبعزاد مستزاد سے اختلاف کیا یہ تو سب نے لکھا کہ مذہبی کمیٹی بلاشبہ جدا ہونی چاہیے جس میں مسلمانوں کے معتمد علیہ لوگ شریک ہوں لیکن اس کو پسند نہ کیا کہ صرف مولوی علی بخش خاں صاحب بہادر کی اکیلی رائے سے لوگوں کی دینداری یا بددینی کا فیصلہ عمل میں آوے پس جب ممبروں نے کثرت سے اس سے اختلاف کیا تو اکیلے سید احمد خاں کی کچھ پیش نہ چلی اور کمیٹی خزالبضاعۃ نے ایک اور نہایت ہی عمدہ طریقہ اختیار کیا ؛

ممبران موصوف کے جس قدر خط گورکھپور میں سید صاحب کے پاس آچکے تھے اور جس میں مذکورہ بالا اختلاف بڑے شد و مد کے ساتھ بہت کثرت سے موجود تھا یہ سب خط سید صاحب نے جناب ممدوح کو ملاحظہ کرادیئے تھے اور خود میں ہی اُن خطوں کو لیکر گیا تھا اور اُن کو اس بات کا یقین ہوچکا تھا کہ اب یہ بڑی ذمہ داری کا کام کمیٹی خزینۃ البضاعۃ صرف میرے اکیلے کی رائے پر منحصر نہ کریگی اور پھر ان سب واقعات کے بعد گورکھپور میں وہ جلسہ منعقد ہوا تھا جس میں جناب سید الحاج صاحب بہادر نے آٹھ سو روپیہ چندہ کے لکھے پس بعد معلوم کر لینے ان سب حالات کے کون شخص ہے جو یہ کہہ سکیگا کہ جناب ممدوح کا چندہ اس شرط پر مشروط تھا اور اُس شرط کا نقص عمل میں آیا اور اگر اب بھی کسی کو اسمیں شبہ باقی رہگیا ہو تو مَیں اس سے بھی زیادہ صاف اور واضح طور پر اس کو ثابت کر سکتا ہوں ؛

گورکھپور کی مجلس میں جس وقت چندہ کی فہرست پیش ہوئی تو سب سے پہلے جناب مولانا صاحب کے سامنے خود میں نے اُس فہرست کو پیش کیا جناب مولانا ممدوح نے آٹھ سو روپیہ چندہ کے اُس میں درج فرمائے اور اپنے دستخط ثبت کئے اور اُس کے بعد اُنہوں نے کچھ اور عبارت لکھنی چاہی میں نے جھک کر اُس کو دیکھا مولانا صاحب اس قدر لکھ چکے تھے کہ مسجد اہل سنت وجماعت کے واسطے اُسکے بعد اُنہوں نے اپنی شرطوں کی منظوری کا تذکرہ اور لکھنا چاہا میں نے اُس وقت اُن کو ذرا روکا اور آہستہ سے عرض کیا کہ شرطوں سے کونسی شرطیں مراد ہیں آپ کی شرطیں صرف

وہ ہیں جو آپ کے خط میں ہیں۔ اور یہ میں نے اسی لئے عرض کی تھا کہ جو بات سید صاحب نے اپنے خط میں اپنی طرف سے بڑھادی تھی اور اُس کی نسبت ہر طرف سے ممبروں کے انکار اور اختلاف چلے آتے تھے کہیں اُس کو مولانا صاحب شرط میں داخل نہ کر دیں۔ جناب ممدوح بھی خوب طرح اس بات کو سمجھے اور اُنہوں نے اُسکے بعد یہ لکھا کہ بعد تعمیل ہو جانے شرائط مندرجہ خط ہمارے کے ہمارا یہ چندہ فہرست چندہ میں درج کیا جاوے۔ پس اب جناب ممدوح مہربانی سے ارشاد فرماویں کہ کیا یہ بات سچ ہے کہ یہ دوسری شرط بھی اُنکے چندہ سے متعلق تھی اگر فرماویں کہ ہاں تو میں پھر وہی عرض کرونگا جو اوپر عرض کر چکا ہوں کہ "سخن فہمی عالم بالا معلوم" لیکن کیا کوئی شخص اب یہ کہہ سکیگا کہ جناب ممدوح کا چندہ ان شرطوں پر مشروط تھا نہیں کبھی نہیں +

اب میں نہایت ادب سے جناب ممدوح کی خدمت میں عرض کرتا ہوں کہ آپ کا چندہ صرف اس بات پر مشروط تھا کہ مذہبی کمیٹی جُدا قائم ہو۔ سید احمد خاں یا کمیٹی خزنۃ البضاعۃ کو اُس میں کچھ مداخلت نہ ہو۔ ایسے لوگ اُس کمیٹی میں شریک ہوں جن پر مسلمانوں کا اعتبار ہو خواہ وہ پہلے سے کمیٹی خزنۃ البضاعۃ کے ممبر ہوں یا نہ ہوں (جیسا ہم اوپر ثابت کر آئے ہیں) پس اب جناب ممدوح انصاف سے دیکھ لیں کہ اُن سب شرطوں کی تعمیل جیسی چاہیئے تھی ویسی ہے۔ بلکہ اُس سے بھی زیادہ خوبی اور احتیاط کے ساتھ ہو گئی ہے یا نہیں اس وقت مذہبی کمیٹی جُدا قایم ہے اور اُس کو ایسے لوگوں نے مقرر کیا ہے جن کا نام اس غرض کے واسطے تین مہینے سے زیادہ اخباروں میں مشتہر ہو چکا تھا اور کسی مسلمان نے اُس پر اعتراض نہیں کیا تھا۔ سید احمد خاں یا کمیٹی خزنۃ البضاعۃ کو اُس کمیٹی کی کارروائی میں کچھ بھی مداخلت نہیں ہے۔ وہ کمیٹی اپنی کارروائی آپ کر رہی ہے اور اب مذہبی تعلیم کے لئے کتب درسیہ کا سلسلہ پیش کرنے والی ہے غرض ہر طرح سے جناب ممدوح کی وہ شرائط جن پر اُن کا چندہ ادا ہونا منحصر تھا۔ پوری ہو چکی ہیں۔ اب یہ وقت ہے کہ جناب ممدوح چپ چپاتے آٹھ سو روپیہ کا نوٹ رجسٹری کرا کر سید احمد خاں صاحب کے پاس بھیجدیں لیکن یہاں حسب حال مجھ کو یہ شعر یاد آیا۔ ؎

گر جاں طلبی مضائقہ نیست
زر می طلبی سخن درین است

وَالسَّلام

مضامین سید محمد محمود صاحب

شدّت اتقا

ہم کو اپنے ایک دوست کا قول خوب یاد ہے کہ پرہیزگاری اور اتقا ہر مسلمان کے لئے لازم ہے ہم خود اس کے قایل ہیں پس اس مختصر مضمون کے لکھنے سے ہماری یہ غرض نہیں کہ اتفاقی نفسہٖ اچھا نہیں بلکہ ظاہر کرنا منظور ہے کہ اتقا کو حد شرعی سے زیادہ لیجانا اچھا نہیں ہے بہت سے ہمارے ہم مذہب جو کہ نہایت نیک اور پابند شرع ہیں اکثر اپنی نیک نیتی کی زیادتی کے سبب ایک بڑی غلطی میں پڑتے ہیں یعنی اتقا کو اچھا سمجھ کر اس قدر حد کو پہنچاتے ہیں کہ فی الحقیقت جو غرض شارع کی اتقا کی تقلید سے تھی وہ جاتی رہتی ہے شاید اس سے بڑھکر کوئی غلطی نہیں ہو سکتی کہ کسی شے کو نیک یا مفید سمجھکر اُس کو مقدار مناسب سے زیادہ اختیار کرنے اور اس بات کو خیال میں نہ رکھے کہ شرع میں کس قدر جائز ہے ہمارے ہاں کے ایک بڑے شخص نے شارع اور شرع اور امت کی طبیب اور دوا اور مریض سے تمثیل دی ہے یہ تمثیل حقیقت میں نہایت عمدہ ہے اور اِس ہی سے ہم اپنے قول کو ثابت کرینگے اگر کوئی مریض نسخہ میں یہ پڑھکر کہ میں تولہ بھر گلقند چار روز متواتر کھانے سے اچھا ہو جاؤں گا یہ نتیجہ نکالے کہ گلقند ایسی دوا ہے کہ میرے مرض موجودہ کو فائدہ بخش ہے تو یہاں تک اُس کا نتیجہ درست ہوگا کیونکہ بلاشبہ گلقند اُسکے مرض کے لئے مفید ہے ورنہ طبیب ہرگز نہ لکھتا پھر اگر دوسرا نتیجہ یہ نکالے کہ تولہ بھر تو چار دن میں اچھا کرتا ہے تو چار تولہ ایک ہی دن میں اچھا کر دیگا اور آدھ سیر تو کھاتے ہی شفایاب ہو جاؤنگا یہ نتیجہ بالکل غلط ہوگا کیونکہ آدھ سیر گلقند کا ایک مرتبہ کھا لینا شفا بخشنے کی عوض اور مضر ہوگا اور جو مقصد طبیب کا نسخہ میں گلقند کے لکھنے سے تھا وہ ہرگز حاصل نہ ہوگا اور مریض طبیب کو خوش کرنیکے بدلے اُس کو اَور ناراض کر دیگا۔ ایسی حالت اتقا کا جو کہ مقدار مناسب یعنی حد شرعی سے زیادہ ہو ہم نے شدّت اتقا نام رکھا ہے +

اگر ہماری تمثیل مذکورہ بالا سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ اتنا اتقا جس کو ہم شدت اتقا کہتے ہیں کرنا فائدہ کی عوض نقصان کرتا ہے تو بلاشبہ ایسا اتقا شرعاً ناجائز ہے یہی باعث تھا کہ ہمارے رسول خدا صلعم

نے اس قسم کی عبادت کو جس سے کہ دنیا کے تمام کاروبار میں خلل واقع ہو منع فرمایا ہے لا رھبانیة
فی الاسلام حدیث صحیح ہے اور اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ شرعی حد سے زیادہ اتقا کرنا جائز
نہیں بلکہ اُس کا نام اتقا نہیں کلام مجید میں بھی اس مقدار مناسب سے زیادہ عبادت کرنے کا ذکر آیا ہے
یاایھا المزمل قم اللیل الا قلیلا +

یہ بات تمام دلایل عقلی سے بھی ثابت ہے کہ زیادہ ہر شے کی اچھی نہیں جبکہ ہم اس بات کو مانتے ہیں
کہ اللہ تعالےٰ نے ہم کو اسلام ایسی نعمت عطا فرمائی ہے کہ جس سے دنیا و دین دونوں کی بہتری حاصل ہو تو کیا
صاف ظاہر نہیں ہے کہ ایک ہی کے پیچھے ہو رہنا نصف فائدہ کھونا ہے عین کلام اللہ میں اللہ تعالیٰ نے
ہم کو دعا سکھائی ہے ربنا اتنا فی الدنیا حسنة وفی الاخرة حسنة وقنا عذاب النار دنیا اور
دین دونوں کے لئے دعا مانگی ہے اور اس سے بھی ہمارے قول کی تائید ہوتی ہے +

تمام دنیا اس بات سے متحیر ہے کہ اسلام نے وحشی عربوں کو یکبارہ دنیا اور دین دونوں کی خوبیاں
کیونکر دیں اس ہی بات سے اسلام کو اور مذہبوں پر فوقیت ہے کہ اور صرف بہبودگی آخرت سکھانیکا
دعویٰ رکھتے ہیں اور اسلام میں جس قدر احکام ہیں اُن سے بہبودگی دارین حاصل ہوتی ہے اس کی ہزارہا
مثالیں ہیں ایک ادنےٰ بات شراب و خنزیر اور قمار کی ممانعت ہے کہ اس کے فواید بیان سے باہر ہیں-
حکماء یورپ نے ثابت کیا ہے کہ شراب و لحم الخنزیر نہایت مضر ہیں اور یورپ کی قوموں نے شراب خواری
اور قمار بازی کے بند کرنے کے لئے قانون بنائے ہیں یہ قانون اب حال میں بنے ہیں اور اسلام
میں قریب تیرہ سو برس ہوئے موجود تھے +

ہماری اصل غرض یہ ہے کہ حد شرعی سے زیادہ اتقا کرنا گویا کہ شارع سے بھی زیادہ متقی ہونیکا دعوےٰ کرنا
اور یہ درست نہیں ہم کو ایک نہایت بزرگ شخص کی نقل یاد ہے کہ اُنھوں نے اتقا کو اُس درجہ کو پہنچایا تھا کہ
کافر کی شکل دیکھنے کو گناہ سمجھتے تھے اس اندیشہ سے کہ کافر کے ساتھ اُٹھنا بیٹھنا نہ ہو ریل کا سفر مناسب نہیں
سمجھتے تھے دنیا دار لوگوں کو ترک کر کے رات دن نماز وظیفہ میں مشغول رہتے تھے اگرچہ یہ بزرگوار بسبب
اپنی نیکی کے بیشک تعظیم اور ادب کے لایق تھے لیکن اُن کے حال پر بلاشبہ افسوس آنا چاہئے ایسا شخص جو کہ
تمام دنیا کی صحبت چھوڑ بیٹھتا ہے گویا ایک نہایت خودغرض شخص ہوتا ہے کہ جس کو اَوروں کو فائدہ دینا
کچھ منظور نہیں صرف اپنی آخرت کے چین کے لئے یہاں محنت کرتا ہے بیشک و شبہ اللہ تعالےٰ نماز و وظیفہ
سے خوش ہوتا ہے مگر اس سے صرف اُن گوشہ نشین صاحب کا فائدہ ہے اور نہ کسی اَور کا +

بڑا فائدہ نیک ہونیکا اوروں کو نیکی سکھانا اور اُن کی خدمت کرنا ہے اور نہ خودغرضی سے صرف

اپنی عاقبت کی فکر کرنا جو شخص لوگوں کی صحبت اس طرح پر ترک کر بیٹھتا ہے اُس سے وہ فائدہ کبھی ظہور میں نہیں آتا جو کہ نیک آدمی کی صحبت سے حاصل ہوتا ہے نیک آدمی کو نیکی کرتے دیکھکر اور نیک باتیں کرتے سُن کر خود نیکی کو دل چاہتا ہے اور نیکی پھیلتی ہے رسول خدا صلعم اور اصحاب کرام نے دکھا دیا کہ کیونکر اس دنیا میں زندگی بسر کرنی چاہئے +

ایک اور صاحب کا ذکر ہم نے سنا ہے کہ جنہوں نے حج کا اس طرح پر قصد کیا تھا کہ ہر قدم پر دو رکعت نماز پڑھتے جاتے تھے مگر یہ اُن سے پورا نہ ہوا اور اگر ہوتا بھی شاید صرف بحکم انما الاعمال بالنیات اُن کو ہوتا ورنہ ایسے جوگیوں کی طرح حج کو جانا کہاں درست ہے اگر حج کرنیکا ثواب بقدر اُن تکالیف کے جو کہ قصداً انسان اپنے پر ڈالے ہوگا تو ہندو جوگیوں کی طرح زمین پر لوٹ کر حج کو جاتے سے تو شاید سب سے زیادہ ثواب ہو مگر اسلام میں ایسی لغو ناحق کی تکلیف اُٹھانی درست نہیں لا یکلف اللہ نفساً الا وسعہا +

بعض ہمارے ہم مذہب مسلمان بھائی بلاشبہ نیک نیتی سے تعصب کو اتقا اور جاہل رہنے کو پرہیزگاری سمجھتے ہیں حالانکہ صاف ظاہر ہے کہ اگر ہم سچے اور پکے مسلمان ہیں تو شاید ہماری صحبت سے کافر مسلمان ہو جاوے کافر کی زبان یا علوم تحصیل کرنے کو گناہ سمجھتے ہیں حالانکہ اگر ہم اصل دیندار اور پختہ ایماندار ہیں تو مخالفین اسلام کے علم کو سیکھ کر اُن کے ساتھ مناظرہ کرنے کے خوب قابل ہوں گے اور اسلام بدلے کمزور ہونے کے اور مستحکم ہوگا +

انگریزی علوم تحصیل کرنے کو ہمارے متعصب بھائی مسلمان گناہ سمجھتے ہیں حالانکہ خلفائے بغداد کے زمانہ میں جس قدر علم عربی میں آیا وہ سب زبان گریک یعنی یونانی سے ترجمہ کیا گیا اور اُس زمانہ کے اکثر علما گریک کو جو کہ کفار کی زبان تھی بدرجہ تکمیل تحصیل کرتے تھے اگر ایسا نہ ہوتا تو جس قدر طب کہ ہمارے ہاں موجود ہے کچھ نہ ہوتی اور فلسفہ اور منطق کا تو نام بھی نہ ہوتا +

الغرض جو فواید کہ اپنے مخالف کے بھیدوں کے معلوم کرنے سے ہوتے ہیں وہ سب تعصب سے جاتے رہتے ہیں اور ہم خود جہل مرکب میں پڑے رہتے ہیں +

لیکن یہ جاہلانہ تعصب فی زماننا محض ہمارے ادبار و کم بختی کے سبب ہم مسلمانوں میں آگیا ورنہ زمانہ قدیم میں کفار کی زبان تحصیل کرنا کچھ بُرا نہ سمجھا جاتا تھا حضرت شیخ سعدی رحمہ اللہ نے زبان لیٹن نہایت محنت سے تحصیل فرمائی تھی اور وہ لوگ جنہوں نے کہ تصنیفات ارسطو اور افلاطون اور سقراط کا ترجمہ عربی میں کیا وہ گریک سے خوب ہی واقف ہوں گے +

ہم اس مختصر مضمون کے لکھنے سے نہ تو اُن صاحبوں کو جن کو اتقا کا دعویٰ ہے ناراض کرنا منظور ہے

اور نہ یہ ہے کہ ہم اپنے تئیں ناصح بننے کے لائق سمجھتے ہیں بلکہ چند اپنے خیالات اُن صاحبوں کے لئے درج کرتے ہیں جو کہ جاہل رہنے اور متعصب ہونے کو تقوے سمجھتے اور اُن کو جو کہ عین اہل اسلام کی ترقی اور بھلائی کے خواہاں ہیں مخالفین اسلام میں شمار کرتے ہیں +

دوستی کا برتاؤ

تہذیب الاخلاق کے نمبر اول جلد دوم میں ہم ایک مضمون دوستی پر لکھ چکے ہیں اُس میں ہم نے صرف اصول اور فوائد دوستی پر بحث کی تھی اس مضمون میں دوستی کے برتاؤ کی نسبت اپنے خیالات ظاہر کرنے منظور ہیں +

سب اس بات کو مانتے آئے ہیں کہ دوستی انسان کی راحت کو دوچند اور مصیبت کو نصف کر دیتی ہے یعنی ہماری خوشی میں دوست بھی ہمارے ساتھ خوش ہو کر اُس خوشی کو دوچند کر دیتا ہے اور غمی میں دوست کی ہمدردی سے رنج کا آدھا بوجھ ہم پر سے ٹل جاتا ہے اگرچہ یہ قول بالکل سچائی پر مبنی ہے مگر اس سے نتیجہ نہیں نکلتا کہ بہت سے دوست رکھنے بہتر ہیں۔ عقلاء متقدمین میں سے ایک کا قول ہے کہ "بہت سے ہوا خواہ بنا مگر دوست بہت کم سب کے ساتھ امن سے رہ مگر ہزار میں سے ایک کو اپنا صلاح کار بنا"۔ یعنی دوستی کم آدمیوں سے کر اور کسی کو دشمن نہ بنا کیونکہ دوستی کا نباہنا مشکل ہے دوستوں کی تعداد کے ساتھ ہماری مشکل بڑھتی جاتی ہے اور دشمن سے اپنے تئیں محفوظ رکھنے میں ہمیشہ دقت ہوتی ہے بگڑے ہوئے دوست سے زیادہ کوئی خطرناک دشمن نہیں وہ ہمارے عیوب اور بھیدوں سے واقف ہوتا ہے اور ہزارہا ایسی مضرتیں پہنچا سکتا ہے جو کہ ناواقف دشمن کے اختیار میں نہیں ہو سکتیں +

سب سے آسان دوستی وہ ہے جس کا ہم نے اپنے مضمون سابق میں اوّل ذکر کیا تھا یعنی وہ جو کہ بغیر آپس کی شناسائی کے ہوتی ہے ایسی محبت میں ہمیشہ ہم کو اختیار رہتا ہے کہ کس قدر دوستی رکھیں اور اُس کے بالکل موقوف کرنے میں کچھ اندیشہ نہیں ہوتا کیونکہ اُس حالت میں کوئی اپنا دشمن نہیں بنتا مگر یہ دوستی ادنےٰ قسم کی دوستیوں میں شمار ہوتی ہے اور چونکہ جس قدر دوستی کی مقدار قلیل ہوتی ہے اُسی قدر اُس سے حظ اور فائدے بھی کم حاصل ہوتے ہیں پس صرف اسی دوستی پر قناعت کرنی نہ چاہئے +

البتہ دوسری قسم کی دوستی جس کا اب ہم ذکر کرتے ہیں سب سے زیادہ کارآمد ہے اور عام برتاؤ میں آتی ہے یعنی وہ محبت و الفت جو کہ بسبب ربط و ارتباط کے پیدا ہوتی ہے اور جس سے صحبت کی خوشی اور صلاح کی درستی مترتب ہے سب سے مقدم شرط اس دوستی کی یہ ہے کہ دونوں شخص اپنے مرتبہ دنیوی کو بالکل بھول جاویں

اور گو ایک دوسرے سے دولت و منزلت میں بدرجہا بڑھکر اپنی حالت دوستی میں ایک دوسرے کو برابر سمجھے بعد اس شرط کے ثابت قدمی اور صداقت طینت ہے یعنی تلوّن مزاجی اور بد باطنی دونوں میں نہ ہو ایسے دو شخصوں میں کامل دوستی نہیں ہوتی جن میں سے ایک اپنے تئیں دوسرے سے اعلےٰ سمجھے یا جو کہ ثابت قدم اور صاف باطن نہ ہو لیکن بہت کم لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ جو دوستی میں اپنے رتبہ کو خیال میں نہ رکھیں اور یہی مقدم بحث ہے کہ مختلف درجے کے آدمیوں میں دوستی کا ہونا شاذ و نادر ہے +

ہم یہ پہلے بھی لکھ چکے ہیں کہ سچے دوست سے بڑھکر دنیا میں کوئی دولت نہیں جو رنج و خوشی میں یکساں ہماری ہمدردی کرتا ہے مگر ہم کو اُس سخت عیب کا ذکر نہ بھولنا چاہئے جو کہ دوستی کے ایک بڑے حظ کو خراب کر دیتا ہے ہماری مراد اُس بیہودہ شغلے سے ہے جس کو دل لگی یا ہنسی یا مزاح کہتے ہیں ہم ہنسی یا مزاح کے فی نفسہٖ دشمن نہیں بلکہ ضرور ہے کہ جب دو دوست بالکل گھل مل جاویں تو آپس میں اپنی خوشی کے لیے کچھ ہنسی کی باتیں کریں مگر ہم اُس طرز ہنسی کے برخلاف ہیں جس سے اکثر محبت میں فرق آتا ہے یہ وہ طریقہ مزاح کا ہے جس سے دوست بجائے خوش کرنے کے رنج دیتا ہے یعنی اپنے دوست کی کسی سچ بات سے ہنسی کرنی مثلاً ہمارے دوست میں ایک عیب ظاہری ہے۔ اب ہنسی میں اُس عیب کی طرف کسی قسم کا اشارہ گویا اُسکے بُرے ہونے کو جتانا ہے اور یہ بالکل نامناسب ہے کیونکہ وہ ہنسی ہنسی نہیں جو کہ سچ ہو بلکہ ایک نوع کی گالی ہے اور اپنے دوست کی ہجو اور اہانت کرکے اُس کو رنج دینا ہوتا ہے +

علاوہ اس طرز ہنسی کے آجکل ایک اَور طرز دوستی کا یعنی آپس میں گالم گلوچ کا ہونا کمال محبت سمجھی جاتی ہے اس جگہ اُس کی مذمت کرنی ہم ضرور نہیں سمجھتے کیونکہ ایسی بحث زیادہ تر اُس موقع پر چسپاں ہوگی جہاں کہ شریف شخص کی تہذیب کا ذکر ہو +

ایسے بھی لوگ ہیں جو کہ نہایت مختصر عرصہ میں بڑی دوستی کا دعوے کرنے لگتے ہیں اور گو دل میں محبت نام کو بھی نہ ہو مگر ہمارے ساتھ ہر قسم کی ہنسی کا اپنے تئیں مجاز سمجھتے ہیں۔ اکثر ایسے ہی لوگ رنج دل میں ڈالنے والی ہنسی کے بہت شوقین ہوتے اور خود بیہودہ خوشی حاصل کرتے ہیں مگر اس سے بھی بدتر ایک اَور کمینی عادت ہے کہ ہنسی کے پردہ میں کسی کو طعنہ دینا یا ایسی بات اشارتاً کہنی جو کہ حقیقت میں اُن کو کہنی منظور تھی مگر اپنی بدباطنی کے سبب صاف نہ کہہ سکتے تھے یہ بات ذرا غور سے سمجھ میں آویگی اگرچہ ہر شخص کو اپنی زندگی میں ایسے لوگوں سے پالا پڑتا ہے +

اصل ہنسی وہ ہے جو کہ ایسی بات کی نسبت ہو جو کہ ہمارے دوست کا عیب نہیں یا جسکے ذکر سے اُس کو رنج نہ ہو۔ ایک قسم کی بات گڑھنے سے اگر ہمارے دوست کو کچھ جھنجھلاہٹ آوے تو وہ غصہ ہرگز

مؤثر نہیں ہوتا اور نہ اُس سے کچھ ہرج ہو بلکہ تھوڑے عرصہ کے بعد سب کو اُس سے خوشی ہوتی ہے خود اُس دوست کو کہ جس کی ہنسی کی گئی تھی لطف آتا ہے ہم کو یہ بھی بیان کرنا ضرور ہے کہ ہنسی میں کوئی جھوٹ بات بیان کرنی جائز نہیں سوائے اُسکے جس کی غلطی صریح ہو۔ ایسا جھوٹ جھوٹ نہیں کیونکہ وہ اپنے جھوٹ ہونے کو خود صاف دکھاتا ہے اور اُس سے کسی قسم کا ہرج نہیں ہوتا +

ایک اَور بات پر غور کرنا چاہیئے۔ یہ مقولہ سب دوستوں میں مشہور ہے کہ دوست کا مال اپنا ہی ہوتا ہے یہ نہایت اعلےٰ اور عمدہ قول ہے مگر افسوس کی بات ہے کہ اس کا بھی برتاؤ بری طرح پر ہوتا ہے اکثر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک شخص اس سبب سے کوئی اچھی شے نہیں رکھتا کہ اُسکے ملاقاتی اُسکے پاس وہ شے نہیں رہنے دیتے "دوست اچھی شے نہیں چھوڑتے" یہ اکثر سُننے میں آتا ہے۔ کوئی شے اس سے زیادہ شریف اور اعلےٰ نہیں کہ محبت میں اپنے اور اپنے دوست کے مال کو ایک سمجھے اور اپنی سب چیزوں کو گویا اُسکے لئے سمجھے مگر اس سے زیادہ کوئی حقیر بات نہیں کہ باوجودیکہ ہمکو معلوم ہے کہ ہمارے دوست کو ایک شے نہایت پسند ہے اور اس لئے اُس کو عزیز رکھتا ہے پھر بھی ہم اُس سے اُس شئے کی درخواست کریں غور کرنے کی بات ہے کہ اس کا اصول کس قدر غلط ہے اگر ہم اپنے دوست کی ایسی شئے کو پسند کریں جس سے اُس کو کسی قسم کی آسایش یا خوشی ہو تو کس قدر محبت کے خلاف ہے کہ اُس سے وہ لیکر دوست کی خوشی یا آسائش میں خلل انداز ہوں اگر وہ شئے ہماری دانست میں عمدہ ہے ہم کو چاہیئے کہ یہ خواہش کریں کہ ہم سے پہلے ہمارا دوست اچھی شے رکھے اور خوشی اور آسایش حاصل کرے نہ یہ کہ اُس سے وہ لیکر محبت کے برخلاف بات کریں۔ باوجودیکہ ہماری دانست میں اپنا اور دوست کا مال ایک ہے لیکن تاہم اُس سے وہ چیزیں لینی چاہئیں جو کہ ہماری ہی دانست میں عمدہ ہیں مگر اُس کو کچھ چنداں عزیز نہیں یا اُس حالت میں اُن کی درخواست کی جاوے جبکہ ہم کو کچھ نہ ہو کہ اُس خاص شئے کے لینے سے ہم کو اپنے دوست کی آسایش سے (جو کہ اُس خاص چیز سے اُس کو ہوتی ہے) بدرجہا بڑھکر ہوگی اکثر اس طرح بھی محبت میں فرق آتے دیکھا ہے کہ ایک شخص نے اپنے دوست سے ایک شئے کی درخواست کی اور اُس نے انکار کیا تو ظاہر ہے کہ محبت میں فرق پڑا سچی دوستی کا ایسی حالت میں یہ مقتضی ہے کہ اگر درخواست کنندہ کو یہ معلوم نہ ہو کہ فلاں شے دوست کو نہایت عزیز ہے اور اس ناواقفیت کی حالت میں درخواست کرے تو معلوم ہوتے ہی اپنی درخواست کو واپس کر لے اور اُس شئے کے نہ لینے پر مصر ہو۔ اس بات کو غور سے سمجھ لینا چاہیئے کہ کسی شئے کا جو کہ ہمارے دوست کو عزیز ہے مانگنا اُسی قدر محبت کے خلاف ہے جس قدر کہ اُس دوست کا اُس شئے کو درخواست کے بعد نہ دینا۔ اگر کوئی وجہ خاص ایسی درخواست یا انکار کی ہو

تو سچے دوستوں کو لازم ہے کہ صاف بیان کر دیں اور نہ یہ کہ محبت میں خلل آنے دیں +

کیا اچھا قول ہے کہ "دوست حقیقی ایک بہت مضبوط پناہ ہے اور جس نے ایسا دوست پالیا گویا ایک بڑا خزانہ پایا سچا دوست زندگی کے امراض کی دوا ہے اور جو لوگ دل سے نیک ہیں اپنی نیکی کے صلہ میں ایسا دوست پاوینگے" سب سے خوبصورت اور غور و تامل کے لائق اس مقولہ کا اخیر حصہ ہے اس میں کچھ شک نہیں کہ اپنی طبیعت کی نیکی اور دل کی صفائی کے بغیر ہم کو سچا اور وفادار دوست نہیں ملتا ع

دل را بدل رہیست دریں گنبد سپہر

وہ شخص جو کہ خود صاف اور نیک ہے ضرور کبھی نہ کبھی اپنا دوست پاویگا اور گو اپنی صفائی کے سبب اُس کو کبھی بد لوگوں سے مضرت پہنچے مگر بلاشبہ سچے دوست کے ملنے سے محروم نہ رہیگا مگر بد باطن کو کبھی اچھا دوست نصیب نہیں ہوتا اگر اُسی کی سی خاصیت کا شخص ملا تو وہ اس کی نسبت اتنا ہی شبہ کریگا جتنا کہ یہ اُسکی نسبت اور کبھی کھلکر دوستی نہیں ہونیکی۔ اگر بد باطن شخص کسی صاف باطن سے ملے تو اُسکو اُسکی نسبت بھی بد طینتی کے سبب شبہ رہیگا اس بات کی فکر میں رہیگا کہ اُسکے بھید معلوم کروں اسی خواہش میں مبتلا ہو کر چھپ چھپ کر باتیں سنیگا اور اگر اتفاقاً کوئی ایسی بات سُن پائی جو اُسکی دانست میں اُسکے برخلاف ہوئی تو اُس کو اپنی غیبت تصور کر کے اپنے دل میں اپنے تئیں مبارکباد دیگا کہ کس ہوشیاری سے بھید معلوم کیا گو وہ بات جو کہ اس نے چھپکر سنی (اور اس طرح پر بات سُننے اور چوری میں کچھ فرق نہیں) ایسی ہو کہ اُس صاف باطن شخص کو اُسکے روبرو کہنے میں بھی کچھ تامل نہ ہوتا ایسے شخص کو کبھی سچے دوست کی سی نعمت نصیب نہیں ہوتی تعجب نہیں کہ تھوڑے عرصہ تک صاف باطن اس بد باطن شخص کو اچھا اور صادق دوست سمجھے مگر نہایت جلد اُسکے حرکات سے اُسکی خاصیت سے کھل جاتی ہے اور صاف آدمی اپنی اس ملاقاتی سے متنفر ہو جاتا ہے +

جتنا دوست پرانا ہوتا جاتا ہے اُتنی ہی قدر بڑھتی جاتی ہے اور گو اکثر ہم کو نئے دوست کی وفا پر اتنا ہی بھروسہ ہو جاتا ہے جتنا کہ پرانے دوست پر مگر تاہم پرانے دوست کیساتھ زیادہ تجربہ زندگی کا ہوتا ہے اور اسی وجہ سے کہ وہ قدیم ہے اُسکی قدر زیادہ ہوتی ہے مگر کھری دوستی بڑے اندیشہ کی شئے اور اُس کے برقرار رکھنے کے لئے ہم کو بڑی احتیاط لازم ہے ایکدفعہ دوستی ٹوٹنے کے بعد گو عقلمند اور عالی ہمت شخص اُس شخص کا جو کہ اُس کا دوست تھا قصور معاف کر دیگا مگر پھر دوستی کا ہونا مشکل ہے اور میری دانست میں اُس شخص سے جو کہ ہمارے ساتھ دوستی کا دعوے کر کے ہمارے ضرر کی بات دانستہ کرے دوستی پھر نہ کرنی چاہیئے گو اُس کا قصور بالکل دل سے معاف کر دے اور صلح کر لے۔ اگر یہ معلوم ہو جاوے

کہ وہ حرکت جس سے ہم نے ناراض ہوکر ملاقات ترک کی تھی حقیقت میں دشمنی کی نہ تھی تو پھر محبت کے جاری کرنے میں کچھ ہرج نہیں اور ایسی بات کو اگر کوئی شخص معاف نہ کرے تو وہ بہت بے رحم اور بے مروت سمجھا جانا چاہیئے +

ایک عقلمند کا مقولہ مشہور ہے کہ "اپنے دشمنوں سے دُور رہ اور دوستوں سے ہوشیار" گو یہ قول ایک دانا شخص کا ہے مگر ہم اسکے اخیر حصہ سے متفق نہیں۔ وہ دوستی کیا جس میں کہ دوست پر کچھ بھروسا نہ کیا جاوے اور وہ محبت کیا کہ جس میں اپنے دوست کی وفا پر شبہ رہے۔ شاید یہ قول دنیا کے کاروبار میں نہایت ٹھیک ہو مگر اس میں کچھ شک نہیں کہ ہمارے خیالات دوستی کے قطعاً برخلاف ہے۔ اس مقولہ سے گویا یہ سکھاتا ہے کہ دوست کو بھیدوں سے مطلع نہ کرے مگر ایسی حالت میں سب سے بڑا فائدہ دوستی کا جاتا رہتا ہے۔ وہ شخص نہایت نادان بلکہ خائن ہے جو کہ اپنے دوست کے بھیدوں سے دوسروں کو مطلع کرتا پھرے ہمکو اختیار ہے کہ جس کو چاہیں اپنا رازدار بناویں مگر یہ بیشک امانت کے برخلاف ہے کہ اپنے دوست کے بھیدوں کو غیروں پر کھول دیں الغرض اپنے دوست کی بڑی خاطرداری لازم ہے اور کوئی بات اُس کو رنج دینے والی نہ کرنی چاہیئے۔ ع

دل ہی تو ہے نہ سنگ وخشت درد سے بھر نہ آئے کیوں

بڑے دوست کی ذراسی محبت کے برخلاف بات سے بڑا رنج ہوتا ہے اور ایک دفعہ ایسی دل شکنی کے بعد دوستی کا جاری رہنا دشوار ہے۔ کیونکہ۔ ع

دل را شکستہ نہ کہ گوہر شکستہ

ہم نے اپنے مضمون سابق میں (جس کا یہ مضمون گویا تتمہ ہے) اُن فوائد کا ذکر کیا تھا جو کہ ہمارے دوست سے ہم کو ہوتے ہیں یہ سب فائدے اکثر دوست کے اپنے بغیر کچھ تکلیف اُٹھائے یا کچھ دولت صرف کئے نہیں ہوتے اور اسلئے اُنکے سبب ہم پر اُس کا بڑا احسان ہوتا ہے ایسے احسان کے معاملہ میں صرف اُس سے محبت زیادہ کرنی چاہیئے اور مقولہ مشہور "حساب دوستاں در دل" نہایت غلطی پر مبنی ہے اگر اس مقولہ کے معنے یہ سمجھے جاویں کہ جب کوئی دوست ہمارے لئے اپنی کچھ دولت صرف کرے یا کسی اَور طرح ہم کو ممنون کرے تو اُسکے احسان کو ہم اپنے دل میں رکھیں اور موقع پر اُس کو اُتار دیں ہم اس بات کے بیان کرنے سے باز نہ رہینگے کہ یہ معنی اس مقولہ کے ہماری رائے میں محض غلط ہیں جس وقت کہ ہم اس اصول کو قبول کریں تو ظاہر ہے کہ اپنے دوست کا احسان لینا گویا قرض لینا ہے اور ضرور ہے کہ ایسے احسان کا بوجھ اس قدر ناگوار ہوتا ہے کہ برداشت نہیں ہوسکتی قرض کو تو بوقت مقدور اُتار بھی سکتے ہیں مگر ایسے احسان سے تو

جان چھٹانی مشکل ہوتی ہے اس لئے بدلے اس کے کہ ضرورت کے وقت اپنے دوست کی سعی و کوشش کو کام میں لاویں ایک خواہش اسکے برخلاف پیدا ہو جاتی ہے فی الحقیقت دوستی مثل بازار میں سودا خریدنے کے ہو جاتی ہے احسان لیا اور اُتار دیا جیسے سودا لیا اور دام ادا کئے۔ سو دوست کی دوستی سے کیا فائدہ اگر اُسکے احسان کو ہم اپنے پر بار یا فرض سمجھیں ہاں یہ محبت کا مقتضیٰ ہے کہ جہاں تک ہم سے ہو سکے اپنے دوست کی بہبودگی کے لئے کوشش کریں مگر اس سعی کو اس نیت سے کرنا کہ اُس کا احسان ہم پر سے ٹل جاوے بدباطنی میں داخل ہے۔ احسان ہم پر سے کبھی ٹل نہیں سکتا کیونکہ احسان کنندہ کو احسان کرتے وقت کچھ معاوضہ ملنے کی توقع نہیں ہوتی وہ صرف ازراہ محبت ایک کام ہمارے فائدہ کا کرتا ہے اس سے ہم اُسکے ممنون ہوتے ہیں ایسا احسان صرف اس سبب سے کہ اول کیا گیا ہے بعد کے ہزار احسانوں سے بھی نہیں اُترتا بعض لوگ اس نیت سے احسان کسی پر کرتے ہیں کہ وہ شخص ہمیشہ اُن کا ممنون رہے ایسی حالت میں گو اُس شخص کو ہمیشہ احسانمند رہنا زیبا ہے مگر اُس احسان کی خود قدر گھٹ جاتی ہے ایسے ہی احسان کرنے والے بعد کو احسان جتایا کرتے ہیں اور واقع میں احسان کر کے بھول جانا یا سوائے محبت کے اور کسی قسم کی عوض کی اُمید نہ رکھنا بہت عالی ہمت اور شریف لوگوں کا کام ہے +

گو اوپر کے فقروں میں دوست کے احسان اُتارنے کی خواہش کو ہم بُرا لکھ آئے ہیں مگر ہم اُس بدباطنی کی بھی مذمت کرتے ہیں جو کہ خواہش مذکورہ بالا کی ضد ہے یعنی اس بات کی خواہش رکھنا کہ جس دوست پر ہم احسان کر چکے ہیں اُس کا احسان نہ لینا چاہیئے تاکہ ہمارا احسان اُس پر سے اُتر نہ جاوے جس شخص میں ایسی خواہش ہوتی ہے وہ کبھی سچا دوست نہیں ہوتا اور اُس کا احسان نہایت ناگوار گذرتا ہے کیا اُس نے ہمکو بے بس یا بے مقدور سمجھکر احسان کیا تھا یا یہ کہ ہم کو فقیر و ذلیل اور اپنے تئیں امیر و کبیر اور ہم سے مرتبہ میں اعلےٰ سمجھتا ہے کہ ہم جو اُس کی خدمت محبت سے کرنی چاہتے ہیں اُسکے قبول کرنے میں اُس کو عار ہے ہاں اگر دوست کو تکلیف دینے میں ہم کو تامل ہو تو یہ عین محبت ہے مگر اس غرض سے اُس سے کسی بات کی درخواست نہ کرنی یا اُسکی دولت کے نہایت قلیل حصہ کو بھی اپنے لئے صرف نہ ہونے دیا کہ ہم پر اُس کا احسان نہ ہونے پاوے یا یہ کہ ہمارا احسان اُس پر سے نہ اُتر جاوے بدباطنی اور نفاق میں داخل ہے +

ایک اور بات کا ہم مختصر ذکر کرتے ہیں۔ زندگی کے تجربہ سے اکثر معلوم ہوا ہے کہ جب کبھی دوستوں میں لین دین شروع ہوا دوستی میں غالباً خلل واقع ہوتا ہے اس لئے ہماری دانست میں دوست کو ہمیشہ قرض حسنہ دے کہ اگر بالفرض وہ ادا نہ کر سکے تو محبت شکنی نہ ہو یہ بہتر ہے کہ اگر دوست قرض مانگے تو صاف بیان کر دے کہ مقدار خاص سے زیادہ وہ دے نہیں سکتا اور اگر ایسے انکار سے کوئی دوست ناراض

ہو تو اُس کا قصور ہے ◆

ہم نے ایک بڑے شخص کے منہ سے یہ مقولہ سُنا ہے کہ "دوست امیانت" مگر اسکے معنے ہرگز یہ نہیں کہ اُسکے احسان لینے سے یا وقت ضرورت مدد کی درخواست کرنے سے عار رکھے بلکہ یہ معنی ہیں کہ بلا ضرورت صرف اپنے دوست کی وفا آزمائی کے واسطے اُس سے کوئی درخواست نہ کرنی چاہئے کیونکہ آزمانا صرف شبہ کی حالت میں ہوتا ہے اور وہ دوست صادق نہیں جو اپنے دوست کی وفا پر شبہ کرے زمانہ خود ہر شخص کی خاصیت کو کھول دیتا ہے پھر ہم کیوں اپنے دوست کی نسبت بدگمانی کریں جبتک ممکن ہو اُس کو اپنا دوست سمجھیں اور اگر اخیر کو وہ بد باطن نکلے تو صرف خاموش اور علیحدہ ہو جاویں مگر اوّل ہی آدمی کے پہچاننے میں ہم کو احتیاط چاہئے تا کہ آخر کو ندامت نہ ہو ع

چرا کارے کند عاقل کہ باز آید پشیمانی

یونی ورسٹی کیمبرج

کیمبرج ایک قدیم چھوٹا سا قصبہ قریب ساٹھ میل کے لنڈن سے واقع ہے۔ چھ سو برس سے زیادہ گزرے کہ ایک امیر پادری نے ایک مدرسہ قایم کیا اور اپنی جائداد اُس کو دیدی جس کی آمدنی سے خرچ چلتا تھا اور اُس آمدنی سے معلموں کی تنخواہ اور غریب طلبار کو وظیفے ملتے تھے۔ رفتہ رفتہ اس مدرسہ کی جائداد کی قیمت بڑھتی گئی اور امیر لوگ بھی اپنی اولاد کو تعلیم کے لئے بھیجنے لگے۔ پھر اور مدرسے بھی قایم ہوئے اور اب وہاں سولہ کالج ہیں جن سے قریب تین ہزار آدمی کے تعلق رکھتے ہیں مدرسہ کی بنیاد اس طرح پر پڑی ہے کہ کسی شخص نے اپنی جائداد ایک مدرسہ کی بنار کے لئے دی۔ اُس کی آمدنی سے ایک مکان بنا جس میں کہ طالب علموں اور معلموں وغیرہ کے رہنے کی جگہ ہوا اور پھر اُس آمدنی میں سے اُس مدرسہ کا خرچ چلتا ہے۔ اُس ہی آمدنی میں سے سالانہ انعام اور طلبار کے وظیفے دیئے جاتے ہیں ہر مدرسہ کے انتظام کی صورت یہ ہے کہ ایک عہدہ دار جس کو کالج کا ماسٹر کہتے ہیں تنخواہ پاتا ہے اس عہدہ دار کا کام پڑھانا نہیں ہے بلکہ مدرسہ کے انتظام کا اور اُس کی جائداد وغیرہ کی آمدنی کا نگران حال رہنا ہے اس عہدہ دار کو قریب ہزار روپیہ ماہواری کے اور ایک عمدہ مکان جو کہ کالج سے متعلق ہوتا ہے بلا کرایہ رہنے کو ملتا ہے۔ یہ شخص سب سے بڑا عہدہ دار ہے اور اپنے مرنے تک اُس عہدہ پر مامور رہتا ہے ◆

پھر کالج کے فیلو ہوتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جو کہ امتحان میں نہایت عمدہ رہتے ہیں اور ہر شخص قریب تین ہزار روپیہ سال کے وظیفہ پاتا ہے۔ اُن لوگوں کو رہنے کے لئے کالج میں مکان ملتے ہیں اور اگر چاہیں تو

پڑھاویں ورنہ بلا کسی خاص کام کے اُن کو سالانہ تنخواہ ملے جاتی ہے مگر جب شادی کرتے ہیں تو بند ہو جاتی ہے اور وہ فیلو نہیں رہتے۔ یہ لوگ ہمیشہ نہایت عالم ہوتے ہیں اور اُن کو بلا کسی خاص کام کے تنخواہ دینے سے یہ غرض ہے کہ وہ علم کی ترقی کریں اور عمدہ کتابیں عام فائدہ کے لیئے لکھیں۔ مگر اصل سبب یہ ہے کہ اُن کو تنخواہ اس لیئے دی جاتی ہے کہ بہت سے جوان شخص فیلو ہونے کے لیئے کوشش کریں اور علم تحصیل کریں مثلاً جو امتحان کہ فلوشپ حاصل کرنے کے لیئے ہے وہ نہایت مشکل ہے بلکہ شاید دنیا میں اُس سے زیادہ مشکل امتحان علوم میں نہیں ہے ہر سال کے شروع میں مدرسوں میں طالب علم داخل ہوتے ہیں اور تین برس کے بعد ڈگری حاصل کرتے ہیں۔ ڈگری کے امتحان میں جو طالب علم کہ عمدہ رہیں اُن کو فیلو بنایا جاتا ہے مگر ابھی تک فیلوشپ (یعنی عہدہ فیلو) صرف اُن لوگوں کو دیا جاتا ہے جو کہ زبان لیٹن اور گریک میں یا علوم ہندسہ اور ریاضی میں عمدہ امتحان دیں۔ اس بات کی بحث ہے کہ اَور علوم میں اچھا امتحان دینے والوں کو بھی ملے اور یقین ہے کہ چند سال میں اَور علوم کی تحصیل کرنیوالوں کو بھی فیلو بنایا جاویگا +

ہر کالج میں مختلف تعداد فیلو کی ہے۔ مگر اوسط قریب پندرہ فیلو فی مدرسہ میں ہیں۔ اِن سب کا کام ملکر بند و بست کالج کا کرنا ہے۔ ان کی ایک کونسل ہوتی ہے جس کا پریسیڈنٹ کالج کا ماسٹر ہوتا ہے اور ہر امر کا تصفیہ کثرت رائے پر منحصر رہتا ہے +

فیلو مدرسہ کی مختلف جماعتوں کو پڑھاتے ہیں مگر اس کی تنخواہ اُن کو الگ ملتی ہے۔ جو فیلو کہ طالبعلموں کو درس دیتے ہیں وہ اکثر سب سے زیادہ عالم ہوتے ہیں اور اُن کو ٹیوٹر یعنی اُستاد کہتے ہیں +

جب کہ کالج کا ماسٹر مرتا ہے تو ان فیلوں میں سے ایک شخص آپس کی رائے سے چُنا جاتا ہے اور وہ ماسٹر بنا دیا جاتا ہے اور اپنے مرتے دم تک اُس عہدہ پر رہتا ہے غرضکہ ہر امر متعلق مدرسہ فیلوں کی رائے سے قرار پاتا ہے +

جب کوئی فیلو شادی کرتا ہے تو اُس کو اپنی فیلوشپ چھوڑنی پڑتی ہے اور اُسکی جگہ پھر اَور کوئی شخص جس نے کہ نہایت اعلےٰ امتحان دیا ہو فیلوں کی رائے سے مقرر ہو جاتا ہے۔ ہر سال قریب ایک یا دو فیلو کے خالی ہوتے ہیں اور اُن کی جگہ جو طالب علم کہ اُس سال میں عمدہ امتحان دیتے ہیں مقرر ہو جاتے ہیں +

اکثر یہ ہوتا ہے کہ کوئی شخص علم دوست دو یا تین ہزار روپیہ کالج کو اس غرض سے دیتا ہے کہ اُس کی سالانہ آمدنی سے اُس طالب علم کو جو کہ مضمون خاص میں سب سے عمدہ امتحان دے انعام ملے۔ اکثر یہ انعام کتابوں کا ہوتا ہے ایسے انعام کا نام اکثر اُسکے مقرر کرنیوالے کے نام پر رکھا جاتا ہے +

ہر کالج کے ساتھ ایک کتب خانہ متعلق ہے جس میں سے طالبعلم کتابیں مستعار لا سکتے ہیں اس کتب خانہ

کا ایک داروغہ ہوتا ہے جو کالج سے تنخواہ پاتا ہے +

ہر کالج میں ایک ہال یعنی بڑا کمرہ ہوتا ہے جس میں کہ شام کا کھانا سب طالبعلم اور فیلو ساتھ کھاتے ہیں۔اسی کمرہ میں سالانہ امتحان وغیرہ ہوتے ہیں +

ایک اور کمرہ واسطے کونسل فیلوں کے ہوتا ہے اور مہینہ میں ایک یا دو دفعہ سب فیلو جمع ہو کر امور مدرسہ کی بحث کرتے ہیں +

ہر مدرسہ سے ایک چھوٹا سا گرجہ متعلق ہوتا ہے جس میں سب طالب علم جو کہ عیسائی مذہب رکھتے ہیں صبح اور شام عبادت کرتے ہیں۔فیلوں میں سے ایک شخص جو کہ پادری ہو عبادت کراتا ہے اور گرجہ کا انتظام رکھتا ہے +

کالج کا ایک پھاٹک ہوتا ہے اور ایک دربان مقرر ہوتا ہے جو کہ وقت معمولی پر شام کو روزانہ بند کر دیتا ہے۔اکثر قریب نو بجے شام کے پھاٹک بند ہو جاتا ہے بعد اس کے کالج میں کوئی شخص نہیں آسکتا +

ہر طالب علم کے پاس دو کمرہ ہوتے ہیں۔ان کمروں کا مختلف کرایہ ہے اور طالب علم موافق اپنی حیثیت کے کمرے لیتے ہیں۔ان کمروں میں سے ایک میں پلنگ اور منہ دھونے کی میز اور کپڑوں کی الماری وغیرہ ہوتی ہے اور دوسرے میں میز اور کتابوں کی الماری اور کرسیاں اور اکثر ایک کوچ ہوتی ہے یہ کمرہ پڑھنے لکھنے اور دوستوں سے ملنے کے لئے ہوتا ہے۔اس کمرے کے دروازہ کے دو کواڑ ہوتے ہیں ایک باہر کی طرف اور ایک اندر کیطرف۔جب طالبعلم اپنے کمرہ میں نہیں ہوتا تو باہر کے کواڑ کو بند کر جاتا ہے یا یہ کہ اگر اس کو یہ منظور رہے کہ کوئی شخص اسکے پڑھنے میں ہرج نہ ڈالے تب بھی وہ باہر کا کواڑ بند کر کے اندر تحصیل کرتا ہے۔یونیورسٹی کا یہ دستور ہے کہ اگر باہر کا کواڑ بند ہو تو کھٹکھٹاتے[1] نہیں کیونکہ اگر طالبعلم کچھ یاد کر رہا ہو تو اس کی تحصیل میں خلل نہ ہو صبح کا کھانا اور دوپہر کی چائے وغیرہ طالب علم اپنے کمرہ میں کھاتے پیتے ہیں لیکن شام کا کھانا ہال میں کھانا ضرور ہے یہ طریقہ بود و باش کا ہے۔اب میں مختصر طور پر طریقہ تعلیم بیان کرتا ہوں +

جب کوئی طالب علم کالج میں داخل ہوتا ہے تو اس سے پوچھا جاتا ہے کہ وہ کس علم کو تحصیل کرنا چاہتا ہے۔اکثر طالبعلم جو کہ زبان لیٹن و گریک یا علوم ہندسہ ریاضی یا اور کوئی علم پڑھنا چاہتے ہیں تو وہ مدرسہ میں داخل ہونے سے پہلے بھی کچھ پڑھ چکے ہوتے ہیں کیونکہ زبان لیٹن و گریک اس ملک میں اسی طرح بچپن میں پڑھائی جاتی ہے جیسے کہ ہمارے ہاں فارسی اور عربی پڑھائی جاتی ہے۔غرض کہ ہر طالب علم یہ بات

[1] یہ دستور ہے کہ جب کوئی شخص کمرہ میں آنا چاہتا ہے تو پہلے ہاتھ سے کواڑ پر کھٹ کھٹ کرتا ہے +

بیان کرنا ہے کہ میں فلاں علم تحصیل کرنا چاہتا ہوں۔ اُس کو پھر اپنی پسند کے موافق کمرے ملجاتے ہیں اور
اُن میں وہ خود اسباب خرید کر رکھ لیتا ہے[۵۱]۔ کالج میں ہر صبح کو اوّل اس گو گرجا جانا ہوتا ہے[۵۲]۔ پھر بعد صبح
کے کھانے کے کالج میں تعلیم کے مختلف کمروں میں درس ہوتا ہے۔ دو سبق روز ہوتے ہیں اور اُنکے
یاد کرنے میں دن اور شام صرف ہوتی ہے +

لیکن اوّل ہر طالب علم کو خواہ کوئی علم وہ اختیار کرے ایک امتحان دیتا ہے جس میں کہ اُس کو اوّل کامیاب
ہونا شرط ہے۔ اس امتحان کے مضامین کچھ بہت مشکل نہیں ہیں مگر ایسے عام ہیں کہ ہر تعلیم یافتہ شخص کو
اُن سے واقفیت ہونی چاہئے۔ مضامین یہ ہیں :۔

۱۔ زبان لیٹن جس میں ایک کتاب جو کہ مقرر کر دی جاتی ہے +

۲۔ زبان گریک اس میں بھی ایک کتاب پہلے سے مقرر کی جاتی ہے +

۳۔ قواعد زبان لیٹن و گریک +

۴۔ اناجیل اربع میں سے ایک انجیل اپنی اصلی زبان گریک میں +

۵۔ ایک کتاب جس میں کہ عیسائی مذہب کے دلایل بیان ہیں +

۶۔ حساب جبر و مقابلہ تحریر اقلیدس وغیرہ مضامین مذکورہ بالا کچھ چنداں مشکل نہیں ہیں اور ان میں امتحان
بآسانی ہو جاتا ہے مگر بعد اس امتحان کے مضامین مذکورہ بالا ذیل میں سے طالب علم ایک علم تحصیل کرتا ہے +

مضمون اوّل

علوم میتھمیٹکس جس میں داخل ہیں قریب ۲۶ مختلف شاخیں علوم کی مثلاً علم ہیئت گردش سیاروں
کی۔ علم ادب و ہوا۔ علم متعلق بہ گردش زمین وغیرہ +

مضمون دوم

زبان لیٹن و گریک معہ تاریخ یونان و روم کبیر اور حالات مختلف مصنفوں کے جو کہ اگلے زمانہ میں عمدہ
عمدہ کتابیں لکھ گئے ہیں مثلاً سقراط اور ارسطو وغیرہ +

مضمون سوم

علم مارل سائینسز جس میں شامل ہیں فلسفہ (معہ اصول حکومت) اور منطق اور پولٹیکل اکانومی

---

۵۱ ہر کالج کے متعلق ایک اسباب والے کی دوکان ہوتی ہے جہاں سے کہ اسباب خرید کیا جاتا ہے طالب علم کو مدرسہ
چھوڑتے وقت دو تہائی قیمت اُسکے اسباب کی ملتی ہے اور وہ اسباب وہی دوکاندار خرید لیتا ہے +

۵۲ جو لوگ کہ عیسائی نہیں ہیں مثلاً یہودی یا مسلمان اُن کو گرجا میں جانا نہیں پڑتا +

یعنی علم انتظام مدن وغیرہ +

مضمون چہارم

پنچورل سائینسز یعنی علوم قدرت جس میں داخل ہیں +

علم کیمسٹری یعنی کیمیا +

ایضاً منزالوجی یعنی علم معدنیات +

ایضاً جیالوجی یعنی علم جمادات +

ایضاً باٹنی یعنی علم نباتات +

ایضاً زوالوجی یعنی علم حیوانات (معہ اندرونی تشریح اُن کے جسموں کی) +

مگر مذکورہ بالا میں سے اکثر صرف دو باتیں ایک شخص اختیار کرتا ہے +

مضمون پنجم

علم الٰہیات یعنی علم متعلق بہ مذہب عیسائی اس امتحان کو وہ لوگ دیتے ہیں جو کہ پادری ہونا چاہتے ہیں اس میں زبان عبری اور یونانی کی شرط ہے تاکہ توریت و انجیل کو اصلی زبانوں میں پڑھ سکے سوائے عیسائیوں کے اور کوئی اس امتحان کو نہیں دے سکتا +

مضمون ششم

اصول قوانین اور تواریخ - اس مضمون میں داخل ہیں پُرانے قوانین جو کہ روم کبیر میں جاری تھے اور جن پر قوانین اقوام یورپ مبنی ہیں اور وہ قانون جس سے مختلف قوموں کے تنازع فیصل ہوتے ہیں اور انٹرنیشنل لا کہلایا جاتا ہے - اس مضمون میں تاریخ قانون بھی داخل ہے +

مضمون ہفتم

علوم طب و تشریح وغیرہ - اسکی مختلف شاخیں اور مضامین ہیں مگر اُن کا بیان کرنا ضرور نہیں +

مذکورہ بالا سات مضامین سے طالب علم ایک پر اپنی پوری توجہ دیتا ہے اور کالج میں داخل ہونیکے قریب تین سال کے بعد مکان سینٹ ہوس میں (یعنی اُس عالی شان مکان میں جہاں یونیورسٹی کے امتحان ہوتے ہیں اور جس میں کہ ڈگری عطا کرنیکی رسم پوری کی جاتی ہے) امتحان دیتا ہے اور بحالت کامیابی ڈگری عطا ہوتی ہے اور ایک گون یعنی چغا اور ایک ٹوپی بطور سند عطا ہوتی ہے جنکے پہننے کا وہ مستحق ہوتا ہے اور بڑے جلسوں میں اُس کو پہنتا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ فلاں یونیورسٹی کی ڈگری حاصل کی ہے بعد حصول ڈگری وہ شخص اپنی عمر بھر کیلئے یونیورسٹی کا ممبر گنا جاتا ہے اور اُس کو سب حقوق حاصل ہوتے ہیں

اب مختصر حال بیان کرتا ہوں اُن مختلف باتوں کا جو طالب علموں نے خود قایم کی ہیں۔ اس غرض سے کہ جلسوں میں سپیچ یعنی گفتگو کرنا آوے ایک سوسیٹی قایم کی ہے جس میں مختلف مضامین پر بحث ہوتی ہے۔ یہ سوسیٹی بالکل پارلیمنٹ کے نمونہ پر ہے اور ہر ممبر کو استحقاق گفتگو کا ہے۔ اکثر وہ لوگ جو پارلیمنٹ کے ممبر ہونیکی تمنا رکھتے ہیں یا بیرسٹر ہونے کو ہوتے ہیں اس سوسیٹی میں گفتگو کی مشق کرتے ہیں مسٹر گلیڈاسٹون وزیر اعظم حال ایک ایسی ہی سوسیٹی میں جو کہ اکسفورڈ یونیورسٹی میں ہے اپنے زمانہ طالب علمی میں گفتگو کی مشق کیا کرتے تھے اور لارڈ مکالی ہمارے ہاں کی یونین سوسیٹی کے زمانہ طالب علمی میں ایک نامی ممبر تھے اور پریسیڈینٹ مقرر ہوئے تھے۔ یہ عہدہ ممبروں کے ووٹوں سے ہوتا ہے مگر اکثر سب سے بڑے بولنے والے کو ملتا ہے +

اسی طرح پر جسمانی مشق کے لئے کلب ہیں اور طالب علم اکثر اپنی فرصت کے گھنٹوں میں دریائے کیم پر (جس پر کیمبرج واقع ہے) کشتی کھیلتے ہیں +

مذکورہ بالا مختصر حال طرز تعلیم یونیورسٹی کیمبرج کا ہوا۔ اب میں چند سطریں اپنی رائے کے بیان کرنے میں لکھتا ہوں کہ ہندوستان کے مسلمان کیونکر اپنی تعلیم کر سکتے ہیں +

تجویز

اس بات کے ثابت ہونے میں اب کچھ شک نہیں رہا کہ جو علوم کہ زبان یونانی سے اگلے زمانہ میں عربی میں ترجمہ کئے گئے تھے اُن میں سے اب بہت سے تو غلط ثابت ہو گئے ہیں اور باقی کی اب اقوام یورپ نے اس قدر ترقی کر لی ہے اور تکمیل کو پہنچا یا ہے کہ پرانے علوم[1] بڈھی عورت کی سی باتیں معلوم ہوتے ہیں اس بات کو خیال کرنا چاہئے کہ ہمارے علم کی کتابوں میں صرف وہ باتیں ہیں جو کہ حکماء یونان نے اپنے خیال و قیاس سے نکالی تھیں۔ ہاں اس میں کچھ شک نہیں کہ عربی حکماء اور فلاسفہ نے اُن کی بہت ترقی کی مگر وہ بھی قریب ہزار برس سے بند ہو گئی اور جو کتابیں کہ اب عربی درس میں ہیں وہ سب نہایت پُرانی تحقیقات پر مبنی ہیں۔ مثلاً علم جغرافیہ ہمارے ہاں نہایت غیر مکمل حالت میں ہے اور عربی کتابوں میں اُسی حالت میں ہے جو کہ تین ہزار برس ہوئے یونان میں تھا جب کہ امریکہ کا کچھ حال معلوم نہ تھا اور آسٹریلیا کا کچھ گمان بھی نہ تھا۔ یورپ کی ترقی اور تربیت سے تمام دنیا پر سفر کئے گئے اور جزائر وغیرہ دریافت کئے گئے جس قدر کہ متقدمین کو زمین معلوم تھی اُس سے اب قریب چوگنی کے معلوم ہے مگر غیاث اللغات میں زمین کے نقشہ کو انگریزی نقشہ سے ملانے سے معلوم ہوتا ہے کہ علم جغرافیہ میں کس قدر ترقی ہوئی ہے۔ غرضکہ سب علوم جو کہ ہمارے ہاں موجود ہیں وہ سب نہایت پرانی حالت زنگ آلودہ میں ہیں اُس سے زیادہ بدقسمتی کی بات یہ ہے کہ اُن علوم کو

[1] میں علوم دین کی نسبت کچھ بحث نہیں کرتا اور نہ اُن کو شامل کرتا ہوں +

بھی اب مسلمانوں نے تحصیل کرنا چھوڑ دیا اور دن بدن علوم دین پر بھی زوال ہے یہ تو مسلمانوں کے علم کا حال ہے اُن کی معاش کا حال اور بھی بدتر ہے اور دن بدن بدتر ہوتا جاتا ہے ایک نہایت بڑا حصہ مسلمان شرفا کا وہ ہے جو کہ اپنی جائداد کی آمدنی پر گذر کرتے ہیں بلکہ شاید سب سے دولتمند مسلمان صاحب جائداد ہیں اس بات کو خیال کرنا چاہیئے کہ ان میں سے کوئی بھی اپنی اولاد کی تعلیم قرار واقعی نہیں کرتا۔ یہ بیشک اصل حال ہے۔ اب اس بات پر خیال کرنا چاہیئے کہ موافق شرع شریف مسلمان کی جائداد بعد انتقال کے اولاد میں تقسیم ہو جاتی ہے۔ تو اس سے یہ نتیجہ صاف ہے کہ امیر سے امیر مسلمان کی اولاد دو یا تین پشت میں غریب ہو جاویگی اور ملکی لوگوں کی کاہلی مشہور ہے میں ایسی حالت تنزل سے یہ نتیجہ نکالتا ہوں کہ پچاس برس کے عرصہ میں مسلمان نہایت بے تربیت یافتہ اور ذلیل و خوار اور مفلس ہو جاوینگے اور خدانخواستہ یہ بات بھی ممکن ہے کہ تھوڑے اَور زمانہ میں اُن کا ہندوستان میں وہ حال ہو جاویگا جو کہ ذلیل ترین اقوام ہندوستان کا اب ہے میں اپنی اس رائے کو اس بات سے سہارا دیتا ہوں کہ محمد تغلق کی اولاد اب دہلی کے قریب پُرانے قلعہ میں (جس کا نام تغلق آباد ہے) بستی ہے اور اُن میں سے کسی کو پڑھنا لکھنا نہیں آتا اور وہ گھاس کھود کر اپنی روٹی کماتے ہیں اور یہ بھی کہ شاہزادگان خاندان تیموریہ اب نہایت ذلیل طرز پر دہلی میں روٹی کماتے ہیں اور کسی کو کسی قسم کا علم نہیں +

جب کہ ہم اس بات کو خیال میں رکھیں کہ کوئی مسلمان خاندان موجودہ کسی قسم کی ترقی نہیں کرتا اور یہ بھی کہ کوئی نیا خاندان جاگیر یا جائداد نہیں پاتا (جیسا کہ مغلیہ بادشاہوں کے وقت میں ہوتا تھا) اور یہ کہ مسلمان دن بدن گورنمنٹ کے معزز عہدوں پر سے کم ہوتے جاتے ہیں تو میری رنج آمیز رائے ہرگز نادرست نہیں معلوم ہوگی +

اس بات کے مانے جانے کے بعد سوال یہ ہے کہ کیا علاج؟ اس کا جواب ہم یہ دیتے ہیں کہ "تعلیم" مگر اس کے ساتھ ہی ہم یہ کہتے ہیں کہ جو طرز تعلیم کہ گورنمنٹ نے اختیار کیا ہے وہ ہرگز ہماری حاجات اور ضروریات کے موافق نہیں۔ گورنمنٹ کالجوں میں تعلیم صرف انگریزی اچھی ہوتی ہے اور اس میں کچھ شک نہیں کہ عربی اور فارسی کی نہایت خراب تعلیم ہوتی ہے مسلمان نوجوان گورنمنٹ کالجوں میں اپنے مذہب کی تعلیم نہیں پا سکتے اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ سب علوم انگریزی میں پڑھائے جاتے ہیں جس سے اُن علوم کی مشکلات دوچند ہو جاتی ہیں یہ سچ ہے کہ بہت سے ایسے علوم ہیں کہ جن کی کتابیں ہماری زبان اُردو میں موجود نہیں مگر اس کا جواب یہ ہے کہ اگر چاہو تو نہایت کم عرصہ میں بہت سی کتابیں ترجمہ ہو سکتی ہیں اس میں کچھ شک نہیں کہ یہ بات کہ گورنمنٹ اپنے مدارس میں مذہبی تعلیم نہیں دیتی ہرگز گورنمنٹ پر اعتراض نہیں ہے بلکہ ہر تربیت یافتہ اور دانا گورنمنٹ کو ضرور ہے کہ مذہب کے لگاؤ سے بچے مگر یہ بات کہ زبان اُردو میں علم کیوں نہیں پڑھاتے بلاشبہ بڑا اعتراض

ہے اور گورنمنٹ خود اِس بات پر اب توجہ دے گی +

ہماری غرض یہ ہے کہ مسلمان اپنی تعلیم کو خود سب سے بہتر کر سکتے ہیں اور اگر کوشش وسعی کریں تو نہایت آسانی سے وہ کام کر سکتے ہیں جو کہ گورنمنٹ مشکل سے بھی نہیں کر سکتی +

اس ملک کو دیکھو کہ جتنے بڑے مدرسہ اور دار العلوم ہیں اُن کو گورنمنٹ سے لگاؤ نہیں اور یہاں کے لوگ اپنی تعلیم خود کرتے ہیں اسی یونیورسٹی میں گورنمنٹ ایک حبہ نہیں دیتی اور اس میں کچھ شک نہیں کہ دنیا میں سب سے بڑا دار العلوم ہے +

پس اب میں کمیٹی ترقی تعلیم مسلمانان کی خدمت میں یہ عرض کرتا ہوں کہ آپ اپنی عالی ہمتی اور حب وطن کو اس بات کی کوشش میں کام میں لاویں کہ مسلمان اپنی خراب حالت پر غور کریں اور اُس کا علاج اس بات میں سمجھیں کہ ہم میں تعلیم پھیلے ۔ ہم خود مدرسہ قایم کریں اور اپنی اولاد کی تعلیم کریں +

مگر سب سے مقدم بات یہ ہے کہ ایک بڑا مدرسہ کسی عمدہ شہر میں قایم کیا جاوے جس میں کہ طالب علم اس اصول پر تعلیم پاویں جیسا کہ اس یونیورسٹی میں یعنی یہ کہ مدرسہ میں رہنا ہو اور سب ساتھ کھانا کھاویں اور ہر طالب علم الگ الگ دو دو کمرہ لیکر رہوے ۔ اور یہ کہ علوم سب زبان اُردو میں پڑھائے جاویں اور انگریزی صرف بطور ایک زبان غیر کے پڑھائی جاوے بلکہ یہ کہ جس کا دل چاہے پڑھے اور جس کا دل چاہے نہ پڑھے اور جس کا دل چاہے عربی و فارسی میں تکمیل کرے جس کا دل چاہے دین کے علوم تحصیل کرے ۔ غرض یہ ہے کہ ایک ایسا مدرسہ ہو جہاں کہ صرف مسلمان اپنی حسب خواہش تعلیم پا سکیں اور اپنے دین کی تعلیم بھی شامل رکھیں +

فرض کیجئے کہ علیگڈھ میں یہ مدرسہ قایم ہو تو اس میں کچھ شک نہیں کہ وہاں ہندوستان کے سب طرف سے مسلمان بآسانی آسکتے ہیں پنجاب اور اودھ و بہار سب سے ریل علیگڈھ کو جاتی ہے اور سفر کی کچھ دشواری نہیں +

یہ بات کہنا کہ مسلمانوں کو مقدور نہیں بالکل غلط ہے کیونکہ ہر محرم میں ہندوستان کے مسلمان فضول باتوں میں لاکھوں روپیہ صرف کر دیتے ہیں اور جو کچھ کہ فضول خرچیاں شادیوں میں ہوتی ہیں اُن کا دسواں حصہ بھی نہایت عالیشان دار العلوم قایم ہونے کے لئے کافی ہے ۔ اصل یہ ہے کہ سب سے زیادہ دل کی سعی چاہیئے مسلمان کس قدر شوق سے مسجدیں بناتے ہیں مگر اس بات کا خیال نہیں کرتے کہ جب علم دن بدن گھٹتا جاتا ہے تو مدرسہ بنانے سے دس گن زیادہ ثواب ہوتا ہے ۔ اگر مسلمانوں کا علم دین خدانخواستہ جاتا رہا تو مسجدیں کس کام آویں گی اور کیا فائدہ ہوگا +

جیسے مدرسے یہاں سولہ ہیں اگر ایسا ایک بھی مدرسہ مسلمان قایم کریں تو کل قوم کی ترقی ہو اور دنیا و دین کے مصائب سے نجات پانے کی صورت نکلے +

مضامین مولوی خواجہ الطاف حسین صاحب حالیؔ پانی پتی

انبیاء

بنی کی ضرورت پر ایک وجدانی شہادت

جو باتیں انسان کو مذہب نے تعلیم کی ہیں اور جن کو وہ الہامی جانتا ہے وہ عموماً یا تو خدا تعالیٰ کی ذات وصفات سے علاقہ رکھتی ہیں یا اُس جزا و سزا سے جس کا وقت موت کے بعد مقرر کیا گیا ہے اور اس لیے ہم تمام مذہبی تعلیمات کو علم مبدا و معاد کہتے ہیں پس نبی کی ضرورت ثابت کرنے کے لئے ہم کو دو باتوں کا ثبوت دینا کافی ہے۔ایک یہ کہ مبدا و معاد نفس الامر میں ایسی دو حقیقتیں ہیں جن کا علم حاصل کرنا انسان پر واجب ہے۔ دوسرے یہ کہ مبدا و معاد کا علم بنی کے سوا کسی اَور ذریعہ سے حاصل نہیں ہو سکتا +

جس طرح مثلاً عمل کیمیا کے ذریعہ سے ہم اس بات کا مشاہدہ کرا سکتے ہیں کہ پانی بسیط نہیں ہے بلکہ دو مختلف گاسوں یعنی اوکسیجن اور ہائیڈروجن سے مرکب ہے اس طرح ہم یہ ہرگز نہیں دکھا سکتے کہ یہ مبدا ہے اور یہ معاد لیکن ہم ان دونوں چیزوں کے وجود پر انسان کی اصل فطرت کو گواہ کر سکتے ہیں اور اُس کی گواہی ہمارے نزدیک مشاہدہ سے بھی زیادہ یقینی ہے +

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ انسان کا حال جو تفحص کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے تو ادنے تامل کے بعد یہ معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح اُس کو اکثر چیزوں کا علم اکتساب سے حاصل ہوتا ہے اور اُس کو کسبی علم کہتے ہیں اسی طرح بعض باتوں کا علم اُس کی فطرت میں ودیعت کیا گیا ہے جس کو فطرتی یا وہبی یا قدرتی علم کہہ سکتے ہیں مثلاً ضرورت کے وقت کھانا پینا +

دھوپ اور مینہہ میں سایہ ڈھونڈنا جاڑے میں گرم ہونیکی تدبیریں کرنی یہ باتیں اُس کو قدرت کے سوا کسی نے نہیں سکھائیں کیونکہ ہم یہی باتیں اُسکے ابنائے جنس یعنی اَور حیوانات میں بھی مشاہدہ کرتے ہیں جن کا معلم اور اُستاد قطعاً قدرت کے سوا اَور کسی کو نہیں ٹھہرا سکتے اور جب ہم گھونسلا بنانے میں بئے

کی کاریگری اور شہد حاصل کرنے میں مکھی کی حکمت اور جالا پورنے میں مکڑی کا ہنر دیکھتے ہیں اور اکتساب کی راہیں چاروں طرف سے مسدود پاتے ہیں تو ہمکو اِس بات میں بالکل شک نہیں رہتا کہ قدرتی علم صرف میل طبعی ہی کا نام نہیں ہے بلکہ بعضے ایسے دقایق اور صنایع بھی اس میں داخل ہیں جو بادی النظر میں قوت مفکرہ کے نتایج معلوم ہوتے ہیں +

پھر جب ذرا اَور تامل کیا جاتا ہے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اسی قدرتی علم کے لحاظ سے انسان اور اُس کے ابنائے جنس میں دو طرح کا امتیاز رکھا گیا ہے ایک یہ کہ اَور حیوانات کا قدرتی علم ہمیشہ ایک خاص حد پر محدود رہتا ہے کبھی اُس سے تجاوز نہیں کرتا مثلاً جو گھونسلا ابابیل نے نوح علیہ السّلام کی کشتی میں بنایا ہوگا اُس میں اور اِس زمانہ کے گھونسلوں میں ہرگز کچھ تفاوت نہ ہوگا۔ بخلاف انسان کے کہ اُس کا قدرتی علم ہمیشہ ایک ہی حالت پر نہیں رہتا مثلاً اگر پانچ چار ہزار برس پہلے کی بعض انسانی عمارتیں اس زمانہ کی عمارتوں سے ملائی جائیں تو شاید اِس بات کا یقین بہت مشکل سے آئے کہ دونوں کام ایک ہی نوع کے افراد نے بنائے ہیں۔ دوسرے یہ کہ اَور حیوانات کو صرف وہ باتیں سکھائی گئی ہیں جو اُنکے مصالح جزئیہ اور اغراض محسوسہ کے لئے مفید ہوں اور بری بھلی طرح اُن کی حاجت رفع کردیں جیسے بھوک کے وقت دانہ یا گھاس یا گوشت وغیرہ کھا لینا پیاس کیوقت پانی پینا شبق کی حالت میں اپنی مادہ کیساتھ نزدیکی کرنی دھوپ اور مینہہ یا سردی کے بچاؤ کے لئے گھونسلا یا بل یا بھٹ وغیرہ بنانا اپنے بچوں کی ایک خاص مدت تک پرورش کرنی۔ بخلاف انسان کے کہ اُسکے سینہ میں ان باتوں کے سوا وہ علوم بھی القا کئے گئے ہیں جن کے ذریعہ سے وہ اپنے مصالح کُلّیہ اور منافع آیندہ کا سُراغ لگا سکتا ہے جیسے جھوٹ یا زنا یا خیانت کو بُرا جاننا اور سچ یا عدالت یا امانت کو اچھا جاننا +

پھر جب ذرا اور تامل کیا جاتا ہے تو انسان کے قدرتی اور اکتسابی علم میں تین طرح کا امتیاز ہونا ضروری معلوم ہوتا ہے ایک یہ کہ قدرتی علم کی اصل تمام نوع میں متحقق ہونی ضرور ہے کیونکہ ہم اس علم کے آثار اور حیوانات میں اسی طرح مشاہدہ کرتے ہیں مثلاً شہد کی مکھی جس طریقہ سے شہد حاصل کرتی ہے اور مکڑی جس ہنر سے جالا پورتی ہے وہ طریقہ اور وہ ہنر اُن کے تمام بنی نوع میں پایا جاتا ہے مگر چونکہ انسان کو خدا تعالےٰ نے عقل عنایت کی ہے اور عقل کا مقتضیٰ تمام افراد میں یکساں نہیں ہوتا اس لئے وہ قدرتی اصل ایک صورت پر قایم نہیں رہتی مثلاً عورت اور مرد کو بغیر کسی تخصیص کے ایک دوسرے پر حرام جاننا ایک عام قانون ہے جو کہ انسان کو قدرت نے تعلیم کیا ہے مگر اُس تخصیص کی صورتیں ہر قوم میں جُدا جُدا ہیں مسلمانوں کے ہاں اَور طریقہ ہے ہندوؤں کے ہاں اَور دستور ہے عیسائیوں کے ہاں اور قاعدہ ہے بخلاف اکتسابی علم کے کہ وہ نوع کے بعض افراد میں متحقق ہوتا ہے بعض میں نہیں ہوتا جیسے علم جیولوجی اور علم برق کہ یہ دونوں علم سب کے

ساتھ مختص ہیں یا ایک زمانہ میں مختص تھے یا جیسے حرکات کواکب کا علم یا علم ہندسہ کہ ایک زمانہ میں اہل مصر کے ساتھ مختص تھا۔ دوسرے یہ کہ جب انسان کو کوئی ایسی بات تعلیم کیجائے جو قدرت نے اس کو پہلے سے سکھا رکھی ہے تو ضرور ہے کہ وہ بات بغیر دلیل اور برہان کے اُسکے دل میں تہ نشین ہو جائے بخلاف اکتسابی علم کے کہ جبتک اُس پر کافی دلیلیں قائم نہ کی جائیں تبتک اُسکی صداقت پر ہرگز دل گواہی نہیں دے سکتا مثلاً اگر ہمارے سامنے کوئی یہ کہے کہ گرمی کی شدت میں سرد ہوا سے نہایت فرحت حاصل ہوتی ہے تو خواہ وہ اُس کا طبعی سبب بیان کرے خواہ نہ کرے ہم کو اُسکے تسلیم کرنے میں کچھ تردد نہیں ہوتا لیکن اگر وہ ہم سے یہ آکر کہے کہ ہوا دو مختلف گاسوں یعنی ایزوٹ اور اوکسیجن سے مرکب ہے تو ہم اس بات کے خواہاں ہونگے کہ وہ عمل کیمیا کے ذریعہ سے ہوا کے اجزا تحلیل کرکے ہمکو دکھاوے تیسرے جو علم انسان کو قدرت نے تعلیم کیا ہے اس میں کبھی خطا واقع نہیں ہوتی لیکن مرض کی حالت میں ٹھنڈے پانی سے پیاس کا بجھانا جو انسان کو قدرت نے تعلیم کیا ہے اس میں کبھی خطا واقع نہیں ہوتی لیکن مرض کی حالت میں جب پیاس اس قدر بڑھ جائے کہ صرف ٹھنڈے پانی سے فرو نہ ہو سکے اور اُس کا علاج کسی ٹھنڈی دوا سے کیا جائے تو ممکن ہے کہ وہ بالکل فائدہ نہ بخشے یا پیاس کو اَور زیادہ کردے +

ان سب باتوں میں غور کرنیکے بعد جب ہم اپنے اصل مقصود کی طرف متوجہ ہوتے ہیں تو ہم کو اس بات کا اقرار کرنا پڑتا ہے کہ جہاں قدرت نے انسان کو اَور ہزاروں باتیں تعلیم کی ہیں اُنہیں باتوں میں سے مبدا و معاد کا اجمالی علم بھی ہے یعنی اس قدر جاننا کہ کوئی ہمارا صانع ہے اور مرنے کے بعد ہم کو کچھ نہ کچھ اپنی بُرائی بھلائی کا ثمرہ ملنے والا ہے یہ انسان کی اصل فطرت میں ودیعت کیا گیا ہے کیونکہ جہاں تک ہماری نگاہ پہنچتی ہے ہم یہ دیکھتے ہیں کہ آدمی عام اس سے کہ مذہب کا پابند ہو یا نہ ہو اور عام اس سے کہ الوہیت کا قایل ہو یا منکر بہرحال جس وقت وہ کسی ایسی خطرناک حالت میں پھنس جاتا ہے جس سے جانبر ہونیکی کوئی تدبیر نظر نہیں آتی اور جن وسایل پر اُس کو بھروسہ تھا وہ سب منقطع ہو جاتے ہیں تو جس طرح لوہا مقناطیس کی طرف کھینچتا ہے اسی طرح اُس کی عالی توجہ اور باطنی ہمت چاروں طرف سے سمٹ کر ایک ایسی اَن دیکھی اور اَن سمجھی ذات کی طرف کھینچتی ہے جس کو وہ اڑے وقت کا سہارا اور اپنی تمام تدبیروں کا منتہا سمجھتا ہے اسی طرح جہاں تک ہم کو معلوم ہے ہم نوع انسان کے کسی فرد کو اس بات سے خالی نہیں پاتے کہ وہ بعضی بُرائیوں سے نہ کسی دُنیوی مضرت کے اندیشہ سے بلکہ ایک ایسے خوف کے سبب سے بچتا ہے یا بچنے کا ارادہ رکھتا ہے جس کا کھٹکا اُس کو مرنے کے بعد ہے اور بعضی بھلائیاں نہ کسی دنیوی منفعت کے لئے بلکہ ایک ایسی توقع پر کرتا ہے یا کرنیکا ارادہ رکھتا ہے جس کے پورے ہونے کی اُمید اُس کو مرنے کے بعد ہے

اسی مطلب کو ہم یوں بھی ادا کر سکتے ہیں کہ ہر فرد انسانی بعضے کاموں کو نہ کسی دنیوی مضرت یا منفعت کے لحاظ سے بلکہ محض دل کی شہادت سے مذموم یا محمود جانتا ہے حالانکہ کسی شے کو بُرا یا بھلا جاننا اُسکے نتائج کے بُرا یا بھلا جاننے پر موقوف ہے پس اس کے سوا کوئی بات ذہن میں نہیں آتی کہ معاد کا اجمالی علم جو اُسکی فطرت میں رکھا گیا ہے صرف اُس کی ہدایت سے وہ اُن کاموں کو بُرا یا بھلا جانتا ہے +

اس ساری تقریر سے یہ نتیجہ نکلا کہ مبدا و معاد کا اجمالی علم انسان کو قدرت نے تعلیم کیا ہے کیونکہ اگر اکتساب سے حاصل ہوتا تو اُسکے آثار تمام بنی نوع میں بلا استثنار ہرگز نہ پائے جاتے لیکن یہاں یہ شبہ پیدا ہوتا ہے کہ شاید یہ خیالات انسان کی اصل فطرت میں ودیعت نہ کیے گئے ہوں بلکہ مذہبی تعلیمات کے سبب رفتہ رفتہ تمام دنیا میں پھیل گئے ہوں مگر یہ شبہ ہم کو ایک ایسی دلیل کی طرف ہدایت کرتا ہے جس سے ہمارے مطلب کو اور زیادہ تقویت حاصل ہوتی ہے۔ ہم اوپر لکھ چکے ہیں کہ قدرتی علم کا ایک یہ بھی خاصہ ہے کہ جب کوئی بات اس کے موافق انسان کو تعلیم کی جاتی ہے تو وہ اُس کو بغیر دلیل اور برہان کے تسلیم کر لیتا ہے پس اگر یہ بات مان لیجائے کہ خیالات مذکورہ مذہبی تعلیمات کے سبب دنیا میں شایع ہوئے تو بھی ہمارا مطلب کہیں نہیں جاتا کیونکہ اگر یہ دونوں اصول یعنی مبدا و معاد مجملاً انسان کی فطرت میں مخفی نہ ہوتے تو کسی طرح ممکن نہ تھا کہ سارا جہان ایسی دو نادیدہ باتوں کے تسلیم کرنے پر متفق ہو جاتا جن کا نمونہ سلسلہ محسوسات میں کہیں نظر نہیں آتا +

ہم اوپر یہ بھی لکھ چکے ہیں کہ قدرتی علم میں اکتسابی علم کی طرح غلطی اور خطا کا احتمال کبھی نہیں ہوتا بلکہ وہ ہمیشہ سچا اور مطابق واقع کے ہوتا ہے پس جبکہ ہم یہ بات ثابت کر چکے کہ مبدا و معاد کا اجمالی علم قدرتی ہے اکتسابی نہیں ہے تو ضرور ہے کہ جیسا مبدا و معاد کی نسبت ہمارا اعتقاد ہے اسی طرح واقع میں بھی کوئی ہمارا صانع ہے اور مرنے کے بعد ہماری بُرائی بھلائی کا ثمرہ ہم کو ملنے والا ہے اور جب یہ بات ثابت ہو چکی کہ مبدا و معاد کا اعتقاد صحیح اور مطابق واقع کے ہے تو ہماری عقل ہرگز جائز نہیں رکھتی کہ جس فیاض حکیم نے بغیر طلب اور خواہش کے اس اجمالی علم کی چاٹ لگا کر ہم کو اُس کی تفصیل کا مشتاق بلکہ ایسا حاجتمند کیا جیسے بیمار دوا کا اور پیاسا پانی کا محتاج ہوتا ہے وہ باوجود ہماری طلب اور خواہش کے اُس کی تفصیل کا دروازہ ہم پر نہ کھولے ہمارے نزدیک۔ اگر مبدا و معاد کا تفصیلی علم حاصل کرنے کے وسائل ہم سے منقطع کیے جائیں تو ہمارا حال یا تو بعینہ اُس پیاسے کا سا ہو جس کو ایک سرد اور شیریں اور شفاف پانی کے چشمہ سے دو گھونٹ پلا کر اُس چشمہ کی راہیں چاروں طرف سے مسدود کر دیں یا اُس غلام کا سا حال ہو جس کو اُس کا آقا کسی دور و دراز مسافت پر ایک خطرناک رستہ سے بھیجے اور سوا اسکے کہ اُس رستہ کا خطرناک ہونا اُس کو کسی طرح جتاوے اُن خطرات کی حقیقت یا اُنکے موقع و محل سے آگاہ نہ کرے اور کوئی تدبیر اُن سے بچنے کی اُس کو نہ سوجھائے۔ کیا ہمارا ولی نعمت

جس کو ہم جود و کرم کے ساتھ متصف اور بخل و خست سے منزہ جانتے ہیں وہ ہمارے ساتھ ایسا معاملہ کر سکتا ہے نہیں ہرگز نہیں کر سکتا بلکہ ضرور ہے کہ وہ ہمارے لئے کوئی ایسی شمع روشن کرے جو اس اجمال کے دھندلکے پر تفصیل کی روشنی پھیلا کر ہمارے جہل و تردد کو علم و یقین کے ساتھ مبدل کر دے +

یہاں شاید ہمارے دل میں یہ خیال گذرے کہ وہ شمع ممکن ہے کہ ہماری عقل ہو جو کہ ہم میں اور ہمارے ابنائے جنس یعنی اور حیوانات میں مابہ الامتیاز ہے اور جسکے سبب سے ہم کو تمام محسوسات پر شرف اور فضیلت حاصل ہے اور جس کی بدولت ہمارے بنی نوع پر موجودات عالم کے اسرار روز بروز کھلتے چلے جاتے ہیں مگر ہم کو امید نہیں کہ اس خیال کو ہمارے دل میں پانی کے بلبلے سے زیادہ قیام ہو کیونکہ ہم جو اپنے گریبان میں منہ ڈالکر دیکھتے ہیں تو اپنی عقل کو مبدا و معاد کی حقیقت کے ساتھ وہ نسبت پاتے ہیں جو آنکھوں والے کو ایک اندھیری کوٹھری کے ساتھ ہوتی ہے کیا کسی کو یہ امید ہے کہ آنکھوں کی روشنی ایک کلبۂ تیرہ و تار میں کچھ کام دے سکتی ہے؟ نہیں ہرگز نہیں دے سکتی۔ اسی طرح آدمی کی عقل مبدا و معاد کی حقیقت کا سراغ ہرگز نہیں لگا سکتی۔ بڑے بڑے حکیم اور فیلسوف اور بڑے بڑے محقق دانشمند جنہوں نے سارے جہان کی چیزوں کو چھان مارا اور حقائق اشیاء پر جو جہالت کے پردے پڑے ہوئے تھے اُن کو مرتفع کیا اور قانون قدرت سے وہ اصول اور وہ قاعدے استنباط کئے جنکے سبب سے انسان کے چہرہ پر خلافت رحمانی کا منصبدار ہونا کھل گیا جب انہوں نے قدم اپنی حد سے آگے بڑھایا یعنی بے اسکے کہ کسی شمع سے اپنا چراغ روشن کریں اپنی اٹکل سے مبدا و معاد کا سراغ ڈھونڈنے لگے تو صرف یہی نہیں کہ وہ منزل مقصود تک نہ پہنچ سکے بلکہ انہوں نے ایسی ٹھوکریں کھائیں اور اُن کی رایوں نے ایسی غلطیاں کیں کہ جب اُنکے اور متقدمین کے ساتھ اُن رایوں کو دیکھا جاتا ہے تو اُن میں وہ نسبت معلوم ہوتی ہے جو کہ عاقل اور مجنوں کے کلام میں ہونی چاہئے اور بڑی دلیل اس بات کی کہ یہ گروہ اپنی سعی میں ناکام رہا یہ ہے کہ اُس بے شمار گروہ میں سے شاید دو شخصوں کی رائیں ایسی نہ نکلیں جو کہ باہم اتحاد کلی رکھتے ہوں یہاں ہم کو مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس مطلب کے زیادہ تر دلنشین کرنے کے لئے قدیم مصر والوں کا تھوڑا سا ضروری حال رولن صاحب کی تاریخ سے بطور انتخاب کے نقل کیا جائے +

جس طرح اس زمانہ میں اہل یورپ اپنے تئیں پورا شائستہ اور اپنے ماسوا تمام عالم کو وحشی یا نیم وحشی خیال کرتے ہیں اسی طرح "اہل مصر غیر ملکوں کے لوگوں کو وحشی کہا کرتے تھے چنانچہ جب نکیر بادشاہ تخت پر بیٹھا تو اُس نے اول دریائے نیل کی نہر پر بدستور سابق بدد جاری رکھی مگر پھر ایک غیبی فال سے خوف کھا کر اُس نہر کا بنوانا چھوڑ دیا کیونکہ اُس کو یہ بات معلوم ہوئی کہ اس نہر کے بننے سے وحشی

قوموں کے لیئے مصر میں آنیکی راہ کھل جائیگی ÷ ÷ پہلے لوگ مصر کو فنون و آداب سلطنت کا ایک عمدہ مدرسہ جہاں سے
علوم کو نشو و نما اور روز بروز ترقی ہو سمجھتے تھے اور حقیقت میں بھی عمدہ عمدہ فن وہاں ایجاد ہوتے تھے اور اس ملک سے
نہایت عمدہ عمدہ ہنر اور عجیب عجیب فن اُن لوگوں کو جو علم و ہنر میں ترقی کرنیکی کوشش کرتے تھے حاصل ہوتے تھے یونان
کے بڑے بڑے لوگوں نے مثل ہومر اور فیثاغورس اور افلاطون اور وہاں کے اچھے اچھے مقننوں نے مثل
لائیکرگس اور سولن بمع اور بہت سے نامیوں کے جن کا بیان یہاں ضروری نہیں بنظر تکمیل علوم مصر کا سفر اختیار
کیا اور خدا تعالےٰ نے بھی (کتاب مقدس میں) اُس کی تعریف کی ہے۔کیونکہ اُس نے حضرت موسیٰ علیہ السّلام
کی تعریف میں یہ فرمایا تھا کہ وہ مصریوں کے ہر طرح کے علم و ہنر میں کامل تھا ÷ ÷ مصری ایک عجیب طرح کی موجد
طبیعت رکھتے تھے اور ہر کام میں نئے نئے ایجاد نکال لیتے تھے۔اُنہوں نے اپنی طبیعت کو مفید کاموں کے ایجاد
کی طرف متوجہ کیا تھا۔اور اُنکے زمانہ کے علماء نے جو کہ مصر کے مایہ تھے مصر کو عجیب عجیب ایجادوں سے معمور
کر دیا تھا۔اُنہوں نے کسی ایسی چیز سے جس سے طبیعت انسانی کی تکمیل ہوتی ہے یا جس سے آرام اور خوشی حاصل
ہوتی ہے مصر کو محروم نہ رکھا تھا ستاروں کی حرکات پر وہ لوگ سب سے پہلے مطیع ہوئے اور سب سے پہلے اُنہوں نے
ہی علم ہندسہ ایجاد کیا۔موجودات عالم کے حالات اور خواص دریافت کرنے میں یہ لوگ بہت کوشش کرتے تھے ÷ ÷ ÷
مصریوں نے فن عمارت اور رنگ آمیزی اور سنگ تراشی اور اور تمام فنون کو کمال پر پہنچایا تھا ÷ ÷ جن لوگوں نے
قواعد حکمت و حکومت کو خوب سمجھا اُن میں سب سے اول مصری تھے۔اس قوم نے یہ بات سب سے پہلے دریافت کی کہ
فنون قواعد سلطنت کا اصلی مطلب یہ ہے کہ اپنی زندگی مزے سے کٹے اور رعیت آباد رہے۔مگر دین کے مقدمات
میں جس قدر مصری احمق تھے کوئی نہ تھا۔بتوں کی بہت کثرت تھی اور اُنکے غول اور اُنکے درجے جدا جدا تھے
ان بتوں میں اوسرس اور آسس جن کو وہ چاند سورج تصور کرتے تھے بہت بڑے بت تھے اُن کی پرستش عموماً
ہوتی تھی اور اس میں کچھ شبہ نہیں کہ انہیں سیاروں کی پرستش سے بت پرستی نے ظہور پایا۔اُنکے سوا بیل اور کتے
اور بھیڑ اور بلی اور باز اور مگرمچھ اور لگ لگ کی بھی پرستش ہوتی تھی اور ان میں سے بعض جانور ایسے تھے کہ خاص
خاص شہروں میں پوجے جاتے تھے اور یہ نقشہ تھا کہ ایک قوم ایک جانور کو قبلہ و کعبہ سمجھکر دیوتا کی طرح پوجتی تھی اور
دوسری قوم اُسی کی صورت سے نفرت کرتی تھی ان جانوروں میں سانڈ میں نہایت ممتاز ہوتا تھا اُسکے نام کے
بڑے بڑے عالیشان مندر بنائے جاتے تھے اور اُسکے مرجانیکے بعد بہ نسبت اُسکے ایام حیات کے اُس کی عزت
اور توقیر زیادہ ہوتی تھی۔تمام مصر اُسکے سوگ میں ماتم کرتا تھا اور اُسکی تجہیز و تکفین بڑی دھوم دھام سے ہوتی
تھی کہ اُس پر مشکل سے یقین آتا ہے۔ٹولیمی لیگس کی بادشاہت میں جب وہ جانور ضعیف ہوکر مرا تو اُسکے سازو
سامان میں سوائے اخراجات معمولی کے ایک لاکھ بارہ ہزار پانسو روپیہ صرف ہوا تھا۔جب اُسکی تجہیز و تکفین سے

فراغت ہوتی تھی تو اُس کی جگہ دوسرے کے مقرر کرنیکی فکر ہوتی تھی اور تمام مصر اُس کی تلاش میں جاتا تھا اس سانڈ میں چند علامتیں ہونی ضرور تھیں جن کے سبب وہ اور سانڈوں سے ممتاز ہوتا پیشانی پر ہلال کی شکل پشت پر عقاب کی صورت زبان پر بھونری کا نقشہ ہونا ضرور تھا اور جب قسمت سے ایسا سانڈ ہاتھ آجاتا تھا تو تمام مصر میں گھر گھر خوشی ہوتی تھی اور ماتم جاتا رہتا تھا - جب شاہ کیمبس ایتھوپیا کی مہم سے ناکام آیا تو وہ ایسے دنوں میں مصر پر گذرا کہ مصری سانڈ ایپس کی خوشیوں میں کھیل کود رہے تھے - یہ ناکام دل سوختہ اُن کو خوشیاں کرتے دیکھکر یہ سمجھا کہ یہ لوگ میری ناکامی پر ہنستے ہیں - اُس نے اُس نئے سانڈ کو جس نے اپنی خدائی کا لطف بہت کم اُٹھایا تھا قتل کرا دیا اور تمام مصریوں کو بن خدا کا کر دیا مصریوں نے صرف جانوروں کے آگے خوشبوئیں جلانے پر ہی اکتفا نہ کیا تھا بلکہ اپنے باغوں کے نباتات کو بھی دیوتا سمجھتے تھے - نہایت تعجب کی بات ہے کہ جو لوگ تمام دنیا سے فضل و ہنر میں فائق ہوں اور وہ آپ کو ایسا ہی سمجھتے بھی ہوں وہ ایسی حماقت میں گرفتار ہو جائیں اور جھوٹے معبودوں کی پرستش میں ایسے اندھا دھند پڑ جائیں کہ تھوڑی سی سمجھ والا بھی اُس کو پسند نہ کرے جانوروں اور کیڑے مکوڑوں کا مندروں میں پوجنا اور کمال احتیاط سے اُن کو پالنا اور اُن کے قاتلوں سے قصاص لینا اور مرنے کے بعد اُن جانوروں کو عطریات سے بھرنا اور بڑی دھوم دھام سے قبروں میں دفنانا اور رفتہ رفتہ پیاز اور لہسن کو بھی پوجنا اور اڑے وقتوں میں اُن سے مدد مانگنی اور اُن پر بھروسا کرنا ایسی نادانی کی باتیں ہیں کہ اس زمانہ میں اُن پر مشکل سے یقین آتا ہے مگر اگلے لوگ ان سب باتوں پر گواہی دیتے چلے آئے ہیں - لوشین صاحب لکھتے ہیں کہ اگر تم کسی ایسے عالیشان مندر میں جاؤ جو سونے چاندی سے جگمگا رہا ہو اور چاند سورج اُس کی ٹیپ ٹاپ کی تاب نہ لا سکیں تو تم کو اُس مندر کے دیوتا کے دیکھنے کا بہت شوق ہوگا اور تم نہایت مشتاق ہو کر جب اندر جاؤ گے تو کہ لگ لگ یا بلی یا بندر بڑی شان و شوکت اور تمام کروفر سے وہاں جلوہ فرما ہیں خدا تعالے نے بیشک اس بات کے دکھانے کو کہ انسان اگر اپنی عقل پر چھوڑ دیا جائے تو اُس کا یہ روپ ہو جاتا ہے کہ اہل مصر جیسے لوگوں کو جنہوں نے عقل انسانی کو نہایت اعلےٰ درجہ پر پہنچا دیا تھا ایسی نفرت انگیز اور بیہودہ بت پرستی میں پھنسا رہنے دیا تاکہ لوگوں کی تماشا گاہ بنیں" +

مصریوں کا یہ عبرت انگیز حال جو رولن صاحب کی تاریخ سے نقل کیا گیا اہل یونان کا حال بھی اس کے قریب قریب تھا اور یہ اس بات کا نہایت کامل ثبوت ہے کہ انسان کی عقل معاش کیسی ہی اعلےٰ درجہ پر کیوں نہ پہنچ جائے مبداء و معاد کا علم حاصل کرنے میں ہرگز کافی نہیں ہو سکتی - تاریخ یونان میں لکھا ہے کہ جب ہائیرو بادشاہ سسلی نے حکیم سائیمونیڈیز سے باری باری تعالیٰ کی حقیقت دریافت کی تو اُس نے پہلے دن ایک روز کی اور دوسرے دن دو روز کی مہلت چاہی اور اسی طرح ہر روز مہلت مانگتا رہا آخر

ایک دن بادشاہ نے بار بار مہلت مانگنے کی وجہ پوچھی تو اُس نے کہا کہ یہ مضمون سمجھ اور فکر سے اس قدر بعید ہے کہ جس قدر اس میں غور کرتا ہوں اُسی قدر تحیر زیادہ ہوتا ہے اور تاریکی چھائی جاتی ہے اور کنفیوشیس جو حکمائے چین کا سرگروہ اور اہل چین کا مقتدا ہے اور جس کی تعلیمات کا مدار محض عقل و رائے پر ہے جب اُس سے لوگوں نے آخرت کا حال پوچھا تو اُس نے اُس کا جواب دینے میں اپنی کمال دانائی اور انصاف ظاہر کیا اس نے کہا کہ جب دنیا ہی کی ہزاروں چیزیں ہماری نظر سے مخفی ہیں تو وہاں تک ہماری عقل کیونکر پہنچ سکتی ہے +

بہرحال اگر ہماری اس رائے سے جو اوپر بیان کی گئی یا کسی اور دلیل سے یہ بات ثابت ہو جائے کہ واقع میں کوئی ہمارا صانع ہے اور مرنے کے بعد ہم کو اپنی بُرائی بھلائی کا ثمرہ ضرور ملنے والا ہے تو بیشک ہم کو ان دونوں باتوں کا تفصیلی علم حاصل کرنے کے لئے اپنی عقل ناقص کے سوا کوئی اَور ذریعہ ڈھونڈنا پڑیگا اور وہ ذریعہ نہیں ہے مگر وجود صاحب الہام والحمد للہ علی الاتمام +

زمانہ

جب زمانہ بدلے تم بھی بدل جاؤ

زمانہ کی نیرنگیاں مشہور اور اُس کی تلوّن مزاجیاں ضرب المثل ہیں سو وہ سدا ایک حال پر نہیں رہتا وہ ہمیشہ ایک حال پر نہیں چلتا۔ وہ گرگٹ کی طرح برابر رنگ بدلتا رہتا ہے وہ اُس پتھر کی طرح جو پہاڑ کی چوٹی سے لڑھکایا جائے ہزاروں پلٹے کھاتا چلا جائے۔ وہ جو روپ بھرتا ہے اُسکے چہرہ پر کھل جاتا ہے وہ جو ٹھاٹھ بدلتا ہے اس کا رنگ ساری مجلس پر چھا جاتا ہے وہ کبھی دن کی روشنی میں اور کبھی رات کی تاریکی میں۔ کبھی گرمی کی تپش میں اور کبھی جاڑے کی ٹھر میں ظہور کرتا ہے پر کسی بھیس میں اُس کا رنگ جمے بغیر نہیں رہتا۔ جب وہ دن کا بانا بدلتا ہے تو رات کے سارے عمل باطل کر دیتا ہے۔ سوتوں کو نیند سے جگاتا ہے نکموں کو کام پر لگاتا ہے طبیعتوں سے سُستی کو دور کرتا ہے اور دلوں کو اُمنگوں سے بھر دیتا ہے۔ جب وہ رات کا برقع پہنتا ہے تو دن کی ساری کائنات حرف غلط کی طرح مٹا دیتا ہے۔ مزدوروں کا دل محنت سے اُچاٹ کرتا ہے جفاکشوں کو بستر راحت کی طرف کھینچکر لاتا ہے۔ اور ساری دنیا پر غفلت کا پردہ ڈالدیتا ہے گرمی میں اُس کی بازی کا نقشہ کچھ اَور ہے۔ اور جاڑے میں اُس کی حکومت کا ڈھنگ کچھ اَور ہے۔ مبارک وہ ہیں جنہوں نے اُسکے تیور پہچانے اور اُس کی چال ڈھال کو نگاہ میں رکھا۔ جدھر کو وہ چلا اُسکے ساتھ ہو گئے اور جدھر سے اُس نے رُخ پھیرا اُس سے پھر گئے +

جس طرح دنیا کی بہبودی کا مدار مقتضائے وقت کی موافقت پر ہے اسی طرح دین کی کامیابی بھی اسی پر موقوف ہے۔ کتاب مقدس (توریت) میں خدا تعالےٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بڑی تعریف اس بات پر کی ہے کہ وہ مصریوں کے تمام علوم میں کامل تھا۔ اس سے ثابت ہوا کہ نبوت جیسا جلیل القدر منصب بھی اُسی شخص کو عطا ہوتا ہے جس میں زمانہ کے حسب حال ہونیکی پوری پوری قابلیت ہوتی ہے +

ہمارے نبی برحق نے جو دعوت اسلام میں کامیابی نمایاں حاصل کی اُس کا بڑا ذریعہ عبارات قرآنی کی حلاوت اور ملاحت تھی جس کا مدار بالکل مقتضائے وقت کی موافقت پر تھا کیونکہ اُس وقت شعر و شاعری کے شور سے تمام عرب گونج رہا تھا اور فصاحت و بلاغت کے دعوے نہایت توجہ سے سُنے جاتے تھے کوئی کمال علم ادب کے ہم پلہ نہ سمجھا جاتا تھا۔ اور کوئی ہتیار تیغ زبان کے برابر کارگر نہ ہوتا تھا +

آنحضرت (صلعم) کے بعد پہلی اور دوسری خلافت میں جو اسلام کو ترقی روزافزوں نصیب ہوئی اور کوئی فتنہ ایسا حادثہ نہ ہوا جو اُسکے زور و طاقت کی مزاحمت کرتا اس کا اصل سبب اُسکے سوا کچھ نہ تھا کہ منصب خلافت کے لئے آگے پیچھے ایسے دو شخص انتخاب کیے گئے جن کا چلن اور برتاؤ بالکل مقتضائے وقت کے موافق تھا اور اس سبب سے زمانہ اُن کا معین و مددگار بن گیا تھا۔ چنانچہ اسی مصلحت کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جناب مرتضوی کے استخلاف کی نسبت والی لا اراکم فاعلین فرمایا اور شیخین کی نسبت کچھ تردد ظاہر نہ کیا +

فاروق کی شدت چونکہ مقتضائے وقت کے موافق تھی اس لئے مزرعہ اسلام کے حق میں ابر رحمت کا کام کر گئی اور عثمان ذو النورین کی مروت جو اُنھوں نے مروان بن الحکم وغیرہ کے ساتھ برتی چونکہ مقتضائے وقت کے موافق نہ تھی اس لئے اُس فتنہ عظیم کی اصل قرار دی گئی جو آپکے آخر عہد خلافت میں ہوا اور جس کا ایک نتیجہ آپ کا قتل تھا +

ایک زمانہ میں مقتضائے وقت یہ تھا کہ محدثین اسلام (اس خیال سے کہ رسول مقبول کے ارشادات تمام و کمال فراہم ہو جائیں) روایات کے اخذ کرنے میں رطب و یابس کی کچھ تمیز نہ کرتے تھے۔ پھر دوسرے زمانہ کا مقتضی یہ ہوا کہ اُن روایتوں کی تنقید اور اُن کے راویوں کی چھان بین کیجائے اور صحیح کو سقیم سے اور قوی کو ضعیف سے اور معروف کو منکر سے اور ثابت کو موضوع سے جدا کیا جائے۔ اگر وہ پہلا طبقہ مقتضائے وقت کا لحاظ نہ کرتا تو علم نبی کا ایک بڑا حصہ ضائع ہو جاتا اور اگر یہ دوسرا گروہ کھڑا نہ ہوتا تو حق و باطل اور صدق و کذب کا امتیاز دشوار ہو جاتا +

بڑی دلیل اس بات کی کہ مقتضائے وقت کا لحاظ ضروریات دین سے ہے وہ روایت ہے جس کو مسلم ابی ہریرہؓ سے اور (اُسکے قریب قریب) محب طبری نے ابو موسیٰ اشعریؓ سے روایت کیا ہے۔

اس روایت کا ماحصل یہ ہے کہ آنحضرت صلعم نے ایک موقع پر ارشاد فرمایا کہ جو شخص صدق دل سے لآ اِلٰہَ اِلّا اللہُ کہیگا وہ ضرور بخشا جائیگا۔ عمر فاروق یہ مضمون سُنکر حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور عرض کیا کہ اس بشارت سے لوگ اعمال صالحہ کی بجا آوری میں قصور کرینگے۔ آپنے فاروق اعظم کی اس رائے کو پسند فرمایا اور تا وقتیکہ روایات کی تدوین کرنیکی ضرورت نہ پڑی یہ بشارت تمام اُمت میں عام نہ ہوئی +

الغرض دنیا کی بہبودی یا دین کی کامیابی مقتضائے وقت کی موافقت بغیر حاصل نہیں ہو سکتی مگر اس موافقت سے ہماری یہ مراد ہرگز نہیں ہے کہ مثلاً بیدینی والحاد کے زمانہ میں دین و مذہب سے ہاتھ اُٹھا بیٹھیں۔ اور عیش و عشرت کے زمانہ میں جفاکشی اور محنت سے دست بردار ہو جائیں یا جہاں خوشامد کا بازار گرم ہو وہاں خوشامدی بن جائیں اور جہاں مسخرہ پن کا زور ہو وہاں غیرت اور حمیت کو بالائے طاق رکھدیں۔ نہیں۔ بلکہ ہماری رائے میں کوئی بُرے سے بُرا زمانہ ایسا نہیں ہوتا جس میں مقتضائے وقت کے موافق کوئی نہ کوئی جائز طریقہ کامیابی کا موجود نہ ہو۔ مثلاً جب فلسفہ یونانیہ یونانی زبان سے عربی زبان میں منتقل ہوا اور بطلیموس و ارسطو کے خیالات عرب او عجم کے گلی کوچوں میں منتشر ہو گئے تو الحاد اور بیدینی نے لوگوں کے دلوں میں چٹکیاں لینی شروع کیں یہاں تک کہ نصوص قرآنی اور احادیث نبوی پر وہرادہر اعتراض ہونے لگے اور جا بجا دین میں رخنے نکلنے لگے اُس وقت علما کے فروغ اور کامیابی کے دو طریقے پائے جاتے تھے۔ ایک ناجائز دوسرا جائز۔ ناجائز طریقہ یہ تھا کہ مسائل فلسفیہ کی تائید کر کے الحاد کی آگ کو اور مشتعل کر دیتے اور آزادی جیسی من بھاتی چیز کو دنیا میں پھیلا کر دنیوی فروغ حاصل کرتے اور جائز یہ تھا کہ شریعت اور حکمت میں تطبیق یا مسائل حکمیہ کی تغلیط کر کے الحاد کی آنچ سے دین کو بچاتے اور معترضوں کی زبان بند کرتے۔ چنانچہ علمائے اسلام نے (شکر اللہ سعیہم) یہی جائز طریقہ اختیار کیا اور فلسفہ یونانیہ کے مقابلہ میں ایک جدا فلسفہ قایم کیا جو اہل اسلام میں علم کلام کے نام سے مشہور ہے +

وہ لوگ زمانہ کے ساتھ پھر گئے۔ گرمی میں گرمی کا سامان کیا۔ اور جاڑے میں جاڑے کی تیاری کی۔ دن کو دن کی طرح بسر کیا۔ اور رات کو رات کے طور پر کاٹا۔ اور بدنصیب وہ ہیں جنہوں نے اُس کی پیروی سے جی چرایا۔ اور اُس کی ہمراہی سے ناک چڑھائی۔ گرمی چمکی پر اُنہوں نے جاڑے کے کپڑے نہ اُتارے اور ہلکے پھلکے نہ بنے۔ دن نکلا پر اُنہوں نے کروٹ نہ بدلی۔ اور خواب شبینہ سے بیدار نہ ہوئے۔ اب وہ بہت جلد دیکھینگے کہ پیچھے کون رہا اور منزل تک کون پہنچا +

جو لوگ زمانہ کی پیروی نہیں کرتے وہ گویا زمانہ کو اپنا پیرو بنانا چاہتے ہیں۔ مگر یہ اُن کی سخت خام خیالی ہے۔ چند مچھلیاں دریا کے بہاؤ کو نہیں روک سکتیں اور چند جھاڑیاں ہوا کا رخ نہیں پھیر سکتیں اسی لئے ایک پختہ کار شاعر نے کہا ہے کہ "زمانہ با تو نسازد تو با زمانہ بساز" اور عرب کے ایک حکیم کا قول ہے کہ دُر مع الدھر

کیف ما دار" (یعنی زمانہ جدھر کو پھرے اُس کے ساتھ پھر جا) +

شیخ اکبر فرماتے ہیں کہ مرحیونے نکل صورۃ (یعنی اپنی ذات میں ایسی قابلیت پیدا کر کہ جس رنگ کو چاہے فوراً قبول کرے) یہ اس لئے فرمایا کہ زمانہ کبھی انقلاب سے خالی نہیں رہتا - اور اُس کا مقابلہ انسان ضعیف البنیان سے نہیں ہو سکتا - پس انسان میں ایسی قابلیت ہونی ضرور ہے کہ جیسی ضرورت دیکھے ویسا بن جائے تاکہ زمانہ کا کوئی انقلاب اُس کو سخت صدمہ نہ پہنچائے - آندھی کے پُر زور حملے انہیں تناور درختوں کو نقصان پہنچاتے ہیں جو اپنی جگہ سے ٹلنا نہیں چاہتے پر چھوٹے چھوٹے لچکدار پودے جو ہوا کے ہر جھوکے کے ساتھ جھک جاتے ہیں ہمیشہ برقرار رہتے ہیں +

اس بات کا انکار نہیں کیا جاتا کہ عارضی یا چند روزہ کامیابی مقتضائے وقت کی مخالفت میں بھی حاصل ہو سکتی ہے مگر جو لوگ دُنیا میں آکر کامیابی کا پورا پورا استحقاق حاصل کر گئے وہ وہی تھے جنہوں نے مقتضائے وقت کو ہاتھ سے نہ دیا اور جیسا زمانہ دیکھا ویسے بن گئے +

حکیم اوحدالدین انوری جس نے اپنے زمانہ کے تمام علوم میں کامل دستگاہ حاصل کی تھی - اور پھر عجم کے اُن تین شاعروں میں شمار کیا گیا جو پیمبر شعر مانے گئے ہیں - اگر مقتضائے وقت کی پیروی نکرتا تو یہ شہرت اور عزت اُس کو ہرگز حاصل نہ ہوتی - وہ خراسان کی ایسی بستی (وزاکان) میں ٹھیرا ہوا تھا کہ اتفاق سے اُس عہد کے ملک الشعرا ابو الفرج سنجری کا لشکر بھی وہیں آکر ٹھیرا - انوری نے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ یہ سارا جلوس سنجری کے ساتھ ہے - کہا سُبحان اللہ - علم کا مرتبہ ایسا بلند - اور میں اس قدر مفلس ؟ اور شاعری کا درجہ ایسا ذلیل - اور اس شخص کو یہ جاہ و حشمت ؟ اب مجھ کو بھی قسم ہے جو شاعری نکر نہ کماؤں "چنانچہ اُسی رات کو ایک قصیدہ سلطان سنجر کی مدح میں لکھکر تمام کیا جس کا مطلع یہ ہے - ؎

گر دل و دستِ بحر و کاں باشد دل و دستِ خدایگاں باشد

پھر تمام عمر شاعری کی بدولت خوشحال اور فارغ البال رہا - اور دُنیا میں شہرت اور بلند نامی حاصل کی +

ایک مجلس میں شیخ ابو الفضل کے کمالات اور ترقیات کا مذکور تھا ایک صاحب بولے کہ "وہ باانیہمہ کمالات اگر اس زمانہ یعنی اُنیسویں صدی عیسوی میں ہوتا تو شاید عدالتوں میں عرضی نویسی کر کے اپنا پیٹ پالتا" ہم نے کہا اگر وہ اس زمانہ میں ہوتا تو ہرگز اپنی کامیابی کا ذریعہ اُس لیاقت کو نہ گروانتا جس کی بدولت اُس نے سولھویں صدی عیسوی میں ترقیات حاصل کی تھیں بلکہ اس عہد میں وہ کم سے کم ایم اے یا ایل ایل ڈی کا درجہ ضرور حاصل کرتا اور کچھ نہیں تو لندن کے کسی نامی گرامی اخبار کا کارسپانڈنٹ ضرور ہوتا - یہ ہمارا ایک سرسری جواب تھا جو اُس وقت بلا تامل زبان سے نکل گیا مگر اب غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ جواب بالکل صحیح تھا

ابوالفضل کی ذات میں ہر زمانہ کا رنگ بدلنے کی ایسی قابلیت تھی کہ وہ جس زمانہ میں ہوتا اُس زمانہ کی حیثیت کے موافق ضرور اپنے ہم چشموں میں ممتاز ہوتا۔ وہ ایک رقعہ میں جو غالباً اُس نے اپنے باپ کے نام لکھا ہے تحریر کرتا ہے کہ بعض لوگ میری نسبت یہ کہتے ہیں کہ ایک طالب علم کو اس قدر منصب جلیل تک پہنچا دینا بادشاہ کو زیبا نہ تھا اس لئے میری بھی اب یہی تمنا ہے کہ سپہ گری کا کوئی کارنمایاں دکھاؤں" اُس کا یہ قول نرا دعوے ہی دعوے نہ تھا بلکہ اُس نے مرتے وقت اُسکے اکثر ہمراہی بھاگ گئے تھے اور چند آدمی جو بچے تھے وہ اس کو یہ صلاح دے رہے تھے کہ اس تھوڑی سی جمعیت پر بندیلے کا مقابلہ کرنا مصلحت نہیں مگر وہ نہایت ترشی سے یہ کہکر کہ "مگر گریزم" اکیلا فوج مخالف میں جا گھسا۔ لیکن چونکہ پیمانہ عمر لبریز ہو چکا تھا گھوڑا ٹھوکر کھا کر گرا اور اُس کے گرتے ہی مخالفوں نے شیخ کا کام تمام کر دیا ✦

سلطان شہاب الدین غوری کو مورخوں نے بہت سخت اور تند مزاج لکھا ہے اور اُسکے ثبوت کیلئے اُس کی وہ زیادتی پیش کرتے ہیں جو فتح اجمیر کے بعد اُس سے ظہور میں آئی۔ یعنی کئی ہزار آدمی جو فتح کے بعد بچ رہے تھے اُن سب کو تیغ بیدریغ کے حوالہ کیا۔ مگر باوجود اسکے اُسکی سختی اور تند مزاجی کو اس سبب سے مذموم نہیں سمجھا کہ جس فتنہ و فساد کے زمانہ میں وہ متسلط ہوا تھا اسکے لئے ایسے ہی مزاج کا بادشاہ ہونا سزاوار تھا ✦

جلال الدین اکبر کا زمانہ (جیسا کہ اکثر مورخوں نے لکھا ہے) ظاہراً بیدینی اور الحاد کا زمانہ ثابت ہوتا ہے اور اس سبب سے ممکن ہے کہ بہت سے لوگوں کی کامیابی کا ذریعہ یہی بیدینی اور الحاد ہو مگر تاریخ کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اُسکے عہد میں کامیابی کا بڑا ذریعہ شجاعت و بہادری یا فضل و کمال اور علم و ہنر تھا کیونکہ اُس کے درباریوں اور مقربوں میں کوئی آدمی ایسا نہیں معلوم ہوتا جس نے بدوں کسی کمال یا ہنر کے محض بیدینی اور الحاد کے ذریعہ سے معتد بہٖ امتیاز حاصل کیا ہو بلکہ اُسکے ارکان دولت میں ایسے آدمی البتہ پائے جاتے ہیں جو اپنے مذہبی قواعد کے نہایت پابند تھے اور جنھوں نے صرف اپنے فضل و ہنر کی بدولت بادشاہ کے دل میں جگہ پائی تھی جیسے ملا فتح اللہ شیرازی مسلمانوں میں۔ اور راجہ ٹوڈرمل ہندوؤں میں۔ یہ دونوں شخص اکبری دورہ میں مذہب کے نہایت متعصب گنے جاتے تھے۔ بااینہمہ ملا نے اپنے علوم عقلیہ و نقلیہ کے سبب اور راجہ نے حساب سیاق کی مہارت سے یا دانشمندی اور حسن تدبیر کی جہت سے دربار بادشاہی میں جو مرتبہ حاصل کیا وہ سب پر روشن و ہویدا ہے ✦

بہرحال جہاں کامیابی کے دو چار ناجائز طریقے پائے جاتے ہیں وہاں ایک دو طریقہ جائز بھی ضرور موجود ہوتا ہے اور جو کامیابی اُن ناجائز طریقوں سے حاصل ہوتی ہے وہ اُس کامیابی کے برابر کبھی پائدار و مستحکم نہیں ہوتی جو جائز طریقوں سے حاصل ہو سکتی ہے ہم نے بارہا تجربہ کیا ہے کہ جن درباروں میں مثلاً خوشامد کا بازار گرم تھا اور جہاں حاکم کی مرضی کے خلاف بولنا جرائم کبیرہ کے ارتکاب سے زیادہ خطرناک سمجھا جاتا تھا جب وہاں کوئی

سچا اور آزاد طبیعت کا آدمی پہنچا اگرچہ اُس کو چندروز اپنی آزاد طبیعت کی کسی قدر روک تھام کرنی پڑی لیکن آخر اُس کی راستی اپنا رنگ جمائے بغیر نہ رہی۔ رفتہ رفتہ اُسی کا قول معتبر ٹھہرا اور اُسی کی صلاح نیک سمجھی گئی +

ان تمام شہادتوں سے ہم بآسانی یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ ہندوستان کی اکثر قومیں جو روز بروز اقبالمند ہوتی جاتی ہیں اور مسلمانوں کی قوم بداقبالی کے بھنور اور ذلت کی دلدل سے کسی طرح نہیں نکلتی اس کا سبب اسکے سوا کچھ نہیں کہ اَور لوگ اپنی حالت کو زمانہ کے موافق بناتے جاتے ہیں پر مسلمان اپنی وضعداری کو ہاتھ سے نہیں دیتے +

اے ہندوستان کے مسلمانو۔ کیا تم ابھی اُس عالم میں ہو جس میں تمہارے آباواجداد زندگی بسر کر گئے ہیں؟ کیا تم اُسی کھیتی کے پروان چڑھنے کے منتظر ہو جس میں تمہارے بزرگوں نے تخم افشانی کی تھی؟ مدت ہوئی کہ وہ عالم گذر گیا۔ اور وہ کھیتی دریابرد ہوئی۔ ذرا آنکھیں کھولو اور دیکھو کہ تم کون ہو اور کہاں ہو۔ تمہاری گرہ میں جو دام ہیں وہ بازار میں آج پھوٹی کوڑی کو نہیں چلتے۔ تمہاری دوکان میں جو مال ہے اُسے کوئی مفت خریدنا نہیں چاہتا۔ تمہارے چراغ میں جو تیل تھا وہ جل گیا۔ تمہاری کھیتی میں جو پانی تھا وہ سوکھ گیا۔ دیکھو! تمہاری ناؤ بودی ہے اور دریا دم بدم چڑھتا جاتا ہے۔ تمہارا قافلہ پیادہ ہے اور منزلیں کٹھن آتی جاتی ہیں +

اس تمہید سے ناظرین کو ضرور یہ خیال پیدا ہوگا کہ ہم آگے چلکر اپنی قوم کو انگریزی پڑھنے کی۔ میز کرسی لگانیکی کوٹ پتلون پہننے کی۔ چھری کانٹے سے کھانے کی ترغیب دینگے کیونکہ ظاہر زمانہ کا حال مقتضی یہی معلوم ہوتا ہے۔ مگر اُن کو یاد رہے کہ ہماری مراد اس تمہید سے یہ ہرگز نہیں ہے بلکہ ہم یہ کہتے ہیں کہ وہ جس بُری حالت میں ہیں اُس سے نکلنے کی جو سیدھی راہ انہیں نظر آئے اُسی راہ کو اختیار کریں اور جس طرح ہو سکے اپنا قدم آگے بڑھائیں کیونکہ زمانہ بآواز بلند کہہ رہا ہے کہ من استوا یوماہ فہو مغبون (یعنی جسکے دو دن ایک حالت پر گذرے وہ خسارہ میں رہا) اور در و دیوار سے یہ صدا آرہی ہے کہ۔ قدم سعی پیشتر بہتر +

دنیا میں آجکل ایک عام گھوڑ دوڑ کا تماشا ہو رہا ہے۔ ہر گروہ کے شہسوار جوق جوق اس میں آتے ہیں اور اپنے اپنے ہنر دکھاتے جاتے ہیں۔ کچھ اُن میں سے گھڑ دم آتے ہی برق خاطف کی طرح ایک آن واحد میں گذر گئے کچھ اُن سے پیچھے پہنچے۔ کچھ راہ میں ہیں مگر افتاں و خیزاں چلے جاتے ہیں۔ کتنوں نے اپنے گھوڑوں کی ابھی باگ اُٹھائی ہے۔ کتنے چلنے کی تیاری کر رہے ہیں۔ لیکن بہتیروں کو ابھی گھوڑ دوڑ کی خبر بھی نہیں پہنچی۔ اُنکے گھوڑے تھان پر بندھے ہیں۔ اور وہ خود آرام سے پڑے سوتے ہیں۔ شاید وہ اُس وقت بیدار ہونگے۔ جب گھوڑ دوڑ کا وقت نکلجائیگا اور وہ ہاتھ ملتے رہجاوینگے۔ اے مسلمانو ہم کو خوف ہے کہ وہ ناکام گروہ کہیں تمہاری ہی قوم نہ ہو۔ اور وہ ہاتھ جو ملے جائینگے تمہارے ہی ہاتھ نہ ہوں +

اے مسلمانو تم کو یہ بھی معلوم ہے کہ جو شے تم کو اُبھرنے نہیں دیتی۔ وہ کیا ہے؟ اور جس کے سبب تم

جنبش نہیں کر سکتے وہ کون سی بندش ہے؟ یاد رکھو وہ تمہاری بیہودہ تقلید ہے جس نے تم کو مذہبی امور ہی میں
مجبور اور بے اختیار نہیں کیا بلکہ تجارت میں۔ زراعت میں۔ علم و ہنر میں۔ حرفہ اور پیشہ میں۔ غرض ہر کام میں
تمہاری عقلوں پر پردہ اور ہر راہ میں تمہارے پاؤں میں بیڑی ڈال رکھی ہے اور تم کو اُس پرند جانور کی طرح بے بس
کر رکھا ہے جس کے پر کٹے ہیں اور آنکھیں سی ہوئی ہوں۔ نہ تم میں طاقت پرواز ہے نہ نگاہ دور بین ہے
تقلید نے تم کو تمام دینی اور دنیوی ترقیوں سے فارغ البال کر رکھا ہے اور تمہارے کان میں یہ پھونک دیا ہے کہ
جو کچھ کرنا تھا سو اگلے کر گئے اب اُس سے زیادہ کرنا غیر ممکن ہے تمہارے نزدیک جس قطع کی کشتی طوفان نوح میں
بنائی گئی تھی اُس سے بہتر کوئی قطع انسان کے ذہن میں نہیں آ سکتی۔ اور جو پیشہ آج سے ہزار برس پہلے تمہارے
بزرگوں نے اختیار کیا تھا اُسکے سوا کسی حیلہ سے تم روٹی نہیں کما سکتے تمہارے نزدیک تمام عقل انسانی پہلے
طبقوں پر تقسیم ہو گئی اور اُنہوں نے تمہارے لئے کوئی موقع ایسا نہیں چھوڑا جس میں تم کو اپنی انسانیت سے کچھ کام
لینے کی ضرورت پڑے۔ شیخ نے قانون میں انسان کی تشریح جو لکھدی سو لکھدی۔ اور محمد حسین دکنی برہان قاطع
میں لغات فارسی کی تحقیق جو کر گیا سو کر گیا۔ اب کون ہے جو قانون سے کچھ بڑھکر لکھ سکے یا برہان میں کوئی عیب
نکال سکے۔ تم صرف اُنہیں لوگوں کی تقلید نہیں کرتے جنکے ساتھ تم کو حسن عقیدت ہے بلکہ طب میں جالینوس کی
منطق میں ارسطو کی ہندوستان کی رسموں میں ہندوؤں کی تقلید کو بھی اسی قدر ضروری جانتے ہو جس قدر مذہب
میں امام اعظم کی تقلید تمہارے نزدیک واجب و لازم ہے اگر کسی کو اس بات میں تامل ہو تو نکاح بیوگان کے
معاملہ میں غور کرے اور دیکھے کہ اُس کا مجوز کون ہے اور مانع کون ہے اور ہندوستان کے عام مسلمانوں نے
مجوز کے حکم کی تعمیل کی ہے یا مانع کا کہنا مانا ہے +

اس تقلید کی بدولت تم میں ایک اور مرض پیدا ہو گیا ہے جس نے تمہاری رہی سہی ہمت خاک میں ملا دی
اور تم کو بالکل اپاہج کر دیا۔ پوچھو وہ کیا ہے؟ وہ خانہ خراب وضعداری ہے جس کی ہدایت سے تم ترقی کرنیوالوں کو
متلون المزاج سمجھتے ہو اور ڈھور ڈانگروں کی طرح سدا ایک حالت پر رہنے کو کمال نفس انسانی قرار دیتے ہو +

ہندوستان کے وضعداروں کی یہ رائے ہے کہ آدمی اپنی زندگی میں جو طریقہ یا جو عادت اختیار کرے اُس کو
آخر عمر تک ترک کرنا نہیں چاہیئے۔ جوانی میں اگر ڈاڑھی چڑھانیکی عادت ہو جاوے تو سن شیخوخت تک اس وضع
کو نباہنا ضرور ہے اور بچپن میں اگر کامدار ٹوپی پہننے کا لپکا پڑ جائے تو بڑھاپے کے جھریائے چہرہ کو بھی اس سے
محروم رکھنا نہیں چاہیئے۔ چنانچہ معتبر راویوں سے سُنا گیا ہے کہ دو بزرگوار نجف خانی جن کا سن شریف ساٹھ
پینسٹھ سے تجاوز ہو گیا تھا اور نہایت متقی اور متورع آدمی تھے ہر جمعہ کو شاہ عبدالعزیز صاحب کے درس میں حاضر ہوا
کرتے تھے۔ شاہ صاحب بھی اُن کی کمال تعظیم کرتے تھے۔ باایں ہمہ تقدس دونوں حضرات ڈاڑھی گھٹواتے تھے بعضے

منہ پھٹ آدمیوں نے جو اُن پر اعتراض کیا تو یہ فرمایا کہ ہم خود اس حرکت سے منفعل ہیں مگر کیا کریں جو وضع قدیم سے چلی آتی ہے اُسکے خلاف کرتے ہوئے شرم آتی ہے۔ اسی طرح ایک شریفوں کی بستی میں ایک صاحب سن رسیدہ بڑے نمازی اور پرہیزگار تھے مگر عشا کی نماز کبھی نہ پڑھتے تھے لوگوں نے سبب پوچھا تو یہ فرمایا کہ بچپن میں تو اس سبب سے نہ پڑھی کہ کھانا کھاتے ہی شام سے سو رہتے تھے۔ جوانی میں لہو و لعب مانع رہا۔ اب بڑھاپے میں نئی بات کرتے ہوئے جی ہچکچاتا ہے۔ خیر ہم اپنے قدما کی اس رائے پر اعتراض نہیں کرتے کیونکہ اُس وقت زمانہ کا مقتضا یہی تھا۔ سلطنت مغلیہ پر زوال آچکا تھا۔ ترقی کی راہیں فتنہ و فساد کے سبب چاروں طرف سے مسدود تھیں طبیعتوں پر مایوسی اور افسردگی چھائی ہوئی تھی۔ ایسے وقت میں تنزل کے جس قدر آثار مسلمانوں میں پائے جاتے تھوڑے تھے۔ مگر ہم کو اپنے ہمعصروں کے حال پر بے اختیار رونا آتا ہے جو اس امن و آزادی کے زمانہ میں بھی وضعداری کے حصار سے باہر نہیں نکلتے اور مقتضائے وقت کو نہیں دیکھتے۔ نہ آپ ترقی کرنی چاہتے ہیں۔ نہ اَوروں کی ترقی کو پسند کرتے ہیں۔ جو شخص اپنی پست حالت سے نکلکر اچھی حالت میں آنا چاہتا ہے اُس کو نرا متلون مزاج اور بے استقلال ہی نہیں بتاتے بلکہ اُس پر انواع و اقسام کی رائیں لگاتے ہیں جن میں سب سے ہلکی الحاد کی پیشین گوئی ہے +

شایستہ ملکوں میں آجکل ترقی کی یہ صورت ہے کہ جو شخص پانچ سات برس کہیں پردیس میں رہ آتا ہے وہ اس قابل نہیں رہتا کہ وطن میں پہنچکر اُسی وقت وہاں کی عام مجلسوں میں شریک ہو جائے جتنے دنوں وہ باہر رہتا ہے اتنی مدت میں وہاں اس قدر ترقی ہو جاتی ہے کہ یہ وہاں پہنچکر ایک دوسرا عالم دیکھتا ہے اور اپنے تئیں اس شعر کا مصداق پاتا ہے۔ ؎

عبارت کوتہ و دل تنگ و خاصانِ ملک نیبا چہ داند مرد صحرائی طریقِ کارسازی را

سچ یہ ہے کہ آیۃ کل یوم ھو فی شان کے معنے ایسے ہی ملکوں میں جاکر کھلتے ہیں اور انسان کا اشرف المخلوقات اور خلیفۃ الرحمن ہونا وہیں جاکر ثابت ہوتا ہے نہ کہ ہندوستان میں اور خاصکر ہمارے بھائی مسلمانوں میں جن کی حالت کو دیکھکر خدا تعالیٰ کی قدرت اور اُسکی فیاضی ایک خاص حد تک محدود معلوم ہوتی ہے اور اس آیت کے معنے صرف اعتقاداً تسلیم کرنے پڑتے ہیں کہ "ولقد کرمنا بنی آدم و حملنٰہم فی البر والبحر و رزقنٰہم من الطیبات و فضلنٰہم علیٰ کثیر ممن خلقنا تفضیلاً" بارخدایا ہماری قوم کو تقلید بیجا اور وضعداری بے سروپا سے نجات دے اور اُن کو دینی و دنیوی ترقیات پر آمادہ کر۔ انکا ادب اُن کو قدما سے آگے بڑھنے نہیں دیتا۔ اور انکی وضعداری پستی سے بلندی کیطرف نہیں جانے دیتی کاش یہ ادب اور متلون مزاج بھی بنکر قدم آگے بڑھائیں اور اُس جوہر قابل کی قدر پہچانیں جو تو نے بنی نوع انسان کے تمام اگلے اور پچھلے طبقوں کو یکساں عنایت کیا ہے۔ ؎ سرِ روحانیاں داری ولے خود را نہ میدستی بخوابِ خود درآتا قبلۂ روحانیان بینی

مضمون فارقلیط اللہ

مباحثہ

نئی تہذیب اور پُرانے خیالات کا

ایک دوست ایک اپنے قدیم دوست پاس آئے اور دیکھا کہ وہ قدیم دوست کسی قدر نئی تہذیب میں ہیں کچھ دل میں آزردہ ہوئے اور کہا کہ آجکل ہندوستان میں تہذیب کی کچھ بڑی دھوم دھام ہے کوئی کہتا ہے کہ پتلون پہننا اور چھری کانٹے سے کھانا میز کرسی پر بیٹھنا بہت بڑی تہذیب ہے اور بہت لوگ کہتے ہیں کہ یہ سب باتیں دین اسلام کے برخلاف ہیں اپنے بزرگوں کے دستوروں کو چھوڑنا بہت بُری بات ہے پھر فرمایئے تو کہ آپ کس رنگ میں ہیں +

جواب۔ آپنے اخلاق ناصری اور اخلاق جلالی ضرور ملاحظہ کی ہوگی اُس زمانہ میں علمار اسلام نے حکمائے یونان کے اقوال کو نہایت اچھا سمجھا تھا اور اُن کو اختیار کیا تھا اور جبکہ حکمائے یورپ کے اقوال اُن سے بھی عمدہ ہیں اس لئے اس زمانہ کے مسلمانوں کو لازم ہے کہ یوروپ کے حکمائے اقوال کی عزت کریں +

سوال۔ آپنے تہذیب کے کیا معنے سمجھے ہیں +

جواب۔ وہی جو اخلاق جلالی اور اخلاق ناصری میں لکھے ہیں یعنی سیاست نفس۔ سیاست منزل سیاست مُدن۔ مگر اتنا فرق ہے کہ اُس زمانہ کے لوگوں نے لکھا پر کیا کچھ نہیں یوروپ کی قوموں نے ان تینوں باتوں کو بدرجہ کمال پہنچادیا +

سوال۔ کیا تہذیب انگریزی بوٹ اور کالا کوٹ ہی پہننے میں ہے جس پر لوگ ہنستے ہیں اور بُرا کہتے ہیں +

جواب۔ ہنسنا تو ایک حماقت کی بات ہے مگر سمجھنا چاہئے کہ ہر ایک چیز کی جُدا جُدا تہذیب ہے لباس اور روزمرہ کے دستورات کی تہذیب بمنزلہ الف بے کے ہے اگر یہ شروع نہ ہو تو سبق تہذیب کا آگے چل نہیں سکتا +
مینے جو یہ کہا کہ ہر ایک چیز کی جدا تہذیب ہے اس کی چند تمثیلیں سُنو۔ ہندوستان میں پہلے سب آدمی مٹی کے چراغ میں تیل ڈالکر طاق میں رکھتے تھے جس سے طاق چکنا اور دیوار کالی ہوتی تھی ہزاروں پتنگے اُس میں چمٹکر رہ جاتے تھے اُس میں تہذیب ہوئی اور لکڑی کا دیوٹ بنایا گیا طاق کا چکنا ہونا اور دیوار کا کالا ہونا تو

موقوف ہؤا مگر دیوٹ ایک ایسی بیڈول چیز تھی جس پر سیروں چیکٹ جم جاتا تھا ہزاروں جانور چمٹ چمٹ کر مرجاتے تھے۔ جب اُٹھا کر دوسری جگہ لیجاؤ تو ہاتھ کالا اور چکنا ہوجاتا تھا پھر اُس میں بھی تہذیب ہوئی کہ پیتل کا ڈیوٹ بنایا اور فتیل سوز اُس کا نام رکھا اُس میں بھی وہ سب نقص تو رہے مگر اتنا ہؤا کہ آٹھویں دسویں روز سلیقہ والے گھروں میں بھوبل ڈالکر اور مانجھ کر صاف کر لیتے تھے اب حکماء یورپ نے اُس کی نور زیادہ تہذیب کی۔ لمپ نکالا جس کا تیل سب چھپا ہؤا ہے۔ ایک کل کے ہلانے سے بتی اوپر نیچے چڑھ اُتر آتی ہے پھر روشنی کی چیز میں ترقی کی کراسین کا تیل نکالا جس میں مطلق چکنائی نہیں پھر اُس سے بھی بڑھ کر گاس نکالی کہ وہ صرف ایک ایسی ہوا ہے جو نظر بھی آتی ہے مگر نہایت عمدہ بغیر تیل بتی کے جلتی ہے اور اب ایک اور قسم کی روشنی نکلتی ہے جو ان سب سے بڑھکر ہے پس یہ تمام درجے جو میں نے بتائے چراغ کی تہذیب کے تھے اگر ہمارے ملک کے لوگوں سے کہا جاتا کہ چراغ میں تہذیب کرو تو وہ اپنی نادانی سے ہنستے اور کہتے کہ چراغ میں کیا تہذیب ہوگی تہذیب کی باتیں تو اور ہیں اسی طرح وہ لوگ بھی احمق ہیں جو یہ بات کہتے ہیں کہ لباس۔ نشست برخاست میں۔ کھانے پینے میں کیا تہذیب ہے۔ تہذیب کی باتیں تو اور ہیں ÷

دیکھو ہندوستان میں بیٹھنے کی چیز پیڑھی تھی۔ کرسیاں اور کوچیں اُس کی تہذیب ہیں چمڑے کی جاہلانی تمام ہندوستان میں عمدہ چیز گنی جاتی تھی۔ اب چمڑے کے بکس اور انواع و اقسام کے بوٹ مینٹو اور بیگ اُس کی تہذیب ہے کاٹھ کے صندوق سب استعمال کرتے تھے اُس کی تہذیب خانوں دار الماری ہے جس میں سب علیحدہ علیحدہ احتیاط سے رہتی ہے ÷

ہندوستان میں توڑہ دار بندوق اور اخیر کو پتھر کلا کے شیر بچہ تھے۔ اب دیکھیے کہ اُس کی تہذیب ہوکر کیسی کیسی عمدہ بندوقیں اور عجیب و غریب طمنچے ایجاد ہوئے ہیں آپنے پیندی کی طرف سے بھرنے والی بندوقیں دیکھیں جن کا کارتوس خود آتا جاتا ہے اور چھوٹنے کے بعد خود گر پڑتا ہے اور بغیر رنجک اور پٹاخہ لگائے چل جاتا ہے ÷

آپ ہندوستانی گاڑی اور یکہ و رتھ پر ضرور سوار ہوئے ہیں جس میں بھیجا تک ہل جاتا ہے اُس کی تہذیب بگھی و چرٹ ہے اور اس وقت ریل سب سے اعلےٰ اُن کی تہذیب کا درجہ ہے پس اُن کا مہذب چیزوں کا استعمال تہذیب ہے یا مہذب چیزوں کا ÷

سوال۔ بیشک اُن تہذیب یافتہ چیزوں کا استعمال تہذیب میں داخل ہے اور روز بروز تمام قوموں میں اور مسلمانوں میں اُن کا استعمال ہوتا جاتا ہے مگر بوٹ اور کوٹ پتلون پہننا اور میز کرسی پر چھری کانٹے سے کھانا خاص انگریزوں کا دستور ہے ہم کو اُن کی تقلید کرنی کیا ضرور ہے جناب پیغمبر خدا صلعم نے چھری کانٹے سے میز پر بیٹھکر نہیں کھایا علاوہ اس کے جو لوگ ایسا کرتے ہیں اُن کی نسبت علماء من تشبہ بقوم کی دلیل

سے کفر کا فتوےٰ دیتے ہیں +

جواب ۔ آپ نے تو بہت سی باتیں گڈ مڈ کر دیں مگر سب کا الگ الگ جواب سُنئے +

انگریز اس دلیل سے تو میز کرسی پر کانٹے چھُری سے نہیں کھاتے کہ حضرت عیسیٰؑ یا حواریین نے اس طرح پر کھایا ہے پھر آپ کیوں دُنیاوی برتاؤ کی باتوں میں جناب رسول خدا صلعم کا ذکر لاتے ہیں جو حالت اور طریقہ زندگی اور گذر اوقات اور کھانے پینے کا جناب رسول خدا صلعم کا تھا وہ کسی کا ہے۔ جو کچھ چیزیں آپ کھاتے ہیں اور پہنتے ہیں اور ڈوری سے کھینچے ہوئے پلنگ پر سوتے ہیں اور چار چار جھالر دار تکیہ ادھر اُدھر ہوتے ہیں اور دو دو گل تکیا اُس پر مزید ہیں دن رات پان بازی ہوتی ہے۔ دو گوشتا پلاؤ نوش ہوتا ہے۔ کبھی جناب رسول خدا صلعم نے بھی ایسا کیا ہے پس ایسی باتوں میں آں حضرت صلعم کا نام مبارک لیتے ہوئے ہم کو شرم کرنی چاہئے۔ ہمارا مُنہ اس لائق نہیں ہے۔ یہ سب اُمور دنیوی ہیں عقل و حکمت سے علاقہ رکھتے ہیں دین و مذہب سے اُن کو کچھ تعلق نہیں ہے ہم کب کہتے ہیں کہ تم انگریزوں کی تقلید کرو بلکہ دنیاوی باتوں میں جو عقل کے نزدیک بہتر ہو اُس پر چلو +

آپ اور تمام ہندوستان کے لوگ انگریزوں کا بنایا ہوا کپڑا پہنتے ہیں کیونکہ وہ نہایت عمدہ ہوتا ہے لباس سے دو چیزیں متعلق ہیں۔ ایک کپڑے کی عمدگی جس کا لباس بنایا جاوے دوسرے لباس کی قطع۔ پہلی بات کو تو آپ قبول کرتے ہیں کہ انگریزی کپڑے سے بہتر کپڑا نہیں مگر انگریزی لباس کی جو قطع ہے اُس سے بہتر کوئی قطع بھی نہیں جس طرح کہ خدا تعالےٰ نے انسان کے بدن کو بنایا ہے اُسی طرح انگریزی لباس کی قطع ہے اور یہی سبب ہے کہ انگریزی لباس ہر عضو کے موافق اور بدن میں ٹھیک و چست ہوتا ہے برخلاف ہندوستانی لباس کے کہ ایک اس کی قطع بھی اعضاء بدن کے موافق نہیں ہے پس اس طرح پر لباس کی قطع کرنا بھی ایک صنعت ہے۔ جس طرح کہ ہزاروں آدمی کپڑے کی صنعت کو پسند کرتے ہیں اسی طرح بہت سے آدمی قطع کی صنعت کو بھی پسند کرتے ہیں +

یہاں تک گفتگو ہوئی تھی کہ مجیب صاحب خانہ نے ایک کتاب اُٹھالی اور کھولکر دیکھایا کہ یہ تصویر سلطان عبد المجید خاں مرحوم قیصر روم کی ہے اور یہ تصویر نکلس شہنشاہ روس کی ہے۔ اب بتاؤ کہ ان دونوں کے لباس میں کیا فرق ہے۔ چند صفحہ الٹ کر سلطان عبد العزیز خاں سلطان حال کی تصویر دکھائی۔ یہ تصویر اُس وقت کی تھی جب وہ لندن گئے تھے پھر ایک ورق اُلٹ کر اسمٰعیل پاشا خدیو مصر کی تصویر دکھائی۔ پھر عبد السلام بادشاہ مراکو کی تصویر دکھائی کہ سب انگریزی قطع کا لباس کوٹ پتلون پہنے ہوئے ہیں اور کہا اب تمام مسلمانی ملکوں کے سرداروں اور امیروں نے یہی لباس اختیار کیا ہے۔ یہ سب کافر ہیں۔ نعوذ باللہ +

ایک اور صاحب جو وہاں بیٹھے ہوئے چپکے چپکے باتیں سن رہے تھے بول اُٹھے کہ صاحب جس حالت میں

سلطان روم اور تمام مسلمانان بادشاہ اور اُنکے امراء اور وزراء ایسا لباس پہنتے ہیں جہاں بڑے بڑے علما بھی موجود ہیں اور خود سلطان عادل کا مرتبہ مجتہد سے فائق ہے تو اب اسمیں بحث کرنا[1] محض فضول ہے +

سوال - صاحب یہ سچ مگر کیا کیجئے ہندوستان کے ملا تو من تشبہہ بقوم کا فتوے دیکر کافر بنائے دیتے ہیں +

جواب - جناب یہ ملا نہیں ہیں بلکہ کٹھ ملاں ہیں یہ ترجمہ در مختار کا جس کو مولوی محمد احسن صاحب نے چھاپا ہے موجود ہے حنفی مذہب میں یہ کتاب نہایت معتبر ہے اور اسی پر حنفی مذہب کا مدار ہے اس کی جلد اوّل صفحہ ۲۵۰ میں یہ عبارت لکھی ہے۔ کہ "مشابہ ہونا اہل کتاب سے ہر چیز میں کروہ نہیں مثلاً کھانا اور پینا اور دوسری ضروریات مدنی مسلمانوں اور اہل کتاب کی یکساں ہیں تو مشابہت سے کچھ حرج نہیں بلکہ بُری بات میں مشابہت مکروہ ہے"۔ علاوہ اس کے احادیث شریف میں بھی آیا ہے۔ کہ جناب پیغمبر خدا صلعم نے اور ملکوں کا لباس پہنا ہے یعنی جبۂ شامیہ اور جبہ رومیہ اور کسروانیہ اور قبائے فروج جس کا پیچھے سے دامن چاک تھا زیب تن مبارک فرمایا ہے اور انہی دلیلوں سے علماء روم نے فتوے دیا ہے ہندوستان کے کٹھ ملا اگر تعصب سے اپنی آنکھیں بند کریں تو اس کا کیا علاج ہے بعد اس کے کتاب فتوح المصر اور فتوح الشام کھولی اُس میں لکھا تھا کہ حضرت خالد رضی اللہ عنہ طلائی لباس حاکم بعلبک کا پہنے ہوئے تھے پھر کیمیائے سعادت نکالی اُسکے رکن سوم اصل دھم میں لکھا ہوا تھا کہ جناب سلطان الانبیا صلعم کے واسطے کفار جو کپڑا ہدیہ بھیجتے آپ اُسے بھی پہن لیتے صحابہ کبار بھی جو کپڑا کفار کی لوٹ میں پاتے بے تکلف پہن لیتے +

ایک صاحب حاضرین میں سے بول اُٹھے کہ جب ہندوستان کے بہت لوگ متفق ہو جاوینگے تب قدیم لباس چھوڑا جاوے گا ورنہ قدیم چال چھوڑنی لازم نہیں +

صاحب خانہ نے کہا کہ حضرت ہزار عاقل تو ایک بات پر متفق ہو جاتے ہیں مگر جاہل دو بھی ایک بات پر متفق نہیں ہوتے۔ ہندوستان میں تو ہمات باطلہ بہت ہیں ممکن نہیں کہ ایک مدت پر گو وہ کیسی ہی اچھی ہو چند شخص متفق ہو جاویں ایک زمانہ تھا کہ کھڑکی دار پگڑی اور گھیر دار جامہ اور گھیتلہ جوتے کا رواج تھا پھر نیمہ بھی پہننے لگے اور رنگ برنگ کے چیرے اور لپٹواں بتیاں باندھنے لگے پھر دو پلڑی ٹوپی اور چھ کلیا انگرکھا اور غرارہ دار پاجامہ شروع ہوا کسی کمیٹی نے یہ لباس نہیں شروع کیا تھا۔ کسی ایک شخص نے اُس کو جاری کیا دیکھا دیکھی سب کرنے لگے مگر جو لوگ جامہ اور نیمہ پہننے کے عادی تھے وہ ان لوگوں کو

---

[1] اس مباحثہ کے وقت سید احمد خاں کے کسی دوست کی روح وہاں حاضر تھی وہ بول اُٹھی کہ اسی لئے بہ تقلید مسلمانان سید احمد خاں نے بھی یہ لباس اختیار کیا ہے۔ ۱۲۔ مہتمم +

ہزاروں نام رکھتے تھے اور بُرا بھلا کہتے تھے پھر چند روز کے بعد انہیں جامہ پہننے والوں نے اُس لباس کو پہنا اور اُن کی اولاد نے تو بالکل اُسی کو اختیار کر لیا اب اگر کوئی جامہ پہنکر نکلے تو لڑکے تالیاں بجا کر پیچھے پڑ جاویں۔ میرا لباس دیکھئے کہ اگرچہ ہندوستانی لباس سے کسی قدر فرق ہے مگر انگریزی قطع کا بھی نہیں ہے صرف قدیمی لباس میں کسی قدر ترمیم کی ہے خفتان ایک قدیمی لباس ہے اُس کا طول نصف قد کی برابر رکھتا ہوں کلیاں چوبغلہ بدستور ہندوستانی قطع کا ہے اکثروں میں صدری کا ساز لگا ہوا ہے بعض میں بٹن ہیں اور بعض پلیٹ دار ہیں دونوں طرف سینہ پر اور پشت پر دوانچہ چوڑی پلیٹ ہے یہ خاص ترکوں کا ایجاد ہے اور کمر کی پٹی بھی ترکوں کا دستور ہے اور پاجامہ معمولی وضع کا ہے باریک کپڑہ بسبب نفوذ کرنے سرد و گرم ہوا کے انسان کے لئے مضر ہے اس لئے عف کپڑا کی پوشاک بناتا ہوں جاڑے میں بانات اور کشمیرہ کا لباس پہنتا ہوں +

سوال۔ ہندوستان میں جو لباس مروج ہیں اُس میں کیا بُرائی ہے اور اُس میں تبدیل اور تہذیب کی کیا ضرورت ہے +

جواب۔ آپ کو گاڑی اور رتھ کے بدلے چرٹ اور بگھی رکھنے اور ڈیوٹ اور فتیل سوز کے بدلے لمپ اور فانوس جلانے کی کیا ضرورت ہے صرف اُن کی عمدگی کے سبب سے تبدیل کی گئی ہے پس لباس کے تبدیل کرنے کی بھی یہی ضرورت ہے ڈھیلا لباس آدمی کو چست نہیں رکھتا اور جاڑے میں رضائی یا دوشالہ میں لپٹ کر آدمی آدمی نہیں رہتا بلکہ ایک گٹھری ہو جاتا ہے +

مہمان نے کہا کہ اس میں کچھ شک نہیں کہ اونچا لباس اور چست سب طرح سے اچھا ہوتا ہے۔ سواری شکاری میں بھی فائدہ دیتا ہے مگر یہ تو فرمایئے کہ چھری کانٹے سے کھانے کی کیا ضرورت ہے بلکہ خلاف سنت ہے اور ہاتھ سے کھانا سُنت ہے +

جواب۔ ہاتھ سے کھانا سنت موکدہ نہیں ہے جس کے ترک میں گناہ ہو آپ ہزاروں کام سنت موکدہ کے خلاف کرتے ہیں اور کچھ خیال بھی نہیں کرتے مگر ہاتھ سے کھانے کی سنت آپ کو یاد ہے جناب پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے ہاں چالیس چالیس روز تک چھوارہ اور پانی کے سوا اور کچھ نہ ہوتا تھا۔ جَو کی بغیر چھنے آٹے کی روٹی اکثر نوش فرماتے تھے مگر آپ روزمرہ قورمہ اور پلاؤ اور تنجن بریانی مزعفر فیرینی وغیرہ مرغن سے مرغن کھانے نوش فرماتے تھے ہیں کبھی مسنون کھانا کھانے کا خیال نہیں آتا مگر کھانیکے مسنون طریقہ پر بحث ہوتی ہے اور وہی ٹھیک مثل آپ پر صادق آتی ہے جو حامی اسلام سید احمد خاں نے کہی ہے کہ کھانے فرعونی اور طریقہ مسنونی ایک طرف درس انگریزی اور ایک طرف

دس مسلمان اور ایک طرف دس ہندو کھانا کھانے کو بٹھا دو کہ اپنے اپنے طریق پر کھاویں اور تمہارے دل میں جو باتیں سمائی ہوئی ہیں اُن کو تھوڑی دیر کے واسطے علیحدہ طاق میں رکھدو اور مورخوں کی آنکھ سے بلا تعصب دیکھو کہ تینوں قوموں میں سے کس کے طریقہ میں نفاست اور صفائی ہے میرے تین دوست ایک انگریز کے یہاں مہمان ہوئے ایک اُن میں سے سر گھٹے ہوئے مولوی صاحب بھی تھے انگریز اپنی میز کرسی پر اور یہ تینوں اُسکے سامنے فرش پر بیٹھے اور کھانا کھانا شروع کیا مولوی صاحب کے ہاتھوں پر شوربا بہنے لگا اور وہ بار بار چاٹنے لگے یہ دیکھکر وہ انگریز پہلے تو ہنسا آخر اُس کو اس قدر گھن آئی کہ کھانا چھوڑ کر کمرہ سے باہر نکل گیا جیسا آپ ہندوؤں کو ننگے بدن چوکے میں بیٹھا دیکھکر اُن کی طرز خورش پر حقارت سے ہنستے ہیں ایسا ہی انگریز ہم لوگوں کے کھانے کے طریقہ کو حقارت کی نظر سے دیکھتے اور اُس پر ہنستے ہیں اور کھانے والوں کو گنوار کہتے ہیں +

مہمان نے کہا یہ تو آپنے سچ فرمایا کیونکہ جب کئی مسلمان باہم کھانا کھانے بیٹھتے ہیں۔ تو اُن میں سے بعضے ایسے غلیچے پن سے کھاتے ہیں جس کو دیکھکر نفرت آتی ہے۔ انگلیاں شوربہ سے بھرتی جاتی ہیں اور وہ چاٹتے جاتے ہیں پلاؤ میں شوربہ ہاتھ سے ملاتے ہیں اور اُسی لتھڑے ہوئے ہاتھ سے اُس کو کھاتے ہیں چاروں انگلیوں سے فرنی کے سڑپے بھرتے ہیں جی تو چاہتا ہے کہ میں بھی چھری کانٹے سے کھایا کروں مگر لوگوں کے بُرا کہنے سے ڈر لگتا ہے +

جواب۔ یہ آپ کا خیالی ڈر ہے لوگوں کا یہ دستور ہے کہ پہلے تو ایک شخص پر ہنسا کرتے ہیں اور پھر آپ بھی ویسے ہی ہو جاتے ہیں +

سوال۔ انگریزوں کے ساتھ کھانا کھانا کیسا ہے +

جواب۔ انگریزوں کے ساتھ کھانا خدا اور رسول کے حکم سے جائز ہے قرآن شریف میں صاف حکم موجود ہے طعام الذین اوتوا الکتاب حل لکم اور خود جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالٰے عنہ نے مسماۃ زینب یہودیہ کی دعوت کھائی جس نے گوشت میں زہر ملایا تھا چنانچہ اُس زہر کے اثر نے بہت سی تکلیف جناب رسالت مآب کو دی اور بھی یہودیوں نے دعوت کی ہے اور آنحضرت صلعم نے قبول فرمائی ہے اور جب کبھی جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اور اپنے عہد خلافت میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ اہل کتاب یعنی یہود یا نصاریٰ سے صلح کرتے تو شرایط صلح میں یہ شرط بھی اُن سے قبول کراتے کہ جو کوئی مسلمان اُن کے یہاں جاوے اُس کی مہمانی اور دعوت کیا کریں حضرت ابو بکر صدیق کے عہد خلافت میں جب حاطب بطور ایلچی کے مقوقس بادشاہ مصر کے پاس گئے جو نصرانی تھا اور دسترخوان بچھایا گیا اور اُس پر سونے چاندی کے برتنوں میں کھانا چنا گیا اور سب کھانے پر بیٹھے تو حضرت حاطب سے

کہا گیا کہ تم بھی کھانے میں شریک ہو اُنہوں نے انکار کیا تب بادشاہ نے مسکرا کر کہا کہ میں جانتا ہوں جو تم پر حلال ہے اس لئے سوائے گوشت پرندوں کے کوئی اور چیز حرام ہم تم کو نہ کھلاوینگے حاطب نے جواب دیا کہ میں سونے چاندی کے برتنوں میں نہیں کھاتا اللہ تعالےٰ نے اُن کا وعدہ ہم سے جنت میں کیا ہے پس بدل دیا اُنہوں نے کھانا مٹی کے برتنوں میں اور حضرت حاطب نے کھایا اور ہمیشہ سے ہمارے سلطان روم اور خدیو مصر اور شاہ ایران اور اُنکے امرا اور رعایا ہر کوئی اہل کتاب یعنی انہیں انگریزوں اور یہودیوں کے ساتھ کھاتے ہیں اور کچھ پرہیز نہیں کرتے +

سوال - اہل کتاب اس زمانہ میں سورہ کا گوشت کھاتے ہیں اور شراب پیتے ہیں تو پھر کیونکر ہم اُن کے ساتھ کھا سکتے ہیں +

جواب - یہ کوئی بات نہیں ہے اہل کتاب اُن چیزوں کا استعمال پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی کرتے تھے اور اُن کے استعمال کی وجہ سے اُن کے ساتھ حلال چیزوں کا کھانا جائز نہ ہوتا تو قرآن شریف میں اُن کے کھانے کی حلت کا حکم نازل نہ ہوتا اور جناب رسالت مآب کبھی کسی یہودی یا نصرانی کی دعوت قبول نہ فرماتے اب ہندوستان میں بھی جاٹ وغیرہ بعض ہندو قومیں سور کھاتی ہیں اور کائستھ کثرت سے شراب پیتے ہیں اور ہندو گائے کا پیشاب بھی پاک سمجھ کر پی لیتے ہیں اور ہم دیکھتے ہیں کہ کوئی مسلمان اُنکے گھر کا اور اُنکے ہاتھ کا پکا ہوا کھانا کھانے میں کچھ بھی کراہت نہیں کرتا +

سوال - میں نے سُنا ہے کہ جوتا پہنے نماز پڑھنا گناہ ہے اور آپ بوٹ پہنے بیٹھے ہیں کیا اسی طرح آپ نماز بھی پڑھ لیتے ہیں - آپنے کس سے سُنا ہے کہ جوتا پہنے نماز پڑھنا منع اور گناہ ہے - لوگوں کی زبانی سُنا ہے +

جواب - آپنے رواجی مسلمانوں کی زبانی سُنا ہوگا جو احکام دین پر رسم کو رواج کو مقدم سمجھتے ہیں درمختار میں صاف لکھا ہے مسجد میں جانے والے کو چاہیئے کہ اپنے جوتہ کو دیکھ بھال لے کہ کہیں نجاست سے آلودہ تو نہیں ہے اور جوتہ اور موزہ پہنکر نماز پڑھنا بشرطیکہ وہ طاہر ہوں افضل ہے اور وجہ فضیلت کی یہ ہے کہ طبرانی نے ایک حدیث اس مضمون کی روایت کی ہے کہ جوتوں کو پہنکر نماز پڑھو اور یہود کی مشابہت مت کرو ہاں شامی نے البتہ لکھا ہے کہ جوتا پہنکر مسجد میں جانا اس زمانہ کے عرف میں داخل بے ادبی ہے اور مسجد کے فرش کی آلودگی کا خوف ہے - مگر یہ فرمایئے کہ جناب پیغمبر خدا صلعم کا حکم واجب التعمیل ہے یا شامی و عراقی کا - شامی درمختار کا شارح ہے اگر اُس نے اپنی رائے یا زمانہ کا دستور لکھدیا تو وہ اصل شریعت کا حکم نہیں ہو سکتا اس دستور کے قایم ہونیکی وجہ یہ ہے کہ جناب پیغمبر صاحب کے زمانہ میں عرب میں فرش بچھانے کا دستور نہ تھا مگر جب مسلمان

عرب سے باہر نکلے اور شام اور مصر اور ایران فتح کیا تو اپنی پرانی طرز معیشت کو چھوڑ کر اچھے لباس پہننے اور عمدہ فرش مکانوں میں بچھانے لگے اُس فرش کو صاف رکھنے کے لحاظ سے پیادہ پھرنے کے بعد جوتا اُتار کر فرش پر آنے اور بیٹھنے کا دستور ہو گیا وہی دستور مسجد میں بھی جاری ہو گیا مگر خلفائے بنی اُمیہ کے ہاں اس کا رواج نہیں ہوا انکے روبرو جوتا یا موزہ اُتار کر جانا بے ادبی میں داخل تھا مجھ کو آپ دیکھتے ہیں کہ اس کمرہ میں فرش ہے اور قالین بھی بچھا ہے جس پر میں بوٹ پہنے بیٹھا ہوں جب نماز کا وقت آتا ہے تو اسی طرح بوٹ پہنے ہوئے نماز پڑھ لیتا ہوں +

مہمان نے کہا اب مجھکو یقین ہوا کہ جو کچھ عرف عام میں مشہور ہے محض غلط ہے اور وجہ اس غلطی کی یہی ہے کہ لوگ علم دین سے ناواقف ہیں تو ہمات میں پھنسے ہوئے ہیں مگر اب اکثر کتابیں اردو میں ہوتی جاتی ہیں تو مولوی صاحب کی بھی ضرورت گھٹتی جاتی ہے اب تو میں بھی ایسا ہی کرونگا کہ مکان پر جوتا پہنے نماز پڑھا کرونگا لیکن مسجد میں رعایت علم کی وجہ سے جوتا اوتار دیا کروں گا تاکہ جاہل تکرار نہ کریں میں نے کہا کہ بعض ناخواند جاہل اس قدر متعصب نہیں ہوتے جس قدر کہ لکھے پڑھے جاہل متعصب ہوتے ہیں +

سوال - یہ تو فرمایئے کہ انگریز مہذب اور ہندوستانی نامہذب کیوں کہلاتے ہیں +

جواب - اس بات کی تحقیق نہایت آسان ہے ایک ایسے انگریز اور ہندوستانی کے گھر میں جاکر دیکھو جو یکساں عہدہ رکھتے ہوں یا برابر تنخواہ پاتے ہوں تو تم انگریز کے بنگلہ میں دیکھو گے کہ بنگلہ کے تمام اطراف نہایت صاف ہیں احاطہ کے دروازہ سے برانڈہ تک عمدہ سڑک بنی ہوئی ہے ایک چھوٹا سا چمن لگا ہوا اور خوش نما روشیں اور پٹریاں ہیں بنگلہ کے اندر ہر کمرہ میں نہایت صاف اور اچھا فرش بچھا ہے۔ جس غرض کے لیئے جو کمرہ ہے اُس میں اُسی قسم کا ساز و سامان مہیا ہے میزیں اور کرسیاں اور الماریاں اور شیشہ آلات سب اپنے اپنے موقع سے سجی ہیں بچہ اور ان کی آیا نہایت صاف اور اُجلا لباس پہنے ہیں کھانے کے وقت کھانے کی میز نہایت خوشنمائی اور صفائی سے آراستہ ہوگی جو دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے خانساماں۔ خدمتگار۔ کوچوان یہاں تک کہ سائیس اور خاکروب تک لباس اور وردی سے ٹھیک اور درست ہونگے ہتیار اور سواری غرضکہ ہر ایک چیز نہایت نفیس اور صاف ہوگی اور ہندوستانی کے یہاں ہر چیز برعکس اسکے خراب اور میلی اور ابتر پاؤ گے جس کی تفصیل کرنا مناسب نہیں +

سوال - یہ تو آپنے صحیح فرمایا انگریز نہایت صفائی سے عمدہ طرز پر رہتے ہیں گویا دنیا کی زندگی کا لطف اُنہیں کو حاصل ہے مگر یہ تو فرمایئے کہ ہندوستانی انگریزوں کو دیکھتے ہیں پھر کیوں نہیں صفائی سے زندگی بسر کرتے +

جواب - خدا تعالےٰ نے انسان میں ایک قسم کی خود بینی پیدا کی ہے جس کے سبب سے ہر ایک شخص اپنی

ہر ایک بات کو گو وہ کیسی ہی بُری کیوں نہ ہو پسند کرتا ہے اور دوسروں کی باتوں کو گو وہ کیسی ہی اچھی کیوں نہ ہوں۔
اچھی نہیں جانتا دیکھو حبشی اپنے کالے رنگ موٹے ہونٹ بھیڑ کے سے بالوں کو عمدہ اور خوبصورت سمجھتا ہے
میں آپ کو ایک مثال سے اسی بات کو سمجھاتا ہوں آپ قوم ڈھیر کے لوگوں کے پاس جائیے جو بالکل غیر مہذب بلکہ
وحشی ہیں اور اُن کو سمجھائیے کہ تم پھوس کے نہایت خراب جھونپڑوں میں رہتے ہو ایک لنگوٹی باندھے ہو اسباب
خانہ داری تمہارا نہایت خراب ہے زمین پر پھسکڑا مار کر بیٹھے ہو اس سبب سے تمہارا بدن میلا ہے تم کو چاہیئے اچھا
مکان بناؤ اچھے کپڑے پہنو اپنی اولاد کو علم پڑھاؤ پاک صاف رہو تو وہ لوگ آپ کی اِن باتوں کی ہنسی اڑا دینگے
اور سمجھینگے کہ آپ کو جنون ہو گیا ہے اور یہ جواب دینگے کہ ہماری موجودہ حالت بزرگوں سے ایسی ہی چلی آتی
ہے یہی بہت اچھی ہے اگر آپ اُن کی طرز معیشت اور دستوروں کی کچھ برائیاں بیان کرینگے تو آپ کو دھکے اور
گالیاں دیکر نکال دینگے کچھ بھی نہیں سنیں گے۔ مگر اُنہیں میں سے ایک نوجوان ڈھیر کو پولیس میں کانسٹبل مقرر کر دو
اور اُس کو اُردو لکھنا پڑھنا حسب دستور پولیس کے سکھاؤ تو اُس کو وردی کے پہنے رہنے سے چند روز میں ننگے
پھرنے کی عادت چھوٹ جاویگی اور کچھ ضابطہ فوجداری بھی یاد کر لیگا اسکے بعد وہ ہیڈ ہو جاوے یہانتک کہ
انسپکٹری کے عہدہ پر ترقی پاوے اور کچھ انگریزی پڑھے تب اُس سے آپ دریافت کریں کہ جب ہم تمہارے گھر
تم کو سمجھانے گئے تھے تو تم اور تمہارے بھائی برادر اپنی موجودہ حالت کو اچھا بتاتے تھے اور اب تم عمدہ
لباس پہنے ہو عمدہ اسباب رکھتے ہو عمدہ مکان میں رہتے ہو اور اب کہو کیا کہتے ہو تو آپ یقین فرماویں کہ وہ
ضرور کہیگا کہ مجھکو اُس وقت عقل اور تمیز نہ تھی میرے اہل برادری سب احمق اور جاہل ہیں وہ حالت کسی طرح
اچھی نہیں ہو سکتی عمدہ حالت یہی ہے جو اب میری ہے اب میرا ارادہ ہے کہ مال کا قانون یاد کرکے تحصیلداری
کا امتحان دوں صاحب کلکٹر میری کارگذاری سے نہایت خوش ہیں فوراً تحصیلدار کر دینگے۔ اور اُمید قوی
ہے۔ کہ پھر چند روز میں ڈپٹی کلکٹر ہو جاؤں گا +

مہمان نے کہا کہ فی الواقع یہ مثال تو آپنے بہت ہی ٹھیک بیان کی بیشک یہ جہالت اور نادانی کا سبب ہے
جو ہم اچھی باتوں کے حاصل کرنے سے انکار کرتے ہیں اور اپنی موجودہ خراب حالت کو اچھا جانتے ہیں +

میں نے کہا کہ تمام مسلمان ترک روم اور شام اور مصر اور ٹونس وغیرہ کے مدت سے بیدار ہو چکے ہیں اور ملکوں
کے مسلمان بھی بیدار ہوتے جاتے ہیں مگر ہندوستان کے مسلمانوں کا حال کمال افسوس کے قابل ہے کہ خواب غفلت
میں پکی نیند میں پاؤں پھیلائے سوتے ہیں گو کہ تہذیب الاخلاق اُن کو جگاتا ہے مگر جیسے سوتا ہوا غافل آدمی
جگانیوالے سے ناراض ہو کر لاتیں مارتا ہے برا کہتا ہے اُنکے بھی جو کچھ مُنہ میں آتا ہے بکتے ہیں مگر آنکھیں نہیں کھولتے
ہاں جن لوگوں کی نیند بہت غفلت کی نہیں تھی وہ بیدار ہو کر کوشش کرنے لگے ہیں اور اَوروں کو جگاتے ہیں +

مضمون مولوی محمد ذکاءاللہ صاحب

ریویو

منشی محمد ذکاءاللہ صاحب کا لکھا ہوا

کیا مبارک دن عید کا یکم شوال ۱۳۰۰ سنہ نبوی اور ۱۲۸۷ سنہ ہجری تھا کہ ایک دانشمند باغبان نے اپنے دست مبارک سے ہماری قوم کے لئے اس سرزمین ہند میں تہذیب الاخلاق کا وہ بیج بویا کہ پہلے کبھی نہ بویا گیا تھا اور اُس کی آبیاری ایسی جانفشانی سے کی کہ وہ جلدی سے زمین میں سے پھوٹا اور سبز کونپلیں اور ہرے پتے جھٹ پٹ نکل آئے۔ اِدھر شگوفے کھلکر گل ہوئے اُدھر ہزاروں بلبلوں کے جمگھٹ اُس پر جمع ہوئے۔ اور اُنہوں نے اپنے شیریں نغموں کا ایسا شور اور غلغلہ مچایا کہ وہ لوگ جو خواب غفلت میں ایسے پڑے سوتے تھے کہ خواب بھی نہیں دیکھتے تھے جاگ اُٹھے اور اس نغمہ سرودسرائی کے سُننے میں ایسے دل و جان سے مصروف ہوئے کہ پھر اُن کو خواب غفلت نہ آیا۔ ادھر کانوں کے لطف کا یہ سامان ہو رہا ہی تھا کہ اُدھر زبان کی چکھوتیوں کے لئے اُس درخت کے نورس پھل بھی آموجود ہوئے ان پھلوں میں وہ مزہ تھا کہ جن کی زبان کا ذائقہ برسوں سے بگڑا ہوا تھا اُن کو بھی ایسی لذت آتی تھی کہ کبھی اُن کا جی نہ بھرتا تھا یہ سب کچھ تھا مگر جس سرزمین میں یہ درخت لگا تھا وہ پتھریلی تھی اور وہاں صرصر اور طوفان باد بھی اکثر آیا کرتے تھے۔ اس لئے درخت کے سرسبز اور شاداب رکھنے میں باغبان کو مشقت شاقہ اُٹھانی پڑتی تھی ہر وقت تردد اور تفکر رہتا تھا کہ کسی طوفان کے جھٹکے میں میرا یہ پلا پلایا نونہال نہ آجاوے آخر کار اپنی تجربہ کار و پیرانہ سالی و دوراندیشی سے باغبان کو یہ خیال آیا کہ میں کبتک اس پتھریلی زمین میں اپنے درخت کو تر و تازہ اور سیراب رکھوں گا اور طوفان باد سے بچانے کے لئے جیوں گا۔ بہتر ہے کہ میں خود ہی اس درخت کو جڑ سے اُکھیڑوں اور اُس کو سکھاؤں اور اُسکی نایاب لکڑی کو اپنی قوم میں تقسیم کردوں اور وہ کاریگری اور صناعی بتلادوں کہ جس سے نہایت کام کی خوبصورت چیزیں تراش تراش کر بنائیں اور اُس سے فائدہ اور حظ اُٹھائیں سوائے اسکے درخت کے بیج بھی ایسے پھیل گئے ہیں کہ اور باغبان اُن کو لگاکر اپنی قوم کو اُس سے متمتع کرینگے غرض اُس نے یہ سوچ کر کہ اگر میں نہ رہا تو کون اس لکڑی کی سڈول چیزیں بنانی سکھائیگا اُسکے کاٹنے کا

قصد کیا تاکہ جو درخت سے پورے فائدے حاصل ہوتے ہیں وہ سب اُس کی قوم کو حاصل ہوں۔ غرض کہ خدا تعالےٰ وہ دن کرے کہ یہ باغبان اپنے منصوبوں کا ثمرہ دیکھے اور اپنے درخت کی لکڑی کی سڈول ترشی ہوئی چیزوں سے اپنی قوم کو آراستہ پاوے جس وقت کہ یہ نرالا بیج یہاں بویا گیا تھا تو کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ اس کا کیا رنگ ہوگا اور وہ کیسے پھل پھول لاویگا اور کیسے شگوفے کھلاویگا۔ مگر اب تو وہ ماشاء اللہ سات برس کا ہرا بھرا پھولا پھلا درخت کھڑا ہے اہل نظر اُسکے برگ و بار کی کیفیت بتلا سکتے ہیں اور کہہ سکتے ہیں کہ اُس سے کیا کیا ثمرے پیدا ہوئے اور اُنہوں نے کن کن شیریں زبانوں کے کام و دہان کو شکر سے پُر کیا۔ اور کن تلخ کاموں کو وہ حنظل سے زیادہ کڑوی معلوم ہوئی۔ اُسکے رگ و ریشہ کس کس طور سے لوگوں کے دلوں میں پھیلکر مضبوط جڑ پکڑ گئے اور اُسکی ڈالیاں کہاں کہاں پھیلیں۔ ان سب باتوں کے دیکھنے کی مجھے فرصت نہیں ہے مگر میں تو فقط یہ دیکھتا ہوں کہ اُسکے سایہ تلے اُردو زبان کے علم انشا نے کیونکر نشو و نما پایا۔ اور خیالات لوگوں کے کیونکر اُسکے پھلوں کے کھانے سے پرورده ہوئے۔ اگرچہ یہ دو باتیں مختلف رنگ کی معلوم ہوتی ہیں۔ مگر حقیقت میں وہ ہم رنگ ہیں اس لئے کہ خیالات میں اور الفاظ میں ایک قدرتی پیوند ہے کہ وہ جدا نہیں ہو سکتا۔ خیالات ہی الفاظ کو زبان سے نکالتے ہیں اور الفاظ ہی خیالات پیدا کرتے ہیں وہ ایک ہی چیز ہے۔ کبھی دماغ میں ہوتی ہے کبھی زبان میں۔ وہ زبان سے نکلتی ہے دماغ میں جاتی ہے اور دماغ سے نکلتی ہے زبان پر آتی ہے۔ خلاصہ اس اوپر کی تقریر کا یہ ہے کہ ہر قوم کا علم ادب اور انشا اُس قوم کے خیالات اور اخلاق کا آئینہ ہوتا ہے۔ جب کوئی قوم پستی کے گڑھے میں گرتی ہے اور عیش و عشرت اور کاہلی اور سستی کے نشہ میں مست ہوتی ہے تو اُسکے سارے علم ادب میں بُری باتیں رچ جاتی ہیں۔ چنانچہ جب سے ہندوستان میں اہل اسلام کا تنزل شروع ہوا ہے تو اُن کی زبان کے سارے علم ادب کی کتابوں میں سوائے عاشقانہ غزلوں۔ واسوختوں۔ مدحیہ قصیدوں۔ ہجو کے قطعوں۔ بے سود قصہ و کہانیوں کی مثنویوں کے کچھ اور نہیں۔ ساری ہمت شاعرانہ اور جودت اور ذہانت طبع انہیں مضامین میں صرف ہوتی ہے رات دن انہیں ہیں تلاش مضمون رہتی ہے۔ شاید کوئی کتاب ہزلی اور رفث سے خالی ہوگی جس میں عورتوں کے طعنے مہنے اور لونڈوں کی گالم گلوچ نہ ہوگی جن کمبخت خانہ خراب نوجوانوں کو ان مضامین میں لطف آجاتا ہے وہ نو مجنون بن کر قیس و فرہاد کو بھی عشقبازی میں مات کرنا چاہتے ہیں۔ سوائے اسکے اخلاق کے بد ہو جانے کے سبب سے جن الفاظ کا مفہوم نیک بھی ہوتا ہے اُسکے لئے بھی معنی تازه وہ گھڑ لئے جاتے ہیں کہ جن سے اُن کا مفہوم بھی بد ہو جاتا ہے۔ ہزاروں الفاظ جن کے معنے ستھرے اور پاک تھے اس اخیر زمانہ میں غلیظ اور ناپاک معنی میں مستعمل ہونے لگے۔ مثالیں سینکڑوں ہیں چند اُن میں سے لکھی جاتی ہیں +

حضرت شیطان کو کہتے ہیں۔ ولی اللہ اور معصوم بیوقوف اور سادہ لوح کہلاتے ہیں مہتر بھنگی کا نام ہے خلیفہ حجام اور درزی کا لقب ہے۔ پاکباز۔ سبزی چھاننے کی صافی کہلاتی ہے۔ مولوی پڑھے ہوئے جن کہلاتے ہیں۔ تہذیب الاخلاق کا نام تخریب الاخلاق رکھا گیا ہے۔ اب اسکے دو سبب ہو سکتے ہیں کہ یا تو نکوکاری سے ایسی نفرت لوگوں کو ہو گئی ہے۔ کہ وہ الفاظ کے معنے متبرک اور مقدس کو بھی نہیں دیکھ سکتے۔ یا ریاکاری اور مکاری اُن میں ایسی بڑھ گئی ہے۔ کہ جو حضرت بنتے ہیں۔ وہ شیطان ہی ہوتے ہیں۔ جو ولی اللہ اور معصوم ہونے کا دعوے کرتے ہیں وہ احمق ہی ہوتے ہیں۔ غرض اخلاق اور علم ادب کی ترقی اور تنزل ساتھ ساتھ ہوتی چلی آئی ہے۔ جو لوگ رموز زبان سے آشنا ہیں وہ ان باتوں کو خوب سمجھتے ہیں اب ہم بالتفصیل لکھتے ہیں کہ اس تہذیب الاخلاق نے ان دونوں باتوں میں کیا کیا اپنے اثر دکھائے اور اُن کے کیا کیا ثمرے اور نتیجے عمل میں آئے ؛

اوّل۔ جو بڑا اُس نے کام کیا اور حقیقت میں وہ بڑا ہی کام ہے۔ وہ یہ ہے کہ مغربی خیالات کو مشرقی زبان میں اس خوبی سے بیان کیا ہے کہ اُن کی حسانت اصل سے بھی زیادہ ہو گئی ہے۔ بعض فاضلوں کی یہ رائے ہے کہ اُردو زبان میں یہ قابلیت ہی نہیں کہ مغربی خیالات اُس میں سمائیں اب اس پرچہ نے خود اس کام کو کر کے دکھلا دیا کہ مغربی خیالات خواہ کسی قسم کے ہوں وہ سب اُردو زبان میں ادا ہو سکتے ہیں بشرطیکہ کوئی ادا کرنیوالا لایق اور قابل ہو سید احمد خاں صاحب میں ایک استعداد اور ملکہ خداداد ایسا ہے کہ وہ ان مغربی خیالات کو اپنی زبان میں اس خوبی اور بے تکلفی سے ادا کرتے ہیں اور اپنی جودت طبع اور عالی دماغی سے کوئی اصلاح یا کوئی بات ایسی زیادہ کر دیتے ہیں کہ وہ مضمون مغربی زبان سے زیادہ تر شگفتہ اور متین ہو جاتا ہے۔ مشرقی خیالات پہلے اپنے زمانہ میں بڑی قدر و منزلت رکھتے تھے مگر آجکل وہ ذلیل اور ارزل سمجھے جاتے ہیں اور اجیرن معلوم ہوتے ہیں۔ جو اُن میں مشغلہ رکھتے ہیں وہ اپنی حماقت کو بڑھاتے اور عقل کو گھٹاتے ہیں۔ اس لئے اس ملک میں بڑی ضرورت اس امر کی تھی کہ کوئی ذخیرہ مغربی خیالات کا ایسا جمع ہو کہ اُس سے سرمایہ دانش حاصل ہو سو اس پرچہ کی بدولت سات جلدیں جن کے قریب دو ہزار صفحہ ہونگے نہایت عمدہ کاغذ پر نفیس ٹیپ کے چھاپ کی موجود ہیں اور ان میں بہت سے مضمون خیالات مغربی سے بھرے ہوئے ہیں اُن کے سبب سے ہندوستانی اخباروں کی اور خانگی خط و کتابت کی اور نو تصنیف کتابوں کی طرز تحریر میں بڑا فرق ہو گیا ہے۔ اتبک بندی سے لوگ ہاتھ اُٹھاتے جاتے ہیں اور بھاری بھاری لفظوں اور موٹے موٹے کلموں سے مضامین کی گردن نہیں توڑتے بیہودہ استعارات اور تشبیہات کی چھری سے اُردو کا خون نہیں کرتے۔ شرکت الفاظ بے حشمت معنی نہیں دکھاتے۔ پہلے جواہر کے عادی تھے کہ الفاظ کے پھولوں کو اُنہوں نے گوندھا گانٹھا۔ کبھی اُس کا سہرا

بنالیا کبھی ہار کبھی بدھی غرض وہی معمولی دس پانچ چیزیں بنائیں۔ کچھ ویران کو دیکھکر دل خوش کر لیا اور کچھ خوشبو سونگھ کر دماغ کو معطر کر لیا پھر تھوڑی دیر کے بعد دیکھا تو سوا اُس سڑی ہوئی بُو کے کچھ نہ تھا۔ غرض کہ لوگوں نے الفاظ کی لال مینا اُڑانی چھوڑ دی ہے اور مضمون نگاری پر توجہ کی ہے اور سیدھی سادی سلیس عبارت عام پسند اختیار کی ہے۔ کوئی دن ایسا نہیں جاتا۔ کہ ہم کوئی اخبار یا خط یا کوئی کتاب ایسی دیکھتے ہوں کہ اس پرچہ کی تحریر کا پرتو نظر نہ آتا ہو۔ بعض بر ملا اقرار کرتے ہیں کہ ہم سید احمد خانی تحریروں سے مستفیض اور مستفید ہوئے جو ایسے مضمون لکھتے ہیں بعض ہٹ دھرمی کرتے ہیں۔ اگر کوئی میری تحریر میں کوئی خوبی تبلائے تو اُسے بھی کہدوں کہ میں نے وہ انہیں سے حاصل کی ہے۔ ایک گروہ ان تحریروں کا مخالف ہے۔ مگر قاعدہ ہے کہ جس وقت کوئی سچی اور سیدھی راہ پر رہنمائی کرتا ہے تو گمراہ اس کے مخالف ہوتے ہیں۔ مگر آخر کار خود بھی اُسی پر چلنے لگتے ہیں۔ ہم کو یقین واثق ہو گیا ہے۔ کہ سب آخر کو اس پرچہ کی طرز تحریر کو اختیار کر لیں گے ۔

دوسرا فائدہ۔ پہلے اس پرچہ کے نکلنے سے کوئی یہ بھی جانتا تھا کہ قوم کا مفہوم کیا ہے۔ اور وہ کیا ہوا کرتی ہے۔ قومی ہمدردی۔ قومی عزت۔ قومی محبت و مودت۔ قومی بھلائی۔ قومی خوشی۔ نہ یہ الفاظ خود اور نہ اُن کے مترادف اُردو زبان میں موجود تھے کہ جن سے معلوم ہوتا کہ یہ بھی کوئی چیزیں یہاں کے انسانوں میں ہوتی ہیں۔ اس پرچہ کا کوئی نمبر کیا شاید کوئی مضمون خالی ان عمدہ باتوں سے نہیں۔ اُن مضامین کے ادا کا سیدھا اور صاف طریقہ اختیار کیا گیا اور اُس پر تاثیر زبان میں بلاغت اور فصاحت کے ساتھ ادا کیا گیا کہ وہ لوگوں کی خاطر نشان اور دل نشین ہو گئی۔ سیکڑوں دل اس قومی جوش سے بھر گئے اخباروں کے اخبار قومی مضامین سے پُر ہو گئے۔ خانگی خط و کتابت میں سلسلہ وار تحریں انہیں مضامین کی ہونے لگیں۔ کہیں شریف اور بھلے مانس دس پانچ جمع نہ ہوتے ہونگے کہ وہاں اس قومی ہمدردی کا ذکر نہ کرتے ہونگے۔ کوئی ٹرین ایسی نہ ہو گی جو اس ذکر سے خالی جاتی ہو گی۔ اس پرچہ کے فقرے بہت سی ضرب المثلیں آج کے زمانہ میں بن گئیں۔ ہر کس و ناکس کے منہ پر وہ چڑھ گئیں۔ اور وہ قومی مقولے بن گئے جن کی حکومت لوگوں کے دلوں پر بادشاہوں کے فرمان سے زیادہ ہے۔ جس انجمن کی تحریر و تقریر کو سنئے وہ گویا تہذیب الاخلاق ہی کی نقل معلوم ہوتی ہے۔ جس شخص نے کوئی کار خیر کسی مجمع میں کرنا چاہا اُس نے قومی مضمون کو چھیڑ دیا اور اُس کام کا سرانجام بخیر ہو گیا۔ آجکل اُسکے الفاظ اور فقروں نے وہ کام کیا ہے کہ بڑے بڑے آدمیوں سے ہونا مشکل تھا۔ جہاں جہاں ترکوں کے یتیموں اور بیواؤں اور زخمیوں کے لئے انجمن چندہ مرتب ہوئیں اور صاحب حل اور منصف تقریر کرنے

کے لئے کھڑا ہوا اُدھر اُس نے اس پرچہ کے دو چار فقرے لفظاً یا معناً بیان کئے اُدھر ہزاروں روپیہ کے توڑے بھرنے شروع ہوئے اور لاکھوں آنسو ٹپکنے لگے۔ جس وقت ہم اُس پر غور کرتے ہیں تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس پرچہ نے فقط بیس کے آدمیوں کو فائدہ نہیں پہنچایا بلکہ بنی نوع انسان کو فائدہ پہنچایا ہزاروں زخموں پر مرہم رکھا سینکڑوں اندھوں کی آنکھوں کو روشنی پہنچائی۔ بہت سے بے دست پاؤں کو بادست وپا کیا۔ مریضوں کو دوا کی۔ بھوکوں کو غذا دی۔ ننگوں کو پوشاک پہنائی۔ درماندوں کو آسایش وآرام دیا عورتوں کی عصمت وعزت کا محافظ بنا یتیموں کا مربی ہوا اور کیا کیا لکھوں کہ اُس نے کیا کیا انصاف کسی میں ہو تو دیکھے آجکل جو مسلمان ترکوں کی خبروں کیلئے گلی گلی کوچے کوچے اُسی طرح پھر رہے ہیں جس طرح کہ بمبئی اور مدراس میں بھوکے روٹی کے لئے۔ اور اُن کی ہزیمت سے رنج اور اُن کی نصرت سے مسرت کرتے ہیں۔ یہ بات کس نے سکھائی ہے۔ کبھی کسی نے یہ قومی جوش پیدا کیا تھا۔ یہ سارا کام اسی پرچہ تہذیب الاخلاق کا ہے۔ جس وقت یہ قومی عزت وجوش وہمدردی کا چرچا مسلمانوں میں اس پرچہ نے پھیلایا تو ہمارے ہموطن بھائیوں ہندوؤں کو بھی اپنی قوم کا خیال پیدا ہوا اور اُنہوں نے مجلسیں اور جلسے ایسے جمانے شروع کئے کہ جس سے قوم کی بھلائی ہو۔ اول اُنہوں نے اپنے مجمعوں میں سید احمد خاں کی جے پکاری اور دہائی مچائی کہ ہائے ہم میں کوئی سید احمد خاں نہیں۔ چند روز کا عرصہ گذرا ہے کہ الہ آباد میں ایک بڑے لایق عالم وفاضل پنڈت نے یہ بیان کیا کہ ہم مسلمانوں سے دولت میں کہیں زیادہ ہیں۔ علم میں بہت بڑھ کر ہیں۔ تعداد میں اُن کو ہم سے کچھ نسبت نہیں۔ مگر ہائے افسوس صد افسوس ہم میں سید احمد خاں کوئی نہیں۔ ایک ہم میں کیا سید احمد خاں نہیں۔ اگر ہم بیس بھی ملیں تو بھی سید احمد خاں نہیں بن سکتے۔ اس بیان کو ایسی شدومد کی آواز سے اُنہوں نے ارشاد کیا تھا کہ اب تک اُس کی تاثیر ہمارے کانوں سے نہیں گئی۔ اب آپ بتلایئے کہ اس مجلس غیر اسلام میں کس چیز نے اس اعزاز کے ساتھ نام سید احمد خاں کا کہلایا سو وہ اسی پرچہ نے۔ سید کی تمام قومی ہمدردی کا اظہار اسی پرچہ کی بدولت ہوا ہے جو سچ بولتے ہیں اور سچ کو سمجھتے ہیں اُن کے سامنے یوں ہی اور جو جھوٹ بولتے ہیں اور سچ کو مشکل سے سمجھتے ہیں اُن کے سامنے قسم کھاکر میں یہ کہتا ہوں کہ قومی عزت۔ قومی ہمدردی۔ قومی محبت ومواسات کے خیالات جو ہندوستان میں لوگوں کے دلوں میں پیدا ہوئے ہیں وہ سید احمد خاں ہی کے اقوال اور افعال سے پیدا ہوئے ہیں۔ ان خیالات ہی کے پیدا ہونے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ شاید ہماری قوم کی فصل بہار آنے والی ہے +

سویم۔ نیچر (فطرت) کے مضامین جو اس پرچہ میں درج ہوئے اُن سے لوگوں نے جانا کہ ہاں

مضمون نگاری اس کا نام ہے۔ جو بیان کو دل کے اندر تاثیر کرنے کی قدرت رکھتا ہے وہ یہی ہے۔ انسان کے خیالات کے مخرج کو اور اُن سے جو خوشیاں حاصل ہوتی ہیں اُنکے فرق کو بھی بتلاتا ہے۔ جذبات انسانی مصور بھی ہے۔ گو قافیہ سنجوں نے اپنی عادت کے موافق اوّل اوّل اُس کا قافیہ نیچر باندھ دیا تھا۔ مگر تھوڑے دنوں بعد وہ سمجھ گئے کہ جو کچھ ہے یہی ہے پھر تو وہ بھی نظم میں نیچر کے میدان میں قدم رکھنے لگے اور مضامین عشقیہ اور خیالیہ سے ہاتھ اٹھانے لگے۔ اس لفظ کو اوّل اوّل لوگوں نے اس پرچہ کی بدولت ہی سُنا تھا۔ اس لئے پہلے تو گھبرائے مگر جب سمجھے کہ وہ کیا ہے اور اس کے سبب سے بیان میں کیا شگفتگی اور تاثیر پیدا ہوتی ہے تو پھر قائل ہو گئے۔ اور اُن اپنی بیہودہ تحریروں کو چھوڑنے لگے کہ جن کے اندر دو صفحے کیا دو سطریں بھی نہ ہوتی تھیں۔ کہ ایک ان نیچرل (برخلاف فطرت) کوئی مضمون نہ ہو سینکڑوں آدمی ایسے ہو گئے ہیں۔ کہ ایسے مضامین سے اُن کو غثیان ہوتا ہے نوجوان تو کبھی اپنی طرز تحریر کو چھوڑیں گے لیکن بوڑھے مجبور ہیں۔ کہ وہ کیونکر اپنی خلاف وضع اختیار کریں اور وہ اختیار بھی نہیں کر سکتے مجبور ہیں ۔

چہارم۔ باہمی ارتباط اور اتحاد اور ملاقات اور معاشرت میں جو برائیاں تھیں اُن کو بتایا اور سمجھایا کہ سچی محبت اور موانست کبھی پیدا نہیں ہو سکتی جبتک آپس میں ہمسری اور آزادی نہ ہو۔ پھر طریقہ آزاد خیالات بنانے کا بتلایا۔ اور عوام الناس میں اُس قوت کے پیدا کرنیکی تدبیریں بتائیں کہ جس سے وہ عمدہ کاموں کی قدر کر سکیں اور وہ دل اُس نے پیدا کر دیئے کہ جن کو قومی اتحاد کا شوق اور ترقی کا دَورہ زمانہ حال کے موافق دامنگیر ہو (مولوی مہدی علی اور مولوی فریدالدین اور مولوی سمیع اللہ خاں کو جو پہلے جانتے تھے اور اب جانتے ہیں میرے قول کی تصدیق کرینگے) اس کے سوا جو اُس نے بڑا کام کیا وہ یہ ہے کہ اہل اسلام کا جو طریقہ حکام کے ساتھ ملنے جلنے کا منافقانہ تھا اُس کی بیخ کنی میں جہاں تک ممکن تھا کوشش کی۔ قاعدہ ہے کہ جب ایک قوم دوسری قوم کی محکوم ہو جاتی ہے تو محکوم قوم کی عزت اور آبرو اُسی قدر بڑھتی جاتی ہے جس قدر کہ وہ شایستگی میں علم و فضل و لیاقت میں حاکم قوم کے ساتھ مماثلت اور متشابہت پیدا کرتا ہے اور اتنی ہی ذلت بڑھتی جاتی ہے جتنی کہ وہ مباینت کرتا ہے۔ مسلمانوں نے کائیتوں کی کیوں قدر کی؟ اسی سبب سے پس مسلمان جس قدر کہ ان باتوں میں انگریزوں کی تقلید کرینگے اُسی قدر عزت اور آبرو حاصل کرینگے کیونکہ تقلید ایک سچی خوشامد ہوتی ہے جو سب کو پسند آتی ہے۔ اور جتنا حاکموں سے منافقانہ برتاؤ کرینگے اور اُن کی سی لیاقت نہ پیدا کرینگے اپنی عزت کھوئینگے اور خاک مذلت پر لوٹیں گے اور دین و دنیا کو دونوں رو بیٹھیں گے۔ جب اہل اسلام کے دو فقرے

حاکموں کے کانوں تک پہنچتے ہیں - کہ کافروں کے ساتھ موالات لسانی چاہیئے اور موانست قلبی نہیں چاہیئے
تو اُن کو یقین ہو جاتا ہے - کہ کوئی سچا مسلمان ہمارا ہوا خواہ نہیں ہو سکتا ہے - پس جب حاکم کا یہ
خیال محکوم کی نسبت ہو تو کیسا اُس کے حق میں مضر ہے - مگر الحمد للہ کہ سید احمد خاں کی تحریروں نے
بہت سے مسلمانوں کے دل سے ان نفاق آمیز باتوں کو دور کیا اور حکام کو بھی سمجھایا کہ یہ نفاق مذہب
اسلام میں داخل نہیں ہے +

پنجم - اُس نے تمام زمانہ گذشتہ کی سرگذشتوں کو خوب دکھلایا اور حال کی حالتِ بد کو بتلا کر شرمندہ
کیا اور استقبال کی بہبودی و بہتری سے دل و جان کو تقویت دی - اُس نے تمام اہل اسلام کی برائیوں کو
نہایت سچی محبت اور دلسوزی اور پیار سے بیان کر دیا اور سمجھا دیا کہ جو محب اسلام اپنی محبت قلبی کے سبب سے
عیوب اہل اسلام کو چھپاتے ہیں اور ظاہر کرنیوالوں سے ہشت مشت کرنے کو تیار ہوتے ہیں وہ ایسے زخم کو
نہاں کرتے ہیں کہ جو آیندہ ناسور بن جائیگا - اور خاک میں پنہاں کر دیگا یہ محبت ایسی نادان ماؤں کی ہے
کہ جو اپنے بچوں کی برائیاں چھپا چھپا کر اُن کو بدمعاش بنا دیا کرتی ہیں اور پھر آپ ہی روتی ہیں - غرض کہ
اُس نے سب امراض اہل اسلام اور اُنکے علاج حکیمانہ بتلا دیئے +

ششم - جب تہذیب قومی کے مضامین لکھے ناگزیر مسائل مذہبی کی بحث آن پڑی اور مجبوری اُن سے
گریز نہ ہو سکی - ان بحثوں کو اُس نے نہایت خوبی اور بردباری اور عجیب و غریب مذاق سے نباہا - جو بحث کہ
طوالت کے سبب سے بے لطف ہونے لگی اُسے چھوڑ دیا +

ہفتم - شایستہ اور مہذب قوموں میں بعض اکابر علماء اور حکماء کی خواہ تعصب کے سبب سے یا غلطی رائے
کے سبب سے یہ رائے ہے کہ اسلام ایسا مذہب ہے کہ اہل اسلام میں اُس کے سبب سے اعلےٰ درجہ کی شایستگی
پیدا ہو سکتی تھی - پھر جس جوانمردی اور عمدہ دلائل سے اس نے ان بڑے بڑے لایق آدمیوں کی دلیلوں
کو رد کیا ہے اُس کی تعریف میں نہیں کر سکتا +

ہشتم - مسلمانوں کی بڑی بدنصیبی اور کمبختی تھی کہ اُن کے دلوں میں انگریزی زبان اور علم کی تحصیل سے
وحشت ایسی بیٹھ گئی تھی کہ وہ کوسوں اُن سے بھاگتے تھے اپنے علوم اور زبان کی تعصب کی جڑیں ایسی
مضبوطی سے اُن کے ذہنوں میں پھیل گئی تھیں کہ اُن کا اُکھاڑنا آسان کام نہ تھا مگر الحمد للہ کہ اس کام
میں یہ پرچہ ایسا کامیاب ہوا کہ کسی اور کام میں نہیں ہوا اُس نے پشاور سے لیکر راس کماری تک سارے
ہندوستان کے مسلمانوں کے دلوں سے اس وحشت اور تعصب کا بالکل استیصال کر دیا +

پس اب میں اس امر پر اپنے مضمون کا خاتمہ کرتا ہوں کہ یہ ایک مخزن اور ذخیرہ اردو زبان کے

علم ادب میں ایسا ہے کہ اُس کے مضامین قسم وار جدا جدا ہو کر چھاپے جائیں اور تمام ہندوستان کے درس اور تدریس میں جاری ہوں اور ان مضامین کو قسم وار تقسیم کرنیوالا اپنے اوپر یہ امر واجب اور فرض جانے کہ ایک دیباچہ ان مضامین کے اوّل لکھے جس میں وہ یہ بات ثابت کرے کہ سید احمد خاں بانی تہذیب الاخلاق مذہب اسلام میں مجتہد اور امام ہے اور دنیا کے کاموں میں دانشمند اور فرزانہ دور اندیش ہے علم حکمت میں حکیم ہے علم اخلاق میں موریلسٹ (علم اخلاق کا جاننے والا) ہے اور قدرتی علوم میں نیچرلسٹ (عالم علم قدرت) ہے زبان دانی میں ایک نئی اُردو کا موجد ہے اس کی طرز تحریر جدید ہے اخلاق میں خوش طبعی اور خوش طبعی میں اخلاق اس طرح سے ملایا ہے کہ ایک گنوار سے لیکر عالم تک اُس سے لطف اُٹھاتا ہے۔ زبان کی وسعت دینے کے طریقے ایسے جانتا ہے کہ آج تک کوئی اُس کے برابر نہیں ہوُا۔ میر مومن ایک کمانی اور سودا اور میر قصاید اور مثنویاں لکھ گئے اگر اس عہد ان میں آن کر کھڑے ہوتے تو ضرور سید کے قدموں پر گرتے جس خوبصورتی سے انگریزی الفاظ کو اردو زبان میں ملایا ہے اُس سے زبان کو مرصع بنادیا ہے۔ یہ سارا مجموعہ اردو زبان کا شکسپیر اور بیگن کے ایس سے اُس نے بنادیا ہے۔ اُن سے دین و دنیا دونوں کا فائدہ اُٹھ سکتا ہے۔ روزمرہ کی گفتگو جو بُرے کلمات اور بدمحاورات اور ناپاک قسموں اور بُرے کوسنوں سے بھرے ہوئی تھی اُس کو درست کرتا ہے جن تعصبات اور خیالات بد کی خاک سے ہمارے دلوں کے چشمے اَٹے پڑے ہیں اُن کو نکوکاری کے پانی سے صاف کرتا ہے۔ اب خدا سے دعا ہے کہ جس مہربان قبلہ وکعبہ نے ہمارے لئے یہ سب کچھ کیا ہے دنیا میں خوش حال رہے اور جب تک اُس کی ساری دلی تمنائیں پوری ہوں ہمارے سر پہ زندہ رہے اور ہم کو بھی توفیق دے اور دل و دماغ کو ایسا بنادے کہ جو کچھ وہ ہماری دنیا و عقبےٰ کے لئے کرے اُس کو ویسا ہی سمجھیں۔ جیسا کہ ہم کو سمجھنا چاہئے۔

آمین ثم آمین

تمت

حسب ضابطہ رجسٹری شدہ ہے

الخطبات الاحمدیہ فی العرب والسیرۃ المحمدیہ

اس کتاب میں ایک دیباچہ اور بارہ خطبے شامل ہیں۔ دیباچہ میں یہ بحثیں ہیں: مذہب کیا چیز ہے؟ سچے مذہب کے پرکھنے کا سچا اصول کیا ہے؟ اسلام صحیح طور پر کن احکام کا مجموعہ ہے؟ ان کتابوں پر بحث جو مسلمان اور عیسائیوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے حالات پر لکھی ہیں۔ سر ولیم میور کی کتاب لائف آف محمد کا ذکر جسکے جواب میں کتاب لکھی گئی ہے + خطبہ اول عرب کا جغرافیہ، عرب کے قبائل اور سلاطین پر محققانہ بحث، لفظ سارا سن کی تحقیق، حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل کے حالات پر محققانہ بحثیں، حضرت ہاجرہ کی حیثیت پر بحث + خطبہ دوم عرب جاہلیت کی رسوم و عادات، بت پرستی حجر اسود اور خانہ کعبہ کا ذکر، حج زمانہ جاہلیت میں، رسوم ازدواج + خطبہ سوم عرب جاہلیت کے ادیان پر بحث نہایت تفصیل سے، اسلام کی مناسبت دیگر الہامی مذاہب سے + خطبہ چہارم اسلام انسان کیلئے رحمت اور تمام دنیا کے مذہب کی پشت پناہ ہے، اسلام انسانی تمدن کے موافق ہے، کثرت ازدواج، طلاق اور غلامی پر محققانہ بحثیں، یہودیوں اور عیسائیوں کے مذہب کو اسلام سے کیا فائدہ پہنچا + خطبہ پنجم مسلمانوں کی مذہبی کتابوں پر محققانہ بحث + خطبہ ششم مذہبی روایتوں کے معتبر اور غیر معتبر ہونے پر مطول بحث + خطبہ ہفتم قرآن مجید کی جمع و ترتیب اور نزول پر بحثیں + خطبہ ہشتم خانہ کعبہ کی مفصل تاریخ + خطبہ نہم آنحضرت کے نسب نامہ پر محققانہ بحث، شجرہ نسب آنحضرت مع شجرہ نسب مصنف کتاب + خطبہ دہم بشارات نسبت آنحضرت کے جو توریت و انجیل میں ہیں + خطبہ یازدہم واقعہ شق صدر اور معراج کی تحقیق + خطبہ دوازدہم جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے بارہ برس تک کے حالات + اس کتاب کے شروع میں مرحوم سید کی رنگین عکسی تصویر بھی ہے کتاب خوشخط اور اعلیٰ درجہ کے کاغذ پر طبع کیگئی ہے قیمت مجلد ۔۔ بلا جلد ۔۔ روپے ۲/

احکام طعام اہل کتاب

مسلمانوں کو یہود اور نصاریٰ کے ساتھ کھانا کھانے کے واسطے اسلامی احکام اس میں سرسید مرحوم نے نہایت معتبر احادیث اور قرآن پاک کی آیات جمع کرکے اس پر بحث کی ہے نہایت خوبی سے اس بات کو ثابت کیا ہے کہ قرآن پاک اور نبی عرب علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہمیں اس معاملہ میں کیا تعلیم دی ہے قیمت ۔۔ ۶/

سرسید کے آخری مضامین

یہ وہ عالی قدر اور مقدس مضامین ہیں جو سرسید مرحوم نے از ابتدائے یکم شوال ۱۳۱۴ھ لغایت ۱۵ ذیقعدہ ۱۳۱۵ھ تک نہایت دلسوزی کے ساتھ لکھے اور آخر مضمون لکھتے لکھتے ہی ہم سے دائمی مفارقت کرکے اپنے مالک حقیقی کی طرف تشریف لیگئے۔ راقم نے اس خیال سے کہ یہ گوہر بے بہا ضائع نہ ہوجاویں نہایت تلاش اور تجسس سے جمع کرکے طبع کرائے اور یہ مضامین اسی قوم کے نام نامی پر معنون کئے جسکے واسطے وہ جگر گوشہ بتول و آل رسول عمر بھر سر توڑ کوششیں کرتا رہا۔ وطن سے بے وطن ہوا۔ خویش و یگانے اپنے بیگانے کا ہدف تیر ملامت بنا۔ سختیاں سہتا رہا۔ برے بول سنتا رہا۔ کبھی سودائی بنا کبھی مجنوں۔ پر حرف شکایت لب تک نہ لایا۔ کہا تو یہی کہ رب ارنی اھد قومی انھم لا یعلمون۔ قوم کی یاد میں جیا، قوم کی دھن میں مرا۔ اور حب قومی کے شغف میں فنا فی القوم کے درجے کو پہنچا۔ اب میں دیکھتا ہوں کہ وہ قوم اس محسن کی کہاں تک قدر کرتی ہے قیمت ۔۔۔ عہ/

الدعاء والاستجابۃ

اس رسالہ میں دعا اور اسکے مقبول ہونے کی حقیقت بیان کیگئی ہے اور قرآن شریف کے تمام دعائیں یکجا جمع کردیئی ہیں۔ اور نہایت محققانہ بحث ہے + قیمت ۲/

اسباب بغاوت ہند

غدر ۱۸۵۷ء کے متعلق سرسید احمد خاں صاحب کی پہلی تصنیف + قیمت ۔۔ ۱/

خلق الانسان

نئے فلسفہ والوں نے انسان کی پیدائش کے متعلق آجکل کی نئی تحقیقات سے یہ ثابت کیا ہے کہ انسان کیڑے سے پیدا ہوتا ہے لیکن آج سے تیرہ سو برس پہلے مسلمانوں کی پاک کتاب اس بات کو دنیا پر روشن کرچکی ہے۔ اسی مضمون کو سرسید نے قرآن سے لیکر نہایت توضیح کے ساتھ لکھا ہے اور نئے فلسفہ والوں کا خوب حساب لیا ہے اس کا مطالعہ ہر فرد بشر کے لئے ضروری ہے + قیمت ۔۔۔ ۲/

ترقیم فی قصۃ اصحاب الکہف والرقیم

اس رسالہ میں اصحاب کہف کے قصہ پر جو قرآن مجید میں ہے نہایت متانت اور سنجیدگی سے محققانہ بحث کی گئی ہے + قیمت ۔۔۔ ۵/

لکچر اسلام

سرسید احمد خاں صاحب کا لکچر عقاید اسلام کی نسبت + قیمت ۔۔۔ ۱/

ازالۃ الغین عن ذکر ذوالقرنین

سکندر و ذوالقرنین کے حالات کے متعلق اور یاجوج ماجوج اور سد یاجوج ماجوج اور سد کے حالات جو اگلی تاریخوں میں ہیں اور ذکر تاریخ چین، چنگیز کی کرن اور بنائے دیوار وغیرہ وغیرہ کے متعلق ہے۔ سرسید احمد خاں صاحب نے قرآن سے یہ مضمون لیکر نہایت ہی صحیح حالات لکھے ہیں اس کتاب کے متن میں آیات قرآنی اردو ترجمہ مع ازدیاد مصنف کے ہے اور حاشیہ پر تفسیر کبیر عربی ہے + قیمت ۔۔۔ ۵/

النظر فی بعض مسائل الامام الہمام محمد الغزالی رحمۃ اللہ علیہ

اس میں آٹھ رسالے شامل ہیں جن میں امام محمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ کے بعض مضامین پر محققانہ بحث کیگئی ہے جو ان کی کتابوں "المضنون بہ علی غیر اہلہ" "المنقذ من الضلال" "الاقتصاد فی الاعتقاد" "التفرقۃ بین الاسلام والزندقۃ" وغیرہ سے لئے گئے ہیں۔ پہلے رسالہ میں خدا کی ذات پر بحث ہے، دوسرے رسالہ میں امام صاحب کی واردات قلبی کا بیان ہے، تیسرے رسالہ میں علم کے اقسام اور انکے علوم پر بحث کیگئی ہے، چوتھے رسالہ میں روح کی حقیقت پر بحث ہے، پانچویں رسالہ میں لوح و قلم کے معنوں کا بیان ہے، چھٹے صراط اور میزان کے معنوں پر بحث ہے، ساتویں رسالہ میں ملائکہ جن اور شیاطین کی حقیقت پر بحث ہے، آٹھویں رسالہ میں امام صاحب کے رسالہ "التفرقۃ بین الاسلام والزندقۃ" پر ریویو ہے، جس میں اس امر پر بحث کی گئی ہے کہ کن باتوں سے تکفیر ہوسکتی ہے اور کن باتوں سے نہیں + قیمت ۔۔۔ ۱/

الجن والجان علیٰ مافی القرآن

اس کتاب میں لفظ جن اور انس پر بحث کیگئی ہے کہ آیا قرآن شریف میں جو یہ لفظ استعمال ہوئے ہیں اُن کیا معنی دیے جانے چاہئیں۔ اس مضمون کے متعلق قرآن شریف کی تمام آیات جمع کر کے اور ہر ایک لفظ کے موقعہ بموقعہ جو استعمال صرف و نحو کی رو سے نہایت مدلل بحث کے بعد اصل حالات لکھے ہیں + قیمت ۔ ۔ ۔ ۔ ۵ر

فضائل الامام من رسائل حجۃ الاسلام

یعنی مکاتبات حضرت امام محمد الغزالی رحمۃ اللہ علیہ کے جو اُنکی وفات کے بعد امام صاحب کے چھوٹے بھائی امام احمد الغزالی نے جمع کیے اور جن کو سر سید مرحوم نے نہایت محنت اور کوشش سے ترتیب دیا اور صحت کے ساتھ مرتب کیا اور بعض مقامات پر نہایت دلچسپ بحث بھی کی ہے + قیمت ۔ ۔ ۔ ۔ ۸ر

تحریر فی اصول التفسیر

اس کتاب میں جناب نواب محسن الملک مولوی سید مہدی علی صاحب اور سر سید احمد خاں صاحب مرحوم کی خط و کتابت بابت تفسیر قرآن مجید سید احمد خاں ہے نواب صاحب کو جس جگہ شبہ ہے یا اُنہوں نے جائز نہیں سمجھا اعتراض کئے ہیں سر سید نے بھی تسلی کیلئے جواب لکھے ہیں اُنہوں نے پھر جواب الجواب لکھا ہے غرضیکہ عجیب سلسلہ بحث ہے اس کیساتھ سر سید احمد خاں نے مقاصد تفسیر لکھدیئے ہیں جس شخص نے سر سید کی تفسیر پڑھی ہے اس کا فرض ہے کہ اس رسالہ کا مزید مطالعہ کرے تاکہ تفسیر جن اصولوں پر ہے معلوم ہو جائے + قیمت ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۵ر

تہذیب الاخلاق جلد اوّل

یعنی عالیجناب نواب محسن الدولہ محسن الملک مولوی سید مہدی علی صاحب منیر نواز جنگ مصنف کتاب آیات بینات وغیرہ کے کل مضامین مندرجہ تہذیب الاخلاق گذشتہ ہفت سالہ ابتدائے ۱۲۸۷ھ لغایت ۱۲۹۳ ہجری یہ وہی مضامین ہیں جنہوں نے مسلمانوں میں اپنی صداقت سے ایک غیر معمولی ترقی کا جوش پھیلایا اور یہ وہی مضامین ہیں جن کی تلاش ایک مدت سے خیر خواہان قوم و ملک کو تھی مگر افسوس کہ اُن کو میسر نہ آئے۔ اب ہم نے نہایت کوشش سے بہم پہنچا کر شائع کر دیئے ہیں۔ بہت عمدہ ولایتی کاغذ پر چھپی ہوئی کتاب ہے۔ اور اس میں ۳۷ نہایت دلچسپ مضامین ہیں۔ اگر کوئی شخص اسلام سے واقفیت حاصل کرنی چاہے یا اردو انشا پردازی اور معلومات کا ذخیرہ جمع کرنا چاہے، تو اس سے بہتر اور کوئی کتاب اُس کو نہ ملیگی۔ ضخامت ۔۔ ۴۰۰ صفحے + قیمت ۔۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

تہذیب الاخلاق جلد دوم

عالیجناب آنریبل ڈاکٹر سر سید احمد خاں صاحب بہادر بالقابہ کے گذشتہ ہفت سالہ تہذیب الاخلاق کے مضامین جنکی قوم کو از حد ضرورت تھی از ابتدائے ۱۲۸۷ھ ہجری لغایت ۱۲۹۳ھ چھپکر تیار ہو گئے ہیں اسمیں سر سید کے وہ مضامین ہیں جنکو پڑھنے سے ایک قسم کی دلچسپی پیدا ہوتی ہے تعداد میں یہ مضامین ایککم سو ہیں اخلاقی اور تمدنی مضامین کا مخزن ہیں، اسلامی مسائل کی واقفیت حاصل کرنے کیلئے ایک کورس، مضامین نگاری کیلئے اتالیق، اردو لٹریچر کی جان، یہ وہی دلچسپ مضامین ہیں جنکی مقبولیت سے سر سید کو کامیابی ہوئی۔ یہ وہی چہچہاتے ہوئے آرٹیکل ہیں جنہوں نے سر سید کا بول بالا کیا، مسلمانوں کو خواب غفلت سے جگایا، اسلام اور اسلامی ہمدردی کا سبق دیا۔ ان مضامین کے پڑھنے سے آپکو معلوم ہوگا کہ اصلاح قوم میں سر سید کو کس قدر رکاوٹیں اور تکلیفیں پیش آئی ہیں مفصل حالات کتاب کے پڑھنے سے معلوم ہونگے اہل ملک کو عموماً اور اہل اسلام کو خصوصاً اس کتاب کے مطالعہ کی کیا سخت ضرورت ہے۔ یہ امر کتاب کے پڑھنے سے معلوم ہو جاویگا ایک ضخیم کتاب ۴۲۲ صفحے پر نہایت خوشخط اور عمدہ چھپ کر تیار ہے + قیمت ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ہے

تہذیب الاخلاق جلد سوم

یعنی عالیجناب نواب اعظم یار جنگ مولوی چراغ علی صاحب بہادر مرحوم کے جملہ مضامین مندرجہ تہذیب الاخلاق ہفت سالہ از ابتدائے ۱۲۸۷ھ لغایت ۱۲۹۳ھ مضامین کیا ہیں ایک گوہر بے بہا ہیں نواب صاحب مرحوم کی لیاقت اور تجربہ کو کون نہیں جانتا۔ تمام ہندوستان کے بڑے بڑے فلسفہ دان لوہا مان گئے ہیں آپ صرف عربی و انگریزی کے فاضل نہ تھے۔ بلکہ فرنچ۔ لیٹن۔ عبرانی اور سنسکرت سے بھی کماحقہ واقف تھے، آپنے اپنے مضامین میں یہ سب جگہ ظاہر کر دیا ہے کہ مسلمانوں میں ایسے اشخاص بھی موجود ہیں جو ہر زبان کے اشخاص کو اسلام سے واقف کر سکتے ہیں اور نہ واقفہی کر سکتے ہیں بلکہ سیکھا سکتے ہیں، ان مضامین میں اکثر جگہ مصنف مرحوم نے عبرانی اور انگریزی حروف میں حاشئے لکھے ہیں جو بجنسہ ہم نے چھاپ دیئے ہیں۔ نہایت عمدہ کتاب چھپ گئی ہے۔ اور مقبول عام ہوئی ہے + قیمت ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ عہر

تہذیب الاخلاق جلد چہارم

اس مجموعہ میں جناب مشتاق حسین صاحب انتصار جنگ جناب مولوی خواجہ الطاف حسین صاحب حالی جناب سید محمود صاحب جناب شمس العلماء مولانا مولوی ذکاءاللہ صاحب جناب خارقلیط اللہ صاحب کے تمام مضامین ہیں انکی تعریف صرف اسی قدر کافی ہے کہ تمام اہل ملک مندرجہ بالا اصحاب سے واقف ہیں اور انکی تصنیفات کو خریدتے ہیں، تمام اہل ملک ان لوگوں کے رتبہ اور قدر و جاہ و منزلت و فضیلت سے بخوبی واقف ہیں مضامین کیا ہیں ایک چلتا جادو ہے جو دلوں کو تسخیر کئے لیتا ہے اس مجموعہ کے چھپ جانے سے تہذیب الاخلاق کی چاروں جلدیں ہفت سالہ مکمل ہو گئیں۔ نہایت عمدہ کاغذ اور خوشخط + قیمت ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۱۲ر

المشتہران

ملک فضل الدین ملک چنن الدین ملک تاج الدین کتب فروشان تاجران کتب منزل نقشبند کوچہ کگے زئیاں لاہور بیرون بازار کشمیری

نولکشور پریس لاہور میں چھپی